جلد نمبر ۵ رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۶۳ جنوری تا دسمبر ۱۹۱۰ء

جلد ۵ نمبر ۱

[illegible]

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ عوام سے (عہ) دو روپیہ اور طلباء سے (عیہ) ایک روپیہ آٹھ آنہ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء — مطابق محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

فہرست مضامین

باہتمام حافظ عبدالرحیم صاحب منیجر ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۰ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

مندرجہ ذیل کتب ہمارے دفتر سے طلب فرماویں

البرق یہ کتاب دفتر ہذا میں ابھی آئی ہے جسکا اشتہار بطور ضمیمہ کسی گذشتہ رسالہ میں آپ کو مل چکا ہے۔ یہ اصل قیمت یعنی ۸ر کو فروخت ہوتی ہے۔

اختیار الاسلام (میں مسلمان ہوگیا) مصنفہ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قیمت حصہ دوم ۶ر حصہ سوم ۷ر

صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے مصنفہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب بجواب اعتراضات مخالفین سلسلہ بروفات حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام جسکو حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح اور دیگر احمدی بزرگان نے بہت پسند فرمایا ہے یہ کتاب رسالہ ہذا کے سائز چھپی ہے۔ حجم ڈیڑھ سو صفحے سے زائد ہے۔ کاغذ عمدہ چکنا لگا ہوا لکھائی چھپائی بہت عمدہ ہے۔ قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے صرف ۸ر رہے۔ جو کہ اصل لاگت سے بھی کم ہے۔

سردار مہر سنگھ کا لیکچر معہ باوا نانک صاحب کا مسلمان ہونا مصنفہ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قیمت فی کتاب صرف ۱ر

معیار حق یا سچے مذہب کی شناخت ۔ انعامی دس ہزار قیمت صرف ۲ر

اسلام کی پہلی کتاب یہ کتاب بچوں کے لئے بہت ہی مفید ہے قیمت ۱ر

المشتہر

مینجر رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختلف نوٹ

خطرناک غداری کسی پچھلے پرچہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ کسی شریر آدمی نے جناب ویسرائے صاحب بہادر پر بم کا گولہ پھینکنے کی کوشش کی مگر خدا کے فضل سے ناکام رہا۔ ابھی یہ بات لوگوں کے خیالات سے اتری نہ تھی کہ ایک اور واردات خطرناک غداری کی وقوع میں آئی ہے۔ اور وہ مسٹر جیکسن صاحب ڈپٹی کمشنر ناسک کا قتل ہے۔ آپ اپنے ضلع کے ایک نیک نام افسر تھے۔ اور اب پنشن پر واپس جا رہے تھے۔ ایک دعوت سے جو انہیں کی رخصت پر دی گئی تھی۔ واپس آ رہے تھے کہ کسی محسن کش نے آپ پر متواتر دو فائر کئے۔ جن سے تھوڑی ہی دیر میں فوت ہو گئے۔ افسوس کہ شرارت بڑھتے بڑھتے کہاں تک پہنچی ہے۔ گورنمنٹ کے احسانات کو دیکھتے ہوئے اس غداری سے اور بھی غداری پیدا ہوتی ہے۔ کیا وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ معمولی انسانیت سے بھی خالی ہو گئے۔ کیا جو لوگ انسانیت کو چھوڑ کر درندگی کی حرکتوں پر اتر آتے ہیں۔ اس قابل ہیں کہ حکومت انکے ہاتھوں میں دی جائے ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔

پٹیالہ سڈیشن کیس سڈیشن کا ایک نتیجہ یعنی مسٹر جیکسن کا قتل تو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی پٹیالہ سڈیشن کیس بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں پٹیالہ کی ریاست میں چالیس سے کچھ اوپر آریہ سماج کے ممبر پکڑے گئے ہیں۔ اور ان پر الزام ہے کہ انکی کوشش تھی کہ انگریزی علاقہ میں بد نظمی پھیلائیں۔ اور حضور قیصر ہند اور

مہاراجہ پٹیالہ کے برخلاف لوگوں میں جوش پیدا کریں۔ مسٹر گرے نے جو سکرٹری وکیل میں بڑے زور شور سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آریہ سماج ایک پولٹیکل باڈی ہے۔ اور مذہب کا صرف پردہ ہے۔ اور انہوں نے بتایا ہے۔ کہ کس طرح سماج کے لیکچراروں نے۔ اور مصنفوں نے غیر مذاہب کے پیشواؤں پر کس دریدہ دہنی سے حملے کئے ہیں۔ اور کس طرح ملک میں بے دینی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ بات ایسی نہیں کہ جسکا انکار ہو سکے جن لوگوں نے سری کرشن اور رامچندر وغیرہ بزرگوں کو جو خود ان کے ہی بڑے تھے۔ برا بھلا کہا۔ وہ دوسروں کو ستانے سے کب باز رہ سکتے ہیں۔ افسوس اگر حضرت مسیح موعود کی نصیحت پر عمل کیا جاتا اور اس دریدہ دہنی سے کام نہ لیا جاتا۔ تو یہ نوبت کیوں پہنچتی کاش اب بھی اپنا رویہ آریہ سماج بدل دے۔ اور حلم اور نرمی کے ساتھ مذاہب کا مقابلہ کرے اور اس کے ممبر پولٹیکل مجالس سے کنارہ کریں۔ تو شائد اب بھی بہت کچھ اصلاح ہو جائے ٭

ضرورت امام

خدا تعالےٰ کے سب کام حکمت سے ہی ہوتے ہیں اور ان میں عظیم الشان حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ لوگ سمجھتے نہیں۔ مگر یہ ان کی عقلوں کا قصور ہوتا ہے۔ انبیاء کے آنے اور اولیاء کے مبعوث ہونے اور ماموریں کے بھیجے جانے کی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک حجت پوری کرنا ہے یعنے جب لوگوں میں ایک نمونہ قائم کرکے بتا دیتے ہیں۔ کہ دیکھو شریعت پر یوں عمل ہو سکتا ہے۔ اور نشانات اور آیات سے حجت پوری کر دیتے ہیں۔ تو شریر کاروں اور گنہگاروں پر عذاب الہی نازل ہوتا ہے۔ اس وقت جو زمانہ کی حالت ہے۔ وہ سب پر ظاہر ہے کہ ایک مامور کو چاہتی ہے۔ پھر بھی حضرت مسیح موعود کا انکار کرنا نہایت جہالت

ہے۔ اس وقت میں انگلستان کی موجودہ حالت کی نسبت ریویو آف ریویوز کے مشہور ایڈیٹر ڈبلیو ٹی سٹیڈ کی ایک رائے ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں یہ مشہور فاضل ایک نواب بیگم کی ایک کتاب پر جس میں کہ اس نے یورپ کے امرا کے ایسے حالات لکھے ہیں۔ کہ جنکو پڑھکر دل کانپ جاتا ہے۔ ریویو کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے۔ کہ "یہ لوگ شرارت کے پتلے ہیں۔ بدکاروں کی نسل وہ ایسی اولاد ہیں کہ جو غضب اور شہوت غور ہے۔ انہوں نے خدا کو ترک کر دیا ہے۔ اس لئے ان کے لئے بھی وہی حکم انتظار کر رہا ہے۔ کہ جو کہ یہودیوں کے نبی نے اپنے زمانہ کے مفسد امرا کیلئے پیشگوئی کے طور پر قبلا چھوڑا تھا۔ یعنے اس لئے دوزخ بڑھ گئی ہے۔ اور اس نے اپنا منہ بے حد کھول دیا ہے۔ اور انکی عزت انکی کثرت اور ان کی شان و شوکت اور وہ جو کہ اس میں عیش کرتے ہیں اس میں (دوزخ میں) ڈالے جائینگے" اس فقرہ کو نقل کرنیکے بعد پھر یورپ کے امرا کی طرف رجوع کرتے ہوئے مسٹر سٹیڈ کہتے ہیں۔ کہ "ان لوگوں سے فیصلے میں ڈھیل پڑتی گئی ہے۔ مگر کسکو علم ہے۔ کہ جزا سزا کا دن خدا کے غضب کا دن شاید قریب ہی ہو"

افسوس کہ مسٹر سٹیڈ کو یہ علم نہیں۔ کہ خدا کا مسیح مبعوث ہو چکا اور الٰہی عذاب اور آسمانی بلائیں دنیا پر اتر رہی ہیں۔ اور سزا جزا کا کام شروع ہو گیا ہے۔ بس مبارک ہے۔ وہ جو اپنی گرفتاری سے پہلے توبہ کرتا ہے۔

یاد حبیب

ذیل میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔ جو پہلے کہیں شائع نہیں ہوئے۔ امید ہے کہ ناظرین کے لئے یہ اشعار دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ (ایڈیٹر)

بگرفتند راہ مولے را	پشت پائے زند دنیا را
دل نزار آتش جہان برار	عمر خود صرف آن نگار بگذار
ہست دنیا رفیق غدار	تو بیار کے نہ کس یارت
بجائی کشید خدمت یار	کہ بہ پیری نمے شود این کار
کوری آمد نشان استدراج	غفلت از عیب نفس سوء مزاج
ترک دنیا بود تجلی کن	بیخ نفس شقی برار از بن
عاشق زار در بہ گفتار	سخن خود کشد بجانب یار
بے تو شوق گریستن دارم	اے خلیلین شغل زیستن دارم
بر زبان گفتگوئے زہد و عفاف	کار با جملہ برتر از جلاف
سالک اول بود تمامی کار	گاہ غرق و گہے شد بہ کنار

باز نادم شو و ز سستی ہین
عہد بند و برائے ہر آئین ہا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

ہم اور ہمارے فرائض

{سلسلہ کے لئے دیکھو
رسالہ تشحیذ الاذہان جلد نمبر}

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ - اے ایمان والو خدا کا کامل تقویٰ کرو اور وہ تقویٰ ایسا کامل ہو - کہ پھر اس سے بڑھکر کوئی نہ ہو سکے - مگر تم ذرا اپنے ایمانوں کو جانچ کر تو دیکھو - اور اپنے گریبانوں میں جھانک کر تو بتاؤ - کہ کیا تم نے خدا کو ایسا پہچانا ہے - جیسا کہ اسکی پہچان کا حق ہے؟ اور کیا تم ایسے متقی ہو - جیسا کہ اُس نے تمہیں بننے کے واسطے حکم دیا ہے - ایک کنسٹیبل کے دیکھتے ہوئے - کوئی شخص چوری نہ کریگا - شراب خانے میں جاتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ بھال لیگا - کہ اُسے واقف حال دیکھتا تو نہیں - ایک بازاری عورت کے ہاں جاتے ہوئے بڑا چوکس ہو کر جائیگا - کہ کسی دشمن کی اُسپر نظر نہ پڑ جائے - ایک پولیس

مجرم گورنمنٹ کے ملازم کا ہر طرح سے خیال رکھے گا۔ کہ مبادا کوئی اس کے حال سے آگاہی حاصل کرے۔ ایک بل میں جیسا سے یقین ہے۔ کہ ایک زہریلا سانپ بیٹھا ہے۔ کبھی جاکر انگلی نہ ڈالے گا۔ جلتے ہوئے انگاریکو کوئی اٹھانیکی جرأت نہ کریگا۔ اور ایسا کھانا جس میں اسے وہم ہے۔ کہ زہر کی ملونی ہے۔ ہرگز ہرگز نہ کھائے گا۔ یہ سب کچھ کیوں؟ اس واسطے کہ اسے یقین ہے۔ کہ ایسا کرنے میں اسکی ہلاکت ہے۔ عزت یا شہرت کو دھبہ لگتا ہے۔ جھوٹی عصمت یا پاکدامنی پر دھبہ آتا ہے۔ دوستوں میں ہم مجلسوں میں بدنامی کا اندیشہ ہے۔ یا گورنمنٹ کی گرفتاری کا خوف ہے۔

مگر خدا کو حاضر ناظر اور عالم الغیب مانتے ہوئے بھی سب کچھ کرتا ہے۔ اور اسکی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ اس کو خدا پر ایمان نہیں۔ اور ایک کانسٹیبل کے برابر بھی اسکے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ اُسے خدا پر ایمان ہی نہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ خدا پر بھی ایمان ہو اور اوس کی تمام صفات کاملہ کا بھی یقین ہو اور پھر گناہ بھی کرے جس طرح نور اور ظلمت جمع نہیں ہو سکتے۔ اسیطرح ایمان اور گناہ کبھی ایک دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

دیکھو ایک جنگ میں بعض صحابہؓ ذرا سی غفلت یا سستی کے باعث پیچھے رہ گئے تھے۔ اُن کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے۔ اور انکی دلی حالت کا نقشہ کھینچ کر بتایا ہے۔ ذرا اس پر غور تو کرو۔ اور اس سے عبرت پکڑو اور اپنے اور اُن کے ایمانوں کا موازنہ کرو۔ کیا تم اُنہی کے وارث اور جانشین ہونے کے مدعی ہو؟۔

اُن کے متعلق خدا بشارت دیتا ہے۔ کہ ضاقت علیہم الارض بما رحبت۔ یعنی انہوں نے اپنی اس کمزوری کا ایسا احساس کیا۔ کہ زمین اُنپر تنگ ہوگئی۔ اور اُن کو خدا کے سوا کوئی مفر اور جائے پناہ نظر نہ آیا اور وہ خدا کے لئے مر مٹے۔ تب جاکر خدا نے اُن کی اس معمولی سی غلطی کو معاف کیا۔

اُن میں سے ایک کا ذکر ہے۔ کہ وہ چونکہ بڑا معزز اور قوم کا سردار اور مانا ہوا آدمی تھا۔ ایک عیسائی بادشاہ نے اس کے متعلق یہ حالات سُن کر نیش زنی کا اچھا موقع پایا۔ اور اس کا رشتۂ ایمان پھاڑنے کے لئے اپنا دامِ تزویر یوں پھیلایا۔ کہ اپنے ایک ہوشیار ایلچی کو اس کے پاس ایک خط دیکر روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ آپ قوم کے اعلےٰ ہیں۔ آپکا خاندان عرب بھر میں آپ بجائے خود ایک نہایت قابلِ عزت اور واجب الاحترام بزرگ ہیں۔ مگر میں نے سنا ہے۔ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے آپ سے ایسا بُرا سلوک کیا ہے۔ اور آپکی شان اور عزت کا ذرا بھی پاس نہیں کیا لہٰذا آپ ہمارے ہاں آجاویں ہم ہر طرح سے آپکی عزت و عظمت کیواسطے حاضر دیتا رہیں۔

اللہ اللہ جائے غور اور مقام عبرت ہے۔ ایک طرف تو وہ مصیبت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بالکل الگ کردیا۔ کوئی دوست اُس سے کلام نہیں کرتا کوئی اسکی بات کا جواب تک نہیں دیتا۔ بیوی تک کو اس سے کلام کرنے کی اجازت نہیں۔ شجر و حجر اس سے مخاطب نہیں ہوتے۔ اور تنہا دیوانہ وار دن رات جنگل بیابان میں پھرتا ہے۔ روتا ہے۔ اور چلاتا ہے اور اوسکی اس حالت کیواسطے اسکا ایک بھی مونس غمگسار نہیں۔ دوسری

طرف ایسے ابتلا کے وقت میں ایک بادشاہ بلاتا ہے۔ اور غمگساری کیواسطے تیار ہے۔ عزت وعظمت جاہ ومال کے پکے وعدے کرتا ہے۔

کیسا نازک مقام اور کیسا مشکل امتحان تھا۔ مگر اس کا ایمان دیکھو کہ اس خط کا جواب اس نے اس بادشاہ کو کیا دیا۔ اس خط کا جواب یہہ تھا۔ کہ اس ایلچی کے سامنے اس خط کو ایک جلتے تنور مین ڈالدیا۔ اور ایلچی سے کہدیا۔ کہ جاؤ اپنے بادشاہ سے کہدو کہ تمہارے خط کا یہی جواب ہے ۵

اب اس زمانے میں ذرا تلاش تو کرو کہ ایسے مسلمان کہین ڈھونڈو سے ملتے ہین ؟۔

بات بات پر ایمان فروشیان ہو رہی ہیں۔ اور پیسے پیسے کیواسطے نقد ایمان فروخت کیا جا رہا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی بادشاہ کسی پر مہربان ہو کر اسے عزت وآبرو کے وعدے کرے۔ مین تو خیال کرتا ہوں کہ شائید ۸۰ فیصدی ایسے مسلمان ہونگے۔ کہ فوراً ایسے موقعہ پر دین ایمان ترک کرنیکے واسطے تیار ہو جاوین ۵

اصل بات یہہ ہے۔ کہ اگر انسان کامل تقوی رکھتا ہو اور خدا ہر وقت اسکے پیش نظر ہو۔ تو کوئی گناہ اسکے پاس نہین آ سکتا۔

بعض گناہ تو ایسے ہین۔ کہ ایمان تو ایک بڑی عظیم الشان چیز ہے۔ اگر انسان معمولی اخلاق بھی رکھتا ہو تو اس سے سرزد نہیں ہوتے۔ اور اسکا کانشنس اور ضمیر اسے خود ملزم کرتا ہے ۵ مثال کے طور پر ایک چور کو جو دوسرے کا مال چراتا ہے۔ اگر اس بات کا خیال ہو کہ اسکا اپنا مال چرایا جائیگا تو اسے کیسا رنج اور صدمہ ہوتا ہے۔ تو ہرگز چوری نہ کرے گا۔

ایک زانی اگر یہ خیال کرے کہ اس کی بھی لڑکی او ربہن ہے ۔ اور وہ بھی بیوی اور ماں رکھتا ہے ۔ اور ان سے کوئی ایسا برا سلوک کرے تو وہ اسکو کسطرح ناپسند کرے گا ۔ تو پھر دوسرے کی لڑکی بہن بیوی یا ماں سے یہ گناہ تو ایک ایسی قبیح چیز ہے ۔ کہ ایک صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان اسے ہرگز نہیں کر سکتا اور اگر گناہ کرتے وقت اس بات کو اپنی ذات پر وارد کر کے دیکھے ۔ تو میں خیال کرتا ہوں ۔ کہ منٹ تو کیا سیکنڈ میں تمام قسم کے گناہ کی انسان کے دل سے بیخ و بن کٹ جاتی ہے ۔ اور انسان ہمیشہ کیواسطے گناہ کی نجاست اور اسکی غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے +

مگر افسوس تو رونا اس بات پر آتا ہے ۔ کہ مسلمانوں نے ہدایت ہی ہے ۔ اور نہ تقوےٰ ان کے دل مسخ ہو گئے ہیں ۔ اور فطرت ان کی مر چکی ہے یہی باعث ہے کہ تو میت بھی نہیں رہی ۔ پھر فرماتا ہے ۔ کہ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ موت کا کوئی مقرر وقت نہیں ۔ اور نہ کسی کو علم دیا گیا ہے ۔ کہ کس منٹ میں اس کی جان اس قفس عنصری سے پرواز کر جاویگی مگر بہا ہیں اکثر ہیں ۔ کہ وہ اس خیال میں ہیں ۔ کہ ابھی تو بڑا وقت ہے ۔ بڑھاپے میں توبہ کر لیں گے ۔ اگر ایسا یقین ہوتا کہ خدا قادر ہے ۔ اور اسے اس بات کی کامل قدرت ہے ۔ کہ جب چاہے بلائے ۔ اور اس وقت نہ کوئی التجا پیش جائیگی ۔ اور نہ اس وقت کو کوئی پیچھے ہٹا سکیگا تو ایسا ہرگز نہ کرتے ۔ اور ہر وقت خدا کے حضور حاضر ہونے کیواسطے تیار و کمربستہ رہتے ۔ اور اپنے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کرتے رہتے ۔ اصل میں اس آیت کا منشا بھی یہی ہے ۔ کہ انسان کو چونکہ موت کا علم نہیں دیا گیا ۔ کہ کس وقت اور کس گھڑی وہ آجاویگی ۔ لہذا انسان ہر وقت اپنے تمام جوارح سے ہاتھ ۔ پاؤں ۔ کان ۔ ناک ۔ دل اور

دماغ سے ہر وقت خدا کا سچا فرمانبردار بنا رہے۔ اور کوئی لمحہ بھی سستی اور غفلت میں بسر نہ کرے۔ کیونکہ ممکن ہے۔ کہ اس حالت میں موت اسے آن دبوچے۔ جس طرح میدان جنگ میں سپاہی کو ہر وقت مسلح رہنا پڑتا ہے اسیطرح انسان کو بھی لازمی ہے۔ کہ شیطان کی جنگ اور نفس کی کید سے غافل اور بے پرواہ نہ ہو بلکہ ہر وقت مسلح رہے۔

مسلمان کے معنے ہی فرمانبردار کے ہیں۔ اور اس لفظ کا مطلب ہی یہی ہے۔ کہ انسان اپنی ساری طاقت اور سارے ارادوں کے ساتھ خدا کی طرف جھک جائے خدا کے آگے گردن ڈال دے۔ اور اسکی روح پانی کی طرح آستانہ الوہیت پر بہنے لگے۔ اس کا اپنا کچھ نہ ہو۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ جب تم میں یہ حالت پیدا ہو جاویگی تو تم پر خدا کی طرف سے یہ فضل نازل ہوگا۔ کہ تم ایک جماعت بن جاؤ گے ایمان۔ تقویٰ اور کامل فرمانبرداری کا لازمی نتیجہ اور انعام جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ پھر اس شخص کیساتھ ایک جماعت ہوتی ہو چنانچہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا سے پہلی آیت سے ربط میں غور کرے سے صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اب جب ایک جماعت ہوگئی تو آیت بالا میں اس جماعت کے مناسب حال احکام دیئے ہیں۔ کہ جب یہ انعام تم پر نازل ہو جائے۔ اور تم ایک جماعت ہو جاؤ تو پھر آپس میں اتفاق اور وحدت کی کوشش کرو۔ نفاق اور بے اتفاقی کو قریب تک نہ آنے دو کیونکہ یہ امور جماعت اور وحدت کے نتائج سے محروم رکھنے والے ہیں۔

میرا تو یقین ہے کہ صحابہ کا ایمان تو درکنار اگر تم میں ان کی عورتوں کا سا بھی ایمان ہو تو دنیا کا فتح کر لینا کچھ بڑی بات ہی نہیں۔ اور دنیا کے دل تو پہلے ہی سے تیار ہیں اور

خدا کی طرف سے ہی تحریکات شروع ہیں۔ بھلا غور تو کرو کیا کوئی اپنے آپکو گڑھے میں ڈالنا چاہتا ہے اور کیا کوئی جان بوجھکر زہر کا پیالہ پینا چاہتا ہو۔ کیا کوئی ایسے جنگل میں خود بخود اپنی خوشی سے جانا چاہتا ہے جہاں اسے یقین ہے کہ اسمیں ایک ببر کا آدم خور شیر موجود ہے؟ اگر کسی کو علم ہو جاوے کہ اس بل میں سانپ بیٹھا ہے۔ تو کیا وہ اس میں اپنی انگلی ڈالے گا؟ پس اس وقت اگر ہم دنیا پر ثابت کر دیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔ اور دنیا کو اپنے قول سے اپنے فعل سے دکھا دیں۔ کہ واقعی جو ہم کہتے ہیں۔ وہ خدا کی شناخت کا سچا ذریعہ ہے۔ باقی تمام ٹیڑھے راستے اور خوف ہلاکت سے خالی نہیں ہیں۔ اور اگر ہم اپنے نور ایمان کے ثمرات دنیا کو عملی رنگ میں چکھا دیں۔ اپنی امتیازی اور پاک زندگی سے دنیا کے دلوں کو فتح کر لیں اور صحیح براہین قاطعہ اور علم صحیح سے دنیا کو بتا دیں۔ کہ درحقیقت وہی سچی راہ ہے۔ جو ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ دنیا میں لائے۔ اور آپ نے جو فرمایا وہ واقعی سچ اور راست ہے۔ تو میں نہیں خیال کر سکتا کہ لوگ اسے رد کر دینگے جب اُن کو یہ ثابت ہو جاوے۔ کہ وہ ظلمت میں ہیں۔ اور ہم انکو نور پیش کرتے ہیں تو کیوں وہ ظلمت کو پیار کریں گے؟ اصل بات یہ ہے۔ کہ دنیا کا قصور نہیں بلکہ ہم خود مجرم ہیں کہ ہم نے کوشش کا حق ادا نہیں کیا۔ خدا کی امانت کو جو ہمارے پاس بھی تھی۔ اسکی قدر نہ کی اور لوگوں کو پہنچایا نہیں۔ پس بالیقین جانو کہ ملزم تم ہو نہ کہ دنیا کیا تم نے تبلیغ کا حق ادا کیا؟ کیا تم نے کسی پر قول سے حجت پوری کی؟ ہرگز نہیں۔

جو بات تم دنیا کو منوانی چاہتے ہو۔ پہلے تم خود تو اس پر عمل کر کے دکھاؤ۔ جو بات خود مسلمان اور پھر احمدی کہلا کر نہیں کرتے۔ اسکی اوروں سے کیونکر امید کر سکتے ہو۔ پہلے خود اپنی اصلاح کرو۔ اور ایسے بن جاؤ کہ تمہارے حرکات تمہارے

سکنت میں ہر وقت خدا تمہارے پیش نظر ہو حدیث میں وارد ہے۔ کہ کمال ایمان یہ ہے۔ کہ تم پر ایسی حالت وارد ہو جاوے۔ کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر ایسا بھی نہیں ہوا تو کم از کم یہ تو ہو۔ کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر تمہارا ایمان محفوظ نہیں۔ اور نہ کامل تقویٰ تم پر پیدا ہوا ہے۔ اور ایسا ایمان ہر وقت خطرے میں ہے۔ ایک دفعہ حضرت صاحب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے قوم کی نازک حالت سے دردمند ہو کر قومی خدمات کیواسطے قربانیاں کرنے کیواسطے فرمایا تھا۔ تو اس وقت غالباً چودہ یا پندرہ آدمیوں نے حضور کی خدمت میں اپنی زندگی وقف کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر افسوس وہ بھی وقتی تھا۔ کیونکہ بعد میں ہم نے اسکا عملی نتیجہ کوئی نہ دیکھا۔ اگر ان میں سے ایک دو نے ایسا کیا بھی تو کیا ہوا۔ صرف زبان سے کسی بات کیواسطے تیار ہو جانا کافی نہیں۔ مقصود یہی تھا کہ حضور ایسی زبانی لاف کی کچھ قدر ہوتی ہے جس کے ساتھ عملی کارروائی دلیل کے طور پر اس دعوے کی تصدیق نہ کرے۔ زبانی تو انسان ہزاروں دعوے کر سکتا ہے۔ اور لوگوں کو چند منٹ کے واسطے خوش بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے جیسا کہا اسکے مطابق کر کے کچھ نہیں دکھایا تو سب دعوے ہیچ ہیں۔

ان باتوں کے واسطے صحابہ کے نمونے دیکھو۔ انہوں نے جو کچھ کبھی کہا تو کیا اسے پورا کر کے دکھایا۔ گھاس کھائے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔ مگر قول کے کیسے پکے اور آن کے کیسے پورے نکلے۔ کیا تم میں کوئی ہے کہ اس قسم کا نمونہ دکھا سکے۔ اور اگر نہیں تو پھر جو کچھ تم نے کیا ہی نہیں اس کے انعام کے کیونکر مستحق ہو سکتے ہو؟ میں مانتا ہوں کہ ایک قلیل جماعت تم میں سے صحابہ کا نمونہ دکھا رہی ہے۔ مگر چند آدمی قوم کے قائمقام نہیں ہو سکتے۔

دیکھو ہمارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ میں کس طرح رہتے تھے ایسا

نے اس ۱۳۰۰ سال کے عرصہ میں کیا رنگ پکڑا ہوا تھا اور کیا ہو گئے۔ اس کیواسطے ذرا تاریخ کو سُن لو۔ اور دیکھو کہ اُن لوگوں نے کس طرح دنیا کو کنپا دیا۔ مگر یہاں کل ۱۳۰۰ کے خدا کا مرسل تیس برس سے بھی زیادہ عرصہ ہم میں رہا۔ پر ہم ہیں کہ قعر گمنامی میں پڑے ہیں کوئی جانتا بھی نہیں کہ ہم کون ہیں۔ اور ہم نے کرنا کیا ہے۔ اپنے فرض ہی سے غافل ہیں۔

ہم نے اب تک کیا کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ ایک مدرسہ ہے۔ یا میگزین۔ مگر ان میں بھی کوئی کامیابی نہیں۔ کوئی خاص امتیازی نشان نہیں۔

جنگ بدر میں دو نوجوان لڑکوں کا ایک قابل رشک نمونہ ہے۔ چودہ پندرہ سال کے دو نوجوان آنحضرت کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ میں ہمراہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ رسول اللہ فرماتے ہیں۔ کہ نہیں تمہارے جانے کی ضرورت نہیں۔ تم ابھی بچے ہو۔ اور نا تجربہ کار ہو۔ وہاں جنگ کا معاملہ ہے۔ اور جان کا کھیل۔ مگر وہ بھی حضور نبوی میں بصد ادب التماس کرتے ہیں کہ حضور ہمیں حضور کی ہمرکابی کا شوق ہے۔ ہمیں اجازت دی جاوے۔ آخر آپ نے اُن کے شوق اور اصرار پر انہیں اجازت دی۔ لکھا ہے۔ کہ وہ جنگ میں بڑی دلیری سے لڑے یہاں تک کہ ایک شہید ہوا۔ اور دوسرے کا ہاتھ کاٹا گیا دوسری طرف صحابہ کی عورتوں کی اور بھی نہایت عجیب اور قابل رشک نظیریں موجود ہیں۔ لکھا ہے کہ جنگ احد کے موقعہ پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑی اور وہ گونج کی طرح مدینہ پہنچی۔ تو عورتیں مدینہ سے روتی ہوئی نکل آئیں۔ ادھر سے ایک صحابی میدان جنگ سے مدینہ کو آ رہے تھے۔ ایک عورت اس سے یوں مخاطب ہوئی۔ کہ کیا رسول اللہ شہید ہو گئے؟ اس کے جواب میں وہ صحابی کہتا ہے۔ کہ تیرا خاوند جنگ میں مارا گیا۔ تو وہ پھر پوچھتی ہے۔ کہ

میں نے خاوند کی بابت نہیں پوچھا تو مجھے جلدی بتا کہ رسول اللہ تو زندہ ہیں اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ تیرا بھائی بھی مارا گیا۔ وہ پھر جھنجھلا کر پوچھتی ہے کہ میں نے بھائی کا نہیں پوچھا تو مجھے رسول اللہ کا حال بتا۔ تو پھر وہ کہتا ہے کہ تیرے بیٹے مارے گئے۔ وہ پھر کہتی ہے آنحضرت کی نسبت بتا کہ آپکا کیا حال ہے جسکے جواب میں صحابی نے کہا کہ ہاں آپ تو زندہ ہیں۔ مگر تیرے سارے رشتہ دار مارے گئے ہیں۔ وہ اسکے جواب میں کہتی ہے۔ الحمد اللہ مجھے آنحضرت کی زندگی میں کسی کے مر جانے کی پرواہ نہیں۔

اب ذرا غور کرو کہ کیا کسی کا ایسا ایمان ہے یا کوئی ہے۔ کہ ایسے ایمان کا دعویٰ بھی کر سکے جس قسم کی عورتوں میں یہ روح تھی وہ کیوں دنیا کی فاتح نہ ہوتی ایک طرف ہم ہیں کہ ایک پیسے کے نقصان پر مرتے ہیں اور انگلی کٹنے کے خوف سے بھی بھاگ اٹھتے ہیں۔ حضرت سعد بن وقاص جب ایران کیواسطے گئے تھے تو ایک بہادر عورت نے اپنے پانچ بیٹوں کو یہ کہکر رخصت کیا تھا کہ جب ہم کافر تھے۔ تو مسلمانوں کو ہم نے بڑے بڑے نقصان پہنچائے اس وقت میں تم کو اپنے دین کی حمایت کے واسطے بھیجتی ہوں۔ دیکھو بدنام نہ کرنا۔ اور دین کی راہ میں جان قربان کرنا۔ ان کے سردار کو قتل کرنا۔ خواہ لوٹ کر ایک بھی نہ آؤ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ اس جنگ میں وہ پانچوں سردار لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں سے چار تو رستے میں جاتے جاتے ہی شہید ہو گئے آخر پانچویں کی تلوار نے اس سردار کا کام تمام کیا۔

کیا آج کوئی عورت ہے۔ کہ ایسا نمونہ دکھا سکے اور دین کے واسطے ایسی قربانی پیش کر سکے؟ میں کہتا ہوں کہ عورتوں کو تو چھوڑ دو یہاں تو مرد بھی ان عورتوں کی گرد تک کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر ایک دو ہیں بھی تو وہ

النادر کالمعدوم ہیں۔ ابوسفیان کی بیوی ہندا ہیں نے حضرت حمزہ کے ایک
جنگ میں بجائے ناک کان کاٹ لئے تھے۔ اور اُن کا کلیجہ چبا گئی تھی مسلمان
ہوجانے کے بعد ایک جنگ کے موقعہ پر جب ابوسفیان معہ چند مسلمانوں
کے میدان جنگ سے پیچھے کو بھاگے تو وہ اور عورتوں کو ساتھ لیکر بڑہی اور کہا
کہ بھاگنے والے مردوں کو لاٹھیوں سے مارو۔ چنانچہ بعض بھگوڑوں کی
عورتوں نے لاٹھیوں سے خبر لی اور اُن کو شرم دلائی کہ مرد ہوکر بھاگتے
ہو آخر پھر لوٹ کر جنگ میں شریک ہوگئے ۔

پچھلے وقت کے مسلمانوں اور ان کی عورتوں و بچوں کے ایسے ایسے نمونوں
سے تو تاریخ بھری پڑی ہے مگر جبکہ اُن سے نصیحت نہ پکڑی جائے تو انکو
بیان سے کیا فائدہ۔ دیکھو حضرت ابراہیم کی قربانی کیوقت حضرت اسمٰعیل
کی عمر صرف آٹھ برس کی تھی۔ اور حضرت ابراہیم اسوقت ۹۲ برس کے تھے
یہہ انسانی عمر کا بالکل آخری حصہ تہا۔ اور آئیندہ بظاہر کوئی امید کسی اور اولاد
کی نہ ہوسکتی تھی مگر اُن کا ایمان دیکھو اور فرمانبرداری کو ذرا غور سے مطالعہ کرو
کہ ذرا سا اشارہ پاتے ہی جھٹ چھری لیکر بیٹے کو ذبح کرنے کے واسطے
تیار ہوگئے ہیں۔ وہ تو خیر خدا کے نبی تھے۔ اور ابوالانبیا اور خلیل خدا تھو
مگر اس آٹھ سالہ بچے کی فرمانبرداری کو دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں یَآ اَبَتِ افۡعَلۡ
مَا تُؤۡمَرُ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ۔ یعنے اے باپ آپکو جو خدا نے
حکم دیا ہے۔ اس کی تعمیل کیجئے۔ میں انشاءاللہ صابر ہی ثابت ہونگا
سبحان اللہ باپ تو خدا کا فرمانبردار تھا ہی۔ مگر بیٹا بھی کس پایہ کا انسان تھا۔
پس یاد رکھو اور دیکھہ رکھو کہ تمہارا سب بڑا فرض کمال ایمانی تقویٰ
اور قوت اطاعت کا پیدا کرنا ہے۔ میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو

آریہ ہیں کہ نیوگ جیسے گھنونے اور قابل شرم ننگ انسانی مسئلہ کو بھی بڑے فخر اور جرات سے پیش کرتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان ہیں کہ انہوں نے اعتراضات کی زد اور حملوں کے تیزوں سے بچنے کے واسطے آہستہ آہستہ اپنے مذہبی مسلمات کو بھی ترک کرنا شروع کر دیا ہے۔ بات نشے تجاب اور بدلتے ہوئے فلسفے کیساتھ مذہب کے تطابق کی کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت پہلو بدلتے ہیں۔ مگر کیا اسطرح سے اس روشن خیالی کے زمانہ میں تم کامیاب ہو سکو گے ہرگز نہیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم مذہب کو اصلی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرو۔ فلسفۂ یورپ کی طرح نت نئے رنگ اور حاشیے نہ چڑھاؤ اور اس پاک صورت میں جس میں ہمیں یہ پاک مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے۔ پیش کرو جس مذہب کو پیش کرتے ہوئے آنحضرت کو کوئی شرم نہ محسوس ہوئی۔ نہ تم سے بھی کوئی نہ ہو گا۔ تم اسکو پیش کرتے ہوئے پیش رو خدا کے احکام کے پہونچانے اور خدا کے دین کی تبلیغ کیواسطے دنیا میں نکلیں اور بھوک پیاس یا ننگی ہمیں روک نہ سکے۔ ہمیں ایک نور ملا ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ اس نور کو دنیا کے آگے پیش کریں اور خواہ پتھر پڑیں۔ مارے جائیں۔ مگر اپنے فرض کو ترک نہ کریں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم صحابہ کا نمونہ دکھا دیں۔ انکی عورتوں اور بچوں کا رنگ ہماری عورتوں اور بچوں میں پیدا ہو جاوے۔

دیکھو تم اپنے بھائی بیٹے یا کسی رشتہ دار کی بیماری کے وقت کیونکر اپنے آرام اور سکھ کو ترک کر دیتے ہو۔ ٹھنڈی راتوں کی گہری نیندیں کیونکر چھوڑ دیتے ہو۔ اپنا محنت سے کمایا ہوا عزیز مال کیونکر بے دریغ لٹاتے ہو۔ عطاروں پنساریوں ڈاکٹروں اور طبیبوں کے دروازوں پر کیونکر عاجزی و انکساری سے جاتے ہو۔ مگر باریں کیوں تم اپنے

اصل مقصد کو بھولے بیٹھے ہو۔ کیا تمہیں اسلام کی مصیبت اور اپنے پیارے دین کی حالت زار کا کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ وہ دشمنوں کے حملوں سے کیسا چور چور ہو رہا ہے اور کیونکر بیکسی اور بے بسی کی حالت میں بے یار و مددگار پڑا ہے۔ تمہاری حمیت کو عبرت کیا ہوئی۔ تم کیوں ایسے گئے گزرے ہو گئے ہو کہ اس مصیبت کا احساس بھی تم میں پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام مظلوم ہے۔ مگر تم آرام سے نرم نرم بچھونوں پر سوتے ہو۔ کیا یہی اسلام کی صداقت تم نے سمجھی ہے؟ اور کیا یہی تمہارے دلوں میں اس دین کی قدر و منزلت ہے جسکو تم نے قبول کیا ہے۔ افسوس۔

تمہارے دشمن۔ تمہارے خدا کے دشمن خدا کو اسلام کو قرآن کو اور تمہارے معصوم نبی کو گالیاں دیتے اعتراضات کے زہریلے تیروں کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ مگر کیا نہیں تمہارے دلوں میں ولولہ اٹھتا۔ وہ جھوٹ کی مدد کیواسطے دن رات جان و مال سے کوشاں ہیں۔ مگر تم صداقت کو اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے خاک میں ملا رہے ہو۔ وہ ظلمت کی حمایت میں جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ مگر تم نور کو اندھیری کوٹھڑی میں بند کر کے بیٹھ رہے ہو۔

کیوں تمہارے ایمان مردہ ہو گئے۔ اور کیوں تمہارے دل گندے ہو گئے ہیں۔ دیکھو خدا گندے دلوں میں کبھی نازل نہ ہوگا۔

کیا ایک بادشاہ کو تم ایک اندھیری اور گندی کوٹھڑی میں بلا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے۔ کہ خدا تمہارے ایسے گندے دلوں میں جلوہ گر ہو۔ اور وہ تمہاری دینی قربانی کو قبول کرے۔

خدا قدوس ہے۔ وہ پاکیزگی اور طہارت کو پسند کرتا ہے۔ پس خدا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اپنے دلوں کو پاک کرو۔ اور قلب سلیم

اور خاص عمل جو نور ایمان سے منور ہوں تیار کرو۔ اس کیواسطے تمہارے سامنے صحابہؓ کا نمونہ اور رسول اللہ کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔

لوگ اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ مگر تم باوجودیکہ تمہارے ہاتھ میں شمع ہے کسی کو نہیں بتاتے اور ہلاکت کے گڑھے میں گرتے ہوؤں کو نہیں بچاتے۔

یاد رکھو کہ جب تک تم اپنا اصل فرض پورے طور سے ادا نہ کرو گے۔ تم کسی علم کے مستحق نہیں ہو سکو گے۔ بلکہ ذلت والا بار اور بھی ترقی کریگا۔ کیونکہ تم پر اتمام حجت ہو چکی ہے۔

دیکھو میں نہیں بلکہ خدا کہتا ہے کہ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا الخ۔ یعنی جب تم پر ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا انعام نازل ہو کر تمہیں ایک قوم اور جماعت بنا دے تو پھر اس میں تفرقہ مت ڈالو ورنہ عذاب عظیم ہوگا۔

ماں باپ اور بھائی کے خوف سے انسان بعض کام سے رک جاتا ہے۔ ایک حاکم کا خوف اس کے بدن پر ایسا طاری ہوتا ہے۔ کہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتا تو پھر وہ تو احکم الحاکمین ہے۔ اس کے ارادہ کی جو مخالفت کریگا۔ اور جماعت میں پھوٹ اور اختلاف و تفرقہ ڈالیگا۔ تو اس کے واسطے عذاب عظیم ہوگا۔ خدا کا یہ فرمان کہ عذاب عظیم ہوگا۔ اس کا اندازہ انسان خود ہی کر سکتا ہے۔ جب معمولی اور جنس اور کمزور انسان کے عذاب اور گرفت کی ہم برداشت نہیں تو پھر خدا کا عذاب عظیم کیسا ہوگا؟

پس بڑے خوف کا مقام ہے۔ توبہ کرو۔ اور اصلاح کر لو۔ اور دنیا کو اپنا نور ایمان دکھا دو۔ کہ واقعی جس راہ پر تم چل رہے ہو۔ وہی خدا کی راہ اور اسکی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نفس پر ایک موت وارد کر لو۔ اور جب کہ سچائی کو تم نے سچائی سمجھ کر قبول

کیا ہے۔ تو اسکی حمایت تمہارا سب سے پہلا فرض ہے ۔

(عبدالرحمٰن قادیانی)

ریویو

ضرورت زمانہ اس کتاب کا گذشتہ پرچہ میں ریویو کیا گیا ہے یہ کتاب بگری کتاب کے ساتھ کے ۲۰ کاغذ کے دو سو صفحوں پر شائع ہوئی ہے یہ کتاب ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب قادیان ضلع گورداسپور سے مل سکتی ہے۔

الحق اس نام کا ہفتہ وار اخبار دہلی سے زیر ایڈیٹری حکیم ... صاحب کی نگرانی میں شروع ہوا ہے جسکے دو پرچے شائع ہو چکے ہیں۔ اس اخبار کا مقصد ہے۔ مخالفین اسلام کے عموماً و آریہ و ہندو کے خصوصاً اعتراضات کا مدلل جواب دینا۔ اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا۔ مسلمانوں میں باہمی اتحاد و اتفاق بڑھانا اور اختلافات مٹانا ہے۔ اور حسب موقعہ گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات کا اظہار کرنا۔

میرے خیال میں ابھی تک اس کے ماتحت جتنے بھی اخبار نکلیں تھوڑے ہیں۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے اخبار ضرور پڑھیں۔ جو مخالفین اسلام کے جواب میں ہو۔ قیمت عام سے سالانہ ۔ ششماہی ... محصول غیر مستطیع ... گورنمنٹ عالیہ سے ... والیان ملک ... حسب توفیق ہے۔

تمام درخواستیں برائے خریداری بنام حکیم ... صاحب ایڈیٹر و پروپرائیٹر ... کی ترا ہا بیرم خان - دہلی - ہوں۔

شدھی کی اصلی یہ کتاب دہلی کے مشہور و معروف مناظرہ مولوی قاسم علی صاحب کی تصنیف ہے۔ اسمیں انہوں نے دھرم پال - ڈی کی نام ایک انگریز اور ایک آسٹریلین لیڈی کے شدھ ہونے کی اصل کیفیت کہانی جو جنہیں آریوں نے بہت ... کیا تھا۔ اور یہ اسمیں دکھایا ہے کہ ... کی کتب مقدسہ میں غیر مذاہب والوں کو ہندو کرنے کے متعلق ... آیات ... پائی جاتی ہیں اس کتاب کی قیمت ۲ ہے۔ اور یہ کتاب میر قاسم علی صاحب ... احمدی ... کی منڈی ترا ہا بیرم خان سے مل سکتی ہے۔

کنبہ کو ملکر ایک ہی مکان میں رہنا بہتر ہے یا الگ الگ

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ تشریحی جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا۔ یعنے مخالفت مقابلہ کیا اور اسطرح وہ بڑے لوگوں کی ہدایت میں سدراہ ہوئے یا عوام انکو الٰہی رستہ سے روکا۔ انکو اس مقصد کے باعث عذاب پر عذاب ملیگا۔ ایک عذاب تو انکو یہہ ہوگا۔ کہ وہ سلسلہ الٰہیہ کی ترقی اور کامیابی کو دیکھکر جلینگے اور دوسرا یہہ ہوگا کہ انکی مخالفت کی کوششیں ناکام رہینگی اور وہ مقابلہ میں نقصان اٹھائینگے۔ ایکدن آتا ہے۔ کہ ہر پہلو سے مکمل طور پر فیصلہ کیا جائیگا۔ وہ فیصلہ جبر اور ظلم کا نہیں ہوگا۔ بلکہ انکو ملزم ثابت کیا جاویگا۔ ہم ہر امت میں سے انہی لوگوں میں سے ایک گواہ کھڑا کرینگے۔ اور ان سب کے اوپر تو گواہ ہوگا۔ یہہ شہید گواہی دینگے کہ ہم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا تھا۔ اور لوگوں نے باوجود پیغام الٰہی سننے کے انکار کر دیا تھا۔ اور ہم نے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تجھ پر یہہ کتاب نازل کی ہے۔ جسمیں جملہ ضروری اور مفید باتوں کا ذکر ہے۔ ہم نے اس مسئلہ کو بھی کافی طور پر بیان کر دیا ہے۔ یہہ کتاب ہدایت کیلئے ہے۔ جس کی پیروی سے رحمت ملتی ہے۔ اور اسکا ثبوت یہہ ہے کہ اللہ تعالے کے

حکم کے آگے سر تسلیم خم کرنے والوں کو بشارات ملتی ہیں۔

جناب پریزیڈنٹ صاحب اور حاضرین مجلس یہ آیات جو میں نے تلاوت کی ہیں۔ اور انکا قدرے تشریح کے ساتھ ترجمہ سنایا ہے۔ انہیں سے اسوقت میرا مطلب خود اس حصہ کو ہے۔ کہ قرآن مجید ایسی کمل کلام الٰہی ہے۔ کہ اس میں کل ضروری اور مفید باتوں کا ذکر ہے۔

میں نے آج تک کوئی کتاب یا رسالہ اس مضمون پر نہیں پڑھا کہ آیا ایک کنبہ کے مجموعہ افراد کو ملکر ایک ہی مکان میں رہنا بہتر ہے۔ یا الگ الگ۔ اور نہ ہی کبھی بحث کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر اول تو یہ مضمون ایسا ہے۔ کہ تقریباً ہر شخص کو اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ اور علاوہ اسکے ہر شخص کو بیرونی شہادت اپنے گرد و نواح سے ملسکتی ہے ہم یہی چونکہ عقل و قیاس کو ہدایت تجربہ اور مشاہدہ سے ملتی ہے۔ اس لئے کتابی علم کے بغیر بھی اس پر بخوبی رائے زنی ہو سکتی ہے۔ دوم میرا ایمان ہے کہ قرآن مجید میں جملہ ضروری اور مفید باتوں کا ذکر ہے جیسا کہ وہ خود مدعی بھی ہے۔ پھر چونکہ اس کتاب پاک نے انسان کی اخلاقی۔ تمدنی اور روحانی ہر نوع کی تربیت اور اصلاح کا ذمہ لیا ہے۔ اور یہ مسئلہ بھی ایک ضروری تمدن کا مسئلہ ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہمیں اسمیں اس کے متعلق احکام مل جائیں اور اگر ایسی صریح اور واضح احکام نہ ہوں تو ایسی تعلیم بعض دیگر مسائل کی نسبت ہو جس سے ہم مضمون زیر بحث کے متعلق تمسک کر سکیں۔ پس جہاں ایک طرف میری یہ کوشش ہوگی کہ عام تجربہ اور مشاہدہ یعنے عقل و قیاس کی بنا پر بحث کروں۔ دوسری طرف میں دکھاؤنگا کہ کلام اللہ کی رو سے فیصلہ کا نور کس جانب ہے۔ آیا اس طرف ہے۔ کہ کل اہل کنبہ کو ایک ہی جگہ باہم ملکر رہنا چاہئے۔ یا اس طرف ہے کہ الگ الگ رہنا بہتر ہے۔

پیشتر اس کے کہ میں سلسلہ بحث شروع کروں مناسب سمجھتا ہوں کہ

مضمون کے مفہوم کو ذرا واضح کروں میرے خیال میں الگ کنبہ کے ملکر رہنے سے مطلب ہے کہ والدین اور انکی اولاد خصوصاً نرینہ اولاد بالغ ہونے اور بیاہ شادی کے کے بعد یا صاحب اولاد ہونے کے بعد ایک ہی مکان میں یا انکے مختلف حصوں میں اس طرح رہیں کہ انکی کمائی و آمدنی اور خرچ اخراجات مشترکہ ہوں اور الگ الگ رہنے سے یہہ مطلب ہے کہ وہ علیحدہ ہیں اور اپنی خرچ و آمد کے خود ذمہ دار ہوں۔

یہہ ایک مسلم امر ہے کہ حکومت کا اثر رعایا پر بہت ہوتا ہے اور وہ قدرتی طور پر حاکم قوم کے رسم و رواج اور اوضاع و اطوار کے ماتحت آ جاتے ہیں۔ گو عام طور پر عقاید میں تغیر واقع نہیں ہوتا مگر تاہم اندر ہی اندر کچھ ایسا اثر ہوتا چلا ہے کہ وہ اسکو معلوم نہیں کر سکتے۔ اس ملک ہند میں جب مسلمانوں کی حکومت تھی تو آہستہ آہستہ ہندوؤں کی قطع وضع اہل اسلام کی سی ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کی طرح ڈاڑھی رکھنے لگ گئے تھے اور انہوں کا سا لباس اختیار کر لیا تھا یہی حال اب ہے۔ انگریزی حکومت میں خصوصاً تعلیم یافتہ گروہ کی قطع وضع اور طرز لباس میں بہت تغیر واقع ہو گیا ہے اور انہوں نے انگریزوں کیساتھ ایک مشابہت پیدا کر لی ہے مگر افسوس یہ ہے کہ بعض افراد مذہبی ناواقفیت کی وجہ سے مغربی سوسائٹی کے رسم و رواج اور تمدن کے اصولوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ میرے مد نظر اسوقت صرف مسلمان ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بہتوں میں اسوجہ سے کہ انہیں اپنے مذہب کا کافی واقفیت نہیں یہہ رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ مغربی تمدن اور اخلاق کے اصول اسلام سے بہتر ہیں۔ بہت سے مسائل اسلام میں ایسے ہیں کہ وہ موجودہ تہذیب کے خلاف ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ حقیقی طور پر انمیں اختلاف نہیں بلکہ وہ ایک محض لاعلمی ہے جسکی وجہ سے یہہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ انمیں اختلاف ہے۔ اور پھر مغربی تہذیب کے اصول کو ترجیح دیجاتی ہے۔ یہہ کبھی غور نہیں کیا جاتا۔ کہ پیشتر اس کے کہ ہم فیصلہ کریں کہ مغربی تعلیم بہتر ہے یہ معلوم کریں کہ

اسلام کی کیا تعلیم ہے۔ اور اس کے بعد دونو کا موازنہ کریں۔ یہ طریق غلط ہے۔ اور اس سے فائدہ کی امید نہیں ہو سکتی۔

مضمون زیر بحث بھی اسی قسم کا ایک مسئلہ ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایشیا میں عام طور پر ایک کنبہ کا ملکر رہنا پسند کیا جاتا ہے۔ اور یہ گویا ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اور اس میں اسلام بھی شامل ہے۔ مگر میں نے جہاں تک غور کیا ہے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی چیز کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کے دونو پہلو نہ ہوں یعنے اگر اس میں فوائد ہوں تو نقائص بھی ضرور ہوتے ہیں۔ اور نقائص ہوں تو فوائد بھی ضرور ہوتے ہیں۔ پس شرط عقل یہ ہے کہ اس پہلو کو اختیار کیا جائے جس میں فوائد زیادہ ہوں۔ علاوہ اس کے ہر مسئلہ کی بحث کیلئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ موجودہ حالات سوسائٹی اور تمدن کو مد نظر رکھا جائے۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ اگر ایک وقت اور ایک حالت میں ایک مسئلہ صحیح ہے۔ اور اسکی اتباع ضروری ہو۔ تو دوسرے وقت اور دوسرے حال میں وہ مضر ہو جاتا ہے۔ اور اسکو ترک کرنا پڑتا ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا ہے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ گو بعض حالات میں کنبہ کا ملکر رہنا ضروری اور اشد ضروری ہو مگر موجودہ تہذیب کے زمانہ میں یہ بہتر ہے کہ الگ الگ بود و باش کی جائے۔

ایسی سوسائٹی میں کہ خاندانوں میں کشمکش رہتی ہو۔ اور ایک دوسری کی ایذا دہی کے درپے رہتی ہیں کنبہ کا ملکر رہنا ضروری ہے۔ اس کا نظارہ ہمیں افریقہ کی وحشی اقوام میں اور بعض وقت ہندوستان کی ہسٹری اور دیگر قوموں میں ملتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے عناد اور دشمنی ہوتی ہے۔ اور وہ شب روز اسی تاک میں رہتی ہیں کہ موقعہ ملے تو انکا مال و اسباب لوٹا جائے اور انکو مارا اور قتل کیا جائے جہاں تک وہ انکو کوئی موقعہ تکلیف دینے کا ہاتھ سے جانے نہیں دیتے وہ ہاں وہ رات کو بھی شب خون کرتے ہیں اگر وہ الگ الگ ہیں تو انکو دشمن کی زد کا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے۔ پس وہ ایسی جگہ

میں بستے ہیں کہ انکی مجموعی جمعیت اور ایسی جمعیت کہ آپس میں تعلق شدید ہو۔ طاقتور ہو اس لئے انکو ملکر رہنا پڑتا ہے۔ یہی حالت یہاں بعض سرحدی مسلمانوں کی ہے صرف یہی نہیں کہ وہ انگریزی علاقہ میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات انمیں آپس میں خانہ جنگی رہتی ہے۔ اور میرے خیال میں یہی وجہ ہے انمیں بھی کنبوں کے ملکر رہنے کا رواج ہے۔ افریقہ کے بعض وحشی لوگ درختوں پر رہتے ہیں۔ اونچے اونچے درختوں کی شاخوں میں ایک جھونپڑی سی بنائی ہوئی ہوتی ہے۔ دن کے وقت وہ ایک سیڑھی لٹکائے رکھتے ہیں۔ اور کام کاج کرتے ہیں۔ مگر رات کو اوپر رہتے ہیں اور سیڑھی کو اٹھا لیتے ہیں یہاں سرحدی مقامات میں رواج ہے۔ کہ وہ رات کو کپڑے پہنکر سوتے ہیں۔ اس خیال سے کہ مبادا کوئی چور یا ڈاکو یا دشمن حملہ کرے تو جلدی مقابلہ کیلئے طیار ہو سکیں۔ بہر حال سوسائٹی کی یہہ وہ حالت ہے کہ خاندانوں کو باہم ملکر بود و باش رکھنے میں مجبور کرتی ہے۔

اس سے قدرے ترقی یافتہ حالت سوسائٹی کی وہ ہے کہ خاندانوں میں باہم خانہ جنگی تو نہیں ہوتی بلکہ امن کی صورت ہوتی ہے۔ مگر لوگوں کے ساز و سامان خورد و نوش پوشش و لباس سادہ ہوتے ہیں۔ ضروریات زندگی وسیع نہیں ہوتے اور ذرائع معاش بھی تھوڑے اور سادہ ہوتے ہیں۔ اسی حالت میں امیری و غریبی میں چنداں فرق نمایاں نہیں ہوتا۔ اور لوگ عموماً مساوی حالت رکھتے ہیں۔ انمیں حسد بغض اور رشک نہیں ہوتا۔ لوگوں کی طبیعتیں عیش پسند نہیں ہوتیں اور نہ انمیں شہوانی جذبات کا جوش ہوتا ہے۔ یہہ سوسائٹی ایک سادہ سوسائٹی ہوتی ہے۔ اور انمیں کچھ ایسے سامان کم ہوتے ہیں۔ کہ وہ الگ الگ رہ سکیں مگر علاوہ ازیں انکو باہم رہنے میں تکلیف محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ ملکر رہنے کو محبت اور تعلق کے قائم رہنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہہ سوسائٹی وہ ہے۔ کہ انمیں بڑی خاندان اور برادری سے باہر ملاقات کم ہوتی ہے

اور شہر یا گاؤں سے باہر تو شاذ و نادر ہی انکے تعلقات گہرے ہوتے ہیں۔ بیرونی تجارت برائے نام ہوتی ہے۔ اور وہ بھی محض چند ضروریات زندگی کے متعلق۔ غرض یہہ ایک سادہ حالت ہوتی ہے جسمیں حرص کم ہوتی ہے۔ لوگ معمولی ضروریات سے زیادہ طمع نہیں رکھتے۔ ان کے ہر قول و فعل میں اخلاص ہوتا ہے۔ اور قدرتی طور پر لوگ اکٹھا رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس سوسائٹی کا نقشہ آج سے بیس پچیس سال پہلے پنجاب کے بعض گاؤں میں دیکھنے میں آتا تھا۔ مگر یہہ حالت اب بدلتی جاتی ہے۔ اور لوگ موجودہ تہذیب کے رنگ میں آتے جاتے ہیں۔ اس سوسائٹی کی حالت کچھ عرصہ پہلے ایشیا میں عموماً کل ملکوں میں پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہان خاندانوں میں ملکر رہنے کا رواج زیادہ تھا۔ اور اسی وجہ سے یہہ خیال کیا گیا ہے۔ کہ کنبوں میں ملکر رہنے کا مسئلہ ایشیا ہی سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ سادگی کی حالت میں ہر سوسائٹی کا یہی حال ہوتا ہے۔ فرنگیوں کے جانے سے پہلے غالباً امریکہ میں بھی یہی رواج ہوگا۔ اور خود یورپ میں بھی موجودہ تہذیب کے نشو و نما سے پہلے ایک کنبے کے لوگ ملکر ایک ہی جگہ رہتے ہونگے۔ افسوس ہے کہ میں کسی کتاب کے ذریعہ تحقیقات نہیں کر سکا۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ غالباً ایسی حالت ہوگی۔ بغرض یہہ سوسائٹی کی دوسری حالت اور قدرے ترقی یافتہ حالت ہے۔ اور ایسی حالت میں یہہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کہ ملکر رہنا بہتر ہے۔ یا الگ الگ۔ کیونکہ لوگ عموماً ملکر رہنا پسند کرتے ہیں۔ اسکو ایک محبت و اتفاق قائم رکھنے کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ اور اس میں خوش ہوتے ہیں۔

ترقی کرتے کرتے سوسائٹی میں وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ جسکو تہذیب اور شائستگی سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہہ حالت کم و بیش فرق کیساتھ اب دنیا کے کل ملک میں پیدا ہوتی جاتی ہے اور ہندوستان میں بھی اس کا بہت سا اثر ہوا

ہے۔ اس سوسائٹی کے معاملات سادگی سے گزر کر پیچیدہ اور وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ تجارت پھیلتی ہے۔ یہاں تک کہ دیگر ممالک سے بھی تجارت شروع ہونے لگتی ہے۔ لوگوں میں آپس کے تعلقات وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ معاش کے ذرائع بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے خورد و نوش لباس میں رہنے کے مکانوں میں۔ دنیا کی رسم و رواج کی ادائیگی میں تکلف آ جاتا ہے۔ اور ایک قسم کی نمود پیدا ہو جاتی ہے۔ امارت و غربت میں فرق زیادہ ہو جاتا ہے۔ نفسانیت۔ طمع اور حرص بڑھ جاتی ہے۔ حسد و رشک داخل ہو جاتا ہے۔ اور باہم افراد و خاندانوں میں ایک مقابلہ آ پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں خاندانوں اور کنبوں کا مل کر رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوشش کی جائے تو اس میں فساد نکلتا ہے یہی حالت آج کل دنیا کی ہو رہی ہے۔ اور یہی حالت ہمارے یہاں ہندوستان اور پنجاب کے شہروں میں نظر آتی ہے۔ پھر میری رائے میں اب بھی رہائش مفید نہیں ہو سکتی اور الگ الگ رہنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔

ایک یہ امر بھی غور طلب ہے۔ کہ کسی چیز کی ادنیٰ حالت اس کی اعلیٰ حالت میں شامل نہیں ہوتی مگر اعلیٰ حالت میں ادنیٰ حالت ضرور شامل ہوتی ہے۔ مثلاً ابتدائی تعلیم میں الف بے سیکھنی پڑتی ہے۔ اور ترقی کر کے انسان دوسری تیسری جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب الف بے کی حالت میں دوسری تیسری جماعت کی بات کو شامل نہیں ہوتی مگر دوسری تیسری جماعت میں الف بے کی حالت ضرور شامل ہوتی ہے۔ اس اصول کی رو سے ضروری ہے۔ کہ جدید سوسائٹی کی حالت میں بعض خاندانوں کی یہ صورت ہو کہ انکو مجبوراً باہم مل کر رہنا پڑتا ہے۔ مثلاً سب افراد کی آمد قلیل سکی ہو۔ انکو علیحدہ مکانات میسر نہ ہوں۔ یا ان کو آپس میں محبت و اخلاص ہو اور وہ مل کر رہنا پسند کریں۔ یہ ان کا اختیاری معاملہ ہے۔ اور یہ ہرگز قطعی طور پر ضروری نہیں کہ وہ الگ الگ رہیں۔ مگر یہ حالتیں قاعدہ کلیہ میں بطور مستثنیٰ کے ہیں اور انکو

عام حکم میں نہیں لے سکتے۔

غرض ان استثنائی حالتوں کو چھوڑ کر اگر مجموعی طور پر جناب سائٹی پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے۔ کہ ایسی حالتوں میں کنبوں کا باہم ملکر رہنا اچھا نہیں۔ یہ کیوں کیا جا سکتا ہے کہ باہم ملکر رہنے سے اتحاد قائم رہتا ہے۔ اتفاق اور محبت کی صورت بنی رہتی ہے۔ اور ایک نوع کی تقویت ہوتی ہے۔ مگر جیسا میں پیشتر عرض کر چکا ہوں۔ جیسی سوسائٹی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کے تعلقات فوراً فوراً وسیع ہو جاتے ہیں۔ معاش کے ذریعہ بڑھ جاتے ہیں۔ مختلف قسم کے پیشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے کمانے پڑتے ہیں۔ رہائش کے مکانوں میں اور دنیاوی رسم و رواج کی ادائیگی میں تکلف پیدا ہو جاتا ہے۔ انہیں ایک طرح کی نمائش آ جاتی ہے۔ اور شخص فرداً فرداً ایک دوسرے سے بڑھنا چاہتے ہیں۔ اور ایک مقابلہ پڑتا ہے۔ وہ یہ بھی رہائش کی بندشوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں۔ پس اگر وہ الگ الگ نہ رہیں۔ اور اپنی آمدنی اور خرچ کے خود ذمہ دار نہ ہوں تو انہیں نفاق پڑ جاتا ہے۔ اور پھر باہمی جھگڑے اور فساد کی نوبت پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے عام طور پر دیکھا ہوگا۔ کہ آجکل آپس میں بھائیوں بھائیوں میں اور اولاد و والدین میں مخالفت ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات اسکا نتیجہ باہمی دشمنی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں پہلو سائٹی کا کچھ ایسا رشتہ ہے کہ شاذ و نادر ہی ان میں اکٹھے رہنے سے اتفاق قائم رہ سکتا ہے لڑکے کو ایک طرف والدین کا ادب اور لحاظ اور عظمت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بیوی سے محبت اور ہمدردی ہوتی ہے۔ پس جب انہیں نفاق کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ تو اسکو رنج ہوتا ہے۔ اور سخت آشوبش ہوتی ہے کہ کیا کرے۔ بہر حالت ایک پہلو کو رگڑنا پڑتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ کہ بیوی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ سسرال خواہ لڑکی سے کیا ہی سلوک کریں۔ میں والدین کی محبت کا رنگ ہرگز

نہیں آ سکتی اور ویسا ہی لڑکی خواہ کتنی ہی خدمت کرے اور اہل کنبہ کو خوش رکھنا چاہے مگر اسکو وہ قبولیت نہیں مل سکتی جو حقیقی اولاد کو ہوتی ہے پس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔

علاوہ اس کے میاں بیوی کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ بہت سی باتوں میں نہیں والدین اور بہن بھائیوں کے سامنے رکاوٹ رہتی ہے ماں باپ کی عظمت کو قائم رکھنا اور بھائی بہنوں کا لحاظ رکھنا۔ اگر وہ اکٹھا رہیں۔ تو انہیں جذبات کو رکنا پڑتا ہے۔ اور تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے۔ معمولی بات چیت بھی بعض اوقات وہ کھلکر نہیں کر سکتے۔

غرض انسان ایک سوشیل ہستی ہے۔ اسکے کام دینی اور دنیوی ایک دوسرے پر انحصار کے بغیر نہیں چل سکتے۔ اس لئے انکو مجبوراً میل ملاپ کے تعلقات رکھنے پڑتے ہیں مگر یہ بدیہی بات ہو کہ جس قدر اسکے نزدیکی تعلقات مضبوط اور سچے ہیں۔ اسی قدر اسکو راحت خوشی زیادہ ہوتی ہے پس جبتک کہ ممکن ہے کہ اسکو اول ماں باپ سے پھر بھائی بہنوں سے اور اس کے بعد دیگر اقارب سے سلوک رکھنا اور رشتہ محبت اتحاد اور ہمدردی قائم رکھنا زیادہ ضروری ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ وہ انکو چھوڑ کر اغیار سے وہی طریق اختیار کرے۔ اور یہ بات مہذب سوسائٹی میں بہم ملکر ایک جگہ رہنے اور باہمی آمد و خرچ کو مشترک رکھنے کر پیدا نہیں ہو سکتی تو مناسب یہی ہے کہ وہ راستہ اختیار کیا جائے جس سے ان تعلقات میں رنجش پیدا نہ ہو کہ انسان کو کوشش کرنی چاہئے کہ باہم خاندان ملکر گذارہ کریں اور ایسی باتوں سے رکیں جن کو نفاق کی بنیاد پڑے۔ مگر طبائع مختلف پیدا ہوئی ہیں۔ اور انسانی استعدادوں میں بھی فرق ہے۔ اس لئے یہ مشکل ہے۔ کہ کل افراد کو کوشش کر کے مساوات پر قائم کیا جائے اتفاق اور مساوات کا ایسی سوسائٹی میں رہنا قدرتاً محال ہے۔ اور کوئی کسی سود مند

[illegible]

نہیں ہو سکتی پس اگر ہم خیالی طور پر متفق نہ بھی ہوں تو بھی عملاً ہمیں مجبوراً اسی اصول کی پابندی کرنی پڑتی ہے کہ جدا گانہ رہائش اختیار کریں یہ ایک قدرتی نتیجہ تہذیب سوسائٹی کا ہے۔ اگر ہم اسکی خلاف ورزی کریں گے۔ تو ضرور نقصان اٹھائیں گے۔

اس کے بعد میں دکھانا چاہتا ہوں کہ اسلامی تعلیم مسئلہ زیر بحث کے متعلق کیا ہے اور اتنا یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قوانین وقت اور قوم کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے۔ کہ جب سے اس نے سلسلہ انسانی شروع کیا ہے اسکے ساتھ ہی قوانین یعنے شریعت نازل فرمائی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں انسانکی پیدائش کب سے ہوئی۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کرنے پر فرمایا کہ آدم سے پہلے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ بے شمار آدم گذر چکے ہیں۔ اور قرآن شریف سے بھی اس کی تردید ثابت نہیں کہ اس سے پہلے نوع انسان نہیں تھی مگر قرآن شریف نے موجودہ سلسلہ انسانی کا ذکر ایک آدم سے کیا ہو۔ اور یہ عجیب ہے کہ تاریخی طور پر اس سے پہلے انسانی حالت کی کافی اور تشفی کرنیوالی شہادت نہیں ملتی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے بھی جنکو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ معتبر تاریخ نہیں ملتی حضرت نوح علیہ السلام کو قریباً پانچ ہزار سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کو چھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ گویا واقعی طور پر اسلام کے پاس سب سے پرانی تاریخ ہے کیسے کوئی لاکھوں اور کروڑوں سال کا دعویٰ کر سکتا ہو مگر تاریخی شہادت چھ ہزار سال سے پرے نہیں جاتی۔

ابتدائی حالت قدرتی تقاضا کے بموجب سادہ تھی اور انسان کو چند اور سادہ قوانین کی ضرورت تھی جو ان کو دے گئے مگر مرور زمانہ سے لوگ دنیا میں پھیلے اور چونکہ آمد و رفت کے سامان کافی نہیں تھے۔ اس لئے وہ قدرتی طور پر علیحدہ علیحدہ ہو گئے مگر اللہ تعالےٰ رب العالمین ہے۔ جیسے وہ ہر حالت میں جسم کی ربوبیت کرتا ہے اسی طرح وہ روح کی

پرورش کے سامان بھی مہیا کئے اور اسی طرف قرآن شریف میں اشارہ ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنے دنیا میں کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ایک نذیر نہ گذرا ہو۔ چنانچہ اس میں کثیر انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جو اپنی اپنی قوم کی طرف رسول کرکے بھیجے گئے۔ بلکہ اگر آپ توراۃ اور انجیل کو دیکھیں جو قدرے مستند کتابیں ہیں ان اسی لئے قرآن شریف نے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا ہے ورنہ مذکورہ اصول کے بموجب ضروری ہے کہ دنیا میں اور بھی کتابیں من جانب اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہوں۔ غرض اگر آپ توراۃ و انجیل کو دیکھیں تو ان میں بہت سے انبیاء کا ذکر ہے۔ وہ ایک خاص قوم کی طرف بھیجے گئے۔ مثلاً حضرت نوح۔ حضرت موسیٰ و حضرت عیسےٰ علیہم السلام قرآن شریف میں لکھا ہے کہ یہ اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے واضح طور پر بیان کیا۔ اور یہ موجودہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے۔ غرض ایک دور گذر گیا کہ قومیں الگ الگ پڑی رہیں اور انہیں خدا تعالےٰ کے ہادی اصلاح کیلئے مبعوث ہوتے رہے۔ مگر آخر منشاء الٰہی کے مطابق ایک زمانہ کی بنیاد پڑ گئی کہ مختلف قومیں مل گئیں ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات ہونے لگا۔ تعلقات بڑھ گئے اور پیچیدہ ہو گئے پس اس وقت جناب حضرت محمد مجتبےٰ احمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالےٰ نے ہدایت خلق کیلئے مبعوث فرمایا۔ اس پر جملہ نبوتوں کو ختم کر دیا اور کل شریعتوں کی ایک جامع شریعت عطا کی اور قیامت تک اسکی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اور وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا (۲) مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ الخ (۳) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

غرض اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ الخ

تعالیٰ نے دین کی تکمیل کر دی اور نعمت کا اتمام کر دیا اور لوگوں کیلئے دین اسلام پسند کیا پس اس کتاب پاک میں یعنی دنیا کی اخلاقی تمدنی اور روحانی تعلیم جمع کر دی چنانچہ اگر آپ دنیا کی مختلف کتابوں کا جو آسمان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں مقابلہ کر کے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن شریف نے جو ضروری امور کا بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے جسکا دوسری کتابوں میں پتہ نہیں ملتا۔ مگر گو نزول قرآن کے وقت ایک مذہب قوم کی بنیاد تو پڑ گئی تھی اور ضرورت آگئی تھی کہ جملہ مذاہب کو اکٹھا کر دیا جائے اور سب کے لئے ایک مشترکہ کتاب ہو چنانچہ عرب میں کل موجودہ مذاہب ہو گئے تھے مشرک بت پرست یہودی عیسائی مجوسی صابی وغیرہ وغیرہ اور شامت اعمال سے ہر قسم کی بدی بھی ظاہر ہو گئی تھی شراب زنا جوا جنگ جدال اور مختلف قسم کے عیوب ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا نقشہ ہو گیا تھا خشکی اور تری پر فساد برپا ہو گیا تھا یعنی اہل کتاب اور دوسرے دونوں بگڑ گئے تھے مگر یہ زمانہ بھی ایسا نہیں تھا کہ دین کی اشاعت کل دنیا میں ہو سکے۔ ڈاک تار اور کتابوں رسالوں اور اخباروں کا سلسلہ نہیں تھا اور نہ سفر کے سامان آسان تھے کہ لوگ دور دراز ملکوں میں تبلیغ کر سکیں اس کیلئے کوئی اور وقت مقرر تھا۔ چنانچہ مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ تکمیل اشاعت دین کی جسکا ذکر اس آیت میں ہے۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ وہ مہدی یعنی خلیفہ آخر الزمان کے ذریعہ ہوگی چنانچہ جو نقشہ اسوقت دنیا کا ہو رہا ہے کہ وہ بمنزلہ ایک شہر کے ہو رہی ہے۔ ڈاک تار ریل اور جہازوں کے ہونے سے اور کثرت کتب اخبارات اور رسالجات سے سفر آسان ہو رہا ہے اور دور دراز قطعات زمین میں آسانی اور بڑی جلدی سے اپنے خیالات کو پہنچا سکتے ہیں یہ حالت اس سے پیشتر کبھی واقع نہیں ہوئی۔

بہر حال قرآن شریف ایک مکمل کتاب ہے اور جملہ مفید اور ضروری باتوں کا اسمیں

ذکر ہے مضمون زیر بحث کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر
جسکا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اور اسکی شادی ہو
جائے اور اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے۔ تو اسکو الگ کرنا چاہئے قرآن شریف
میں اسکے متعلق صریح حکم نہیں دیا گیا۔ اسی وجہ سے حدیث کی ضرورت ہوئی مگر
بعض دیگر احکامات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا بھی یہی منشا رہی۔ جو حضرت نبی کریم
نے فرمایا۔ احادیث نبوی کلام اللہ کی شارح ہیں۔ اور اس کے مخالف نہیں ہو سکتیں
اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کہ اگر کوئی حدیث بدیہی طور پر تعلیم القرآن کے مخالف ہو تو اسکی
صحت میں شک کرنا چاہئے اور جب تک کوئی ایسی تاویل ہاتھ نہ آجائے جس سے پورا پورا
مطابقت ہو جائے۔ اسپر عمل نہیں کرنا چاہئے غرض قرآن شریف سے مضمون زیر بحث
کے متعلق مفصلہ ذیل آیات کا استنباط ہوتا ہے۔ اول قرآن شریف میں حکم ہے۔ و
بالوالدین احسانا یعنے والدین کے ساتھ احسان کرو۔ اس تعلیم سے منشا یہ معلوم
ہوتا ہے کہ علیحدہ علیحدہ رہائش رکھی جائے کیونکہ اگر اکٹھے رہیں تو آمد و خرچ یکجا ہوگا
اور وہ بزرگوں کے ہاتھ میں ہوگا پس اس حالت میں اولاد احسان کے حکم کو ادا نہیں کر سکتی
...... وراثت کے احکام میں ہے۔ کہ والدین کے ترکہ میں لڑکی لڑکوں کا حصہ ہے
اور اسی طرح اولاد کے ترکہ میں والدین کا حصہ بھی ہے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ منشاء الٰہی
الگ بود و باش رکھنے کا ہے۔ اگر یہ غرض ہوتی کہ اکٹھے رہیں تو پھر تقسیم وراثت کی
ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جس حالت میں وہ اکٹھے رہیں اور انکی آمدنی اور خرچ یکجائی
ہے۔ تو پھر والدین یا اولاد کا ترکہ کیونکر متصور ہو سکتا ہے علیحدہ ترکہ اسی حالت میں متصور
ہو سکتا ہے کہ ہر فرد اپنی خرچ و آمد کا ذمہ دار ہو اور بال بچوں کا بار اسکا الگ طور پر ہو
سوئم قرآنی تعلیم ہے کہ تم ماں باپ کے گھر سے یا بھائی بہن کے گھر سے اور چچا-
پھوپھی۔ ماموں۔ خالہ دوست کے گھر سے کھانا کھا سکتے ہو۔ اس سے ثبوت ملتا ہے

کرعلیحدہ رہائش کا منشاء ہے۔ مگر غرض یہ ہو کہ باہم ملاپ رہ جائے تو ماں باپ بھائی بہن چچا دوست کے گھر کا کھانا الگ تصور کرنا باطل ہو۔ اور حکم سے ظاہر ہے۔ کہ ان تعلقات کے گھروں کو الگ کیا جاتا ہی تبھی تو ان کے ہاں سے کھانا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ بصورت دیگر تو جب رہائش کشی ہے۔ اور کھانا مشترکہ ہی۔ تو پھر اس حکم کی ضرورت نہیں رہتی۔

سورہ والنور میں عورتوں کو پردہ کیلئے حکم ہے۔ کہ وہ اپنی زینتوں کو جو چھپانے کی ہیں چھپائیں اور چادر انکو خوبی اوڑھکر رکھیں۔ البتہ خاوند سے۔ اپنے اور خاوند کے باپ سے۔ اپنے اور خاوند کے بیٹی بیٹوں سے۔ اپنے بھائی۔ بھتیجے۔ بھانجے۔ لونڈیاں خواہ سرائے یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردہ سے واقف نہیں۔ پردہ کی ضرورت نہیں۔ اس فہرست میں خاوند کے بھائیوں کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے پردہ کرنا چاہئے۔ اس سے بھی استنباط ہو سکتا ہو کہ منشا یہ ہو کہ وہ الگ رہیں۔ اگر یکجا رہیں گے۔ تو گھر کے کاروبار میں عورتوں کو تکلیف ہوگی اور انکا بخوبی سرانجام دینا مشکل ہوگا۔ کیونکہ گھر کے بہت سے کام ایسے ہیں۔ کہ وہ پردہ کی حالت میں اچھی طرح نہیں کرسکتیں۔ پس مناسب یہی ہو کہ وہ علیحدہ رہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی حکم ہے۔ کہ گھروں میں لونڈیاں و نابالغ بچوں سے بھی عورتوں کیلئے خصوصیت سے تین وقت پردہ کے ہیں اور اس وقت نہیں انکے گھروں میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ اول نماز فجر سے پہلے۔ دوئم دوپہر کو جب دوپہر کی نیند کیلئے کپڑے اوتار دیتی ہیں۔ سوئم عشاء کے بعد۔ وہ جب بڑے بھی ہو جائیں تو انہیں کسی وقت بھی بلا اجازت اندر نہیں آنا چاہئے۔ اب یہ احکام دیکھتے ہیں کہ اکٹھا رہنے میں انکی پابندی مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ احکام اخلاق فاضلہ قائم رکھنے کیلئے ضروری ہیں۔ کہ ایک انسان ایا ان حالت کو بچا سکے۔ چونکہ ان احکام سے بھی ہم اسی طرف اشارہ پاتے ہیں کہ منشا الٰہی الگ رہائش کا ہے۔

غرض قرآنی تعلیم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہو کہ رنگ رنگ رہنا افضل ہو۔ یہ خیال غلط
خیال ہے کہ مغربی تہذیب نے اس مسئلہ کو رواج دیا ہے بلکہ اگر تاریخ پڑھیں تو معلوم ہو
جائیگا کہ اہل یورپ نے بہت سی نیک اخلاق کی باتیں اسلام سے سیکھی ہیں بلکہ اکثر عیسائی
علما اور مورخین نے اقرار کیا ہے کہ انہیں اسلام سے بہت فائدہ پہنچا ہے۔ اور آجتک بھی
ایسے سوالات پیش آتے رہتے ہیں کہ خود عیسائی اسلامی تعلیم کی طرف جھک گئے ہیں مثلاً طلاق
اور بیوی کے مرنے کے بعد کسی بہن سے شادی کرنا۔ اس کی مثالیں ہیں۔ البتہ بات
یہ ہے کہ اہل اسلام نے اپنی تعلیم کی پابندی چھوڑ دی ہو۔ اور وہ جہالت کے گڑھے میں
پھنس گئے ہیں۔ انہوں نے قرآن شریف کو مہجور چھوڑ دیا ہے۔ اللہ اور اسکے رسول کی
عظمت ان میں نہیں رہی۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کے اصول کو بھول گئے ہیں قال
اللہ اور قال الرسول سے غافل ہے۔ غرض انہوں نے اللہ کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں
چھوڑ دیا۔ تبھی وہ دین و دنیا ہر دو پہلوؤں سے ذلیل ہو رہے ہیں کہا جاتا ہے۔ کہ
مسلمانوں میں اتفاق نہیں ہا ہمدردی نہیں ہو نفسانیت اور خود غرضی آگئی ہے۔ اور
ان نقائص کے دور کرنے کیلئے کوششیں ہو رہی ہیں۔ انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں مگر
حسب دلخواہ نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ بہ نظر غور دیکھا جائے۔ تو حق یہ ہی کہ سب ذلت و نکبت
محض اس وجہ سے ہی کہ قرآن شریف سے تدبر جاتا رہا۔ حالانکہ اسکی اتباع سے مسلمان
ترقی کے معراج پر پہنچ سکتے ہیں پس اب بھی وہ اس نسخہ کے استعمال سے جو مجرب
نسخہ ہے۔ اس گم گشتہ متاع کو حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن کوششیں بار آور نہیں ہو سکتیں
جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری نہ کرے اور اسکی بتائی ہوئی تعلیم پر قدم نہ مارا جائے
وہ علاج پیدا کرنے والا ہے۔ ہماری فطرتوں کا حقیقی واقف ہی جو اس نے ہمیں ہماری
رہبری کیلئے بتلائے ہیں۔ اور جو طریقہ اس نے ان کے حصول کا بتایا ہے۔ وہی صحیح
ہے۔ اور اس کی پیروی سے حقیقی فائدہ مل سکتا ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں کامل ہی

جسمانی ربوبیت کرتا ہے۔ اور اسی طرح اس نے روحانی پرورش کا انتظام کیا ہوا ہے
اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ کو یاد
رکھکر اس کے حضور دعائے اصلاح کرنی چاہیے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق دے کہ
ہم اسکی رضا پر چلنے والے ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

برکت علی از شملہ

بعض ضروری باتیں

مضمون نجات | میرے بعض دوستوں کی طرف سے مجھے ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ایڈیٹر رسالہ ہذا کا وہ مضمون بہت جلد شائع کیا جاوے جو کہ آپ نے ماہ مئی میں سالانہ لیکچروں کے سلسلہ میں دیا تھا۔ اور بعض نے میری طرف یہ لکھا ہے کہ ایڈیٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ اسکا کچھ حصہ شائع ہو چکا ہے جس حصہ کی طرف میرے مخدوم ایڈیٹر صاحب نے اشارہ فرمایا ہے۔ وہ تو ناظرین رسالہ تشحیذ الاذہان گذشتہ پرچہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں مگر میں اس خبر کو دیکر اپنے دوستوں کو یہ فرحت افزا خبر دیتا ہوں کہ صاحبزادہ صاحب نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ یہ مضمون انشاءاللہ تعالےٰ رسالہ تشحیذ الاذہان میں مسلسل شائع ہوگا۔ میں امید کرتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالےٰ آئندہ پرچہ سے اس مضمون کا سلسلہ شروع کر دیا جاویگا۔

نیا سال اور رسالہ تشحیذ الاذہان | انجمن تشحیذ الاذہان نے بہت سی مشکلات برداشت کر کے اپنے حساب کو قمری تاریخوں کے مطابق کیا تھا۔ اور اسی لئے رسالہ تشحیذ الاذہان ہر قمری مہینے کی چودہ تاریخ کو شائع ہوا کرتا تھا۔ اور یہ حساب دو سال تک رہا۔ مگر اس وقت میں بہت سی دقتیں پیش آئی ہیں۔ مثلاً ایک طرف یہ کہ لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کس تاریخ کو رسالہ شائع ہوتا ہے۔ بلکہ اسطرح جب رسالہ شائع ہوتا تھا۔ وہ بے وقت سمجھا جاتا تھا۔ دوسرا نقص یہ پیش آئی کہ خریداراں انگریزی تاریخوں کے مطابق حساب کرنا چاہتے تھے مگر دفتر میں قمری تاریخیں استعمال ہوتی تھیں۔ اسطرح پر حساب میں بھی مشکلات پڑتی تھیں۔ الغرض مشکلات کا

رفع کرنے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ پھر انگریزی تاریخوں پر رسالہ شائع ہوا کرے لہذا رسالہ تشحیذ الاذہان آئندہ کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو شائع ہوا کریگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

شکریہ گذشتہ پرچہ بہت سے دوستوں کی طرف ایک سخت ضرورت کیوقت بذریعہ وی پی بھیجا گیا تھا جسکی اطلاع ایک کارڈ کے ذریعہ دیگئی تھی۔ میرے بہت سے دوستوں نے میری درخواست پر توجہ کرکے رسالہ تشحیذ الاذہان کا وی پی وصول کیا۔ جسکے لئے میں ان تمام صاحب کا ممنون ہوں اس کے مقابل پر بعض دوستوں نے رسالہ کو واپس کر دیا۔ اور پھر انمیں سے بعض نے تو مجھے یہ لکھدیا کہ اسوقت فلاں ضرورت کیوجہ سے وی پی نہیں لیا گیا۔ میں امید کرتا ہوں کہ جن اصحاب نے وی پی واپس کرکے وجہ تحریر نہیں فرمائی وہ بہت جلد مجھے بطریق دیگر ممنون فرمائینگے۔ (حضرت) مولوی حکیم فضل دین صاحب نے انجمن تشحیذ الاذہان کی لائبریری کیلئے بہت سی کتابیں عنایت فرمائی ہیں جنمیں سے اکثر کتابیں بڑی قیمتی ہیں۔ انجمن تشحیذ الاذہان حکیم صاحب کا خاص شکریہ ادا کرتی ہے۔ کہ انہوں نے بہت سی کتابیں خرچ کرکے انجمن کے کتب خانہ میں بہت سا علمی ذخیرہ میں اضافہ فرمایا ہے۔ انجمن اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے۔ کہ رب رحیم حکیم صاحب کو کامل شفا عطا فرما اور انکی عمر دراز فرما [illegible] بھائی رستم علی صاحب مرحوم [illegible] لاہور نے بہت سی کتابیں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے نام بھیجی تھیں [illegible] قادیان دار الامان میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ بعض کتابیں [illegible] کوئی فیصلہ ہو [illegible] بھائی صاحب مرحوم فوت ہو گئے [illegible] جناب ڈاکٹر غلام نبی صاحب سے دریافت کیا تھا۔ کہ چونکہ آپ انکے وارثوں میں سے ہیں آپ کا کیا منشاء ہے۔ کہ ان کتابوں کا کیا جاوے۔ انہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے کہ جیسا کہ بھائی صاحب کی منشاء تھی۔ میں بھی ایسا ہی لکھتا ہوں اور تمام کتابیں لائبریری میں داخل کی جاویں انجمن ڈاکٹر غلام نبی صاحب [illegible] کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہے [illegible] نے بہت سی کتابیں لائبریری کیلئے عنایت فرمائی ہیں۔

(سکرٹری انجمن تشحیذ [illegible])

رسالہ نجات

نجات کا مضمون جو گذشتہ پرچہ میں آپ نے پڑھا ہوگا لاہور کے عیسائیوں کے جلسہ کے ایک مضمون کے جواب میں ہے۔ سے حضرت خلیفۃ المسیح کے فرمانے کے بموجب حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بہت مختصر کر کے لکھا ہے تاکہ ہر ایک آدمی اسے جلدی سے پڑھ لے۔ اور فائدہ اٹھا سکے جہاں جہاں عیسائی صاحبان کا زور ہو اس مضمون کو شائع کرنا چاہیے مضمون کی چند کاپیاں دفتر تشحیذ میں درخواست کرنے سے مل سکتی ہیں۔ روپیہ کا ٹکٹ برائے محصول ہمراہ روانہ ہو ذی استطاعت احباب جو ثواب کی خاطر اپنے خرچ پر تقسیم کرنا پسند فرمائیں وہ سو کاپی کے حساب سے دفتر تشحیذ سے منگوا کر تقسیم کروا سکتے ہیں۔

المشتہر مینجر رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان دار الامان

کشتہ جریان منی ... نزلہ ... مگر کثرت احتلام ان امراض میں یہ کشتہ ازحد مفید بلکہ اکسیر ثابت ہوا ہے۔ خدا کے فضل سے آئندہ بھی مفید ثابت ہوگا

جریان کی شناخت پیشاب کے پہلے یا پیچھے دھات کا نکلنا یہ بیماری چند روز میں آدمی کو مردہ کی مانند بلکہ زندہ درگور کر دیتی ہے۔ اس کے سبب بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مالیخولیا نسیان کی بینائی کو ... ضعف ... خوف ... گھبراہٹ وغیرہ نزلہ گلے یا معدے یا پھیپھڑے پر کسی طرح کا گرنا۔ زکام۔ کسی رطوبت کا ناک سے نکلنا ان سے جو بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وہ ہیں سل دق کی خرابی ... آنکھ کان دانت کی بیماریاں۔ ہم نے ایک کشتہ جو بڑی محنت اور بیش قیمت ... اجزا کے تیار کیا ہے۔ انشاء اللہ بہت مفید و بابرکت ہوگا۔ جو صاحب چاہیں ہم سے منگوا سکتے ہیں۔ ... فوائد اور محنت کے قیمت بہت کم ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اٹھا سکے قیمت فی تولہ ... محصول ڈاک بذمہ خریدار۔

المشتہر

عبد الرحمن کاغانی احمدی شفاخانہ حکیم نور الدین قادیان ضلع گورداسپور

رسیدات زر بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

۷۸۱	میاں غلام نبی صاحب	لعہ
۷۸۲	مولوی عاشق الزمان صاحب	لعہ
۷۸۰	مولوی محمد یعقوب صاحب	لعہ
۴۸۲	ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب	لعہ
۷۸۳	منشی الٰہداد صاحب لعہ ۲۸۴، محمد عباس صاحب ...	لعہ
۲۲۹	چوہدری الہ داد صاحب	لعہ
۷۸۶	امام الدین صاحب	لعہ
۱۲۲	منشی گلاب الدین صاحب	۳ر
۲۸۵	میاں محمد بخش صاحب	لعہ
۴۸۸	ملک مبارک علی صاحب	لعہ
۲۱۹	منشی رحیم بخش صاحب	لعہ

ماہ ذالحجہ ۱۳۲۷ھ

	شیخ خدابخش صاحب ڈلہوزی چندہ ممبری	۱۲ر
	عبداللہ جان صاحب پشاور "	۱۲ر
	چوہدری مہر خان صاحب کریام چندہ ممبری ۱۲ر میاں محمد صاحب ڈلہوزی ممبری	۱۲ر
	چوہدری غلام قادر صاحب "	۱۲ر
۱۰ا	شیخ مولا بخش صاحب قیمت رسالہ	لعہ
۱۱ا	مولوی ابوالحسن صاحب	لعہ
۱۲	میر محمد اسماعیل صاحب اعانت رسالہ	عشہ
۶۶۷	مولوی عبدالواحد صاحب بنارس	لعہ

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام منشی ظفر الدین صاحب طبع ہوا

رسالہ تشحیذ الاذہان

مطابق شعبان المعظم	فہرست مضامین	بابت ماہ فروری

ایڈیٹر	
منشی ظہیر الدین صاحب	
سیکرٹری	
عبدالرحمن صاحب قادیانی	

حافظ عبدالرحیم ... فروری ۱۹۱۰ عیسوی کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

تلاش گم گشتگان

میرا لڑکا کہیں گم ہو گیا ہے۔ جس بھائی کو کہیں ملے۔ وہ راقم کو اطلاع دیں۔ لڑکے کا حلیہ یہ ہے۔

نام فضل شاہ۔ عمر قریباً تیرہ سال۔ قد درمیانہ قوی جسم۔ رنگ سرخی مائل سفید۔ خوش خو۔ خوش فہم۔ تیز لسان۔ قرآن خواندہ۔

المشتہر

باقر علی شاہ ساکن موضع جھنبیلہ۔ ڈاکخانہ ڈنگہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب

معذرت

چونکہ دفتر میں کام کثرت سے ہے۔ اس لئے بعض احباب کے خطوط کی تعمیل نہیں ہو سکی۔ انشاء اللہ تعالے بہت جلد تعمیل کیجائیگی۔ امید ہے کہ احباب معاف فرمائینگے (ایڈیٹر)

آنکھیں بڑی نعمت ہیں

ہم نے دو سرمہ نہایت محنت اور سعی سے طیار کئے ہیں اور عام لوگوں سے نرخ میں بھی خاص رعایت رکھی ہے۔ تاکہ کم استطاعت احباب بھی اس کا فائدہ اٹھائیں۔ لہذا عام طور پر اطلاع دیجاتی ہے کہ آپ ایک دفعہ ہمارے سرمہ کو بھی آزما دیں۔ انشاء اللہ مفید ہوگا۔ (۱) سرمہ زعفرانی خصوصاً پانی بہنے و گرم ہواؤں کیلئے مفید ہے قیمت فی تولہ (۲) سرمہ زنگاری خصوصاً دھند جالا وغیرہ میں مفید ہے قیمت فی تولہ عہ۔

ملنے کا پتہ۔ احمد اللہ خاں اینڈ برادرز قادیان ضلع گورداسپور

رسیدات زر بابت ماہ جنوری ۱۹۱۰ء

نوٹ۔ بوجہ عدم گنجائش تمام رسیدات زر رسالہ ہذا میں درج نہیں ہو سکیں آئندہ نمبر میں انشاء اللہ تعالے جن احباب کی رسیدات درج نہیں ہوئیں درج کیجائینگی۔ والسلام (منیجر)

(دیکھو صفحہ ۳ ٹائیٹل پیج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایڈیٹوریل نوٹ

خوفناک خونریزی ملک کی حالت پھر اس قسم کی ہوگئی ہے۔ کہ قریباً ہفتہ میں کسی نہ کسی خطرناک واقعہ کے متعلق نوٹ دینا پڑتا ہے۔ حضور وائسرائے پر حملہ قتل ناسک پٹیالہ سڈیشن کیس پر تو ہم کچھ لکھ ہی چکے ہیں۔ اب نئی واردات مولوی شمس عالم کا قتل ہے۔ جو کہ پولیس کلکتہ کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تھے۔ اور آپ ہی کی کوشش اور سعی کا نتیجہ تھا۔ کہ بہت سے بم کے مجرم گرفتار کئے گئے تھے اور دو مقدموں کی تحقیقات میں آپ مصروف تھے۔ کہ یہ واقعہ ہوا چنانچہ آپ ایک دن کلکتہ چیف کورٹ میں سے باہر آرہے تھے کہ کسی نے پیچھے سے آکر آپ پر تمنچہ کا ایک وار کیا۔ اور پھر دوسرا ایسے کاری پڑے۔ کہ آپ وہیں فوت ہو گئے۔ قاتل بھاگ نکلا۔ مگر بڑی کوشش سے پکڑا گیا۔ جبکہ اس کے پاس پانچ نال تمنچہ جسکی دو نالیاں ابھی بھری ہوئی تھیں۔ اور دو کارتوس اور ایک بم کا گولہ نکلا۔ اس نے چاہا کہ تعاقب کرنے والوں کا کام بم کے گولے سے تمام کر دے۔ مگر ناکام رہا اور آخرکار پکڑا گیا۔ اس وقت گورنمنٹ کے آگے کیسی مشکلات کا سامنا ہے۔ اور کیسی دقتیں درپیش ہیں۔ اگر سزا دی جائے۔ تو شور مچ جاتا ہے۔ کہ نادان بچے ہیں۔ ان سے غلطی ہو جانی کچھ تعجب نہیں عفو زیادہ مناسب تھا۔ اور اگر گورنمنٹ چھوڑ دے تو گویا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے۔ اور مفسدوں کو بے باک کرے

مگر افسوس اس بات کا ہے۔ کہ جس گورنمنٹ نے ہندوستان کو مصیبتوں سے اور دکھوں سے چھڑایا ہے۔ اور یہاں کے باشندوں کو وحشی سے انسان بنایا ہے۔ اور جاہلوں کو علوم و فنون میں طاق کر دیا ہے۔ اس سے اسقدر غداری اور نمک حرامی کس باعث سے ہے۔ کیا ایسے لوگوں پر کوئی بھی اعتبار کر سکتا ہے۔ فرض کرو کہ گورنمنٹ ہندوستان چھوڑ دے تو کیا یہ لوگ امن سے کام کرینگے۔ ہرگز نہیں! ایک دوسرے کو ہی قتل کرینگے۔ اور بجائے امن کے فساد کے عادی ہو نگے۔ جن کے دل بیگناہوں کے خون بہانے سے نہیں کانپتے۔ اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے نہیں لرزتے۔ کیا ایسے خونی انسان اعتبار کے قابل ہو سکتے ہیں۔

مسلمانوں کیلئے خطرہ | اس موقعہ پر ہمیں مجبوراً اس بات کی نسبت بھی کچھ کہنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ کہ مسلمانوں کو آنے والے خطروں سے آگاہ کریں۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اسوقت تک مسلمان ان فسادات میں حصہ لینے سے باز رہے ہیں چنانچہ جسقدر واقعات اب کے متعلق ہوئے ہیں ان سب میں کوئی مسلمان مجرم نہیں قرار دیا گیا۔ مگر پھر بھی یہ وقت بڑی احتیاط کا ہے۔ ہر ایک آدمی اپنے ساتھ دوسروں کو بھی غرق کرنا چاہتا ہے اس وقت مجرمین اور فسادی لوگ ضرور مسلمانوں کو بھی شریک کرنیکی کوشش کرینگے اور اگر اور کچھ نہیں تو انکو اپنے ساتھ ملوث کرنیکی سعی تو ضرور کرینگے تاکہ گورنمنٹ کے دل میں کسطرح بیٹھ جائے۔ کہ مسلمان بھی باغیانہ ہیجانی پر اتر آئے ہیں چنانچہ اسکی ایک صاف مثال یہ ہے۔ کہ مولوی شمس العلماء کا قاتل بنگالی قتل کے وقت ترکی ٹوپی پہنے ہوئے تھا جسکا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ مسلمان معلوم ہو۔ اور اگر خدا نخواستہ کہیں وہ بچ جاتا اور پکڑا نہ جاتا تو پھر نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کہ گورنمنٹ تو ہر طرح

ہوتی ۔ اور ہندو اخبار پشاور سے کلکتہ تک ۔ اور دہلی سے بمبئی تک شور مچا دیتے ۔ کہ مسلمان بھی سہیں شریک ہیں ۔ چنانچہ مولوی شمس العلماء کا مارنیوالا ایک مسلمان ہی تھا مگر خدا کا شکر ہے ۔ کہ وہ پکڑا گیا ورنہ مسلمان سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتے ۔ اس لئے جب ہمارے مخلص ہموطن ان کمینہ باتوں پر اُتر آئے ۔ اور ہندو آبادی کے ایک امن پسند حصہ کے بدنام کرنیکے علاوہ غریب مسلمانوں کو بھی تباہ کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں تو ہمارے لئے خاص احتیاط کی ضرورت ہے ۔ اس لئے میں عام مسلمانوں کو عموماً اور احمدیوں کو خصوصاً اس بات کی تاکید کرتا ہوں کہ وہ خاص طور پر ایسے لوگوں سے بچیں اور فتنہ انگیز اخباروں کی خریداری ترک کریں ۔ اور جہانتک ممکن ہو گورنمنٹ کی عملی رنگ میں مدد کریں ۔ اور میرے احمدی احباب اس بات کو یاد رکھیں ۔ کہ شرائط بیعت میں گورنمنٹ کی وفاداری کی بھی ایک شرط ہے ۔ پس اگر وہ کسی رنگ میں بھی اس شرط کو توڑینگے تو گو دنیا پر نہ ہو ۔ مگر آسمان پر خدا کے حضور ان کا نام احمدیوں کی فہرست سے کاٹ دیا جائیگا ۔

پریس بل

اب کے واقعات اور اخباری سخت تحریروں سے مجبور ہو کر گورنمنٹ نے ایک پریس بل پاس کیا ہے ۔ جس سے آیندہ بہت کچھ امن کی امید کی جا سکتی ہے ۔ اس قاعدہ کے رو سے لوکل آفیسرز کو اجازت دیگئی ہے ۔ کہ وہ مضرت پرداز اخبارات کو بند کر دیں ۔ اور اُن کے پریس کو ضبط کر لیں ۔ خدا کرے اس قسم کے اخبارات اس قانون سے [illegible] نصیحت پکڑیں ۔

خدا کی باتیں

خدا کی باتیں پوری ہوئے بغیر کبھی نہیں رہتیں حضرت مسیح موعود نے اپنی کتب میں بڑے زور سے زلزلوں وباؤں اور طوفانوں کی پیشگوئیاں شائع کی ہیں ۔ اور اس دن سے [illegible]

تباہیاں دنیا پر اس زور سے آ رہی ہیں۔ کہ ہا ماں نادان لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بھی تو بڑی کتنی آتی تھیں۔ مگر میں پوچھتا ہوں۔ کہ اس جنگ سے پہلے کیا آپ مختلف ممالک میں اس طرح پے در پے تباہیاں دکھا سکتے ہیں۔ مگر میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ ہرگز نہیں۔ پس خدا کی باتوں کا بے فائدہ اور بے سبب انکار بہتر نہیں۔ اب بھی وقت ہے۔ کہ لوگ باز آئیں ورنہ خدا عذاب بھیجنے یا رحمت کرنے میں رکتا نہیں۔ اگر لوگ شرارت سے باز نہیں آئینگے۔ اور مامور من اللہ کا انکار کئے چلے جائینگے۔ تو یاد رہے کہ عذاب الٰہی بھی آتے ہی چلے جائینگے۔ موجودہ عذاب پیرس کا طوفان ہے۔ جو کہ دریائے سین کی طغیانی سے واقعہ میں آیا ہے۔ اس پاس کے علاقہ تو الگ رہے خود پیرس میں سا ٹھ کروڑ روپے کے نقصان کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ ہزاروں ہزار مکانات دریا برد ہو گئے۔ مرغیاں اور مالیں سب غارت ہو گئیں۔ بیسیوں تاریخی عمارتیں برباد ہو گئیں۔ لاکھوں انسانوں نے فاقہ کشی کی مصیبت کاٹی اور ایک تعداد تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ یہ پیرس ہی ہے کہ جس کی تباہی کی طرف حضرت اقدس نے اپنی کتب میں بار ہا اشارہ کیا ہے کیا اب بھی عذاب الٰہی کے نزول میں کچھ شک ہے۔ شائد اگلی اشاعت میں ہم پیرس کی تباہی پر کچھ اور وضاحت سے لکھ سکیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

توحید قرآنی و کعبۂ اسلامی
نیز
وحدت وجودی آریہ دیانند سوامی

منشی محمد کبیر الدین صاحب مصنف رد چکڑالوی اور سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر الحکم نے ایک مضمون رسالہ تشحیذ الاذہان کیلئے بھیجا ہے۔ چونکہ مضمون بہت لمبا ہے۔ اور رسالہ تشحیذ الاذہان کے مضامین کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ چھوٹے چھوٹے مضمون شائع ہوا کریں۔ اور بہت لمبے مضامین ہوں تو انکو سلسلہ وار شائع کیا جایا کرے۔ اس لئے مضمون مذکور بلحاظ تقاضائے وقت سلسلہ وار میں شائع کیا جاویگا۔ جس کا پہلا حصہ ہدیہ ناظرین ہے۔ (ایڈیٹر)

توحید کا مسئلہ ایک نہایت ہی پاک صاف اور انسانی فطرت کے مطابق مسئلہ ہے۔ اور اہل اسلام کو دیگر تمام مذاہب سے ممتاز کرتا ہے۔ جب سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ اور جہاں تک تاریخ شہادت دے سکتی ہے۔ یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام رشی منی تمام راستباز تمام انبیاء اور بنا غرض وہ سب لوگ جنکو دنیا میں نہایت عزت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اور جن کے سچے سچے اخلاق عادات اور حالات معلوم کرنے سے ہستی باری تعالےٰ کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ کہ وہ سب کے سب سچے دل سے توحید کے

قائل تھے۔ اور ایسے کامل درجہ کے موحد تھے۔ کہ اللہ احد کی ذات یا صفات
میں کسی اور شئے کو کسی رنگ میں شریک کرنا کفر عظیم اور سب سے ناپاک
اور گندہ عقیدہ اور تمام برائیوں سے بدترین برائی خیال کرتے تھے۔

توحید کا عقیدہ وہ بابرکت عقیدہ ہے جس کی تلقین اور تبلیغ کرنا تمام
رسولوں کی بعثت کا اصل منشا رہا۔ اور یہی وہ پاک تعلیم ہے۔ جس کو پہچانے اور
پہچانے کی خاطر تمام انبیاء تشریف لائے۔ اور جب کبھی توحید کے مسئلہ میں
غلط فہمی پھیل جانے کے باعث دنیا میں گمراہی بے دینی اور طرح طرح
کے فسق و فجور کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ تو اللہ احد مصلحت وقت
اور ضرورت زمانہ کے مطابق ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ جو توحید کے
خیالات پھیلانے میں نہایت ہی کارآمد و مفید ہوتے ہیں۔ اور نیز طرح طرح
کے بھیانک نظارے مثلاً زلزلوں کے دھکے طاعون کے حملے موتا
موتی کے عبرتناک نظارے وباؤں سیلابوں اور قحطوں کی تباہیاں
یہ سب کے سب مجموعی طور پر مل کر جہاں ایک انسان کو چوکنے بنا کے
اور ایک قادر ہستی کی طرف رجوع دلاتے ہیں۔ وہاں دوسری طرف
مولا کریم ایک ایسا انسان بھی مبعوث کر دیتا ہے۔ جس کو ان واقعات عظیمہ
کی قبل از وقوع خبر دیکھائی ہے۔ اور جو مخلوق الٰہی کو بحیثیت اللہ تعالے
کا رسول ہونیکے ان کی بدکرتوتوں اور بدکرداریوں سے منع کرتا۔ اور پاک
تبدیلی پیدا کر کے نیکی ہدایت دیتا ہے۔ ایسے پاک انسان کے اخلاق اور
عادات لوگوں کے لئے بطور حجت کے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پاک زندگی
اور نیک نمونہ مخلوق الٰہی کو ملزم گردانے کے لئے کافی گواہ ہوتے ہیں۔
وہ پاک انسان نہایت جرأت سے تمام دنیا کے سامنے اپنی راستبازانہ زندگی

کو بطور نمونہ کے پیش کرتا ہے۔ اور وہ خدا وند باری تعالےٰ میں منظور نظر ہونے کے سارٹیفکیٹ رکھنے کے باعث دنیا کو اپنی اطاعت اور اتباع کے لئے تبلیغ اور تلقین کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ کی مدد اور نصرت روز روشن کی طرح اسکے شامل حال ہوتی ہے۔ اور لاجواب دلائل اور پاک مسائل کا ذخیرہ اس کے پاس ہوتا ہے۔ وہ پاک انسان باوجود بشریت کے تمام لوازم رکھنے کے بڑی جرأت سے دنیا کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ اور جو تعلیم وہ پیش کرتا ہے۔ وہ صرف لفاظی نہیں ہوتی بلکہ مصائب کے پہاڑوں میں اسکی اپنی معجزانہ استقامت معجزانہ دعوت اس کے معجزانہ اعمال اور اقوال سب کے سب مل کر اس ہستی پر زندہ گواہ ہوتے ہیں جس کی طرف سے مبعوث ہونے کا وہ دعوےٰ کرتا ہے۔ اور جس کی طرف رجوع ہونے کے لئے وہ خلق الٰہی کو دعوت دیتا ہے۔ اور جو تعلیم وہ پیش کرتا ہے۔ اسپر بہمہ وجوہ عامل بن کر لوگوں کے لئے وہ بطور حجت کے ہوتا ہے۔ اور آسمانی نشانات اور تائیدات الٰہیہ اس کی سچائی کے گواہ ہوتے ہیں۔

ایسے انسان دنیا میں ایک دو نہیں۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں پیدا ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ اور جب کبھی خدا تعالےٰ چاہتا ہے۔ ایسے لوگوں میں سے ہی کسی ایک کو یا بعض کو اپنے احکام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح ناصری کی نسبت قرآن شریف میں لکھا ہے۔ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔ یعنی وہ دنیا اور اپنے زمانہ کے مقرب لوگوں میں سے تھا۔ مگر بایں ہمہ رسالت کا منصب اسی کو عطا کیا گیا۔ الغرض ایسے لوگ چونکہ بشر ہی ہوتے ہیں۔ کھاتے ہیں پیتے ہیں۔ دُکھ سکھ محسوس کرتے ہیں۔ اور نیز سنت اللہ کے مطابق زمانہ کا اثر ان پر ہوتا ہے۔ خواہ

اور غیبوں کا عہد ان پر چھاتا ہے۔ ایک وقت گو ان پر بچپن کا ہوتا ہے۔ تو دوسرا جوانی کا اور اس پر بڑھاپے کا عالم ان کی بشریت اور کمزوری کو خوب ہی ظلمت و ابہام کرتا ہے۔ اس لئے ان بزرگ ہستیوں اور پاک وجودوں کو بھی اس دو رنگی دنیا میں ہمیشہ رہنا نصیب نہیں ہوا۔ باوجودیکہ ان کا وجود دنیا کے لئے رحمت ہوتا ہے۔ اور توحید کے لئے وہ بطور حجت کے ہوتے ہیں۔ خدا کی ہستی کا زندہ جوہر ان میں نظر آتا ہے۔ خدا کے سچے عابد اور پرستار اور سچے موحد وہی پاک لوگ ہوتے ہیں۔ اور دنیا کے لئے سب سے زیادہ نافع اور مفید ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ ان تمام قوانین میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ جو خالق نے اپنی مخلوق کے لئے بنائے ہیں۔ مگر زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ان سے کلام کرتا ہے۔ گو انہیں پاک وجودوں کی راست بازی کا قائل ہو کر انہیں کے بتائے ہوئے الفاظ کو کلام الٰہی کہا جاتا ہے۔ گو خدا تعالیٰ کے آسمانی اور زمینی آیات ان کی سچائی پر شہادت دیتے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ وہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اور ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں ہوتے۔ مسلمان لوگ ایسے بزرگوں کی اپنے ماں باپ اور جان و مال سے زیادہ عزت کرتے ہیں۔ اور ہر ایک وہ تعظیم جو کسی انسان کی کرنی چاہیے۔ وہ نہایت خلوص سے بجا لاتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں کسی طرح کا دخیل یا شریک خیال کرنا شیوہ اللہ و کفر حقیقی سمجھتے ہیں۔

معزز ناظرین۔ مسلمانوں کے پاس توحید ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو دیگر مذاہب کے مقابلہ میں خصوصیت کے ساتھ نہایت فخر سے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس سے ظاہر کرنا پڑتا ہے۔ کہ فی زمانہ گمراہوں اور بے دینی نے کچھ ایسا روپ بدل رکھا ہے۔ کہ بڑے بڑے عقلمند دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کتنے افسوس

کی بات ہے۔ کہ وہ پاک کتاب جس نے عرب جیسی بت پرستی کی معدن میں خدائے واحد کی پرستش کا ڈنکا بجا دیا۔ آج اسی سے وحدت وجود کا مسئلہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور وہ مطہر اور مرفوع کلام جس کے ہر فقرہ میں توحید الہی کا جلوہ نظر آ رہا ہے۔ آج ملاتیہ پلیٹ فارموں پر کھڑے ہو کر اسی سے بت پرستی کی تعلیم نکالی جاتی ہے۔ باوجود اسکے کہ وحدت وجود کا مسئلہ پیش کر کے حلت و حرمت میں جو امتیاز ہے۔ اس کے اٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور باپ بیٹے ماں اور بیوی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور استاد اور شاگرد کو حقیقتاً ایک ہی وجود خیال کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی دیکھا جاتا ہے۔ کہ زیادہ تر انہیں لوگوں کی پرستش ہو رہی ہے۔ جو ہمہ اوست کا ڈنکا بجا رہے ہیں۔ اور انہیں لوگوں میں پیر پرستی کا زور اور قبر پرستی کا جوش ہے۔ جو وحدت وجود کے قائل ہیں۔

چند دن ہوئے۔ میرے ایک واقف کار نے مجھ سے بیان کیا کہ اسے بیتار لوگ پر کاش پڑھنے سے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر کچھ عرصہ سے اندر ہی اندر اعتراض کھٹکتا رہتا ہے۔ اور نیز اس نے بیان کیا کہ ایک وقت ایک مسلمان پیر سے اس بارہ میں سوال کیا کہ مسلمان لوگ جو نماز پڑھتے وقت کعبہ کی طرف منہ کر لیتے ہیں۔ کیا یہ بت پرستی نہیں؟ تو اس پیر نے نہایت تحمل سے اسے جواب دیا۔ کہ دیکھو بیٹا! بت پرست تو وہ ہوتے ہیں۔ جو خدا کے سوائے کچھ اور بھی مانتے بیٹھے ہیں۔ ہم لوگ تو موحد ہیں۔ اور سچی اور حقیقی توحید کے قائل ہیں۔ سوائے خدا کے کسی اور کو نہیں مانتے۔ جس طرف دیکھیں خدا ہی خدا ہے۔ قرآن میں بھی صاف لکھا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

غرضیکہ بالا واقعہ کا ذکر کر کے میرا دوست مجھ سے جواب کا خواستگار ہوا۔
جو جواب اپنی سمجھ کے مطابق میں نے اُسے دیا تھا میں چاہتا ہوں کہ کسیقدر زیادتی
کے ساتھ یہاں درج کروں شاید کسی کو نفع پہنچے۔ ستیارتھ پرکاش سوامی دیانند
جی کی دوسرے مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر بیجا حملے کرنے میں
وہ بے نظیر تصنیف ہے۔ جو ان کے اخلاق عادات اور خیالات معلوم کرنے
کے لئے بطور آئینہ کے کام دیتی ہے۔ اس کا مستند اردو ترجمہ آریہ صاحبان
کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں چودہ فصلیں ہیں۔ اور آخری
ہملاس (جس کا جواب وقتاً فوقتاً انشاء اللہ میں اسی رسالہ میں ناظرین کے سامنے
پیش کرتا رہوں گا) میں مسلمانوں کے مذہب کی تحقیق کرنے کا دعوے بلادلیل
کیا ہے۔ اور قرآن شریف پر ۱۵۹ اعتراض کئے گئے ہیں۔ اس کتاب
کے صفحہ ۶۶۲ پر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو بڑی بت پرستی کہا
گیا ہے۔ اور نیز مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ جن کو تم بت پرست
سمجھتے ہو۔ وہ بھی ان بتوں کو خدا نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے سامنے خدا کی عبادت
کرتے ہیں۔ اگر تم بت شکن ہو۔ تو تم نے بڑے بت یعنی اس مسجد قبلہ کو کیوں نہ
توڑا۔ اور پھر صفحہ ۶۷۰ پر لکھا ہے کہ بتوں سے مسجد بڑا بت ہے۔ اس لئے خدا
اور مسلمان بڑے بت پرست اور پرانی اور جینی چھوٹے بت پرست ہیں۔
نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے پر جو اعتراض ہے۔ وہ میں نے دیا
نندی لہجہ میں اوپر درج کر دیا ہے۔ جس بے باکی اور منہ زوری سے سوامی
جی نے اسلام پر حملہ کیا ہے۔ اس پر حاشیہ چڑھانے کی کچھ ضرورت نہیں۔
یہ بالکل صحیح واقعہ ہے کہ سوامی جی اردو سے بالکل ناواقف تھے۔ اور نہ
ہی عربی سے انہیں کچھ مس تھا۔ کسی بے علم حق کے دشمن نے جیسا ترجمہ

کسی قرآنی آیت کا لکھ دیا۔ اس کو مدنظر رکھ کر سوامی جی نے اعتراض کر دیا ہے گو سوامی صاحب نے تہذیب کو بالکل خیرباد کہہ کر نہایت ہی گندے پیرایہ میں اسلام پر زبان کھولی ہے۔ اور اپنے ہم خیالوں کے لئے ایک نہایت ہی برا نمونہ چھوڑا ہے۔ مگر ہم ان کی نسبت پھر بھی یہی لکھیں گے۔ کہ سوامی صاحب فطرتاً اپنی ذات میں ایسا دل اور دماغ رکھتے تھے۔ کہ اگر ان کو کسی بزرگ مسلمان یا ہمارے امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں بیٹھنے یا ان ہی کے ساتھ گفتگو سننے کا کچھ عرصہ تک موقع مل جاتا تو وہ ضرور فائدہ اٹھاتے اور اپنی جلد بازی پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے۔ ان کے اعتراضوں سے جو اسلام پر انہوں نے کئے ہیں سمجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک احمدی مسلمان کے مقابلہ میں انہیں اعتراضوں کو لے کر کھڑے ہونا ایک آریہ بھائی کے لئے موت کا پیالہ پینے سے زیادہ کٹھن ہے۔ سوامی جی کی تحریر سے مجھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ بت پرستی سے انہیں سخت نفرت تھی۔ اور سوکروڑ دیوتاؤں کی مذمت کی۔ اور ایک پرمیشور کا منوانا ان کا ذاتی منشاء تھا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بد قسمتی سے وہ احمدی نہ ہونے اور صحبت صادقین سے محروم رہنے کے باعث سوامی جی اخیر عمر تک نہ ہی تو خود کسی اچھے اصول پر کاربند ہو سکے۔ اور نہ ہی اوروں کو حقیقی توحید کا پانی پلا سکے۔ اور بجائے اس کے کہ توحید میں ترقی کرتے ناستک مت کے قریب ہوتے گئے۔ لیکن تاہم بھی ان کی طبیعت کا میلان فطرتاً طور پر توحید کی طرف زیادہ تھا۔ اور پچھلی باتوں پر غور کرنے سے یہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ کئی ماموریں اللہ کے آنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی بے انتہا مصلحتوں کے ماتحت گمراہ اور چاہ ضلالت میں پڑی ہوئی قوموں میں بھی ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو اپنی قوم میں

عام فطری مسائل کو ایک حد تک صاف کر جاتے ہیں۔ اسیطرح ہم دیکھتے ہیں کہ پنڈت دیانند صاحب نے توحید کے مسئلہ پر جو ہر ایک کی فطرت میں مرکوز ہے۔ اپنی قوم میں خاص تبلیغ کی۔ اور مورتیوں کو چھڑاتے ہوئے۔ روح و مادہ کو خدا کا شریک بنا گئے۔ مگر پھر بھی ہندوؤں کے دلوں سے عقیدہ بت پرستی کو نکالکر جو صدیوں سے انمیں رائج تھا توحید کی طرف قدم مارنیکی ایک استعداد پیدا کر دی اور اسطرح بے حس بی میں خدا کے امور کے لئے، استعداد صاف کر گئے۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ جسقدر بت پرست اور مورتی پوجا والے فرقے دنیا میں موجود ہیں۔ وہ سب کے سب اپنے اعتقادات اور خیالات کا سرچشمہ ویدوں کو ہی بتلاتے ہیں۔ اور آریہ صاحبان روئے زمین پر کوئی ایک قوم یا کسی ایک ملک کے باشندے ایسے ہرگز ثابت نہیں کر سکینگے جن کا دعوٰے رہا ہو۔ کہ ہم ویدوں کو مان کر توحید کے قائل ہوئے ہیں۔ اور مورتی پوجا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بیشکڑوں ہزاروں برس سے یہ چیز جہاں تک انسانی دماغ پتہ چلا سکتا ہے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ویدوں میں سوائے بت پرستی کے اور کچھ نہیں۔ لیکن سوامی دیانند جی نے کیسا مردانگی اور بہادری کا کام کیا ہے۔ کہ ویدوں سے مورتی پوجا اور بت پرستی کی بجائے توحید کو ثابت کیا۔ اور تمام شاستروں تمام پرانوں کو محض جعلی اور بے سروپا فضول روایات کا ذخیرہ کہہ کر یکدم ایسی کتابوں کو چھوڑ دینے کا اپدیش دیا ہے۔

گو یہ سچ ہے۔ کہ بنارس پنڈتوں اور اعلے درجہ کے سنسکرت دانوں کے مقابلہ میں سوامی جی کی باتیں کوئی وقعت اور مرتبہ نہیں رکھتیں لیکن احمدی لوگ انہی کی داد دیا کرتے ہیں۔ جو توحید کا حامی اور مددگار رہے۔

کیونکہ توحید کی طرف قدم اٹھانا گویا اسلام کے قریب آتے جانا ہے۔ گو سوامی صاحب
کی نسبت افسوس کے ساتھ ہمیں کہنا پڑتا ہے۔ کہ آپ علوم سے بے بہرہ ہونے
کی وجہ سے توحید منوانے منواتے آپ اور بھی شرک میں جا پڑے۔ مگر پھر بھی
بت شکنی ایک اچھی خدمت ہے۔ جو آپ نے کی۔ چونکہ قرآن شریف سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک قوم اور فرقہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے ہادی آتے
رہے۔ اور ہر ایک گروہ میں کوئی نہ کوئی رسول ہوا جیسے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ
اور اِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے ثابت ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا
ہے۔ کہ وہ سب توحید کی تعلیم دیتے اور اسی پر کاربند ہونیکی ہدایت کرتے
تھے جیسے لکھا ہے۔ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا
بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ یعنی جو لوگ اہل کتاب ہوئے کا دم بھرتے
ہیں۔ ان سب کو یہ مشترکہ تعلیم دی جاتی رہی ہے۔ کہ سوائے خدا کے کسی اور کی
پرستش نہ کریں۔ اور خدا کی ذات اور صفات میں کسی اور چیز کو اس کا شریک نہ
ٹھہرائیں۔ اور سوائے خدا کے ہم میں سے کوئی کسیکو اپنا پرورش کنندہ اور اپنے
سے اعلےٰ جاننے والا خیال نہ کرے۔ اس لئے قرآن مجید کی اس ہدایت کو مدنظر
رکھتے ہوئے دل چاہتا ہے۔ کہ سوامی دیانند جی کا یہ لکھنا کہ ویدوں میں ایک
خدا کی تعلیم ہے صحیح ہو جب کہ ویدوں کی دنیا میں اسقدر عزت ہے۔ اور جبکہ
ہی بقول دیانند جی اس میں وحدانیت کی تعلیم بھی موجود ہے۔ تو ہم بائیبل یا
الہامی صحیفوں کی طرح ویدوں کو بھی صحف اولیٰ میں شمار کئے بغیر نہیں رہ
سکتے۔ ہم نے مانا کہ ویدوں میں بت پرستی اور شرک کی تعلیم بھی موجود ہے
اور وہ سب پنڈت اور برہمن جو مختلف زمانوں میں پیدا ہوتے رہے سب
کے سب بالکل جھوٹے نہیں ہیں۔ لیکن ایک احمدی مسلمان یہ کہنے کا حق

رکھتا ہے۔ کہ جیسے عہد عتیق اور جدید میں تحریف ہوگئی۔ اور اصل تعلیم کے ساتھ
تفسیریں مل گئیں اور ایسے ابیسی صحیفوں کا نام و نشان مٹایا گیا۔ ویسے ہی بت
پرستی اور دیگر گندے عقاید ویدوں میں بعد میں شامل کر دیئے گئے۔ اور
یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ قرون اولیٰ کی صحیح تاریخ نہ
ہونے کے باعث مذہبی تو ہمیں یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ وید کس کس زمانہ میں
لکھے گئے۔ کون سے ان کے جلائے گئے۔ اور کون سی شاخیں گم
کی گئیں۔ لکھنے والے کون تھے۔ ان کا دعوے کیا تھا۔ اور وہ کس مشرب کے
تھے۔ ان کے اعمال اخلاق اور عادات کیسے تھے۔ جو کچھ لکھا اسپر خود بھی
عمل کر کے دکھایا یا کہ وہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ علاوہ وہ لوگ دنیا میں کس
طرح سے بسر کرتے تھے۔ کس کس خاندان میں انکی شادیاں ہوئیں۔
اور کن کن لوگوں سے ان کا واسطہ پڑا اور ان تعلقات کو انہوں نے کیسے نبھایا
باوجود باغیرت انسان ہونے اور شریعت عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھنے
کے پھر بھی وہ محض اولاد کی خاطر ان پاک دامنوں کو غیر مردوں سے بیرج
ڈلوانے کی تلقین کرتے تھے۔ یا اسکو ایک بے حیائی کا کام سمجھکر قطعاً اس کے
متنفر تھے۔ یا یہ کہ آپ تو مجردانہ زندگی بسر کرنیکے سبب بالکل لاوارث اور مرد
عورت کے تعلقات سے ناواقف تھے۔ گرہستیوں کو ہدایت دیتے تھے۔ کہ
بے اولاد مرنا بڑا جرم اور پاپ کا کام ہے۔ ایسے انسان کی مکتی نہیں ہوتی جو
لاولد مرے اس لئے اولاد کی خاطر اپنی پاک دامن عورتوں کو دوسرے
مردوں سے تعلقات قائم کرلینے کی اجازت دیا کرو۔ غرض موجودہ زمانہ میں
ویدوں میں جو تعلیم موجود ہے۔ وہ تحریف سے خالی کبھی نہیں مانی جا سکتی کیونکہ
جہاں تک غور کیا جاوے۔ سابقہ زمانہ میں کوئی ایسی قوم نظر نہیں آتی جو موجودہ

تعلیم پر عمل کرنیوالی ہو۔ سو جس کتاب کے ساتھ کوئی عملی نمونہ نہ ہے۔ یقینی طور پر وہی کتاب محرف اور مبدل بھی جا سکتی ہے۔ اور جس کتاب میں عمدہ تعلیم کے ساتھ گندی تعلیم بھی موجود ہو ماننا پڑے گا۔ کہ اس میں کچھ نہ کچھ بعد میں بڑھایا گھٹایا گیا ہے۔ مثال کے طور یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا موجودہ انجیل میں یہ صاف طور پر مقولہ درج ہے۔ کہ یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں۔ ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا۔ اور آدمیوں کو بھی سکھلائیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا۔ اور ان کی تعلیم دے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا۔ متی ۱۹-۱۸/۵ اور پھر توریت میں صاف درج ہے۔

میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہووے۔ تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے۔ مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا۔ اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔ خروج ۵-۳/۲۰۔

دوسرے معبودوں کا نام تک نہ لے اور وہ تیرے منہ سے نہ سنا جائے خروج ۱۳/۲۳۔ تو ان کے معبودوں کو سجدہ مت کر نہ انکی عبادت کر نہ ان کے سے کام کر بلکہ تو انہیں صاف ڈھا دے۔ اور ان کے بتوں کو توڑ ڈال اور تم خداوند اپنے خدا کی بندگی کرو۔ خروج ۲۵-۲۴/۲۳

خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے

ہی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔ استثنا ۶/۴،۵
سو تو خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ اور اس کی امانت کی اور حقوق اور شرعتوں
اور احکام کی ہمیشہ محافظت کر۔ استثنا ۱۱/۱
تم آپ سے خبردار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے دل فریب کھا جاویں۔ اور تم پھر
جاؤ اور غیر معبودوں کی بندگی کرو۔ اور انہیں سجدہ کرو۔ استثنا ۱۱/۱۶
اور لعنت جب کہ خداوند اپنے خدا کی فرمانبرداری نہ کرو۔ اور اس راہ سے
جس کی بابت آج میں تمہیں فرماتا ہوں۔ پھر کے غیر معبودوں کی پیروی کرو
استثنا ۱۱/۲۶-۲۸

اب دیکھو ایسے ایسے صاف اور بین احکام کے موجود ہوتے ہوئے بھی
عیسائی لوگ تثلیث کا دم بھرتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم متفقہ
تعلیم سے منہ موڑتے ہیں۔ اور سب کے خلاف ٹرینٹی کا جدا گر جانا باعث
نجات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود موجودہ اناجیل بھی اگرچہ وہ بقول حضرت عیسٰی اور نیز
حواریان عیسائیان شریعت کی کتابیں نہیں اور نہ ہی روح مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں
لکھی گئی ہیں۔ خدا کی وحدانیت اور حضرت مسیح کی رسالت پر گواہی دیتی ہیں۔ جیسے کہ
یوحنا ۱۷ باب میں لکھا ہے اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد برحق کو اور
یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے۔ جانیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے
عیسائی لوگ وحدانیت سے کوسوں دور ہیں۔ اور نادانوں کے لئے ہر وقت باپ
بیٹے اور روح القدس کی ایک غلط پیرایہ میں ایسی زہر آلودہ معجون تیار کرتے
رہتے ہیں جس نے دنیا سے روحانیت کا ستیاناس کر دیا۔ اور نادانی سے
انہیں معنوں میں یسوع مسیح کو خدا کا بیٹا منوانا چاہتے ہیں جن معنوں میں کہ
وہ مریم صدیقہ یا ایک پہلو سے یوسف نجار کا بیٹا تھا۔ اور اگر ایسا نہیں جیسے

کہ بعض موجودہ عیسائیوں کے مضامین سے نظر آرہا ہے۔ تو پھر کتاب مقدس کی اصطلاح کے مطابق خدا کے سب نبی خدا کے بیٹے ہیں۔ یسوع مسیح میں ایک ذرہ زیادتی نہیں۔ دیکھو انجیل میں صاف لکھا ہے۔

مبارک وہ ہیں جو صلح کراتے ہیں۔ کیوں کہ وہ خدا کے بیٹے کہلاویں گے متی ۵/۹

آدم خدا کا بیٹا تھا۔ لوقا ۳/۳۸

خدا کے بیٹے آدمیوں کی بیٹیوں کے پاس گئے۔ تو ان سے لڑکے پیدا ہوئے۔ پیدائش ۶/۴

اسرائیل خدا کا بیٹا بلکہ پلوٹھا ہے۔ خروج ۴/۲۲۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ جب وہ پاک وجود جو خدا کے احکام پہنچانے کے لئے خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ اپنا کام پورا کر کے اپنے بھیجنے والے کے پاس چلے جاتے ہیں۔ تو انکے کچھ مدت بعد ان کے متعلق عام طور پر غلط فہمیاں ہونے لگتی ہیں۔ اور ان کی شان میں اس درجہ کا غلو ہونے لگتا ہے۔ جو انکی شان کے شایاں نہیں ہوتا۔ اور جو تعلیم وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔ اس پر حاشیے چڑھنے لگتے ہیں۔ اور رسومات اور توہمات کے جال میں پھنس کر وہ تعلیم کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے۔ کہ وید اول میں بھی توحید کی تعلیم ہو اور بعد اول میں شامل ہونے والی خرابی رکھتے ہوں۔ مگر اس کے بعد آنیوالی نسلوں میں بہ سبب اس کے کہ کتابوں کی اشاعت کا کوئی عمدہ انتظام نہ تھا۔ اور اس زمانہ میں تحریر کا عدم وجود گویا برابر تھا۔ طرح طرح کی بت پرستیاں اور گندے عقاید داخل ہو گئے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ وید مقدس تو ان گندے عقاید سے منزہ ہو۔ جو آریہ صاحبان انکے ذمہ لگاتے ہیں۔ اور روح مادہ کی قدامت اواگون کے چکر مرد عورت کی مساوات والے

بلکہ محض انہیں صاحبوں کی کارستانیاں اور بلند پروازیاں ہوں۔ اور یا یہ کہ چونکہ وید والی سنسکرت کا تمام روئے زمین پر سے نام و نشان مٹ گیا ہے۔ اس کی تفسیروں کے سمجھنے میں ہی غلطی کی گئی ہو۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ وید مقدس کی جس شرتی سے سوامی جی نے بسبب مجرد ہونے کے نیوگ جیسا انسانی غیرت اور حمیت کو پاش پاش کرنے والا مسئلہ ثابت کیا ہے۔ اور ایک ایک عورت کو قابل نیوگ پرشوں سے بیرج ڈلوا کر دس دس بچے پیدا کر لینے تک اجازت دی ہے۔ اسی کے متعلق ایک عالم سناتن دھرمی اپنی کتاب کے صفحہ ۲۸ پر یوں لکھتا ہے "آہ پیارے ناظرین یہ شرتی شادی کے وقت بطور دعا کے پڑھی جاتی ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں۔ کہ اے اندر تو اس کنیا کو سو پتروں والی اور سوبھاگیہ وان کر۔ اس میں دس پتروں کو دھارن کر۔ اور پتی کو گیارہواں کر۔ یعنی یہ دس پتروں والی ہو۔ اور اس کا پتی جو کہ پتروں کو ملا کر شمار میں گیارہواں ہوتا ہے۔ وہ عمر دراز ہو۔ ایسا کون نالائق ہو گا۔ کہ بموجب تحریر دیانند بوقت شادی اپنی لڑکی کے یہ کہے۔ کہ جب تیرا یہ خاوند مر جاوے یا بیمار ہو جاوے تب تو دوسرا خاوند کر کے اس سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کر اور ان سے اولاد بڑھا۔ غرض شرتی مذکورہ میں ایسا کوئی بھی لفظ نہیں کہ جس کے معنی نیوگ اور گیارہ پتی کے ہوں"۔ اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۳۰ پر لکھا ہے۔ "دیانندی عورتوں کو سوامی جی کا تہ دل سے شکر یہ ادا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے واسطے کامل آزادی کی ہدایت تحریر فرمائی ہے۔ مگر یاد رہے۔ کہ جس وقت آریوں میں اس ہدایت پر وقاحت پر عمل درآمد ہو گا نتیجہ زنا کاری روز افزوں برآمد ہو گا۔ شریفوں کی شرافت بالکل نیست و نابود ہو گی۔ حیا و شرم دنیا سے بالکل مفقود ہو گی۔ ایک کی عورت دوسرے کے پاس جائیگی۔ خاندان کی عزت خاک میں

مانیگی۔ کوئی غیرت کے مارے زہر کھا کر مرے گا۔ کوئی بی بی کی گردن پر خنجر و شمشیر دھرے گا۔ کوئی گھر سے نکل جائیگا۔ تازیست منہ نہ دکھلائیگا۔ کوئی جیلخانہ میں پڑے گا۔ کوئی پھانسی پر چڑھیگا۔ کل یُگ کا دورہ ہے۔ دیانند جی کی حق بیانی کا جابجاؤں میں شہرہ ہے۔ جو کچھ ان کی تحریر ہے۔ اس کے کہنے کو شرم دامنگیر ہے جس کا نام ستیارتھ پرکاش ہے۔ اس سے دہرم کا بالکل ستیاناش ہے۔ دروغ و کذب سے مالامال ہے یہی سوامی جی کا کمال ہے۔ جو کوئی اس پر یقین کرے گا۔ چاہ جہالت میں پڑیگا۔ دہرم کو کھوئیگا آخر کار روئیگا۔ مندرجہ بالا مضمون کو پڑھکر ماننا پڑتا ہے۔ کہ یا تو ویدوں میں اس حد تک تحریف ہو گئی ہے۔ کہ نیوگ جیسا مسئلہ بھی اس میں داخل کر دیا گیا ہے۔ اور ان پاک لوگوں کو جن کو اسلامی اصطلاح میں انبیاء و رسل اور ان کے متبع کہا جاتا ہے۔ اور جو بسبب اعلےٰ درجہ کے متقی اور نیک ہونے کے بڑے ہی باغیرت ہوتے ہیں۔ بے عزت ثابت کیا گیا ہے۔ اور اگر اس درجہ کی تحریف نہیں ہوئی۔ تو کم از کم اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ دیانند جی نے بعض شرتیوں کے سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔ بعض کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا ہے۔ کہ سوامی جی نے ویدک بعض شرتیوں سے ایک خاص پیرایہ میں توحید کو بھی ثابت کیا ہے۔ جو انبیاء کی تعلیم کا اصل منشا ہے اور جس سے ہمیں اسبات کے ماننے کی تحریک ہوتی ہے۔ کہ شاید وید مقدس کسی زمانہ میں کسی شخص متقی پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہوں۔ چنانچہ سوامی جی بت پرستی کی مخالفت میں ویدوں سے لکھتے ہیں۔

جو سب دنیا میں موجود ہے۔ اس بے شکل پرمیشر کی تصویر، ماپ مشابہت یا بُت نہیں ہے ــ صفحہ ۱۰۴۔ جو آنکھ سے نہیں نظر آتا۔ اور جس کے سبب

آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اسی کو تو پرمیشر جان اور اسی کی عبادت کر اور جو اس کے سوائے سورج بجلی اور آگ وغیرہ وغیرہ مدرک اشیاؤں ان کی عبادت مت کر صفحہ ۴۱۶

جو کان سے نہیں سنا جاتا۔ اور جس سے کان سنتا ہے۔ اسی کو تو پرمیشر جان اور اسی کی عبادت کر اور اس کے سوائے آواز وغیرہ کی عبادت اسکی جگہ میں مت کر صفحہ ۴۱۶

سنو بھائی بھولے بھالے لوگو۔ یہ پوپ جی تم کو ٹھگ کر اپنا مطلب نکالتے ہیں ویدوں میں پتھر وغیرہ بت پرستی اور پرمیشور کے بلانے رخصت کرنے کے متعلق ایک حرف بھی نہیں ہے۔ صفحہ ۴۱۷

یہ جو کچھ سوامی جی نے لکھا ہے۔ یہ ویدوں میں درحقیقت موجود بھی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق جب خدا تعالے مسلمانوں کو توفیق دیگا۔ وہ خود سنسکرت سیکھ کر معلوم کر لیں گے۔ فی الحال اتنا کہدینا بے محل نہیں کہ سوامی جی اس پایہ کے آدمی نہیں تھے۔ اور ہرگز نہیں تھے۔ کہ ان کی کسی تحریر یا دیگر حوالجات کو عام طور پر صحیح مانا جاسکے۔ چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب ستیارتھ پرکاش میں جس کے ایک سوال کا جواب میں لکھ رہا ہوں۔ اہل اسلام پر وہ وہ افترا اور بہتان باندھتے ہیں۔ کہ جس شخص کو اسلامی عقائد سے کچھ بھی واقفیت ہوگی۔ وہ سوامی جی کو دنیا وہ میں کیا لکھوں امر واقعہ کے صد درجہ خلاف لکھنے والا شخص یقین کریگا۔ کیونکہ وہ مصنف کہلا کر قرآن مجید اور بانئ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت لکھتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منہ)

بھلا یہ بہشت ہے۔ یا طوائف خانہ۔ صفحہ ۹۸۰

محمد صاحب کی نیت صاف نہیں تھی۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ محمد صاحب نے اپنی مطلب براری کے لئے قرآن بنایا۔ صفحہ ۷۸۹

یہ سب فریب قرآنی کے مصنف کا ہے۔ص

یہ قرآن خدا کا بنایا ہوا نہیں ہے۔کسی مکار فریبی کا بنایا ہوا ہوگا۔صفحہ ۶۹۹

محمد صاحب بڑے شہوت پرست تھے۔جب بیٹے کی جورو بھی گھر میں ڈالنے کو

پیغمبر صاحب ڈرگ سکے لڑکوں سے کیوں کر بچے ہونگے۔صفحہ ۶۷۹

اور محمد صاحب کا چال چلن ان باتوں سے ظاہر ہی ہے۔کیونکہ جو کئی عورتیں رکھے وہ خدا کا حامی پیغمبر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اور جو ایک عورت کی طرفداری سے بے آبروئی کرے۔اور دوسری کی عزت کرے۔تو وہ طرفدار ہو کر گنہگار کیوں نہیں ہوگا۔اور جو کئی عورتوں سے بھی سیری نہ پا کر کنیزکوں کے ساتھ پھنسے اس کے نزدیک شرم خوف اور دھرم کیوں کر پھٹک سکتا ہے۔کسی نے کہا ہے۔ کہ جو زانی آدمی ہیں ان کو گناہ سے ڈر یا شرم نہیں ہوتی۔صفحہ ۷۳۱

مندرجہ بالا بے جا بہتانوں اور اعتراضوں کو پڑھنے سے جو میں نے سوامی جی کے اندرونی خیالات ظاہر کرنے اور نیز یہ بتلانے کے لئے لکھے ہیں۔کہ ان کی بات کہاں تک سچائی کے قریب ہو سکتی ہے۔اور ان کی زبان کا شرفاؤں کے نزدیک کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے۔اس سے صاف سمجھ میں آ جائیگا۔ کہ وہ بعض خوبیاں بھی جو سوامی جی نے ویدوں کی طرف منسوب کی ہیں۔ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب اسلام سے بطور سرقہ کے لی گئی ہوں۔اور ویدوں میں ان کا اشارہ تک بھی نہ ہو۔اور ان بے جا اعتراضوں کی طرح جو انہوں نے اسلام پر کئے ہیں وہ بناوٹی خوبیاں بھی محض انکی خانہ ساز تراش خراش ہو۔ویدوں کو ان کی خبر تک بھی نہ ہو۔اور اس قسم کی کاروائیاں ہمیشہ ایسے لوگوں سے ہی ظہور میں آیا کرتی ہیں۔جو سوامی جی کی طرح کسی خاص اصول پر ٹھہرنا پسند نہ کرتے ہوں۔چنانچہ اہل اسلام کی نسبت سوامی جی اس قسم کے دل خراش [illegible] والے

والے فقرات لکھتے ہوئے شرم بھی جو میں نے بطور نمونہ کے کیقدر اوپر درج کر دیئے ہیں، یہ لکھنے سے باز نہیں رہ سکے کہ

آپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا، اور اپنے ہی دہرم کو بڑا کہنا، اور دوسرے کی مذمت کرنا جہالت کی بات ہے۔ کیونکہ اصلی تعریف اسی کی ہے جس کی تعریف دوسرے عالم لوگ بھی کریں۔ اپنے منہ سے اپنی تعریف تو چور بھی کرتے ہیں، تو کیا وہ لائق تعریف ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں

جو مذہب دوسرے مذہبوں کو کہ جن کے ہزاروں کروڑوں آدمی معتقد ہوں، جھوٹا بتاوے اور اپنے کو سچا ظاہر کرے، اس سے بڑھ کر جھوٹا اور مذہب کون ہو سکتا ہے ۲۷ صفحہ ۷۷۶

اب سوامی جی کی اس تحریر سے جو نہوں نے نہایت زور سے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری ہے، ایک عقلمند انسان صاف نتیجہ نکال سکتا ہے، کہ سوامی جی آخیر عمر تک ایک ڈانواں ڈول انسان کی طرح زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اور کسی صحیح اصول پر کاربند نہ ہونے کے سبب اناپ شناپ، غرض جو ان کی سمجھ میں آیا۔ لکھتے لکھاتے رہے۔ ایک طرف جب مجھے سوامی جی کی دماغی بناوٹ کا خیال آتا ہے۔ اور دوسری طرف ان کی اس بے قرار اور پراز اضطراب مذہبی حالت کا نقشہ سامنے آتا ہے، تو بے اختیار میرا دل گواہی دیتا ہے، کہ اس فلاسفر اور بانی آریہ سماج کا وجود زبان حال سے پکار پکار کر فریاد کر رہا تھا کہ کوئی ربانی مصلح پیدا ہو۔ جو آسمانی نشانوں اور تائیدات الٰہیہ اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ اور خدا کی ہستی کا زندہ ثبوت دے سکتا ہو۔ چنانچہ سوامی جی کی قلبی حالت کا نقشہ کھینچنے کے لئے ان کے مندرجہ ذیل فقرات فوٹوگراف کا کام دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ سوال آجکل راستہ کیوں نہیں

دکھاتا اور آدمیوں سے باتیں کیوں نہیں کرتا ص۹۳۔

اگر کہو کہ موسیٰ کو خدا نے معجزے کرنے کی طاقت دی تھی۔ تو یہ بات قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تھا۔ تو اب بھی ہوتا اگر اب نہیں ہوتا۔ تو پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔ اگر مُردوں کو خدا زندہ کرتا تھا۔ تو اب کیوں نہیں کرتا۔ ص۹۳ اگر اس وقت معجزے تھے۔ تو اب کیوں نہیں ہوتے۔ چونکہ اسوقت نہیں ہوتے۔ اس لئے اسوقت بھی نہیں ہوتے تھے۔ ص۹۴ بھلا اب آجکل خدا کے فرشتے اور خدا کسی سے باتیں کرنے کو نہیں آتا۔ تو پہلے کیوں کرتے ہوں گے ص۱۰۷

پہلے خدا اپنے بندوں کے دشمنوں کو ماتا ڈبوتا تھا۔ اگر یہ بات سچی ہو۔ تو آجکل بھی ایسا کرے چونکہ ایسا نہیں کرتا اس لئے یہ بات ماننے کے لائق نہیں ص۱۰۸

مندرجہ بالا فقرات سے اگرچہ خاکسار یہ نتیجہ بھی نکال سکتے ہیں۔ کہ سوامی جی آریہ مت سے سخت بیزار تھے کیونکہ اس مذہب میں یہی وہ دیکھتے تھے۔ کہ ابتدائے آفرینش میں ہزاروں کروڑوں لوگ جوان بنائے گئے ہیں۔ جن کا ماں باپ کوئی نہ تھا۔ اور کسی مرد و عورت کے نطفہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ جوؤں کھمبیوں وغیرہ کی طرح ایک وقت اپنے پربت سے ٹوک ٹکٹے زمین پر اِدھر اُدھر پھرنے لگ گئے تھے۔ وہ نہ صرف بے باپ تھے بلکہ اس سے بھی بہت بڑھکر یہ کہ ان کا ماں بھی نہیں جانتے تھے۔ نہ انہوں نے کسی رحم میں پرورش پائی۔ نہ خون حیض کھایا۔ نہ دودھ پینے کا وقت ان پر آیا۔

ڈاڑھی مونچھوں والے یا ان والڈھے پیٹ سے مرد اور توالد تناسل کا

سلسلہ جاری رکھنے کے لئے بہت سی عورتیں تعداد میں مردوں کے برابر یا کم
زیادہ ہیں آریہ صاحبان ہیں۔ اِدھر اُدھر تمام روئے زمین پر پھرتے نظر آتے
تھے۔ ایسا عقیدہ والوں ہی کا دماغ وہ تو ضرور ایسی ہی اندر سوچتے ہونگے
اسی طرز کے فقرات بنے ہونگے۔ جو انہوں نے اہل اسلام کی نسبت
استعمال کئے ہیں۔ نیز یہ کہ خدا انسانوں کو بغیر ماں باپ کے پیدا کرتا۔ اور
اس نے ساتھ ہی چارپائے وغیرہ بھی اگر یہ بات سچی ہے۔ تو آجکل بھی
خدا ویسا ہے۔ پھر کیوں ایسا نہیں کرتا۔ اس لئے یہ بات ماننے کے لائق نہیں۔
ایسے ہی اور بہت سوال سوامی جی کے دل میں اٹھتے ہونگے۔ مثلاً خدا
ابتداء میں رشیوں سے کلام کرتا تھا .... چنانچہ
چار رشیوں کے ساتھ بکلام خدا نے اس کا نمونہ وید موجود ہیں۔ لیکن چونکہ
خدا اب کسی سے کلام نہیں کرتا۔ اس لئے پہلے بھی نہیں کرتا تھا سو واضح ہو
گیا۔ کہ رشیوں سے کلام نہ ہوا۔ یا مجبوراً سوامی جی کی دلیل بڑی پکی۔
ایسے ہی اگر میں اسی رنگ کے سوالات کو طول دوں۔ تو نتیجہ وہی نکلے گا۔
کہ سوامی جی آریہ مذہب سے دلی نفرت رکھتے تھے۔ اور جیسے کہ بعض لوگوں
سے سننے میں آیا کرتا ہے وہ ناستک مت تھے۔ بھلا یہ بات کہ سنسکرت
ہی پرمیشر کی بولی ہے۔ اور دوسری تمام بولیاں خدا کے بالمقابل حضرت
انسان نے بنائی ہیں۔ اور پرمیشر بعض سنسکرت ہی بولتا اور سنسکرت ہی
سمجھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بولی میں خواہ اسکی حمد و ثنا کرو۔ خواہ
اسکی نندیا کرو جانتا ہی نہیں۔ کیا کہتے ہیں۔ کیا اس سے سوامی جی کے
دل میں یہ سوال پیدا نہ ہوتا ہوگا۔ جیسے کہ ان سوالات سے ظاہر ہے۔
جو اہل اسلام پر وہ کرتے ہیں۔ کیا ابتداء میں ایک ہی بولی تھی۔ اور وہ

سنسکرت تھی اور تمام روئے زمین پر بولی جاتی تھی۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو آج کل بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ چونکہ ایسا نہیں اس لئے یہ تعلیم ماننے کے لائق نہیں۔ غرض کہاں تک طول دوں سوامی جی تو اپنی لہر میں آئے ہوئے۔ یہ بھی ضرور بول اٹھتے ہونگے کہ خدا نے سورج چاند اور دیگر اجرام فلکی پیدا کئے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو چاہیئے کہ آج بھی پیدا کر کے دکھائے چونکہ ایسا نہیں کرتا۔ اس لئے یہ بات ماننے کے لائق نہیں۔ سو واضح رہے۔ کہ سوامی جی کے وہ فقرات جو میں نے اوپر درج کئے ہیں۔ ان سے میری غرض خصوصیت سے یہ ہے۔ کہ آپ صاحبوں پر ظاہر کروں۔ کہ سوامی جی حقیقت میں خدا تعالے کی ہستی کا پتہ لینے کے لئے اپنے اندر ایک تڑپ رکھتے تھے۔ چونکہ وہ فطرتاً بت پرستی سے نفرت رکھتے تھے۔ اور وحدانیت سے محبت رکھتے تھے .... اس لئے چاہتے تھے۔ کہ بت پرستی اور خدا پرستی میں کوئی صریح مابہ الامتیاز پیدا ہو جاوے۔ بھلا اگر خدا بھی بتوں کی طرح نہ تو کسی کے نفع اور نقصان کا اختیار رکھتا ہو۔ نہ بتوں کی طرح کسی پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہو۔ اور اگر فرض بھی کریں کہ شاید سنتا ہو مگر باوجود سننے کے جواب دینے سے عاجز ہو اور باوجود اخلاص سے اس کو یاد کرنے کے بتوں کی طرح وہ ہماری اس حالت سے محض بے خبر ہو اور انسانوں کو ایسی خوبی کی قوت گویائی دے کر آپ بولنے سے عاجز ہو۔ بھلا ایسا خدا سوامی دیانند جی کے دل اور دماغ والے انسان کو کیا تسلی دے سکتا تھا۔ کیونکہ ایسا خدا تو صرف ایک فرضی بت ہے۔ جو انسانی دماغ کا ایک نتیجہ ہے۔ اور ایسی وحدانیت بت پرستی سے کچھ اتنا زیادہ وجہ نہیں رکھتی۔ اور ایسے خدا کے پرستار حقیقی طور پر بت پرستی

سے بیزار نہیں ہوتے ۔ غرض یہ بات نہائیت ہی سچی ہے ۔ اور آپ زرسے لکھنے کے لایق ہے ۔ کہ حقیقی وحدانیت وہی ہے ۔ جو انبیاء کی اطاعت سے وابستہ ہوتی ہے ۔

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

لوکل بعض دوستوں نے یہ تجویز کی ہے ۔ کہ چونکہ ان احباب کو جو قادیاں میں بستے ہیں ۔ بازار سے خوراک وغیرہ کی متعلقہ اشیاء عمدہ اور ارزاں نہیں مل سکتیں بلکہ بعض اوقات بعض اشیاء کا ملنا قریباً ناممکن ہوتا ہے ۔ اسلئے مشترک سرمایہ سے ایک دوکان کھول جاوے جسکا نام احمدیہ سٹور ہو گا ۔

سرمایہ کے لئے ہر ایک حصہ دار سے حصے لئے جاویں ۔ تاکہ قادیاں کے غریب لوگ بھی اس سے فایدہ اٹھا سکیں ۔ لیکن چونکہ اس قسم کی تکالیف قادیاں میں باہر والوں کو ہی اٹھانی پڑتی ہیں ۔ اور یہ دوکان انکے ہی فایدہ کے لئے ہوگی ۔ اس لئے بیرونی احباب میں سے کسی سے حصہ نہ لیا جاویگا ۔ اس دوکان کا کام بورڈ آف ڈائیرکٹرز کے ماتحت ہوگا ۔ فی الحال مندرجہ ذیل ڈائرکٹرز تجویز ہوئے ہیں ۔ ماسٹر ضیاء اللہ صاحب ۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب شیخ یعقوب علی صاحب ۔ ڈاکٹر عبداللہ صاحب ۔ میاں محمد نور صاحب کابلی ۔ میاں خیر محمد صاحب دوکاندار اور خاکسار سکرٹری ۔

نوٹ ایڈیٹر صاحب اخبار بدر نے اپنے اخبار مورخہ [illegible] فروری [illegible] میں بڑی خوبی [illegible] کے ساتھ لکھتے ہوئے [illegible] بھی لکھا ہے ۔ کو اس کے متعلق [illegible] صاحب کے [illegible] صاحب کا نام [illegible] کے [illegible] ہو جائیگا ۔ حافظ عبد الرحیم سکرٹری

تناسخ

میں نے گذشتہ سے پیوستہ پرچہ میں مجمل طور پر اسبات کا ذکر کیا گیا تھا کہ آریوں کا یہ دعویٰ کہ جیو آہستہ آہستہ پاک ہو کر نجات حاصل کر لیتا ہے۔ بالکل غلط اور بے دلیل ہے۔ اب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنی چاہتا ہوں کیونکہ تناسخ کا تمام دارومدار اسی ایک بات پر ہے۔

آریونکی نجات آریوں کا اعتقاد ہے۔ کہ جس قدر مخلوقات سوائے ویدوں[1] کے ماننے والوں کے ہے۔ سب کی سب ہی کسی گذشتہ جنم کی بدعملیوں کی سزا میں گرفتار ہے۔ اور سزا کے لئے ہی عالم مقرر ہے۔ اور پھر جیو یعنی روح اس دنیا میں بار بار اگر آہستہ آہستہ پاک ہو کر مکتی یعنی نجات کا منہ دیکھتی ہے۔ مگر جہاں تک عقل سلیم اور فکر صحیح ہکو لے جاتا ہے۔ یہ مسئلہ بالکل فضول اور لغو معلوم ہوتا ہے۔

سزا کی فلاسفی دنیا میں جس قدر ہم دیکھتے اور نظر دوڑاتے ہیں۔ تو ہم کو یہی نظر آتا ہے۔ کہ سزا دینے کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ آئندہ اصلاح ہو جاوے اصلاح پھر آگے متعلق ہے۔ اس شخص کی بھی جسکو سزا دیجاتی ہے۔ اور دیگر مخلوقات کی بھی۔ چنانچہ استاد لڑکے کو سبق نہ یاد کرنے پر مارتا ہے۔ تو اسکی غرض بھی یہی ہوتی ہے۔ کہ آئندہ لڑکا سدھر جاوے۔ اور سبق یاد کر کے لاوے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مدنظر ہوتا ہے۔ کہ کہیں باقی لڑکے بھی اس کے بد اثر سے متاثر ہو کر اپنی عمر کو ضائع نہ کریں۔ اسی طرح گورنمنٹ اپنے مجرموں کو سزا دیتی ہے۔ اسکی

[1] ویدوں کو ماننے والوں میں ... [illegible]

بس یہی غرض ہوتی ہے۔ کہ آئندہ لوگ اسکو دیکھکر عبرت حاصل کریں۔ اور ایسے کاموں کے ارتکاب سے پرہیز کریں۔ اور خود سزا یافتہ شخص بھی اپنی اصلاح کرلے غرضیکہ جو سزا ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں۔ وہ سب کی سب اسی قسم کی ہوتی ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض آدمیوں کو گورنمنٹ مقرر کردہ وقت سے پہلے ہی قید سے رہائی دے دیتی ہے۔ کیونکہ وہ دیکھ لیتی ہے۔ کہ اب یہ آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آئندہ وہ کبھی ایسا جرم نہیں کریگا۔ جس میں کہ وہ پہلے مبتلا ہوا ہے۔ اور اسی واسطے بعض مجرموں کو زیادہ سزا دیتی ہے۔ اور بعض کو کم۔ کیونکہ وہ ہر ایک کی حالت کو پہچان کر سمجھ لیتی ہے۔ کہ یہ جلدی تھوڑی سزا سے ہی اپنی اصلاح کر لیگا۔ اور یہ آدمی پہلے سے زیادہ اپنی سنوار کی فکر کریگا۔

مجرم کو سزا کی وجہ کا علم ہونا ضروری ہے

جب یہ بات ثابت ہے۔ کہ سزا دینے کا اصل مقصد اصلاح ہی ہوتا ہے۔ تو پھر ضروری ہے۔ کہ سزا یافتہ کو اس کے جرم اور قصور سے بھی مطلع کیا جاوے۔ کیونکہ جب تک اس کو اپنے جرم کا علم ہی نہیں۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے۔ کہ وہ اس کی اصلاح کرسکے مگر آریوں کا اصول اس کے بالکل ہی برعکس ہے۔ یہ تو وہ مانتے ہیں۔ کہ تمام دنیا اپنے گزشتہ بداعمالیوں کی وجہ سے سزائیں بھگت رہی ہے۔ مگر یہ نہیں مانتے۔ کہ کسی کو بھی اس بات کی خبر ہو۔ کہ وہ کس جرم اور کس گناہ کی سزا میں گرفتار ہے۔ اگر سزا یافتہ کو علم نہیں دیا گیا تھا۔ تو کم از کم جسقدر جونیں ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ ساتھ ہی گناہوں کی وید وں میں فہرست بھی ہوتی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوا ہوتا کہ فلاں فلاں گناہ کے کرنے سے فلاں فلاں جنم میں روح جاتی ہے۔ مگر یہاں تو یہ حال ہے۔ کہ نہ تو خود مجرم کو اس بات کا علم ہے۔ کہ میں کس گناہ کی سزا میں گرفتار ہوں۔ اور نہ ہی ویدوں میں کوئی اس

امر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اصلاح ہو تو کیونکر ہو۔ بیچارے مجرم عجیب مصیبت میں گرفتار ہیں۔ نہ تو وہ اس گناہ سے بچ سکتے ہیں۔ جسکی سزا میں وہ ہمیشہ جنم مرن میں پڑے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو علم نہیں۔ اور نہ ہی وہ نجات کا منہ دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ گناہ سے چھوٹیں تو نجات حاصل کریں۔ اس واسطے آریوں کا یہ کہنا۔ کہ تناسخ کے ذریعہ سے انسان گناہوں سے پاک ہو کر کچھ عرصہ تک مکتی حاصل کر لیتا ہے۔ بالکل ہی غلط ہے۔ اور پاک ہو لینے کے اسی عالم میں بار بار آنا ایک بالکل لغو اور بیہودہ سلسلہ ہے جسکو یہ لوگ مجبوراً خدا تعالےٰ کو نعوذ باللہ روحوں اور مادہ کے پیدا کرنے سے عاجز سمجھ کر مان رہے ہیں۔

گناہوں سے پاک ہو لینے کے لئے اور ان سے بچنے کیلئے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ کہ ان گناہوں کا مجرم کو علم ہو۔ اور اس کے بعد وہ سزا پاوے کیونکہ اگر وہ بے سزا چھوڑا جاوے۔ تو پھر وہ اور بھی دلیر ہو جاویگا۔ اور گناہ میں ترقی کریگا۔ اس لئے گنہگاروں کی سزا کے لئے قرآن شریف نے بھی الجہان۔ . . . . رکھا ہے۔ گو یہاں بھی کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ سزا انسان بھگت ہی لیتا ہے۔ مگر تاہم وہ ایسی ہوتی ہے۔ کہ انسان اسکو سزا نہیں سمجھتا۔ اس لئے اصل سزا کے لئے وہی جگہ مقرر کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ
الْمُجْرِمِينَ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ
الْمِسْكِينَ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ حَتَّى أَتَانَا
الْيَقِينُ۔ ترجمہ تمام نفس ساتھ اوسکے جو کمایا انہوں نے گروی ہیں۔ مگر جو لوگ اصحاب الیمین ہیں۔ وہ جنتوں میں ہونگے۔ اور وہ مجرمین سے سوال کرینگے

کہ تم کو جہنم میں کس چیز نے چلایا ہے۔ وہ جواب دینگے۔ کہ ہم نماز نہیں پڑہتے تھے۔ اور نہ ہی ہم مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور ہم گپیں مارا کرتے تھے۔ ساتھ گپیں مارنے والوں کے اور ہم جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یہانتک کہ موت نے ہمکو آن پکڑا۔

پھر دوسری جگہ سورۃ ملک میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اِذَا اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کا کفر کیا۔ انکے لئے عذاب جہنم اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ جب یہ لوگ اسمیں ڈالے جاینگے۔ تو وہاں چلانا سنینگے اور وہ (جہنم کی آگ) ایسا جوش مارتی ہوگی۔ کہ قریب ہے۔ کہ وہ غصہ سے پھٹ جائے۔ جب اس میں ایک فوج ڈالی جاویگی۔ اس سے اسجگہ کا دربان پوچھیگا کیا تمہارے پاس نذیر (یعنی رسول) نہیں آیا۔ وہ کہینگے۔ ہمارے پاس نذیر آیا۔ مگر ہم نے اسکو جھٹلایا۔ اور ہم نے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی چیز نہیں اتاری بیشک تم بڑی گمراہی میں تھے۔ اور وہ پھر کہینگے۔ کاش کہ ہم سنتے یا عقل رکھتے (یعنی بدیوں سے رکتے) تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرینگے۔ پس دوزخیوں کیلئے ہلاکت اور دوری ہے۔ ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جب مجرموں اور گنہگاروں کو انکے گناہ کی سزا دیگا تو یہ نہیں کہ ان لوگوں کو اپنے اپنے جرموں سے بالکل بے خبری ہوگی بلکہ ہر ایک آدمی اپنے اپنے گناہ کا اقرار کریگا۔ کہ واقعی میں نے یہ گناہ کیا ہے۔ اور

سکو اس کے اعمال دکھائے جاوینگے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ خدا تعالےٰ سورۃ کہف میں فرماتا ہے۔ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔ یعنی لوگ صفوں میں تیرے رب کے حضور پیش کئے جاوینگے۔ اور تحقیق وہ اسی طرح آوینگے جس طرح کہ وہ پہلی مرتبہ پیدا کئے گئے تھے۔ بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم تمہارے لئے وعدہ کی جگہ نہیں بنائینگے۔ اور کتاب رکھی جاویگی۔ اور تو مجرموں کو دیکھیگا۔ کہ وہ اس چیز سے ڈرتے ہونگے جو اس کتاب میں ہوگی اور کہینگے۔ اے افسوس یہ کیسی کتاب ہے۔ کہ اس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا ہے۔ اور نہ ہی کوئی بڑا گناہ چھوڑا ہے جسکو محفوظ نہ کیا ہو۔ اور جو کچھ کہ انہوں نے کیا ہے۔ اسکو حاضر پائینگے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہ کریگا۔

اب صاف ثابت ہوگیا۔ کہ مجرموں کو اپنے بد اعمال کی اطلاع دیجاویگی کہ یہ تمہارے بد اعمال ہیں۔ جنکی وجہ سے تمکو یہ سزا ملنے لگی ہے۔ یہ بدیہی بات ہے۔ کہ جب ایک شخص کو بتایا جاتا ہے۔ کہ یہ تمہارا گناہ ہے۔ جسکے بدلہ میں تم پکڑے گئے ہو۔ تو پھر یقیناً اگر اسکو اس سزا کا ڈر ہے۔ تو وہ اس گناہ کو چھوڑ دیگا۔ اور جب اس نے اس گناہ کو چھوڑ دیا۔ تو پھر جیسا کہ میں بیان کر گیا ہوں۔ کہ سزا دینے کا اصل مقصد اصلاح ہی ہوتی ہے۔ تو جب وہ مقصد حاصل ہوگیا۔ تو پھر خواہ مخواہ وہ اس سے پاک ہوکر نجات حاصل کریگا۔

مجرم کو ایسی سزا دینی چاہئیے جسکو وہ سزا سمجھے

دوسری شق اس بات کی یہ ہے۔ کہ انسان واقعی اس سزا کو جو اسے دیجاتی ہے۔ سزا سمجھے۔ اور اگر وہ

اس سزا کو سزا سمجھتا ہی نہیں۔ تو پھر کبھی بھی ممکن نہیں۔ کہ ان گناہوں کو جن کے بدلہ میں وہ سزا دیا جاتا ہے۔ کبھی بھی چھوڑے۔ یہی سبب ہے۔ کہ بعض لوگ قید کے عادی ہو جانیکی وجہ سے باوجودیکہ کئی دفعہ شدید سے شدید قید خانہ میں ڈالے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی جب قید سے نکلتے ہیں۔ فوراً جرائم کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے پھر گورنمنٹ کو مجبوراً ایسے آدمیوں کے لئے پھانسی یا عمر قید کا حکم لگانا پڑتا ہے۔

کیا مخلوقات اپنے اپنے جنم کو گذشتہ بد اعمالیوں کی سزا سمجھتی ہے

چونکہ آریہ سمجھتے ہیں۔ کہ تمام دنیا اپنے گذشتہ بد اعمالیوں کی سزا میں گرفتار ہو رہی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کیا واقعی وہ مخلوقات جن کی نسبت انکا ایسا گمان ہے اپنے اپنے جنم کو گذشتہ بد اعمالیوں کی سزا کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ ہم یہاں جانوروں کے ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا علم تو کسی کو ہو نہیں سکتا۔ اور صرف انسانوں سے ہی دریافت کرتے ہیں۔ کہ کیا ہر ایک آدمی اپنے آپ کو پچھلے جنم کے گناہوں میں گرفتار سمجھتا ہے۔ بیشک میں یہ تو مان لیتا ہوں۔ کہ ایک ہندو اپنی تعلیم کو نہ جھٹلانے کی خاطر کہہ دیوے۔ تو ممکن ہے۔ لیکن اگر اور مذاہب والوں سے پوچھا جاوے۔ تو میرے خیال میں کوئی بھی بلحاظ فطرت انسانی اس امر کو نہیں مانیگا۔

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا میں کیا غریب کیا امیر اور کیا بادشاہ اپنے اپنے خیال میں مست ہیں۔ اور ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے سے اعلیٰ اور برتر سمجھتا ہے۔ دنیا میں فقیر اور یا کوئی غریب ایسا نہیں جو یہ سمجھتا ہو۔ کہ میں کسی گذشتہ بد اعمالی کی وجہ سے فقیر بنایا گیا ہوں۔ بلکہ ہر ایک قوم اپنی ہی قوم کو دوسری قوموں پر ترجیح دیتی ہے۔ خواہ وہ مرجع علیہ قوم کیسی ہی اس سے اعلیٰ کیوں

نہ ہو ۔ اگر کوئی چوروں کو بھی پوچھے ۔ تو وہ بھی یہی کہینگے ۔ کہ ہماری ہی قوم سب سے اعلیٰ ہے ۔ اور ہم ہی لوگ بہشت کے وارث ہونگے ۔

اب جبکہ اس سزا کا جسکو آریہ لوگ پیش کرتے ہیں ۔ یہ حال ہے ۔ کہ اس سزا کو سزا سمجھا ہی نہیں جاتا ۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے ۔ کہ لوگ گناہوں کو چھوڑ سکیں ۔ اور پاک ہو کر نجات حاصل کر سکیں مگر اس کے بالمقابل قرآن شریف جس سزا کو پیش کرتا ہے ۔ وہ ایسی خطرناک ہے ۔ کہ لوگوں کے دل سنکر ہی ڈر جاتے ہیں ۔ چنانچہ فرماتا ہے ۔ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ۔ كَلَّا ۔ إِنَّهَا لَظَىٰ ۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ۔ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ۔ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ (سورۃ المعارج) یعنی اس دن (یعنی جزا سزا کے دن) مجرم چاہیگا کہ کاش وہ اپنے بیٹوں اور اپنی بیوی اپنے بھائی اور اپنا وہ کنبہ جسکے پاس وہ جگہ پاتا تھا ۔ اور تمام کچھ جو زمین میں ہے ۔ فدیہ میں دیکر اس دن کے عذاب سے اپنے آپ کو چھڑا لیوے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ ہرگز نہیں تحقیق وہ ایک شعلہ والی آگ ہے ۔ اور سر کو جدا کر دینے والی ہے ۔ کھال کو اس شخص کو جس نے حق سے منہ اور پیٹھ پھیری اور مال کو جمع کیا ۔ اور اسکو بند کر کے رکھا خدا کی راہ میں خرچ نہ کیا ۔ جلاتی ہے ۔ دیکھو اب اس آیت سے صاف پتا لگتا ہے کہ اس دن کی سزا ایسی سخت ہوگی ۔ کہ مجرم لوگ اس کی برداشت کی تاب نہ لاکر اس سے بچنے کی ہر طرح سے کوشش کرینگے ۔ تو اب بتائیے ۔ کہ کیا ویسا آدمی گناہوں کو چھوڑ سکتا ہے جسکو سزا ایسی ہیبتناک اور خطرناک معلوم ہو رہی ہے ۔ کہ اس کی تاب نہ لانا اس کیلئے مشکل ہو رہا ہے ۔ یا وہ شخص جسکو یہ علم ہی نہیں کہ یہ جو کچھ مجھے ملا ہے ۔ وہ ایک سزا ہے جو برعکس اسکے

جی چاہتا ہے۔ کہ کاش کہ میں اور بھی دنیا میں رہوں۔ اور عیش وعشرت کی
زندگی بسر کرتا رہوں حالانکہ سزا تو ایسی ہونی چاہیئے جس سے انسان چھوٹنے کی
کوشش کرے۔ نہ یہ کہ وہ کہے کہ ایسی سزا مجھے اور بھی دی جاوے۔ اور
اس سزا میں جتنی دیر اسکو زیادہ رکھا جاوے۔ اور بھی خوش ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ
قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ
الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ۔ یعنی ظالم لوگ اس
وقت کو دیکھ لیں۔ جبدن کہ عذاب دیئے جاوینگے۔ تو مان لیں کہ واقعی تمام
قوت اللہ ہی کیلئے ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔
پھر سورۃ فاطر میں دوزخیوں کا ذکر کر کے فرمایا۔ کہ جب وہ عذاب کو دیکھینگے۔ تو
کہا ٹھینگے۔ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ۔ یعنی اے ہمارے
رب نکال ہم کو اس عذاب سے ہم ان عملوں کو چھوڑ دیں۔ جو ہم پہلے کیا
کرتے تھے۔ اور نیک عمل بجا لائیں۔ اب دیکھو کس طرح دوزخی سزا کو
ڈر کر اپنی بدعملیوں کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔

پھر سورۃ الحاقہ میں فرماتا ہے۔ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي
لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ۔ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۔ يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ
مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِيَهْ ۔ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَهْ ۔ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ۔
ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۔ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۔
إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۔ وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۔
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۔ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۔ لَا
يَأْكُـــــــلُهُ
إِلَّا الْخَـــــاطِئُونَ ۵

یعنی جسکو اُسکے بائیں ہاتھ میں کتاب دیجاویگی۔ وہ کہیگے ہائے افسوس میری اپنی کتاب نہ دیا جاتا۔ اور نہ میں جانتا کہ کیا ہے۔ میرا حساب ہائے افسوس موت ہی آجاتی جو بالکل میرا فیصلہ کر دیتی۔ نہ ہی تو میرا مال میرے کام آیا۔ اور نہ ہی میرا غلبہ بلکہ وہ بھی مجھ سے جاتا رہا۔ حکم ہوگا۔ کہ پکڑو اسکو اور اسکو طوق ڈالو اور پھر اسکو جہنم میں داخل کرو۔ پھر ایک زنجیر میں جسکی پیمائش ستر ہاتھ ہے اس کو داخل کر دو۔ تحقیق یہ اللہ عظیم پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ اور نہ وہ رغبت دلاتا تھا مسکین کے کھانے پر۔ پس آج کے دن اس کے لئے کوئی ساتھی نہیں اور اس کے لئے کوئی کھانا نہیں۔ مگر زخموں کا دھلن جسکو خطاکار لوگوں کے سوا کوئی نہ کھا سکیگا ۞

پھر سورۃ قمر میں فرمایا۔ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ۔ ترجمہ۔ پکارنے والے کو دوڑتے ہوئے کافر کہینگے۔ یہ بڑا سخت دن ہے۔ غرضیکہ اور بہت سی آیتیں اس مضمون کی ہیں۔ جنکو مضمون کے لمبا ہو جانیکی خاطر سے یہاں درج نہیں کیا جاتا۔ جن سے صاف طور پر پتہ لگتا ہے۔ کہ مجرموں کو جب سزا ملیگی تو وہ اس سزا کو بہت ہی بڑا اور سخت جانینگے۔ اور اس سے بچنے کی ہر طرح سے کوشش کرینگے۔ مگر جب تک کہ ان سے وہ گند (جو گناہوں کی وجہ سے اُنکے ساتھ لگا ہوا ہوگا۔ اور جس نے کہ ان کو اس پاک جگہ میں داخل ہونے سے روکا ہوا ہے۔ جس جگہ کہ سوائے پاکوں کے اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا) دور نہیں ہو جاویگا۔ تب تک وہ اسی دوزخ میں رہینگے اور جب ان تمام گندوں سے پاک ہو جاوینگے۔ تب خدا تعالےٰ کی رحمت جوش میں آئیگی۔ اور ان لوگوں پر رحم کیا جائیگا۔ اور انکو پھر جنت میں داخل کیا جاویگا۔ (جیسا کہ اس حدیث

سے کھلے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یاتی علی جہنم زمان لیس فیہا احد وَالریح
تصفق ابوابھا۔ یعنی جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ اس میں کوئی بھی نہیں
رہیگا۔ اور نسیم صبا اس کے دروازوں کو کھٹ کھٹائیگی) ذکر آریوں کے پرمیشر
کی طرح۔ اس بیچارے کو پاک کرنے کیلئے ہمیشہ جنم مرن کے چکر میں ڈال
رکھا جس سے کہ وہ کبھی بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر آئے
ہیں۔

اگر ہم آریوں کے اعتقاد کو مان بھی لیں کہ کسی زمانہ میں روحیں پاک
ہو کر مکتی حاصل کرینگی۔ تو پھر بھی انہیں کچھ نہ کچھ گناہ ورہی جا رہیگا۔ جیسا کہ ان
کا اعتقاد ہے۔ جسکے سبب سے وہ پھر جنت سے نکالے جاوینگے۔ اور
تناسخ کے چکر میں ڈالے جاوینگے۔ غرضیکہ ان کے اعتقاد کے بموجب یہ کبھی
ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ کہ روحیں کبھی بھی پاک ہو سکیں۔ اور کبھی بھی ان پر
رحمت خداوندی جوش مارے۔ اور انکو اس مصیبت سے چھٹکارا ہو۔

جہنم ابدی نہیں ہے

بعض نادان لوگ اسجگہ یہ اعتراض پیش کیا کرتے
ہیں۔ کہ قرآن شریف دائمی جہنم بتاتا ہے۔ اس لئے پھر کس طرح ہو سکتا ہے
کہ سزا کا اصل مقصد جو اصلاح ہے۔ اس سے حاصل ہو سکے۔ کیونکہ وہ تو
ہمیشہ ہی جہنم میں عذاب اور سزا کو بھگتتے رہینگے۔ اور کبھی بھی اس سے نہیں
نکالے جاوینگے۔ اور اس پر اس آیت (خالدین فیہا ابداً) کو دلیل کے
طور پر پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ لفظ ابد پر ہی غور کرتے تو ان کا یہ سوال
حل ہو جاتا۔ ابد کا لفظ ہرگز اس بات پر دال نہیں کہ وہ کبھی بھی جہنم سے نہیں
نکالے جاوینگے۔ بلکہ ابد ایک لمبی مدت کا نام ہے۔ ہم روزمرہ کے محاورہ
میں بھی دیکھتے ہیں۔ کہ جب کبھی ایسا زمانہ مراد لینا ہوتا ہے جو بہت ہی

لمبا اور قریباً غیر منقطع ہو۔ تو وہاں لفظ ابداً لآباد کا استعمال کرتے ہیں۔ صرف ابد پر ہی کفایت نہیں کی جاتی جس سے کم از کم اتنا تو پتہ لگ گیا۔ کہ ابد کے آگے بھی کوئی مدت ہوتی ہے۔ اس امر کو قرآن شریف نے ایک اور جگہ پر بھی واضح کر دیا ہے۔ فرمایا۔ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (سورہ ہود) یعنی شقی لوگ آگ میں ہونگے اور وہاں وہ لوگ چلائیں گے اور چیخیں گے۔ اور وہ لوگ اس میں رہ پڑینگے جب تک آسمان اور زمین رہے۔ مگر یہ کہ خدا چاہے (وہی ہوگا۔ یعنی جب اللہ چاہے گا نکال دیگا کیونکہ) تیرا رب جو ارادہ کرتا ہے۔ وہ کر لیتا ہے۔

یاد رہے۔ کہ دام کا لفظ عربی زبان میں اس مطلب کے ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے۔ کہ اس کے ماقبل کا حکم تب تک جاری رہیگا جب تک کہ اسکی خبر کا ثبوت رہیگا۔ تو اس جگہ صاف پتہ لگ گیا۔ کہ جب تک آسمان اور زمین رہے۔ اتنے وقت تک جہنمی جہنم میں رہینگے۔ اس کے آگے فرمایا ہاں تیرا رب اگر چاہے۔ تو اسکو بڑھا بھی دے۔ یا کم بھی کر دے۔ کیونکہ وہ جو ارادہ کرے کر سکتا ہے۔ کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ اس آیت سے کم از کم اسقدر تو پتہ لگ گیا۔ کہ دوزخیوں کے لئے دوزخ میں رہنے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ پھر دوسری جگہ سورہ انعام میں دوزخیوں کی نسبت ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ یعنی آگ تمہارا ٹھکانا ہے۔ رہنے والے ہو تم بیچ اس کے مگر جسقدر تمہارا رب چاہے۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر سورۃ القارعہ میں جہنم کی نسبت لفظ اُم کا استعمال کیا ہے۔ فرمایا فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ اُم کا لفظ بھی صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ دوزخی جہنم

میں ہمیشہ نہیں رہینگے کیونکہ ام (ماں) کی گود میں ہمیشہ آدمی نہیں رہتا۔ بلکہ کچھ عرصہ رہکر جب اسکی وہ کمزوری دور ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے اسکو ماں کی گود میں رہنا پڑتا تھا۔ ماں کی گود کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح جہنم میں رہکر بھی جب انسان کے گناہ دور ہوجاوینگے تب وہ اس سے نکالا جائیگا۔ پھر ام کا لفظ شفقت اور مہربانی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ ام کے لفظ سے اشارہ کرتا کہ دوزخیوں کے لئے دوزخ ایک قسم کی شفقت اور مہربانی کا رنگ رکھتی ہوگی۔ اور وہ شفقت اسی طرح ہوسکتی ہے۔ کہ ان کو گناہوں سے پاک کرکے پھر جنت میں داخل کیا جاوے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر ماں سے کسی کو دکھ تکلیف پہونچے پر تو یہ اسکی نادانی ہے۔ کہ اسکو ظلم سمجھے۔ بلکہ اگر وہ اسکو کسی قسم کی تکلیف دیتی ہے۔ تو اصلاح کے لئے ہی تو دیتی ہے۔ اسی طرح جہنم میں انسان کو جو تکلیف پہنچیگی وہ بھی اس کے اصلاح اور اس کے گناہوں کو دور کرنے کے لئے ہوگی۔ اگر یہ باتیں نہیں تو پھر جہنم پر ام کا لفظ کسی طرح صادق نہیں آ سکتا۔ ام کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے۔ کہ جہنم انکے لئے ایک مقررہ وقت تک رہیگا۔ اب اس تمام بیان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ گناہوں سے پاک کرکے لوگوں کو نجات دینے کا طریق جو آریہ لوگ پیش کرتے ہیں۔ وہ کسی طرح بھی رحیم اور درست نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہر طرح سے مضر ہے۔ بلکہ گنہگاروں کو آخر میں بخش کر نجات دے دینا ہی ٹھیک ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے قرآن شریف سے پیش کیا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اتنی بڑی سزا کو دیکھ کر پھر کبھی بھی جرات نہیں کرسکتے۔ کہ گناہ کی طرف خیال تک بھی کریں۔ اس کا مرتکب ہوتا تو وہ گنہگار رہا۔ جیسا کہ میں پہلے ثابت بھی کر آیا ہوں۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے۔ کہ سزا ان کے لئے دائمی ہو۔ حالانکہ قرآن شریف فرماتا ہے

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (سورۂ انعام) یعنی جو نیکی کرتا ہے۔ اسکو دس گنا ثواب ملیگا۔ اور جو بدی کرتا ہے۔ اسکو ایک ہی بدی کے برابر عذاب ملیگا۔ اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا۔ جب بدی کی سزا اسی کی مثل ہے۔ تو پھر صاف پتہ لگ گیا۔ کہ کوئی مقررہ وقت ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نیکی کی جزا بھی دس گنا ہے۔ تو وہ بھی آخر کبھی ختم ہو جاویگی۔ تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اول تو قرآن شریف میں ان کی نسبت خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا کا لفظ آگیا ہے۔ دوسرے وہ تو وہاں خدا کی یاد میں رہینگے۔ اور ان کی نیکی بڑھتی رہیگی برعکس اس کے کہ مجرم لوگ اپنے گناہوں کو وہاں چھوڑ دینگے۔

اب اگر ہم باوجود ان تمام دلائل کے ہوتے ہوئے آریوں کی اس بات کو مان بھی لیں۔ کہ ان کا پرمیشر واقعی کسی نہ کسی وقت روحوں کو پاک کر دیتا ہے تو یہ ایک سخت غلطی ہوگی۔ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے۔ کہ ان کا پرمیشر بالفرض اگر روحوں کو پاک کر دے۔ تو پھر اسکو بالکل نکما اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھنا پڑیگا۔ کیونکہ وہ خود کوئی روح پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ہر وقت اسی فکر میں رہیگا۔ کہ کہیں تمام روحیں نجات نہ پا جائیں۔ اور وہ ہر وقت یہی پسند کرتا ہوگا۔ کہ لوگ کسی نہ کسی طرح گناہوں میں ہی مبتلا رہیں۔ تاکہ یہ دنیا کا سلسلہ چلتا رہے۔

نیک آریوں کی نجات

اس کے بعد میں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ عام لوگوں کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہیں جو لوگ ان کے نزدیک ہیں نیک اور مشتی اور پرمیشور کے پرستار ہیں۔ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ وہ لوگ دائمی نجات تو کیا کسی عارضی نجات کے بھی قائل نہیں

لیکن اگر ہم فرضی طور پر بھی اسبات کو تسلیم کرلیں جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ کچھ عرصہ کے لئے نیک روحوں کو نجات مل جاتی ہے۔ تو اسمیں بھی بڑی بڑی قباحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ جس طرح وہ شخص جس کے پاس تمام عیش وعشرت کے سامان ہوں۔ اور ہر طرح آرام اور راحت کے اسباب بھی میسر ہوں۔ مگر ساتھ ہی اسکو یہ بھی علم ہو۔ کہ اس پر پھانسی کا حکم لگ چکا ہے۔ اور کل وہ پھانسی دیا جاویگا۔ ان خوشکن چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ اس کا سارا دن مصیبت میں گذریگا۔ اسی طرح آریوں کے عقیدہ کے بموجب کوئی مکتی یافتہ روح خوش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسے معلوم ہے۔ کہ یہ سب آرام و آسائش جو مکتی کی وجہ سے مجھے ملے ہیں۔ چند روزہ ہیں۔ آخر پہلے پہلے کی طرح تکلیف اٹھانی ہیں۔ دوسری وہ نجات ہی کس کام کی جس کے آخر میں دکھ ہی دکھ ہے۔ تیسرے یہ کہ انسانی فطرت اسبات کو ہرگز پسند نہیں کرتی۔ کہ وہ ایک تھوڑا سا راحت اور آرام پاکر پھر اس سے نکال دیا جاوے۔ دنیا میں جس انسان سے پوچھو وہی کہیگا۔ کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگ جاوے جس سے میں تمام مصیبتوں اور دکھوں سے رہائی پاکر حقیقی آرام کو حاصل کروں۔ بلکہ ستیارتھ پرکاش میں تو صاف طور سے لکھا ہے۔ کہ ہر ایک انسان دکھوں سے چھوٹنا چاہتا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۰۰ اور پھر سب سے بڑا دکھ جو بیان کیا جاتا ہے۔ وہ مکتی کا حاصل نہ کرنا ہی ہے جسکا نام یہ لوگ بندھ رکھتے ہیں۔ اور بندھ کے معنی یہ کرتے ہیں۔ کہ روح کا جسم میں مقید ہونا تو گویا روح کا جسم میں مقید ہونا یہ ایک بڑا دکھ ہے۔ جس سے چھوٹنا انسانی روح کا ایک فطری تقاضا ہے۔ مگر یہ خواہش اس بیچارے کی کبھی بھی پوری نہیں ہوتی۔ (باقی آئندہ انشاءاللہ)

۱۰۰ میاں محمد علی صاحب کا	۱۲۵ عبد الرحمٰن صاحب کا	۱۳۲ میاں محمد ابراہیم صاحب کا
۲۰۰ منشی حبیب احمد صاحب کا	۲۲۲ سید ناصر شاہ صاحب کا	۳۰ حافظ غلام رسول صاحب چیمہ
۱۵۰ میاں محمد عظیم صاحب کا	۱۵۰ بابو عبد الحمید صاحب کا	۱۵۱ ڈاکٹر محمد حسین صاحب کا
۱۸۰ بابو غلام محمد صاحب کا	۴۴ شیخ عبد العزیز صاحب کا	۲۱۶ چوہدری نظام الدین صاحب کا
۲۴۹ منشی نواب خان تحصیلدار گجرات کا	۱۰ میر حامد شاہ صاحب کا	۲۵۰ چوہدری محمد خان صاحب کا
۲۲۰ ڈاکٹر شاہ نواز صاحب کا	۴۵ منشی سر بلند خان صاحب کا	۵۳ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا
۲۰۳ مولوی محمد علی صاحب چیمہ	۵۰ مرزا آل محمد صاحب کا	۲۵۲ مولوی محمد حسن صاحب کا
۲۰۰ بابو محمد دین صاحب کا	۵۱ بابو عبد الرحمٰن صاحب کا	۲۴۴ محمد سلطان صاحب کا
۵۰۰ منشی شمس الدین صاحب کا	۲۱۱ مولوی غلام حسین صاحب کا	۵۵۵ ماسٹر ہدایت اللہ صاحب کا
۲۸۰ میاں [illegible] کا	۱۲۰ ڈاکٹر کریم بخش صاحب کا	۵۳۳ شیخ عطاء اللہ صاحب کا
۵۵ ماسٹر محمد اشرف صاحب کا	۵۲ محمد حنیف صاحب کا	۲۳۴ ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب کا
۱۸ شیخ محمد یوسف صاحب کا	۲۳۲ چوہدری عبد الحق صاحب کا	۵۰۰ میاں نذیر احمد صاحب چیمہ
۴۲۰ سید محمد شاہ صاحب کا	۲۰۲ منشی رحمت خاں صاحب کا	۲۴۵ میاں احمد دین صاحب کا
۲۵۲ بابو فیض الرحمٰن صاحب کا	۲۰۸ بابو محمد لطیف صاحب کا	۵۰۱ میاں محمد دین صاحب کا
۳۰ میاں احمد دین صاحب کا	۱۸۲ مولوی غلام نبی صاحب کا	۵۵۲ منشی محمد صادق صاحب کا
۲۵۳ میاں خدا بخش صاحب کا	۱۵۰ مولوی فرزند علی صاحب کا	۵۰۹ میاں علی محمد صاحب چیمہ
۲۴۱ عنایت اللہ خاں صاحب کا	۱۶۰ میاں عبد الرحمٰن صاحب کا	۵۰۷ میاں نبی بخش صاحب کا
۲۱۵ حکیم محمد حسین صاحب کا	۱۶۶ میاں محمد یوسف صاحب کا	۵۰۵ میاں تاج الدین صاحب کا
۱۲۰ مولوی غلام حسین صاحب کا	۲۵۵ مولوی غلام نبی صاحب کا	۵۰۴ منشی فتح خاں صاحب کا
۱۴۰ ڈاکٹر عبادت اللہ صاحب کا	۲۶۱ حاجی ابراہیم خلیل صاحب کا	۵۰۶ منشی احمد علی صاحب کا
۳۶ ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب کا	۲۵۰ مرزا احمد ظفر صاحب کا	۵۰۰ میاں عبد الکریم صاحب کا

ڈاکٹر برمن کا بنایا ہوا

TRADEMARK TRADEMARK

اصلی عرق کافور

انیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے

ڈاکٹر، بید اور حکیموں کی یہ رائے ہے کہ ہیضہ کی یہ اکسیر دوا ہے ہیضہ کے شروع ہوتے ہی عرق کافور پلانے سے یہ اپنا فائدہ دکھاتا ہے دست و قے تھوڑے ہی دیر میں بند ہو جاتی ہیں جسم کی جس شے آتی ہو ہاتھ پیروں میں گرمی آتی ہے۔ اور اگر بیہوشی آ جاتی ہو کلورڈین وغیرہ کی قسم ہیضہ کی دوسری دوائیں کہ ... لیتی ہیں یعنی اس عرق کافور کا نتیجہ خراب نہیں ہوتا ہیضہ کو بند کرنیوالی دواسوائے عرق کافور کے دوسری نہیں ہے۔ کسی مقام میں ہیضہ پھیلا ہو تو روزانہ اسکو دس قطرہ انکا استعمال کرنے سے پھر اس بیماری کے پھیلنے کا اندیشہ نہیں رہجاتا کیونکہ یہ ہیضہ کے زہر کو ہلاک کر دیتا ہے وقت پر ہیضہ سے بچنے کیلئے خاص عرق کافور ہی ہے اگر یہ عرق ہیضہ شروع ہوتے ہی دیا جاوے تو سو میں سے نوے آدمی کی جان بچ جاتی ہے ہیضہ میں یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ چند ہی منٹ میں ہلاک کر دیتا ہے پہلے ہی اگر تیاری ہو تو ہوسکتا ہے ۔ ... ہو اس لئے ہر شخص اور خاص کر مسافروں کو یہ لازم ہے کہ وہ عرق کافور کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھیں۔

ہیضہ کے سوائے گرمی کے دست پیٹ کے درد اور بدہضمی میں بھی عرق کافور بہت مفید ہوتا ہے نقل عرقوں سے بچو۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کا اصل عرق کافور اکسیر شیشی میں بھر کر جو پیلے کاغذ کے بکس میں بند رہتا ہے۔ اور ان بکسوں پر ٹریڈ مارک چھپا رہتا ہے۔

قیمت فی شیشی چار آنہ محصول ڈاک ایک سے چار شیشی تک کیواسطے (۵ر)

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن ۹۷۸ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

(باہتمام منشی مظفر الدین اسلامیہ سٹیم پریس میں چھپا)

رسالہ تشحیذ الاذہان

جلد (۵) — نمبر (۳)

ایڈیٹر مرزا بشیر الدین محمود احمد

بابت ماہ مارچ — فہرست مضامین — مطابق ربیع الاول

ایڈیٹوریل نوٹ صفحہ ۸۰ تا ۸۸	ایڈیٹر صاحب
[illegible] صفحہ ..	"
توحید قرآنی و کعبہ اسلامی / وحدت وجودی اور دیانند سوامی	منشی محمد ظہیر الدین صاحب
انبیاء و محبین کے رزق صفحہ ۹۰ تا ۹۹	ایڈیٹر صاحب
نجات صفحہ ۱۲۰ تا ۹۰	"

باہتمام حافظ عبد الرحیم مورخہ ۳۱ مارچ [illegible] کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

بقیہ رسیدات زر بابت ماہ جنوری ۱۹۱۰ء

۱۰۰ میاں محمد عبداللہ صاحب کا ۔ ۵۰ میاں پیر محمد صاحب کا ۔ میاں منصب علی و صاحب نیز ۲۲ کا

۲ میاں کرم خان صاحب کا ۔ ۳ میاں شمس الدین صاحب کا ۔ منشی عبدالرحمن صاحب کا

۱ ماسٹر عبدالعزیز صاحب کا ۔ ۲ میاں ابراہیم صاحب کا ۔ منشی غلام رسول صاحب کا

۲ عبدالکریم خان صاحب کا ۔ ۲ منشی عبدالعزیز صاحب کا ۔ میاں صاحب الدین صاحب کا

۲ حاجی رحمت اللہ صاحب کا ۔ ۳ ڈاکٹر محمد الدین صاحب کا ۔ میاں عبدالرحمن صاحب کا

۱ مولوی الٰہی بخش صاحب کا ۔ ۲ بابو اسماعیل الدین صاحب کا ۔ میاں رحمت اللہ صاحب کا

۱ مولوی محمد قمر الدین صاحب کا ۔ ۳ منشی ہاشم علی صاحب کا ۔ ۲ منشی عبدالغنی صاحب کا

۴ مولوی سردار بشیر بہادر صاحب کا ۔ ۱ میاں اللہ دتا صاحب کا ۔ ۱ جلیل احمد خان صاحب کا

۳ بابو فخر الدین صاحب کا ۔ ۱ میاں محمد عبداللہ صاحب کا ۔ ۱ میاں مہر الدین صاحب کا

۱ منشی محمد یعقوب صاحب کا ۔ ۳ ملک عباس خان صاحب کا ۔ ۱ بابو نذیر الدین صاحب کا

۲ منشی اکبر علی صاحب کا ۔ ۱ چوہدری مرزا خان صاحب کا ۔ حکیم نظام الدین صاحب کا

۵ میاں عبدالعزیز صاحب کا ۔ ۲ بابو اشتیاق حسین صاحب کا ۔ ۱ میاں حشمت صاحب کا

۲ قاری صدرالدین صاحب کا ۔ ۲ میاں احمد دین صاحب کا ۔ ۲ سید تفضل حسین صاحب کا

۲ علاؤالدین صاحب کا ۔ ۲ منشی عطاء الٰہی صاحب کا ۔ ۱ سید احمد حسین صاحب کا

۳ میاں بوٹے شاہ صاحب ... ۔ میاں محمد میر صاحب کا ۔ ۱ میاں غلام محمد صاحب کا

۲ اخوند محمد افضل صاحب ... ۲ میاں احمد دین صاحب کا ۔ ۱ میاں علی محمد صاحب کا

۲ منشی مظفر الدین صاحب کا ۔ ۱ سید محمد اصغری صاحب کا ۔ ۲ قادر صاحب ...

۱ منشی ذوالفقار علی صاحب کا ۔ ۳ سیکرٹری انجمن احمدیہ مرحوم کا ۔ ۱ منشی عبدالحکیم صاحب کا

۲ قاضی عبدالحق صاحب کا ۔ ۲ مولوی امیر احمد صاحب کا ۔ ۱ منشی یار محمد صاحب کا

۳ منشی غلام اکبر صاحب کا ۔ ۱ میاں محمد عبداللہ صاحب کا ۔ ۱ بابو نور محمد صاحب کا

(باقی آئندہ) مظہر بخش ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایڈیٹوریل نوٹس

پٹیالہ سڈیشن کیس کا فیصلہ پٹیالہ سڈیشن کیس جس میں کئی درجن آریہ سماجی الزام سڈیشن میں ماخوذ تھے۔ آخر کار ختم کیا گیا ہے۔ اور مہاراجہ صاحب پٹیالہ کے خاص حکم سے کل ملزموں کو معاف کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ مہاراجہ صاحب ایسے لوگوں کا اپنی ریاست میں رہنا پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ان کے کل ملازم ملازمت سے موقوف کئے گئے ہیں۔ اور سب کو ریاست سے باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ خدا کرے۔ کہ یہ حکم ملزموں کے خیالات کے تبدیل کرنے کے لئے کافی ثابت ہو۔ مگر کون کہہ سکتا ہے۔ کہ انہیں سے حقیقی ملزم کون تھے۔

ایک اور واردات اب کے بھی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے۔ کہ واردات سڈیشن اور بغاوت کچھ کم نہیں ہوئیں۔ مجھے تو ان لوگوں کے حالات کو دیکھکر حیرت ہی ہوتی ہے۔ جو کام یہ لوگ اس چند روزہ زندگی کے لئے کر رہے ہیں۔ اور وہ بھی اخلاق کے برخلاف جس کام میں سے احسان فراموشی اور فساد کی بو آتی ہے۔ اور جو کام ... فطرت انسانی کے برخلاف ہے۔ اگر اسکی بجائے ایسے لوگ خدا تعالےٰ کا پتہ تلاش کرتے اور اُس کے حضور میں عزت حاصل کرتے۔ اور اس کے دربار میں باریابی کی کوشش کرتے۔ اور اس دنیا کی بادشاہت کی بجائے آسمان کی بادشاہت کی طرف توجہ لگاتے تو معلوم کن کن احسانات و انعامات الٰہیہ کے مورد بنتے مگر افسوس کہ جن کے دل میں حشر و نشر پر ہی ایمان نہیں۔ وہ اگر اس دنیا کو سب

کچھ بھی نہیں۔ اور ان کا کل زور جائز و ناجائز اس کے حصول پر خرچ ہو تو کیا تعجب۔
اے کاش انکو معلوم ہوتا۔ کہ حقیقی بادشاہت آسمانی بادشاہت ہے۔ اور یہی حشمت
روحانی راحت ہے اور اصل معشوق اس پاک ذات کی ہستی ہے۔ جو کل موجودات کا
خالق اور رازق ہے۔ کیا انکو یہ نظر نہیں آتا کہ دنیا میں اسوقت تین ہی رنگ کی
بادشاہتیں ہیں جو یا تو آنحضرت کو یا مسیح کو اور یا بدھ کو مانتی ہیں یہ لوگ کون تھے۔ کیا
انکی عزتیں سلطنتوں کی وجہ سے ہیں۔ کیا ان کی حکومت دنیا پر سب کیسر کی وجہ سے
ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے لئے دنیا کو چھوڑ دیا۔ سو
خدا نے کل دنیا کے بادشاہوں کو انکے ماتحت کر دیا۔ تمام بادشاہ مرتے ہیں۔ اور
ان کی جگہ کوئی اور تخت نشین ہوتا ہے۔ مگر کوئی بادشاہ بھی بیٹھا اسکو ان میں سے
کسی کے آگے ضرور گردن جھکانی پڑتی ہے۔ پس مبارک وہ جو دنیا کی آلائشوں سے
پاک ہو کر خدا کے حضور گرتا ہے۔ اور اس کے آخری اور کامل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے حضور میں اپنی جان کو پیش کرتا ہے۔ اسپر موت کبھی نہ آئیگی۔ اور جنت ہمیشہ کی زندگی
اُس کا حق ہوگی۔

تازہ واردات جس کا اشارہ شروع میں کیا ہے۔ وہ ہوگلی میں ایک اسپکٹر
مسٹر ہال پر پستول کا وار ہے۔ ملزم بائیسکل پر سوار تھا کہ بازار میں گزرتے ہوئے
مسٹر ہال پر پستول کا وار کیا۔ مگر بحمداللہ خالی گیا گو ملزم فرار ہوگیا۔ پکڑا نہیں گیا۔ علاوہ
ازیں بنگالہ میں ریلوے پر پتھر پھینکنے کی شرارت از سر نو عود کر آئی ہے۔ نہ معلوم
یہ لوگ انسانیت سے باہر کیوں نکلے جاتے ہیں۔

عیسائیت اور امن حضور شاہ قیصر نے آرچ ڈیوک آف کنٹربری سے
ایک ملاقات کے موقعہ پر فرمایا کہ دنیا میں امن کے پھیلانے میں عیسائیت نے
بڑا کام کیا ہے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ حضور شاہ قیصر کی مراد اس سے عیسائی

سلطنتیں ہونگی کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ جہاں جہاں عیسائی سلطنتیں ہیں وہاں عموماً امن عامہ میں بہت ترقی ہوئی ہے۔ خاصکر برٹش گورنمنٹ تو امن کے پھیلانے میں آسمانی برکت ثابت ہوئی ہے۔ مگر کسی پادریوں نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر کبھی رکھی نہیں۔ ہاں گورنمنٹ کے زبردست ہاتھ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ تو یہ اور بات ہے۔ لیکن مذہبی رنگ میں اگر کسی کو فخر ہے۔ تو وہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ جنہوں نے تیرہ سو برس پہلے مسیح کے زمانہ میں یضع الحرب کی خبر دے چھوڑی تھی۔

نجات اس رسالہ میں دوسری جگہ پر ناظرین نجات کا مضمون ملاحظہ فرما دیں گے چونکہ یہ مضمون سلسلہ وار ہوگا۔ اور نہ معلوم کہ چار یا پانچ یا زیادہ رسالوں تک اس کا سلسلہ جاری رہے۔ اس لئے اس کے شائع کرنے میں دو صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنی پڑیگی یعنے یا تو اس رنگ میں شائع ہو۔ کہ آخر میں ایک کتاب بن جائے یا رنگ حصوں میں۔ اگر کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے۔ تو یہ نقص ضرور ہوگا۔ کہ مضمون کا لحاظ نہیں کیا جائیگا۔ کہ کسی مناسب جگہ پر ختم ہوتا ہے۔ یا نہیں۔ بلکہ صفحوں کا لحاظ کیا جائیگا۔ اگر کتاب کی صورت میں شائع نہ ہو۔ تو مضمون کا لحاظ رکھا جاویگا۔ کہ ایسے حصوں میں شائع ہو کہ پڑھنے والے کا حرج نہ جاتا رہے۔ مگر اس صورت میں آخر کتاب نہ بن سکیگی امید ہے۔ کہ ناظرین بہت جلد اپنی اپنی رائے سے مطلع فرما دیں گے۔ تاکہ آئندہ پرچہ کثرت رائے کے مطابق شائع ہو۔ مگر اطلاع جلد آنی چاہئے۔

یادِ حبیب

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند فارسی شعر جو پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے۔ درج کیے جاتے ہیں

رائے واعظ گرچہ رائے من است — لیک عشق تو بنا پائے من است

آہ صد آہ رفت عمر بباد — نقش بکیش ما شد منقاد

ہیچ دشمن بدشمنے نکند — آنچہ کردیم ما بخود بیداد

کافران مردگان دل باشند — برنیاید ز مردگان فریاد

دل نہادن بعشرت دنیا — باز دارد ز کارہائے معاد

شخص دنیا پرست در دنیا — چند روزے بسر کند دلشاد

فضل حق باید و ریاضت سخت — تا برآید ز کذب و شر و فساد

ہر کہ از شیر نفس خویش برست — گنہش طاعت است و جودش داد

دیگر

من نہ واعظ کہ عاشق زارم — آید از طور و اطفال عارم

نزد بیگانگان جنون زدہ ام — نزد معشوق نیک ہشیارم

دیگر

نہ در فراق قرار آیدم نہ وقت وصال — بخیر تم کہ من از عشق و چہ بجویم

دیگر

کاش تا دوست راہ یافتے — فرصت یک نگاہ یافتے

رفتی و درد عشق بجانم گذاشتی
دیگم خبر نشد بدل اندرچہ داشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید قرآنی وکعبۂ اسلامی

نیز

وحدت وجودی اور دیانند سوامی

(سلسلہ کے لئے گذشتہ رسالہ ملاحظہ ہو)

قرآن شریف نے ایک ایسے وجود کا ذکر کیا ہے، جو اپنی ذاتی وجاہت کے لحاظ سے اپنی قوم کا لیڈر تھا اور جب اپنی خوبیوں کے ادنےٰ حالت سے ترقی کر کے اعلےٰ سوسائٹیوں میں میل جول رکھنے کے قابل ہو گیا تھا جس سے امیرانہ وقار اور مغرورانہ وسنگبا اس میں پیدا ہو گیا تھا، باوجود حکم الٰہی کے ایک عظیم الشان انسان کے ماتحت ہونا باعث ننگ و عار سمجھتا تھا۔ خدا کو ایک مانتا اور نیز اپنے آپکو اس کی مخلوق میں سے ایک نامی فرد خیال کرتا تھا۔ لیکن اسکو قرآن شریف میں باوجود اس کے کہ وہ اس وحدانیت کا قائل تھا جو اس کے اپنے دماغ کا نتیجہ تھی شیطان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور ایک مردود اور ملعون وجود مانا گیا ہے۔ اور یہ نتیجہ تھا اس فعل کا جو اس نے اس توحید کو حاصل کرنے سے انکار کیا، جو انبیاء کی اطاعت سے حاصل ہوتی ہے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوا کرتا ہوں کہ سوامی جی نے بھی ایسی ایسی ٹھوکریں کھائی ہیں جن کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ انبیاء کی نافرمانی اور اس سے بڑھ کر بے عزتی کرنے میں اپنے زمانہ میں ایک خاص فرد تھے چنانچہ پرمیشر کے متعلق وہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۲۲۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ ایشور یہ مانتا سب کو ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ سارے انسانوں میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری

دنیا کا مالک ہوں۔ میں ہی ظہورِ عالم کا قدیمی باعث ہوں۔"

اب غور کرنا چاہئے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں سوامی جی نے ایشور کا، روح، مادہ وغیرہ سب سے پہلے موجود ہونا مانا ہے۔ اور سب چیزوں کے ظہور کا ایشور کو ہی قدیمی باعث بیان کیا ہے۔ اور نیز لکھا ہے، کہ پرمیشر کا آنکھ کا آلہ نہیں لیکن سب کو ٹھیک ٹھیک دیکھتا ہے۔ کان نہیں۔ پھر بھی سب کی باتیں سنتا ہے۔ حواس باطنی نہیں مگر تمام دنیا کو جانتا ہے۔ صفحہ ۲۲۰۔ سرب شکتیمان، اپنی قدرت ہی سے سب دنیا کی پیدائش قیام اور فنا کرنے والا وہ کسی کی مدد نہیں لیتا۔ صفحہ ۲۳۴۔ جیو قدرت ذرا بھی اپنی عقل کو وسیع کر کے نہیں سوچتے ہیں، کہ سب وشنو، رودر، شیو وغیرہ نام ایک لاشریک منتظم کل ہمہ دان پرمیشر کے کئی اوصاف افعال عادات والا ہونے کے باعث اس کے مفہوم ہیں۔ بھلا کیا ایسے لوگوں پر پرمیشر کا غضب نہ ہوتا ہوگا۔ صفحہ ۴۰۶۔

مجھے مندرجہ بالا فقرات پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سوامی جی ایک شریف الطبع مسلمان کی طرح صاف صاف اسلامی عقیدہ بیان کر رہے ہیں۔ لیکن آپ صاحبان شاید یہ سن کر تعجب کریں گے کہ سوامی جی کی غضبناک طبیعت کو جب جوش آتا ہے۔ تو پھر ذرا بیجا بھلا بے تحاشا کچھ کا کچھ لکھتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۶۸۱ پر مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں، کہ تم جو کہتے ہو، کہ آفرینش کے پہلے سوائے خدا کے کوئی بھی دوسری چیز نہ تھی، تو یہ دنیا کہاں سے ہوئی۔ علت کے بغیر معلول نہیں ہوتا، تو اتنا بڑا جہان علت کے بغیر کہاں سے آگیا۔ اگر کہو کہ خدا کی مرضی سے تو کیا تمہاری مرضی سے مکھی کی ایک ٹانگ بھی بن سکتی ہے۔ جو کہتے ہو کہ خدا کی مرضی سے یہ سارا جہان بن گیا۔ (نعوذ باللہ من ہذا الہفوات کیا خدا اور انسان برابر درجہ رکھتے ہیں۔) اور نیز صفحہ ۴۵۹ پر لکھا ہے، کہ جیو اور ایشور دونوں بالذات چیتن ہیں۔ طبیعت دونوں کی پاک غیر فانی اور دانک وغیرہ ہے۔ پھر صفحہ ۲۰۰ پر کہا ہے۔ کہ پرکرتی۔ جیو اور پرمیشر تینوں غیر

موجود ہیں۔ یعنی ان کی کبھی پیدائش نہیں ہوئی۔ اور نہ کبھی پیدا ہوتے ہیں۔ گویا یہ تینوں اس عالم کے سبب ہیں۔ ان کی کوئی علت نہیں۔

ناظرین رسالہ آپ آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ ایک جگہ سوامی جی نے اگر خدا کو لاشریک مانا ہے۔ تو دوسری جگہ جیو کو ایک پہلو سے خدا کا شریک بھی مان لیا ہے۔ اور ایسے ہی پرکرتی کو بھی۔ اگر ایک جگہ بغیر مادی کانوں اور ہوا کے پرمیشر کا سننا مانتے ہیں۔ اور بغیر مادی آنکھوں اور روشنی کے دیکھنا تسلیم کرتے ہیں۔ تو دوسری جگہ اسکو بغیر مادہ کے بنانے سے عاجز تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ایک جگہ سرب شکتیمان پرمیشر کی طاقت ایسی تسلیم کی ہے۔ کہ اسے کسی کی مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ تو دوسری جگہ اسے روح اور مادہ کی مدد کا محتاج مانا گیا ہے۔ اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے۔ کہ علت کے بغیر معلول نہیں ہوتا۔ تو دوسری جگہ تین معلول ایسے مانے ہیں۔ جن کی کوئی علت نہیں ایک جگہ پرمیشر کے سوائے پرکرتی اور روح دو ایسی چیزیں مانی گئی ہیں جن کی کوئی علت نہیں مانی گئی۔ غرض کہاں تک سوامی جی کی بلند پروازیاں اور اختلاف بیانیاں آپ لوگوں کے سامنے بیان کروں۔ اگر خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے توفیق دی تو انشاء اللہ پھر کسی وقت مفصل مضمون آریہ مت کے متعلق تحریر کروں گا۔ فی الحال اپنے اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہوئے الزامی جواب کو بند کر کے تحقیقی جواب عرض کرتا ہوں۔ کہ ایسا انسان جو شرک اور توحید میں تمیز ہی نہیں کر سکتا۔ اور سب سے زیادہ اہم اصولوں میں متضاد باتیں لکھنے سے نہیں جھجکتا۔ اگر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو بت پرستی کہلائے تو کونسی بڑی بات ہے۔ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے۔ الٰہکم اللہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمٰن الرحیم۔ یعنی تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے۔ اور کوئی معبود نہیں۔ بجز اللہ جو کہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ پھر لکھا ہے۔ فلا تدعوا مع اللہ احدا۔ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارو۔ اب ہر ایک سمجھ سکتا

ہے۔ کہ اہل اسلام کو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت اور پرستش کا حکم ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ ومن اضل ممن یدعوا من دون اللہ یعنی اس سے زیادہ کون گمراہ ہے۔ جو اللہ کے سوائے دوسروں کی عبادت اور پرستش کرتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ نماز ایک عبادت یا یوں کہو کہ ایک خاص دعا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے طریقہ پر اور انہیں کی اتباع اور اطاعت کا خیال کر کے خدا کے حضور۔ کی جاتی ہے۔ ساری نماز خدا کی تحمید تقدیس اور دعا ہی دعا ہوتی ہے۔ کچھ دعائیں اپنے لئے کچھ دعائیں .. .. دیگر صالحین کیلئے اور کچھ انبیاء کے لئے اور نیز خاص طور پر افضل الرسل اور خاتم النبیین کے لئے جس کے ذریعہ سے ہم نے یہ نعمت حاصل کی ہے دعائیں خدا کے حضور کی جاتی ہیں۔ نماز اللہ کے نام سے ہی یعنی اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ اور اللہ کے نام یعنی رحمت اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ اور کعبہ کا ذکر تک بھی نہیں ہوتا۔ ایک ذرہ اشارہ بھی نماز میں اس قسم کا نہیں پایا جاتا۔ جس سے ثابت ہو کہ اہل اسلام نماز میں کعبہ کی تعریف کرتے یا کعبہ سے دعائیں مانگتے یا کعبہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان حقیقی الوہیت ہے۔ الوہیت سے الگ ہو کر انسان عبادت کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں روح حقیقی الوہیت نہیں۔ اور اس کا مادیات سے کام کیا وہ تو صرف آستانہ الوہیت پر گرنا جانتی ہے۔ بشرطیکہ شیطان روک ڈالنے میں کامیاب نہ ہو۔ انسان جو بظاہر ایک شی کو پوجتا نظر آتا ہے۔ یہ اس عالم میں جہت کے بغیر کبھی نہیں رہ سکتا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے غرض ہر گھڑی انسان اپنے منہ کو ایک نہ ایک طرف ضرور رکھتا ہے۔ اور اس کے بغیر گذارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو جب یہ حال ہے تو کیا تمام دنیا کے انسان بُت پرست ہیں۔ جو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے روتے ہنستے۔ مانگتے ہوئے دیتے ہوئے غرض ہر وقت اور ہر لحظہ

ایک منہ ایک طرف مُنہ رکھتے ہیں۔ سوچنا چاہئے۔ کہ خدا کی تمجید اور تقدیس کرتے ہوئے
ہر ایک انسان کا مُنہ مخلوقات میں سے کسی ایک نہ ایک چیز کی طرف ہمیشہ رہتا ہے
تو کیا یہ بُت پرستی ہے؟ یا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے۔ کہ وہ عابد انسان بُت پرست
ہے۔ کیونکہ خدا کی یاد کرتے اور خدا کو پکارتے وقت اس کا منہ کسی نہ کسی چیز کیطرف
ہی ہے۔ جو از قسم جمادات وغیرہ ہے۔ ہر ایک منصف یہی جواب دیگا کہ ہرگز نہیں
ایسے ہی ایک نماز پڑھنے والا انسان جب خدا کے آگے ہاتھ باندھکر کھڑا ہوتا ہے
جھکتا یا سجدہ کرتا ہے۔ تو ہزاروں دیواریں اور مکانات پہاڑ اور نباتات غرض ہزارہا
اشیاء اس کے آگے ہوتی ہیں۔ تو کیا وہ ان کو پوجتا اور ان کی پرستش کرتا ہے؟ ہر ایک
شریف انسان کہیگا۔ کہ ہرگز نہیں۔ کیونکہ انسان مقید فی الجہت ہونے کے سبب
سے ایک نہ ایک طرف ضرور منہ رکھیگا۔ پس ثابت ہوا کہ نماز پڑھتے وقت ایک خاص طرف
منہ کر لینا یہ بت پرستی نہیں۔ بلکہ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اور اس کے بغیر
ایک سیکنڈ بھی انسان دنیا میں نہیں رہ سکتا۔ اسی اصول کی بنا پر خالق فطرت نے بنی
نوع انسانوں میں اتفاق اور یکجہتی کو پیدا کرنے کے لئے اپنی طرف سے گر ایک
جہت اور سمت کو مقرر کر دیا ہے۔ تو اس میں اعتراض کون سا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا
کہ اس مکان کی پرستش کرو۔ یہ نہیں کہا کہ وہ مکان تمہارے نفع و ضرر کا مالک ہے۔
یہ نہیں کہا کہ اس مکان کیطرف صرف منہ کر لینا کوئی اعلےٰ درجہ کی نیکی ہے۔ کہا تو
یہ کہا کہ اپنے اپنے قبلوں مقصدوں خواہشوں راؤں اور نیز مختلف جہتوں کو چھوڑ کر
آپس میں محبت اور اخلاص کو بڑھانے کے لئے نماز کے وقت صرف ایک جہت کی
طرف منہ کر لیا کرو۔ کیونکہ اس سے اتفاق پیدا ہوگا۔ اور نفاق کا ستیاناس ہوگا۔ اگر
خدا تعالیٰ نے خود کوئی خاص قبلہ انسانوں کے لئے مقرر نہ کرتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ آپس
میں یکجہتی کو قائم رکھنے کے لئے انسان خود کوئی تجویز نکالتے۔ جیسے کہ ان سب

لوگوں کی روش سے ظاہر ہے۔ جو اسلام کے مخالف ہیں۔ بڑے بڑے مجمعوں میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس طور سے فرش بچھائے جاتے اور بیچ کرسیاں جاگزین کی جاتی ہیں۔ تاکہ یکجہتی میں فرق نہ آوے اور سب کے سب ایک ہو کر لیکچرار کی آواز کو سن سکیں۔ عام ہندو لوگ اکثر اوقات ایک قسم کی عبادت کیا کرتے ہیں جس میں ڈھولکی اور چمٹے بڑے شوق اور تپاک سے بجاتے ہیں۔ گو یہ معمولی سی بات ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یکجہتی اور اتفاق کو قائم رکھنے کے لئے وہ بھی ایک دائرہ باندھ لیتے ہیں۔ غرضیکہ اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو مختلف ملکوں میں قوموں کی پابندی طور طریق میں لباسوں کی یک رنگی ایسے ہی رسموں کا قائم کرنا قاعدہ کا بنانا یہ سب کے سب انسانی افعال اس بات پر گواہی دیتے ہیں۔ کہ انسان کو اتفاق اور یکجہتی کو قائم کرنیکی سخت ضرورت ہے۔ وہ اسی غرض کیلئے انسان آئے دن اپنے رسموں میں کتربیونت اور ترمیم کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ وہ عالم غیب اور رحیم کریم ہستی ہے۔ کہ اس نے انسانوں کو پیدا کر کے ان کی طبیعت میں مختلف خواہشوں کو ودیعت کر کے یہ نہیں کہا کہ تم خود اب ان خواہشوں کو پورا کرنیکے لئے اشیاء حاصل کرو بلکہ وہ سب اشیاء بھی خود مہیا کر دی ہیں۔ غور کرو کہ انسان کو دیکھنے کی خواہش تھی تو آنکھیں بنائیں۔ روشنی بنائی۔ پینے کی خواہش تھی تو دودھ پیدا کیا پانی بنایا غرض جس قدر انسان کے اندر خدا نے اپنی طرف سے طاقتیں اور خواہشیں ڈال رکھی ہیں۔ ان طاقتوں کی ترقی کے اسباب اور خواہشوں کے پورا کرنیکا سامان بھی ساتھ ہی پیدا کیا ہے۔ اور ساتھ ہی انسان کو نیکی بدی کی تمیز کرنے کا آلہ اور عقل بھی دے یا نعمت دیکر ایسے احکام بھی جاری کر دیئے جن کا بجا لانا انسان کی استطاعت اور مقدرت کے اندر ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے۔ کہ انسان ان سامانوں کا استعمال بُری طرح کو شروع کر دے لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ وہ سب سامان بھی خود خدا تعالےٰ نے ہی

انسان کے لئے پیدا کئے ہیں۔ مثلاً انسان جب طبعیت کو بھیکر یا ہوش و عقل ہو جاتا ہے تو اس وقت صاف سمجھ آجاتا ہے۔ کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے وہ یقیناً اس صفحۂ ہستی پر موجود نہ تھا۔ اور کچھ مدت بعد یقیناً یہاں سے اُسے کوچ کرنا پڑے گا۔ لاکھ تجویزیں کی جائیں مگر پیش نہیں جائیگی لیجانے والے لے جائینگے۔ ایسے ہی جب وہ اپنی بناوٹ میں غور کرتا ہوا طرح طرح کی حرکات سکنات ظاہر کرتا دکھ سکھ محسوس کرتا روتا ہنستا کسی سے عداوت کسی سے محبت ان امور میں غور کرتا ہے۔ تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں اپنے سے برتر ہستی کی تلاش کے لئے ایک خواہش موجود ہے۔ ہاں اگر ایک انسان دنیوی افکار اور شہوانی کاروبار نفسانی جذبات اور برے خیالات کے سبب سے اس خواہش کو محسوس کرنیوالی حس سے ہی ہاتھ دھو چکا ہو تو یہ اور بات ہے مگر ہر ایک انسان کے اندر اپنے سے برتر اور اعلیٰ ہستی کی تلاش کی ایک خواہش ضرور موجود ہے۔ جب تک ایک انسان انسان رہے گا۔ خواہ اس جہان میں یا اس جہان میں جو اس کے بعد آنیوالا ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ وہ اس فطرتی خواہش سے محروم ہو سکے یا محروم کر جاوے۔ کیونکہ یہ انسانی طبیعت کا ایک جزو لاینفک ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ اس خواہش کے پورا ہونے کا بھی کوئی انتظام موجود ہے یا نہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جیسے خدا تعالیٰ نے انسان کی آنکھوں میں دیکھنے کی ایک طاقت رکھکر اور روشنی کا بھی محتاج بنا کر پھر خود ہی سورج چاند وغیرہ بھی پیدا کر رکھے ہیں۔ اسی طرح جہاں اس نے انسان کے دل میں اپنے ملاپ کی خواہش پیدا کی ہے۔ وہاں دوسری طرف خود ایسے سامان بھی مہیا کر دیئے ہیں۔ جن سے انسان اپنی اس خواہش کو پورا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور انسان کی حوصلہ افزائی کے لئے ہزاروں رسل انبیاء اور راستبازوں کا گروہ دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ ایسے ہی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ مرد کے دل میں موت کے لئے ایک خواہش قدرتی طور پر موجود ہے۔ اگر کوئی انسان

بدعملیوں کی وجہ سے اپنے آپکو برباد نہیں کر چکا یا قدرتی طور پر نکما ہونے کے باعث مجرد رہنے کے لائق ہے۔ یا بہ سبب خاص ضروریات کے (مثلاً مہواتی خواہشات کو کسی اور ذریعہ سے پورا کیا جاتا ہو) عورتوں سے نفرت ظاہر کرتا ہو۔ تو یہ اور بات ہے۔ مگر ایک تندرست نیکوکار انسان کے دل میں عورت کے ملاپ کے لئے ایک زبردست خواہش موجود ہے (یہی وجہ ہے۔ کہ اسلام نے ان مرد عورتوں کو جن کا آپس میں نکاح جائز ہے۔ سوائے نکاح کے آپس میں کھلے میل جول سے منع کیا ہے۔ اور پردہ کا حکم دیا ہے) اور ایسے ہی عورت کے دل میں مرد کے لئے بھی۔ تو اب اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے خدا تعالے نے مرد عورت کو جوڑا بنایا ہے۔ کسی ایک کو تنہا پیدا نہیں کیا۔ غرض یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ کہ خدا تعالے نے انسان کے من میں جہاں ایک طرف خواہشات لگا دی ہیں۔ وہاں دوسری طرف دنیا میں ان خواہشات کے پورا ہونے کا سامان بھی موجود کر دیا ہے۔ اور پھر ان خواہشات کے استعمال کے لئے اسی ذات پاک نے جس نے انسان کو پیدا کر کے وہ خواہشات ڈالیں اپنی طرف سے اصول بھی بنا دیئے ہیں۔ انہیں خواہشات میں سے ایک فطرتی خواہش انسان کی یہ بھی ہے۔ کہ وہ آپس میں میل ملاپ اور اتفاق سے رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔ پس خدا تعالے نے اس خواہش کو پورا کرنے کی خاطر انسانوں کے لئے ایک ہی دین اور ایک ہی قبلہ مقرر کر دیا۔ اور خدا پرستش کے لئے ان سب سمتوں اور جہتوں سے جو انسان خود اپنے لئے تجویز کر لیتا ہے۔ منع کر کے ایک ہی جہت کو مقرر کر دیا۔ اور اسکے مقرر کرنے میں عظیم الشان فوائد نظر آتی ہیں۔ انسان کا اصل مقصود تو اللہ تعالے کی عبادت اور پرستش کرنا ہے۔ نہ کہ کسی مکان کی طرف منہ کر چھوڑنا۔ تحویل قبلہ سے جہاں اور باتیں بھی مقصود تھیں (مثلاً جماعت کو قائم کرنے اور ان میں ایک جہتی کا قائم کرنا) ان میں سے اول مقصود یہی تھا۔ کہ بت پرستی سے روکنے کے لئے ایک زبردست سد راہ قائم کیا جائے

پھر کہ مقام ابراہیم اور اس کی جگہ ہونے کے سبب توحید پھیلانے کیلئے بطور ایک عظیم الشان خوشگوار چشمہ کے ہے۔ اور اس کی ترقی عزت اور حفاظت کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے خاص پیشگوئی ہے جبکہ ہر آن پورا ہوتے دیکھ کر توحید الٰہی اور ہستی باری تعالیٰ کا خیال پیدا ہوتا ہے۔

اس سے ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے۔ کہ عبادت کیواسطے اور جہتوں کو چھوڑ کر مسجد الحرام کی سمت مقرر کرنا یہ تو نہایت ہی خوبی کی بات ہے۔ نہ کہ جائے اعتراض۔ ہاں اگر نماز میں کعبہ کی پوجا یا پرستش کا کوئی لفظ ہوتا یا یونہی کسی اور پہلو سے بھی کوئی اشارہ یا کنایہ ہوتا تو البتہ ایک بات تھی مگر نماز میں تو ایک حرف بھی ایسا نہیں۔ جس میں کعبہ کا ذکر ہو۔ پھر ایک اور بات بھی گوش ہوش سے سننے والی ہے۔ کہ اہل اسلام کے نزدیک تو نماز کے وقت کعبہ کی طرف صرف محاذاۃ جہت کے (اور وہ بھی اطمینان کی حالت میں خوف یا سواری کی حالت میں ضروری نہیں) منہ کرنا جائز رکھا ہے نیت استقبال کو ممنوع سمجھا گیا ہے۔ نیت تو صرف خدا کی عبادت کی ہوتی ہے۔

دیوار ہائے کعبہ کے بالمقابل ہونے کی بھی کوئی شرط نہیں۔ اور پھر وہ دیواریں کئی دفعہ منہدم ہوئیں اور کئی دفعہ از سر نو تعمیر ہوئیں۔ اور ہونگی۔ غرض زیادہ کیا لکھا جاوے ایک عقلمند کبھی یہ اعتراض نہیں کریگا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنا بت پرستی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ بت معبود ہوتے ہیں۔ ان سے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ ان کی یاد کی جاتی ہے۔ ان کے سامنے انتہا عجز و نیاز کیا جاتا ہے۔ ان کو اپنے نفع اور ضرر کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ جہاں بت ہوں۔ وہیں پرستش ہوتی ہے۔ اور جگہ نہیں۔ بتوں کے سامنے بتوں کی تعریف کی جاتی اور گیت گائے جاتے ہیں۔ پھول کے ہار ان کے گلے میں ڈالے جاتے ہیں۔ اور ان سب باتوں کا نماز کے ساتھ ایک ذرہ تعلق نہیں۔ بت پرستی اور چیز ہے۔ اور اتفاق کے لئے ایک خاص جہت کی طرف

منہ کر لینا اور بات ہے۔ کہاں ایک خاص وجود تیار کر کے اس سے مرادیں مانگنا،
اس کی تعظیم کرنا، اس کی عبادت کرنا، اس کے پاس موجود ہونے کی حالت میں ادب سے
اس کے ساتھ پیش آنا، غیر حاضری میں اس کی عبادت نہ کرنا، اور کہاں محض خدا
کی عبادت کے لئے متفق ہو کر ایک ہی طرف کو منہ کر لینا۔ نہ خدا کی عبادت کرتے ہوئے
اس کا نام لینا، نہ اس سے مرادیں مانگنا، نہ اس کے آگے اظہار عجز و نیاز کرنا، نہ اس کو
اپنے نفع و ضرر کا مالک سمجھنا اور نہ ہی اس کی غیر موجودگی میں خدا تعالے کی عبادت سے
باز رہنا۔ الغرض دنیا میں اگر کوئی قوم حقیقی توحید کی قائل اور بت پرستی کی دشمن ہے تو
وہ صرف صرف اہل اسلام ہی ہیں نہ کوئی اور۔ خود دیانند جی بھی لکھتے ہیں کہ جب مسلمان
سنار اور بتوں کو توڑتے پھوڑتے ہوئے کاشی کے نزدیک آئے تب پجاریوں
نے اس پتھر کے لنگ کو کنوئیں میں ڈال دیا اور بیٹی مادھو کو برہمن کے گھر میں چھپا
دیا صفحہ ۴۴۰۔ اب اگر سوامی جی زندہ ہوتے تو ہم ان سے پوچھتے کہ مسلمانوں کی نسبت
تو تم نے لکھا ہے کہ ان کا خدا اور وہ بڑے بت پرست اور جانی اور جینی چھوٹے بت
پرست ہیں اور اب انہیں کو بتوں کا خطرناک دشمن قرار دیتے ہو یہ کیا معاملہ ہے
اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس بات کے جاننے کے کہ مسلمان لوگ بت پرستی
سے سخت نفرت رکھنے والی قوم ہے۔ اور کعبہ کی طرف منہ کرنے کو بت پرستی سے
کوئی تعلق نہیں پھر بھی سوامی جی نے مسلمانوں کے حق میں وہ بدزبانی کی ہے۔ جو سوامی
جی کے لئے ایک طرح کی نہایت ہی بری یادگار ہے کیسا ظلم ہے کہ جینیوں سے بھی
بڑھ کر وہ بت پرستی میں مسلمانوں کا رکھا ہے۔ حالانکہ خود ہی اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش
میں لکھا ہے کہ جینیوں نے بت ننگے دھیان کی حالت والے اور تارک الدنیا انسان
کی مانند بنائے ہیں۔ ان کے برخلاف وشنو وغیرہ نے اچھی طرح سجی ہوئی عورت
کے ساتھ رنگ و رنگ عیش و عشرت کی صورت والے کپڑے اور بیٹھے ہوئے

بت بنائے صفحہ ۹۰۔ ان بتوں کو کوئی توڑ ڈالتا یا اڑا لے جاتا۔ تب ہائے ہائے کرکے روتے رہتے ہیں صفحہ ۱۰۴ بہت سے پوجاری اپنے ٹھاکر جی کو ڈبیا میں بند کرکے کپڑے وغیرہ سے باندھ گلے میں ڈالتے ہیں جس طرح کرچند یا اپنے بچے کو گلے میں لٹکاتی ہے۔ ویسے پجاریوں کے گلے میں ہی لٹکتے ہیں۔ جب کوئی بت کو توڑتا ہے تب ہائے ہائے کرکے چھاتی پیٹ بیٹھتے ہیں۔ کہ سیتا رام جی۔ رادھا کرشن جی اور شو جی جی کو بدمعاشوں نے توڑ ڈالا صفحہ ۱۰۴

میرے خیال میں آریہ صاحبان کے مقابلہ پر میں کافی جواب لکھ چکا ہوں۔ اگر کوئی حق کا شیدائی ہوگا اور انصاف سے مطالعہ کریگا۔ تو اس پر اسلام کی حقانیت روز روشن کی طرح کھل جائیگی۔ اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور اخیر پر صرف اس آیت کا مختصر طور پر مطلب بیان کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ جو وحدت وجودی پیر نے جس کا ذکر میں نے شروع مضمون میں کیا تھا۔ اپنا مطلب سدھ کرنے کے لئے پیش کی تھی اور وہ آیت یہ ہے فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ - پ ۱۔ اب اگر اس آیت کا مطلب یہ بیان کریں۔ کہ جدھر منہ کریں۔ اُدھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ تو اس سے ثابت ہوگا۔ کہ سارا جہان خدا کا منہ ہی منہ ہے۔ یا یہ کہ خدا صرف منہ ہی منہ ہے۔ اور کچھ نہیں۔ اصل بات یہ ہے وجہ کے معنے توجہ کے بھی ہیں۔ اور یہ آیت فتوحات صحابہ کے لئے بطور پیشگوئی کے ہے۔ یعنی جس طرف تمہاری توجہ ہوگی۔ اللہ تعالے کی توجہ بھی اسی طرف ہوگی۔ کیونکہ خدا رسولوں اور ان کے متبعین کا حامی اور مددگار ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا۔

اور پھر اسی آیت سے وحدت وجود کی بجائے کثرت وجود ثابت ہو رہا ہے جیسے مشرق مغرب۔ اللہ۔ توجہ کرنیوالے وغیرہ۔

خاکسار محمد ظہیر الدین مصنف رد چکڑالوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

انبیاءؑ و منجمین میں فرق

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ انبیاء بھی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ اور منجم بھی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ پھر انبیاء میں اور منجمین میں فرق کیا ہوا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بعض دفعہ منجمین کی پیشگوئیاں بھی پوری ہو جاتی ہیں۔ اس طرح سے انبیاء کی بھی ہو جاتی ہیں۔ پھر ہم ایک منجم اور نبی میں کیا فرق کر سکتے ہیں۔ ہم کیا جانیں کہ ایک منجم ہی اگر نبی ہونیکا دعوی کر دے۔ تو پھر مابہ الامتیاز کیا ہوا اور پہچاننے والا پہچانے کیونکر۔

اس کے بہت سے جواب ہیں۔ اور ایسے بہت سے طریق ہیں۔ کہ جن سے منجمین اور انبیاء میں ایسا فرق ہو سکتا ہے۔ کہ جیسے ظلمت اور نور میں۔ مگر میں اس موقعہ پر کسی لمبی بحث کو چھیڑنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ایک چھوٹا سا فرق بیان کرونگا کہ جو اچھی طرح سے ان دونوں گروہوں میں فرق کر دیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سورۃ نحل رکوع ۶ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ
مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ
اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ
الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا
السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا
يَشْعُرُوْنَ ○ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى

تَعُوْنَ فَاِنَّ ذٰلِکُمْ لَرَءُوْفٌ رَحِیْمٌ۔ اس جگہ خدا تعالےٰ نے نبی کے متعلق تین باتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک تو اس کے متبعین کا ذکر دوسرے خود اسکی نبوت کا حال تیسرے اس کے مخالفین کا انجام چنانچہ فرمایا ہے۔ کہ ایسے لوگ جو کہ خدا تعالےٰ کے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہونیکی سزا میں ان پر ظلم کئے جاتے ہیں۔ اور مصیبتیں ڈالی جاتی ہیں۔ اور وہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں۔ اور رنج و غم دیکھتے ہیں۔ اور درد و الم میں پڑتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں کو بوجہ اسکے کہ انہوں نے باوجود ان مصائب کے خدا تعالےٰ کا دامن نہیں چھوڑا۔ ... صبر سے کام لیا ہم اس دنیا میں بڑی بڑی ترقیات اور فتوحات انکو نصیب ہونگی۔ اور جس رنگ میں مخالف ان کے مقابلہ پر آئینگے۔ ذلیل ہونگے۔ اگر جوار کے ساتھ مقابلہ کریں گے۔ تو اسی رنگ میں اُن کو ذلیل کیا جائیگا۔ اگر قلم کے ساتھ سامنے آئینگے۔ تو اسی رنگ میں مومنین کا گروہ اُن پر غالب کیا جائیگا۔ دوسری بات نبوت کے متعلق یہ فرمائی ہے۔ کہ یہ لوگ جو شبہات کرتے ہیں۔ کہ تو نبی ہے۔ ... کہ نہیں کبھی مجنون کہتے ہیں کبھی ساحر کبھی منجم کبھی کاذب کبھی شاعر (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) انکی کوئی پرواہ مت کر بلکہ کہ تجھ سے پہلے بھی ہم نے کئی نبی بھیجے اور ان پر بھی اعتراض ضرور ہوتے تھے۔ اور اس قسم کے اقوال انکو بھی کہے جاتے تھے۔ لیکن ہم نے آخر ان کی نبوت ثابت کر دی یا نہیں۔ پھر جبکہ ہم نے ان انبیاء کی نبوت کو ثابت کر دیا۔ تو پھر تجھے تو ہم نے خاتم النبیین کر کے بھیجا ہے۔ تیری نبوت کیوں نہ ثابت کریں گے۔ اور پھر خدا تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ یہ بھی گمان نہیں کرنا چاہئے کہ پہلے لوگ کوئی اور مخلوق تھے۔ بلکہ وہ بھی آدمی ہی تھے۔ پس جبکہ وہ بھی بشر ہی تھے اور بشر پر اس قسم کے اعتراض ہونے ضروری ہیں۔ تو اس لئے تجھ پر بھی ہونے چاہئیں تھے۔ اور جسطرح اُن پر جسقدر اعتراض ہوتے تھے۔ ہم نے انکو دور کر دیا۔ تجھ پر جسقدر اعتراض ہوتے ہیں۔ انکو بھی دور کرینگے۔ اور پھر خدا تعالےٰ نے وہ معیار بتایا ہے۔ اور

وہ یہ ہے۔ کہ ان کے ساتھ بینات اور زُبر ہوتے ہیں۔ یعنے وہ باتیں کہ جو اُن میں اور منجمین اور مجانین اور ساحرین اور شعراء میں فرق کر دیتی ہیں۔ اور ایسی تعلیم اُن کے ساتھ ہوتی ہے۔ جو عین فطرت کے مطابق ہوتی ہے۔ تیسری بات پھر دوسری کی تفسیر کے لئے فرمائی اور کل انبیاء کے مخالفین اور خصوصاً آنحضرت کے مخالفین کو مخاطب کر کے۔ کہ دنیا میں ذلت اور رسوائی کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ اور یہ جو دنیا میں تجارتیں کرتے پھرتے ہیں۔ اور بڑے بنے ہوئے ہیں۔ اس حالت پر قائم رہیں گے۔ اور ذلیل نہ ہونگے۔ اگر ان کا یہ خیال ہے۔ تو سخت غلطی پر ہیں۔ اور اگر یہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئینگے۔ تو ضرور سزائے سخت پائینگے۔

پس اس آیت سے ہمکو انبیاء اور منجمین کے درمیان فرق کرنے کا ایک کھلا کھلا معیار معلوم ہو گیا۔ جس سے کبھی بھی کوئی شخص دھوکے میں نہیں آ سکتا۔ اور وہ یہ کہ منجم تو کہتا ہے۔ کہ فلاں وقت زلزلہ ہوگی۔ اور فلاں وقت فلاں شخص مرجائے گا۔ یا فلاں جگہ زلزلہ آئے گا۔ مگر نہیں جانتا۔ کہ اُس کے رشتہ دار اُس میں کتنے مرینگے یا اس کے مخالف کس۔ بلکہ اس سے محفوظ رہینگے (یہ سب ہم اس بات کو فرض کر کے کہہ رہے ہیں۔ کہ منجم کی بات بھی سچی ہوتی ہے۔ ورنہ منجم سچ کہا کرتے ہیں۔ کہ نہیں وہ ایک اور بحث ہے) لیکن نبی کی پیشگوئیاں اُسکی تائید کے رنگ میں ہونگی مثلاً ممکن ہے۔ کہ ایک منجم کہے۔ کہ ایک زلزلہ آئیگا۔ اور واقعی آ بھی جائے۔ مگر وہی پیشگوئی جب ایک نبی کرے گا۔ تو یہ کہیگا۔ کہ یہ میرے مخالفین کے عذاب کے لئے ہے۔ اور چنانچہ جب وہ عذاب آئیگا۔ تو اسکے مخالفین ہی ہلاک ہونگے۔ اور وہ خود اس عذاب میں کبھی گرفتار نہ ہوگا۔ اور اس کے پیرو بھی کُلّیۃً یا بہت حصہ تک اس سے محفوظ رہینگے۔ پس نبی جس قدر پیشگوئیاں کرتا ہے۔ وہ اکثر یا تو اپنے مخالفین کے لئے عذاب کا رنگ لئے ہوئے ہوتی ہیں۔ کہ جو باوجود عام ہونیکے اُس کے

پیروی پر نہیں آتا، اور یا اپنے متبعین کے لئے خوشخبریاں ہوتی ہیں۔ اور پھر یہ کہ منجم تو کہتا ہے۔ کہ اب یہ کام یوں ہو جائے گا۔ اور گو کسی بات سچی بھی نکلے۔ مگر اُس میں اُس کا اختیار کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری طرف نبی کہیگا کہ یہ عذاب آئیگا۔ مگر جو میرے متبع ہو جائینگے۔ وہ اس عذاب سے بچ جائینگے۔ اور ویسا ہی ہوگا۔ مثلاً حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک عذاب کی خبر دی۔ اور واقعی وہ آبھی گیا۔ مگر جب انہوں نے توبہ کی۔ اور حضرت یونسؑ کی نبوت کا اقرار کیا۔ اور بہت روئے اور گڑگڑائے تو وہ اُس عذاب سے بچ بھی گئے۔ اس سے دونوں باتیں ثابت ہوگئیں۔ ایک تو پیش گوئی بھی کیونکہ عذاب وقت مقررہ پر واقع ہوگیا۔ اور دوسرے نبوت کیونکہ جب انہوں نے توبہ کی تو وہ ٹل گیا۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوگا۔ کہ ایک منجم خبر دے۔ کہ فلاں وقت زلزلہ آئیگا۔ اور وہ بات سچی بھی نکلے۔ تو اسوقت کل گاؤں کے لوگ ٹاٹ کے کپڑے پہن لیں۔ اور شہر سے باہر نکل کر رو دیں اور چلائیں اور مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ چھڑا کر الگ پھینک دیں۔ تاکہ اُن کے رونے سے ہی رحم نازل ہو۔ اور کل لوگ دعائیں مانگیں۔ کہ الٰہی زیڈکیل (جو ایک بڑا منجم ہے) بالکل سچا ہے۔ اور آج اسکی سچائی کا ہمکو کامل یقین ہوگیا۔ ہم آئندہ کیلئے توبہ کرتے ہیں۔ کہ کبھی ہم سے ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی۔ کہ ہم اُس کی بات کا انکار کریں۔ اور جو کچھ وہ کہیگا۔ ہمکو اس کے ماننے میں ذرہ بھی عذر نہ ہوگا۔ اور اس کے حکم کی تعمیل میں سرمو فرق نہ ہوگا۔ اور اُن کے اس دعا کے کرنے کے بعد یک لخت ایسا ہو۔ کہ عذاب کے آثار ٹل جائیں۔ اور پھر امن ہو جائے۔ اور لوگ پھر چین کے دن دیکھیں اور نہ کبھی یہ ہوگا۔ کہ ایک منجم یا ڈاکٹر کیلئے نسبت کہے۔ کہ اس جگہ خطرناک طاعون پڑیگی۔ اور پھر اس کی بات سچی نکلے۔ اور جب خطرناک طاعون پڑے تو وہ لوگ جو یہ مانتے ہوں کہ ڈاکٹر صاحب یا منجم صاحب کا اندازہ بالکل درست تھا۔ وہ تو بچ جائیں۔ اور جو

کہیں کہ ڈاکٹر صاحب ایک نادان آدمی ہیں۔ یا منجم صاحب کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔ گاہ باشد کہ کودکِ نادان والی مثال ہے۔ کبھی انکی بات سچی بھی پڑ گئی تو ایسے لوگ طاعون کا شکار ہو جائیں۔ مگر جب نبی پیشگوئی کریگا۔ تو تخویف یا انعام کے لئے ہوگی چنانچہ جب وہ طاعون کی پیشگوئی کریگا۔ تو کہیگا۔ کہ میرے مخالف ہلاک ہو جائیں گے۔ مگر میں بالکل اس مصیبت سے بچا رہونگا۔ اور وہ واقعی اس سے بچا رہیگا۔ (گو ممکن ہے۔ کہ وہ منجم یا ڈاکٹر خود بھی ہلاک ہو جائے) اور اس کے متبع بھی بہت حد تک بچے رہینگے۔ سو یہ ایک بین بات ہو گی۔ کہ جو فرق کر دیگی کہ یہ ایک نبی ہے منجم نہیں۔ پس منجم جو کچھ کہتا ہے۔ وہ تو ستاروں کے تغیرات یا او۔ گرحالات کو دیکھکر کچھ کہتا ہے۔ ممکن ہے جو باتوں میں سے کوئی سچی بھی نکل آئے۔ مگر نبی جو کچھ کہتا ہے۔ اس میں دنیا کے تغیرات پر مدار ہوتا ہے۔ اور دعا کا تعلق ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ ایک مخالف جو موافق ہو جائے۔ سزا سے بچ جاتا اور ایک پیرو جو فرث ہو جائے۔ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس نبی کی پیشگوئیوں سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ خدا کا تعلق ہے۔ کیونکہ جیسا کسی کا دل اس نبی کی نسبت ہوتا۔ اُسی قسم کے سلوک کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ مگر منجم کا دشمن ممکن ہے۔ کہ کئے دن اس پر فتح حاصل کرے اور جب وہ زائچہ ڈال کر دیکھے تو اُس میں یہی فیصلہ نکلے۔ کہ دشمن تجھ پر قائم ہوگا۔ اور تجھکو ذلیل کردیگا۔ مگر جب نبی دعا کرے گا۔ تو اُسکو اُس کے دشمن کے لئے یہ جواب ملیگا۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ کَیْفَ نَذِیْرِ ۝

خاکسار

مرزا محمود احمد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

مسیحیوں کی طرف سے ہمیشہ اعتراض ہوا کرتا ہے۔ کہ نجات کی حقیقت کو ہی غیر مذاہب کے لوگ نہیں سمجھتے۔ تو پھر اس کے حصول کے ذرائع انکو کیونکر معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ جو چیز کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ وہ اس کے حاصل کرنے میں کامیاب کیونکر ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نہیں جانتا کہ وکالت کا کوئی امتحان ہوتا ہے۔ تو پھر وہ اسکے پاس کرنے کی تیاری کیونکر کر سکتا ہے۔ یا اگر کسی کو یہ بھی معلوم ہو کہ وکالت کا امتحان ہوتا ہے۔ مگر وہ یہ نہ جانے۔ کہ نہیں کیا کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ اور کون کون سی کتاب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ تو ایسے شخص سے اسکے پاس کرنے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ مرض کا علاج تب ہی ہوتا ہے۔ کہ جب مرض کی تشخیص بھی ہو چکی ہو۔ اگر کوئی مرض کی حقیقت سے ہی ناواقف ہے۔ تو اُسکا علاج کیا خاک کرے گا۔ پس اس اعتراض کے ماتحت وہ کل مذہب کو رد کرنے اور اُن کے پیروؤں کی بیخ کنی پر بیٹھے ہیں۔ مگر دعویٰ اور دعوؤں میں بڑا فرق ہے۔ ایک انسان دعوے تو بیشک کر سکتا ہے مگر ثبوت ہر ایک دعویٰ کا عقل سے مانگتا ہے۔ مگر ثبوت کے بغیر تو دعوؤں کی کچھ وقعت نہیں ہوتی۔ اس لئے اگر پادری صاحبان ہم پر ہنسیں تو ہم بھی بقول حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام یہی کہینگے۔ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ

مگر چونکہ نجات کا مسئلہ ایک مہتم بالشان مسئلہ ہے۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ میں رسالہ تشحیذ الاذہان میں سلسلہ وار ایک مفصل مضمون لکھکر اس پر کچھ روشنی ڈالوں اور ثابت کروں کہ جو نجات کی حقیقت اسلام نے بتائی ہے۔ کوئی مذہب اس تک نہیں پہنچ سکا اور یہ کہ کل مذاہب اس معاملہ میں بہت حد تک غلطی پر ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

ارادہ تو میرا اس مضمون پر کچھ لکھنے کا مدت سے تھا۔ مگر ایک عرصہ سے طبیعت کچھ علیل رہی ہے چنانچہ اول تو قریباً ایک ماہ تک کچھ قدر بخار ہوتا رہا۔ اور سخت سر درد کا دورہ رہا۔ اب کوئی ہفتہ بھر سے کھانسی ہو رہی ہے۔ مگر اس خیال سے کہ آخر یہ کام کرنا تو ہے ہی۔ خدا تعالےٰ کے بھروسہ پر شروع کرتا ہوں۔ اگر خدا نے چاہا تو پورا ہو جائیگا۔ اس علالت طبع کی وجہ سے ہی قوامت مادہ کا مضمون بھی شروع نہ کر سکا۔ حالانکہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ مارچ تک شروع کر دیا جائیگا شاید ایک دو ماہ اسمیں اور توقف پڑ جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چونکہ یہ مضمون سلسلہ وار نکلیگا (انشاء اللہ) اس لئے جملہ خریداران رسالہ سے التجا ہے۔ کہ وہ اس کو سنبھال کر رکھیں۔ تو آخر میں انشاء اللہ ایک چھوٹی سی کتاب بن جائیگی۔ اور ممکن ہے۔ کہ کسی وقت کوئی سعید روح اس سے فائدہ اٹھائے۔ وما علینا الا البلاغ۔

راقم

خاکسار

مرزا محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجات کا فلسفہ

تمہید میں اس مضمون کے شروع کرنے سے پہلے اسقدر لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ چونکہ اس وقت غیر مذاہب کو اپنے مذاہب کی طرف بلانیوالے تین ہی گروہ ہیں۔ اول مسلمان دوم مسیحی اور سوم آریہ۔ اس لئے میں اس مضمون میں سب سے پہلے فلسفۂ نجات پر جو کچھ اسلام نے روشنی ڈالی ہے۔ اُس کو ایک حد تک ... مفصل بیان کرونگا۔ اور بعد ازاں مختصر طور سے غیر مذاہب کے بیانات پر کچھ تنقید کرونگا۔ اور چونکہ اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے بعد غیر مذاہب کے دلائل کو توڑنیکی چنداں ضرورت بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اسلام کا دعویٰ دلائل قطعیہ سے ثابت ہو گیا۔ تو پھر دوسرے مذاہب آپ ہی باطل ہو گئے۔ اتنا لکھنے کے بعد میں دو امر اور بھی لکھ دینے ضروری سمجھتا ہوں۔

دعویٰ با دلائل ہو اول تو یہ کہ تینوں مذہب جن کا میں ذکر کر آیا ہوں اپنے خیالات اور دعاوی کی بنا ایک الہامی کتاب پر رکھتے ہیں۔ کہ جسکی نسبت اُن کا یقین واثق ہے۔ کہ وہ خدائے علیم و خبیر کی طرف سے ہے۔ پس جبکہ تینوں مذاہب کا یہی خیال ہے۔ اور وہ اس پر پکے ہیں۔ اور جو ان کی کتاب پر شک کرے اور اُسے جھوٹا کہے وہ اسکو دروغ گو اور نادان کہتے ہیں۔ تو پھر ضروری ہے۔ کہ ہر ایک مدعی اپنے مذہب کی طرف جو کچھ منسوب کرے۔ اُسکا دعویٰ اور دلیل کس الہامی کتاب میں سے پیش کرے۔ کیونکہ جب وہ کتاب اپنے اندر کامل ہو۔ اور ہر قسم کے دعاوی جو اس مذہب کے قیام کے لئے ضروری ہوں۔ اُس کے اندر موجود ہوں۔ اور نہ صرف دعاوی ہی۔ بلکہ دلائل بھی وہ خود ہی

دیتی ہو۔ کیونکر یہ کسطرح ممکن ہے۔ کہ ایک بات خدا تو بھول گیا اور اپنی کتاب میں درج کرنے سے قاصر رہا مگر انسان اس کی مدد کے لیئے اٹھا اور اُس نے اس خدا کا کام کو کامل کیا۔ اور اسطرح سے وہ بوجھ جو خدا سے نہ اُٹھ سکا۔ وہ انسان نے اٹھایا اور خدا کو اُس عیب سے بچا لیا۔

مثلاً جب کفارہ کا مسئلہ مسیحی صاحبان پیش کریں۔ تو ضروری ہے۔ کہ پہلے توریت و انجیل سے اس کا دعویٰ پیش کریں۔ اور پھر اُس کے دلائل بھی انہیں کتابوں سے پیش کریں کیونکہ جب ایک نادان آدمی تک اپنی بات کے ساتھ دلائل بیان کرتا ہو تو کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے جو کوئی فعل لغو نہیں کرتا۔ ایک ایسا بڑا مسئلہ جس پر بنی نوع انسان کی نجات کا دارومدار ہو اپنی کتاب میں بیان نہ کرے۔ اور ایک وقت کے بعد انسان کو یہ مسئلہ اپنی عقل سے بنانا پڑے۔ یا یہ کہ دعویٰ تو اپنی کتاب میں یہ ہو کہ کفارہ کا مسئلہ بھی ایک سچا اور پکا مسئلہ ہے۔ مگر اس کے لئے کوئی دلیل نہ دیکھی ہو اور انسان کو مجبوراً اُس کے لئے دلائل تلاش کرنے پڑیں۔ اور خدا تعالےٰ کی مدد کیلئے اسے دن رات کوشش کی ضرورت ہو۔ اور پھر کہیں جاکر وہ دعویٰ جو خدا تعالےٰ نے کیا تھا۔ انسان کی مدد سے تکمیل کو پہنچے اور اس طرح خدا تعالےٰ کا انسان حامی اور مددگار بن جائے۔

پس ضروری ہے۔ کہ کل ایسے مسائل جن پر انسان کی نجات کا دارومدار ہو۔ اُن کا دعویٰ الہامی کتاب میں موجود ہو اور اُس کے ساتھ دلائل بھی دیئے گئے ہوں ورنہ جیسے مقدمہ والوں کو وکیلوں کی تلاش کرنی پڑتی ہے۔ ایسے ہی اُس کی کتابوں کے لئے بھی ایسے وکلاء کی ضرورت پڑیگی۔ کہ جو خدا تعالےٰ کے بے دلائل دعاوی کو ثابت کریں۔ پس جس مذہب میں کوئی مہتم بالشان مسئلہ اعتقادی یا عملی جس سے نجات کا تعلق ہو۔ ایسا پایا جائیگا۔ کہ جو اُس کی الہامی کتاب میں نہیں۔ تو یا تو ہم کہینگے

کہ اس مسئلہ کا تمہاری کتاب کو انکار ہے۔ یا یہ کہ وہ الہامی کتاب ناقص ہے۔ مگر چونکہ خدا تعالےٰ کی طرف نقص کو منسوب کرنا ایک سخت گناہ ہے۔ اس لئے مجبوراً کہنا پڑتا کہ یا تو وہ کتاب الہامی ہی نہیں۔ اور یا انسانی دستبرد سے تباہ ہو گئی ہے۔ ورنہ اگر انسان کو اجازت ہو کر جو کچھ چاہے۔ الہامی کتاب کی طرف منسوب کر دے۔ اور کوئی ضرورت نہیں۔ کہ اُس میں ہو یا نہ ہو۔ تو دنیا میں شرارت کی کوئی حد نہیں رہیگی۔ اور جس کا جو خیال ہو گا۔ وہ اسے خدا کی کتاب کی طرف منسوب کر دے گا۔ اور اعتراض پر جواب دیگا۔ کہ جیسے تم نے چند عقیدہ و بنا لئے۔ اور الہامی کتاب میں انکی کوئی اصل نہیں۔ ویسے ہی میں نے بھی بنا لئے۔ تو اس طرح ایمان اٹھ جائیگا۔ اور امن جاتا رہیگا اور مذہب کی سچائی کا کوئی معیار نہ رہیگا۔ اور الہامی کتابوں کی کوئی حقیقت اور قیمت نہ رہیگی۔ پس ہر ایک مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے چاہئے۔ کہ انسان اس کو اپنی کتاب میں دکہاتے۔ اور پھر اس کے دلائل بھی اسی کتاب میں سے دکہائے۔ اور اگر دعویٰ دکھا دیا ہے۔ تو پھر اس کے لئے دلائل بھی اُسی کتاب میں سے دکہائے تاکہ انسان پر اُس الہامی کتاب کی عزت ثابت ہو۔ مثلاً یہی نجات کا مسئلہ ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ اول تو ایک کسی اپنی کتاب میں سے دکھائے۔ کہ نجات بھی کوئی چیز ہے۔ اور اگر ہے۔ تو وہ کیا ہے۔ اور پھر اُس کے حصول کے کون سے ذرائع ہیں اور یہ تمام باتیں جو بیان کی گئی ہوں۔ تو اُن کے ساتھ دلائل بھی دئے گئے ہوں۔ ورنہ یہی کہنا پڑے گا۔ کہ دعویٰ سُست اور گواہ چست۔

پس اس مضمون میں انشاء اللہ جو اسلامی اصل پیش کروں گا۔ اُسے قرآن شریف سے پیش کروں گا۔ اور اس کے دلائل بھی قرآن شریف سے ہی دوں گا۔ اور اس کی مد میں اگر کوئی حدیث رسول اللہ ہوگی تو اسے بھی تفسیر کے طور پر پیش کر دوں گا۔ اور میرے خیال میں مذہبوں کا فیصلہ کرنے کے لئے اس سے زیادہ آسان اور

کوئی راہ نہیں۔ ورنہ اگر انسان من گھڑت اعتقاد بنانے شروع کردے۔ تو پھر مذہب تو کچھ چیز نہیں رہتا۔ اور نہ الہامی کتاب کی ہی، کوئی ضرورت رہتی ہے۔ اور بات بھی کیسی لغو ہے۔ کہ جس خدا نے ہمکو پیدا کیا۔ اور ہم ماں کے رحم میں تھے۔ تو وہاں بھی ہماری پرورش کے سامان تیار کئے۔ پھر ہم پیدا ہوئے۔ تو یہاں ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے سے تیار تھا۔ بڑے ہوئے تو ہر قسم کے خورد و نوش کے سامان ایسا پائے جس نے دن کے لئے سورج اور رات کے لئے چاند اور ستارے بنائے۔ پھر ایسا خدا جو قادر ہے۔ جو دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ اور ہر قسم کے وساوس اُسپر روشن ہیں۔ کیا اُس نے ہماری نجات کے ذرائع نہیں پیدا کئے۔ اور اپنی کتاب میں ان عقائد کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ کہ جس پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے۔ اور اُس کے لئے اسے اور لوگوں سے التجا کرنی پڑی۔ کہ تم ہمارے لئے کچھ اعتقادات بنا دو۔ کہ جن پر ہم ایمان لائیں۔ اور اُن کے لئے کچھ دلائل بھی تلاش کرو کہ ناہم جنسوں کی نظروں میں سبک اور ذلیل نہ ہوں اگر مذہب کی یہی اصلیت ہے۔ تو پھر یہ مذہب آج بھی گئے۔ اور کل بھی گئے۔

میرے دعویٰ کی دلیل

میں اس دعوےٰ کو بھی بغیر دلیل کے پیش کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے خود قرآن شریف سے اس کا ثبوت دیتا ہوں۔ کہ قرآن شریف نے اس اصول کو تسلیم کیا ہے۔ اور اپنی سچائی کا اسے دارومدار ٹھیرایا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ پ۲۴۔ رکوع ۱۱۔ ترجمہ تحقیق وہ لوگ کہ جھگڑتے ہیں بیچ نشانیوں اللہ کے بغیر دلیل کے کہ آئی ہو اُن کے پاس نہیں۔ بیچ سینوں اُن کے مگر تکبر کہ نہیں وہ پہنچنے والے اس تک۔ پس پناہ پکڑ ساتھ

اللہ کے تحقیق وہ ہے۔ سُننے والا دیکھنے والا۔ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے مخالفین اسلام پر یہ حجت قائم کی ہے۔ کہ جب تم مذاہب کے متعلق گفتگو کرتے ہو۔ تو تمہارا فرض ہے۔ کہ دعویٰ اور دلیل پیش کیا کرو۔ مگر جب کہ تم کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کرتے۔ کہ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نکولی ہو۔ تو دعویٰ باطل سے کیا حاصل بلا دلائل مباحثہ کا کیا نتیجہ۔ پس اس آیت میں خدا تعالےٰ نے کل مذہبی مباحثوں کا آسان اور سہل طریق بتا دیا ہے۔ کہ اگر فیصلہ چاہو تو سہل راہ یہ ہے۔ کہ دلائل پیش کرو جو کہ تمہاری کتب میں دیئے گئے ہوں۔ نہ کہ جس کی جو مرضی ہوئی عقیدہ گھڑ لیا اور شتر بے مہار کی طرح بولتے چلے گئے۔ بعض صاحبان میں اگر یہ عادت داخل ہوئی۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ ان کی جدت پسندی اور آئے دن کی ایجادوں کی وجہ سے ہوئی۔ کیونکہ انہیں جہاں ہزاروں ہزار موجد اور سائینس کے علماء پیدا ہو گئے۔ وہاں پادریوں نے بھی اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے آئے دن نئے نئے عقیدے اور نئے نئے دعاوی ایجاد کرنے شروع کئے۔ مگر نہ معلوم آریہ صاحبان نے ان ایجادوں میں کہاں سے کمال حاصل کیا۔ غرض کہ یہ طرز خواہ مسلمان اختیار کریں یا مسیحی یا آریہ بہت ہی خطرناک اور ضرر رساں ہے۔ کہ جس کے دل میں جو کچھ آیا وہ کہہ دیا جس کا ثبوت تو ثبوت دعویٰ تک کتاب میں سے نہ نکلے۔ پس یہ کسطرح ممکن ہے۔ کہ خدا جو ایک بے عیب ہستی ہے۔ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کی بھی طاقت نہ رکھے۔ اور اپنا منشاء بیان کرنے سے قاصر رہے۔ اور انسان کا فرض ہو۔ کہ جو دعاوی خدا تعالےٰ سے بیان کرنے میں رہگئے تھے۔ یا ان کے لئے کوئی دلیل نہیں سمجھ میں آئی۔ ان دعاوی کو تلاش کرے۔ اور دلائل بھی اپنی طرف سے پیش کرے۔ میرے خیال میں تو اس اعتقاد کا شخص خدا تعالےٰ کے علم اور طاقت کا منکر ہے اور مذاہب کا مصلح نہیں۔ بلکہ مفسد ہے۔

دیکھو قرآن شریف نے کیسے بین طور سے فرمایا ہے۔ کہ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ پ ۱۳ رکوع ۶۔ یعنے قرآن شریف کوئی جھوٹی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سچا کرنیوالی ہے۔ انکو جو کہ آگے آیا ہے۔ اور اس میں تو ہر ایک بات جو کہ دین کے متعلق ہے مفصل دعویٰ اور دلیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ اور اس میں گمراہوں کے لئے ہدایت راستی کے طریق میں اور یہ تو ایمانداروں کے لئے ایک رحمت کا موجب ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کو مانکر انسان ایک مصیبت میں پڑجائے اور آگے سن گھڑت دعاوی اور دلائل کیساتھ اس کی مدد کرنی پڑے۔

علاوہ اس کے قرآن شریف ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ۔ پ ۲۶ رکوع ۱۵۔ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے قرآن شریف کی سچائی کا ثبوت دیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی سچائی کا ثبوت ہے۔ اور اس کے خدا کی طرف سے ہونیکی یہ دلیل ہے۔ کہ وساوس نفسانی کو کوئی انسان تو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی کو کیا معلوم ہے کہ دوسرے کے دل میں کیا کیا خیالات گزرتے ہیں۔ اور کون کون سی بات اُس کے دل میں کھٹکتی ہے۔ اگر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ تو وہ خالق ہی ہے۔ پس جبکہ خالق ہی سمجھ سکتا ہے۔ تو قرآن شریف کے ہماری طرف سے ہونیکی یہ دلیل ہے۔ کہ ہم نے کل وساوس انسان کا اس میں بادلائل رد کیا ہے۔ اور یہ کسی انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ کلام جو ہے۔ تو اُسی ہستی کی طرف سے ہے۔ کہ جو خالق ہے۔ کل انسانوں کی تبھی تو اُس نے ہر ایک کے خیال کا اس میں رد کر دیا۔ ورنہ غیر تو غیر انسان تو اپنے بیوی بچے کے خیالات پر بھی آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔ پھر کسطرح ممکن تھا۔ کہ کوئی انسان ایسی کامل کتاب اپنی طرف سے بنائے۔ کہ جس میں کل وساوس انسانی

کا رد موجود ہو۔ اور باہر سے دعوی یا دلائل مانگنے کی کچھ ضرورت نہ پڑے۔ پس اس آیت میں قرآن شریف نے دعوی کیا ہے۔ کہ کل دعوے اور دلائل میرے اندر موجود ہیں۔ اور میں ایک کامل کتاب ہوں۔ اور کسی قسم کا بھی وسوسہ ہو۔ اور شیطانی خیال ہو اس کا جواب تدبر کرنے والے انسان کے لئے مجھ میں موجود ہوگا۔ اور کوئی اعتراض بھی ذات و صفات الٰہیہ پر نہ پڑیگا۔ کہ جس کا جواب نہ دیا گیا ہو۔ اور کوئی حرف گیری اسلامی عقائد پر نہ کی جائیگی۔ کہ جس کا رد نہ کیا گیا ہو۔ پس یہ کلام خدا کے سوا اور کسی کا ہو نہیں سکتا۔ اس لئے یہ کتاب ضرور الہامی ہے۔

اب میں کافی طور سے بتا چکا ہوں کہ قرآن شریف نے بھی یہ دعوی کیا ہے۔ کہ ہر ایک الہامی کتاب کا فرض ہونا چاہیئے۔ کہ کل ضروری باتوں کا اس میں بیان ہو۔ اور وہ بغیر دلائل کے بیان نہ کی گئی ہوں۔ بلکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن کے لئے دلائل بھی آنے چاہئیں۔ اگر قرآن شریف کے بتائے ہوئے اس پاک اصول پر دنیا کاربند ہوتی۔ تو میں خیال کرتا ہوں کہ بہت سے جھگڑے خود بخود ہی طے ہو جاتے۔ اور کچھ بوچھے مباحثات نہ کرنے پڑتے۔ . . . مگر افسوس کہ چونکہ غیر مذاہب اس نعمت سے خالی ہیں۔ اس لئے حتی المقدور وہ اس کے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مگر میں نے اس پر اسلئے زور دیا ہے۔ کہ شاید کسی سعید روح کو کچھ فائدہ پہنچے اور وہ سوچے اور غور کرے کہ کیا وجہ کہ ہم خدا کی مدد کو آئیں۔ اور وہ خود اپنی الہام کردہ کتاب کو ایسا ناقص رکھے۔ کہ دلائل تو دلائل دعاوی تک ہم کو خود تیار کرنے پڑیں۔ اور اس صورت میں پھر خدا تعالےٰ کا ہم پر کیا احسان ہوا۔ یہ تو ہماری اپنی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ لوگ خدا کو سمجھنے لگے ورنہ اگر ہم کوشش نہ کرتے۔ تو خدا کی کتاب ایک بے فائدہ چیز کی طرح رہ جاتی۔ مگر اسلام ہی ایک مذہب ہے۔ کہ کہتا ہے۔ کہ تم ہماری مخلوق ہو۔ بلکہ تمہاری مدد کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہم نے اپنی کتاب کو کامل بنایا ہے۔ اور دعاوی

اور دلائل میں ناقص نہیں رکھا پس اگر تم ہدایت پاتے ہو۔ تو نہ اس لئے کہ تم ہم پر احسان کرتے ہو۔ بلکہ اس لئے کہ ہم نے تمہارے لئے سچائی کو بیان کر کے کہدیا ہے کہ سوائے نادان یا شریر آدمی کے کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ پس میں بنگ سے اسلام کو خدا تعالےٰ نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس طرح اسلام پر اس کے ماننے والوں کا کوئی احسان نہیں۔ بلکہ اسلام کا اُن پر ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب کا دارومدار انکے پیروں پر ہے۔ مگر انہوں نے انکی خبر گیری کی اور اپنے پاس سے ان کے لئے دلائل مہیا کئے۔ تب تو وہ کچھ بچ رہے۔ ورنہ جسم بے جان کی طرح زمین پر جا پڑے۔ جو کہ ایک سچے مذہب کی نشانی نہیں۔ پس اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے میں تمام دعاوی اور ان کے دلائل قرآن شریف سے ہی بیان کروں گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

یا تو اسلام میں نجات ہی یا کسی مذہب میں نہیں

مذاہب میں جھگڑا کیوں ہے دوسری بات جو تمہید ہی میں بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ ہے کہ تمام مذاہب کا جو جھگڑا پڑتا ہے۔ تو صرف ایک دوسرے کو دعوت کرنیکی وجہ سے ہی پڑتا ہے۔ مثلاً مسیحی جب تمام دنیا کے مذاہب کے پیروؤں کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اور اپنے مذہب کو ہی سچا سمجھکر دوسروں کو بھی اُس کے قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ تبھی دوسرے مذاہب کو بھی اُنکے رد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر دنیا میں کل مذہب ایسے ہی ہوتے کہ وہ ایک دوسرے کے پیروؤں کو اپنے مذہب کی طرف توجہ نہ کرتے۔ یا انہیں ممنوع ہوتا تو ہرگز یہ ضرورت پیش نہ آتی کہ ایک مذہب دوسرے مذہب کی اس زور شور سے تردید کرتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان فرقوں میں جو دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو اپنے اندر شامل نہیں کرتے۔ اس قسم کے مباحثات پیش نہیں آتے۔ مثلاً کہیں نظر

نہیں آئیگا۔ گو یہودی اور سناتن دہرم کے پیرو ایک دوسرے کے برخلاف سخت مذہبی مباحثات کر رہے ہوں۔ گر یہودیوں، سکھوں یا یہودیوں اور مسلمانوں میں اس قسم کے مباحثات بہت سے مقام پر مشاہدہ میں آسکتے ہیں۔ مگر پھر بھی کمال جوش کیساتھ نہیں کیونکہ کوئی سکھ یا مسلمان کبھی یہودیوں کو اپنے اندر شامل نہیں کرتے۔

مگر جب یہی مباحثات مسلمانوں اور مسیحیوں یا مسیحیوں اور آریوں کے درمیان دیکھے جائیں تو بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ تینوں قومیں ایک دوسرے کو اپنے اندر شامل کر لینا جائز رہیں۔ تبلیغ صواب کا کام سمجھتی ہیں اور اس لئے چاہتی ہیں۔ کہ جسطرح ہو اپنے مقابل کو بھی اپنا ہمزبان بنالیں ایک مسلمان چاہتا ہے۔ کہ کل مسیحی بھی مسلمان ہو جائیں۔ اور ایک مسیحی چاہتا ہے۔ کہ کل مسلمان بھی مسیحی ہو جائیں۔ اور اسی طرح ایک آریہ ان دونوں گروہوں کی نسبت ایسے ہی خیال کرتا ہے۔ گو میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ تینوں کے محرکات مختلف ہوں۔ مثلاً کوئی تو اس لئے چاہتا ہو۔ کہ خدا تعالےٰ کا فضل میری طرح سے دیگر بنی نوع انسان پر بھی نازل ہو۔ اور وہ بھی حقیقی نجات سے بہرہ ور ہوں۔ اور دوسرا اس لئے کہ مشرق میں ہمارا قدم خوب مضبوطی سے جم جائے۔ اور تیسرا اس لئے کہ ہمارے حق میں ووٹ دینے والوں کی کثرت ہو جائے۔ اور کونسلوں میں ہمارے ممبر کثرت سے ہوں۔ اور ہماری پولیٹیکل عزت بڑھ جائے۔

مگر اس جگہ ہم کو اس سے بحث نہیں کہ انمیں سے ہر ایک کے محرکات کیا ہیں۔ بلکہ ہمارا منشاء صرف یہ ہے۔ کہ کسی نہ کسی خیال کے ماتحت یہ تینوں مذاہب تمام دنیا کو اپنے خیالات میں رنگین کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ انہیں تینوں گروہوں میں آپس میں زیادہ مباحثات ہوتے ہیں۔ پس اگر ثابت ہو جائے۔ اور مسیحی اسبات کو مانلیں کہ ہمارے مذہب میں دوسرے لوگوں کا شامل کرنا جائز

نہیں۔ تو فوراً ان کا یہ جوش و خروش جاتا رہے۔ اور سب پادری اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ اور اگر آریہ اپنے شاتن دھرمی بھائیوں کی طرح شدھی کو ناجائز سمجھنا ...... یقین کریں۔ تو ابھی اُن کی یہ کام تیزی جاتی رہے۔ اور یہ جسقدر مذہبی رسالہ اور اخبار نکل رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے سب بند ہو جائیں۔ اور کل مذہبی مباحثات یک قلم موقوف ہو جائیں۔

پس جب یہ بات ہے۔ تو میں بھی اس مضمون کے شروع کرنے سے پہلے اس بات پر غور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ آیا مسیحیوں کو ہم سے مباحثات کرنے اور ہمکو اپنے مذہب میں شامل کرنیکی اجازت بھی ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں تو پھر کسی اور بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور اسی طرح آریوں کی نسبت دیکھنا ہے۔ کہ کیا اُن کے مذہب نے انہیں دوسرے لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی اجازت بھی دی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر آریوں سے بھی بحث کرنیکی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ پس نجات کے سوال پر بحث ہی تب ہو سکتی ہے۔ کہ اول یہ سوال حل کیا جائے۔ کہ یہ تینوں مذہب تبلیغ عام کے مجاز بھی ہیں یا نہیں۔ اگر ان میں سے کوئی مذہب تبلیغ عام کا مجاز نہیں۔ تو پھر وہ ان مباحثات میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اول تو ہم مسیحیوں کی کتاب انجیل میں دیکھتے ہیں کہ کیا انکو عام منادی کی اجازت بھی ہے۔ یا نہیں جس کے بعد پھر نجات کے مسئلہ پر بحث کی ضرورت ہوگی۔

انجیل سب دنیا کے لیئے نہیں

سوال میں مسیحیت کو دیکھتا ہوں کہ اس کے متعلق مسیح کا کیا حکم ہے۔ کہ آیا اس کی تلقین غیر مذاہب کے لوگوں کو کی جائے یا۔ سو اول ہی جو حکم مجھے انجیل میں نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مسیح کچھ واعظ مقرر کرتا ہے۔ اور اُن کو حکم کرتا ہے۔ کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ پہلے اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ۔ اور

نہیں شادی کرو۔ اور کہو کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آئی (متی باب ۱۰ آیت ۵ و ۶ و ۷)۔ چنانچہ اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ یسوع غیر قوموں میں شادی کو ناجائز سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ حواریوں کو خاص طور سے منع کرتا ہے۔ کہ تم یہودی قوموں میں ہی شادی کرو۔ مگر غیر قوموں میں مت جاؤ۔ گویا کہ وہ ایسے نجس اور ناپاک لوگ ہیں۔ کہ انکو اپنے مذہب کی تلقین کرنی تو الگ رہی انکے پاس جانے سے بھی انسان ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے جسقدر ممکن ہو۔ اُن سے دور رہنا ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔

پس جبکہ یسوع ہی غیر قوموں کی نسبت یہ حکم پاس کرتا ہے۔ تو پھر آج کل کسی صاحبان کا کیا حق ہے۔ کہ وہ اس پیغام کو جو یسوع خاص بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے دیا تھا کل دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یسوع کی اسطرح خاص طور سے تاکید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حواریوں کی عادات اور مزاجوں سے اُسے اس قسم کا خوف ضرور تھا۔ کہ یہ لوگ جرأت کر کے غیر مذاہب والوں کو بھی کہیں وعظ نہ شروع کر دیں۔ سو اس نے اُس خرابی کو روکنے کے لئے شروع میں ہی نصیحت کر دی۔ کہ دیکھنا غیر مذاہب کے لوگوں میں جا کر نصیحت مت کرنا اور میری تعلیم کو ان کے سامنے مت پیش کرنا بلکہ ہی نہیں۔ اُن کے پاس تک نہ پھٹکنا پھر تعجب کی بات ہے۔ کہ جب یسوع کا یہ فیصلہ ہے۔ تو پھر پادری صاحبان کس برتے پر دنیا میں انجیل کی منادی کرتے پھرتے ہیں۔ اور لوگوں کو جائز و ناجائز طریق سے اپنے مذہب میں شامل کرنے کی فکر میں لگو رہتے ہیں۔

ایک بات اس جگہ پر اور قابل غور ہے۔ کہ گو کہ مسیحی صاحبان فرماویں۔ کہ یہاں تو صاف لفظ آیا ہے۔ کہ پہلے اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ۔ اس میں سے ہمیشہ کی ممانعت کہاں سے نکال لی۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت سے

یہ ضرور نکلتا ہے۔ کہ جبتک یہودیوں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں منادی نہ ہو جائے۔ تب تک غیر قوموں میں منادی نہ کی جائے۔ اب اس کی دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اُنکو جبتک اپنے اندر شامل نہ کر لو تب تک دوسرے لوگوں کی طرف رُخ نہ کرو۔ اور یا یہ معنے ہیں۔ کہ انہیں ایک دفعہ خبر دیدو۔ کہ آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔ اور پھر تمہارا کچھ فرض نہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ دونو معنے کر کے بھی مسیحیوں پر سے الزام دور نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ معنے لئے جائیں۔ کہ جبتک یہودی مان نہ لیں اُسوقت تک غیر قوموں میں تبلیغ نہ کی جائے۔ تب بھی مسیحیوں پر اعتراض ہے کہ اب تک یہودی دنیا میں باقی ہیں۔ جبتک وہ کل کے کل تمہاری منادی میں نہ آ جائیں۔ تب تک غیر قوموں میں منادی کرنا سراسر ناجائز ہے۔ اور یسوع کے حکم کے ماتحت جبتک ایک یہودی بھی صفحۂ دنیا پر موجود ہے۔ تب تک مسیحی کسی اور کو اپنے مذہب کی تلقین نہیں کر سکتے۔ پس ان کا ہم لوگوں کو ابھی انجیل سنانا قبل از وقت ہے۔ پہلے اپنے خدا کے اکلوتے بیٹے کے حکم کے ماتحت کل یہودیوں کو مسیحی بنالیں۔ تو پھر ہماری طرف رخ کریں۔

اور اگر اس کے یہ معنے لئے جائیں کہ نہیں صرف ایک دفعہ منادی کر دینی ہی کافی تھی۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اُس سے کچھ غرض نہیں۔ یہ اس کی اپنی دیانت اور امانت پر منحصر ہے۔ تو پھر بھی یہ اعتراض پڑتا ہے۔ کہ یسوع کی کھوئی ہوئی بھیڑیں تو وہ تھیں۔ کہ جن کو بخت النصر یروشلم کے علاقہ سے لے گیا تھا چنانچہ بائبل پڑھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ کہ اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ اور وہ تمام ملک شام اور اس کے آس پاس پھیلے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب اُن میں شرارتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے حدود کو انہوں نے توڑ دیا۔ اور دنیا میں بجائے امن قائم کرنے کے فساد مچانے لگے۔ تو بابل کا بادشاہ بخت النصر اُن پر حملہ آور ہوا۔

اور خدا نے اُنکے ہاتھوں اُنکو سزا دی چنانچہ بخت النصر اُن کے دس قبیلوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے آیا۔ اور اُن کو افغانستان وغیرہ ممالک میں پھیلا دیا (چنانچہ افغان اور کشمیری انہیں کی نسلوں میں سے ہیں) اور یروشلم اور اُس کے گرد و نواح میں صرف دو قبیلے رہ گئے۔ سو وہ دس قبیلے جو بخت النصر کی قید میں پڑ کر اپنے وطن سے دور جا پڑے۔ وہ بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑیں کہلائے۔ اور انہیں کے لئے مسیح اپنے حواریوں کو حکم دیتا ہے۔ کہ پہلے تم اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جاؤ۔ مگر برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ حواریوں نے اُن گم شدہ بھیڑوں کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ بلکہ یسوع کے صلیب پر چڑھائے جانیکے بعد ہی فوراً غیر قوموں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جو کہ قطعاً ناجائز تھا۔ پس اگر صرف منادی کے معنے ہی لئے جائیں تب بھی تو کام نہیں چلتا۔ کیونکہ حواریوں نے یسوع کے حکم کے خلاف کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف بھی نہیں توجہ کی۔ اور اُن غریبوں کا خیال تک نہیں کیا بلکہ مالدار قوموں کے پھانسنے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ان معنوں کی رو سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ کل یورپ و امریکہ کے مسیحی بے فائدہ اپنے آپ کو مسیحی کہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک حواری کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش نہ کر لیتے۔ انہیں تبلیغ کرنا ہی اُن کے لئے ناجائز تھا۔ اور یسوع کی اس کے لئے ممانعت تھی۔ پس یورپ اور امریکہ کے لوگ تو ایشیا والوں کے مسیحی بنانے کی فکر میں ہیں۔ اور انجیل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خود وہ بھی مسیحی نہیں ہیں۔

دوم مرقس باب ۷ آیت ۲۶ و ۲۷ میں لکھا ہے۔ کہ ایک عورت جسکی لڑکی پر بھوت سوار تھا یسوع کے پاس آئی اور یہ عورت یونانی تھی۔ اور اُس نے اپنی لڑکی کے چنگا ہونے کی درخواست کی۔ پھر یسوع نے اُسے کہا کہ پہلے فرزندوں کو سیر ہونے دے۔ کیونکہ فرزندوں کی روٹی لیکے کتوں کے آگے ڈالنا لائق نہیں۔ پس اس جگہ

بھی صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ مذہب کی تلقین تو الگ رہی۔ یسوع تو غیر سے صرف مہربانی سے پیش آنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کہتا ہے۔ کہ تم کتے ہو۔ تمہارے آگے میں اپنے فرزندوں کی روٹی کیونکر ڈالدوں۔ پس ان آیات کو دیکھتے ہوئے بھی کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یسوع کا منشا دیگر اقوام میں تبلیغ کرنیکا بھی تھا۔

سوم حزقیل باب ۳۴ آیت ۱۶ میں ہے۔ کہ میں اُسکو جو کھویا گیا ڈھونڈونگا۔ اور اُسے جو ہانکا گیا۔ پھیر لاؤنگا۔ اور اس کی ہڈی کو جو ٹوٹ گئی ہے۔ باندھونگا اور بیماری کو تقویت دونگا۔ اس میں ایک پیشگوئی معلوم ہوتی ہے۔ کہ بنی اسرائیل کے بارہ گھرانے اکٹھے کئے جائینگے۔ اور اُنہیں ایک نبی بھیجا جائیگا۔ کہ جو کمزوروں کو طاقتور اور بیماروں کو ضعیف کردیگا۔ اور اس کے ہاتھ پر پھر بنی اسرائیل کی جماعت ایک ہو جائیگی چنانچہ بائبل کے حاشیہ پر اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ اس پیشگوئی کا ذکر متی باب ۱۸ آیت ۱۱ میں بھی ہے۔ جسکے دیکھنے سے یہ عبارت نظر آتی ہے کہ ابن آدم آیا ہے۔ کہ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھ کے بچاوے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حزقیل نبی نے جو پیشگوئی کی تھی مسیح اُسے اپنی نسبت بتاتا ہے۔ اور لوگوں پر حجت تمام کرتا ہے۔ کہ کیا تمکو معلوم نہیں کہ حزقیل نبی نے ایک پیشگوئی کی تھی۔ کہ ایک نبی آئیگا۔ جو کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈھیگا۔ پس جب میں اس کام کے لئے آ گیا ہوں۔ تو پھر میرا انکار کیوں کرتے ہو پس معلوم ہوا کہ خود یسوع بھی اپنا کام بنی اسرائیل کے بارہ گھرانوں کی تلاش بتاتا ہے۔ پس کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ جبکا کام تھا۔ بنی اسرائیل کی بھیڑوں کو ڈھونڈنے کا وہ لگ جائے۔ یورپ کی بھیڑوں کی تلاش میں۔

کیا وہ افسر عقلمند سمجھا جاتا ہے۔ کہ گورنمنٹ تو اُسے سوڈان پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے۔ اور وہ جاپان پر حملہ کردے۔ اور کیا ایسا نوکر اعتبار کے قابل ہو سکتا ہے

کو جسے کہا تو جائے کہ پینے کے لئے سرد پانی لاؤ۔ اور وہ منہ دھونے کے لئے گرم پانی لے آئے۔ یا وہ دکانداروں دین کے قابل سمجھا جائیگا۔ کہ جس سے ٹوپی منگوائی جائے۔ اور وہ جوتی بھیجدے۔ پس کسطرح ممکن ہے۔ کہ یسوع تو بھیجا جائے بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں مگر وہ اُس کام کو چھوڑ چھاڑ کر یورپ کیطرف متوجہ ہو۔ مگر چونکہ یہ کام ایک بہت ہی ناقص عقل اور کوتہ اندیش انسان کا ہے۔ اس لئے یسوع کی طرف ہم اس کو منسوب نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دوسرے مقامات سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ غیر قوموں میں تبلیغ کو بُرا جانتا تھا۔ پس ہم یہی کہینگے۔ کہ یسوع کے صلیب دیئے جانیکے بعد کسی وقت یہ بدعت نکلی۔ کہ غیر قوموں میں مسیحیت کی تبلیغ شروع ہوئی جو کہ بائبل کی تعلیم کے بالکل برخلاف تھی۔ کیونکہ اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یسوع صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کے لئے ہی تھا۔ دنیا کی دنیا سے اس کا کچھ کام نہ تھا۔

چہارم۔ متی باب ۵ آیت ۱۷ سے ۱۹ تک میں ہے۔ کہ "یہ خیال مت کرو۔ کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا۔ میں منسوخ کرنیکو نہیں۔ بلکہ پوری کرنیکو آیا ہوں۔ کیونکہ میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں۔ ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ ٹلیگا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جب کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹالدیوے۔ اور ویساہی آدمیوں کو سکھاوے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلا ئیگا۔ پر جو کہ عمل کرے اور سکھاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کہلائیگا"۔ اس آیت میں یسوع نے بین طور سے اپنا کام بتا دیا ہے۔ کہ میں توریت سے ایک نقطہ اور ایک شوشہ تک مٹا نہیں سکتا۔ اور نہ مٹانا چاہتا ہوں۔ اور کوئی حکم جو توریت میں ہو۔ اس کو منسوخ کرنا میرے اختیار سے بالا ہے۔ یا میں ایسا کرنا ہی

نہیں چاہیئے۔ اور یہ کہ نہ صرف توریت بلکہ علاوہ توریت کے مجموعہ بائبل میں جتنے نبیوں کی کتب ہیں۔ اُنمیں سے کسی کتاب کے کسی حکم کا بھی انکار کرنے یا اُسے منسوخ کرنے کے لئے میں مبعوث نہیں ہوا۔ بلکہ میرا تو یہ کام ہے۔ کہ میں اُن احکام کو پورا کروں۔ اور جن باتوں پر لوگوں نے عمل چھوڑ دیئے ہیں۔ اُن پر اُن سے عمل کرواؤں۔ اور جو جو غلطیاں اُنمیں پھیل گئی ہیں۔ اُن کو دور کروں۔ اور پھر موسیٰ کے زمانہ کی طرح یہودیوں کو توریت کا پکا مطیع اور فرمانبردار بناؤں۔ اور اگر کوئی ایک حکم بھی مجھ سے چھڑوانا چاہے۔ تو میں اُسے نہیں چھوڑونگا۔ اور جیسے توریت اور دوسرے انبیاء کی کتب میں مذکور ہے۔ اُسی پر عمل کرونگا۔ اور اپنے پیروؤں سے اس کرواؤنگا۔ بلکہ وہ کہتا ہو کہ توریت کے احکام سے تو ایک شوشہ کا ٹل جانا بھی اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ کہ آسمان و زمین ٹل جائیں۔ اور دنیا غارت ہوجائے پس ممکن ہے۔ کہ ایک دم میں تمام زمین و آسمان برباد ہوجائیں۔ مگر توریت کے کسی حکم کا ٹلنا یا منسوخ ہونا محال اور بالکل محال ہے۔ پس اس آیت سے بہت سے مسئلوں کا وجود ہی حل ہوجاتا ہے۔ مگر اسوقت تو ہمکو صرف اس معاملہ سے تعلق ہے۔ کہ آیا مسیحیوں کو غیر قوموں میں تبلیغ کرنیکی اجازت بھی ہے یا نہیں۔ سو جبکہ خود مسیح کہتا ہے۔ کہ میں توریت یا دوسرے نبیوں کے سفروں میں سے کسی کو بھی رد کرنے نہیں آیا۔ تو صاف بات ہے۔ کہ ہم یہودیوں میں دیکھ لیں۔ کہ وہ کیا اس کے متعلق رائے رکھتے ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ تو ہمکو معلوم ہوتا ہے۔ کہ توریت و دیگر صحف انبیاء نے یہودیوں کو اپنے مذہب کی تلقین تو الگ غیر قوموں سے میل ملاپ کرنے تک کو منع کیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے۔ کہ یہودی غیر اقوام کو بہت نفرت سے دیکھتے ہیں۔ اور نجات کو اپنے ہی اندر محصور سمجھتے ہیں۔ اور اپنے سوا دوسری قوموں کو نفرت سے غیر مختون کہتے ہیں۔ اور اگر اُن میں یہ تعلیم نہ ہوتی۔ تو شاید مسیحی

تعلیم بڑھنے بھی نہ پاتی۔ اور وہیں کی وہیں رہ جاتی۔ اگرچہ کہ یہودی تو لوگوں کو اپنے اندر شامل نہ کرتے تھے۔ مگر یہ بھی کر لیتے تھے۔ اس لئے ان کی طاقت روز بروز بڑھنے لگی۔ غرض کہ یہودیوں میں غیر قوموں کو اپنے اندر شامل کرنا ایک سخت گناہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور اس حکم کے برخلاف کرنا ایک بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ جو ایسا کرے خود اس کے ساتھ تعلق کرنا بھی ایک گناہ جانتے تھے۔ تو اس صورت میں مسیح کے اپنے قول کے مطابق ہی۔ کہ میں توریت کے احکام کا ایک شوشہ مٹانے یا منسوخ کرنے نہیں آیا۔ بلکہ اسے پورا کرنے آیا ہوں۔ چاہئے تھا۔ کہ حواری یا جن لوگوں نے غیر مختون قوم کو اپنے اندر شامل کیا۔ وہ اس کام سے رکتے اور بچتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اور ان کے اس فعل سے انجیل کی عام منادی کا جواز نہیں نکلتا۔ بلکہ نافرمانی اور محسن کشی بھی پائی جاتی ہے۔ کتنے ظلم کی بات ہے۔ کہ یسوع جس کام کے لئے آیا تھا۔ اور جس کا وہ بار بار اعلان کرتا ہے۔ اسکو ترک کرکے اپنے من گھڑنے کام شروع کر دیئے گئے ہیں۔ توریت اور صحف انبیاء سے غیر قوموں کی منادی یا تبلیغ تھی۔ جسے مسیح اُن کی سچائی کو قبول کرتا ہے۔ پھر بتاؤ کہ کس حکم سے غیر قوموں سے تعلقات پیدا کرتے۔ اور اُن میں تبلیغ کرنیکا فتویٰ ملا۔ دوسرے یہ کہ نہ صرف توریت کی نسبت ہی۔ بلکہ مسیح تو فقیہوں کے اقوال کی نسبت بھی کہتا ہے۔ کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں۔ وہ کرو پر جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ وہ نہ کرو۔ چنانچہ فقیہی اور فریسی تو اس کام کو بہت برا کہتے تھے۔ سو ان کے اقوال کے مطابق بھی حواریوں کو ایسا کرنا ناجائز تھا۔ کیونکہ خود مسیح نے کہا ہے۔ کہ فقیہوں اور فریسیوں کے اقوال پر عمل کرو۔

اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ یہودیوں میں غیر قوموں میں تبلیغ کرنا منع تھا مجھے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں۔ خود پطرس رسول کے قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اعمال باب ۱۱ آیت ۳ میں اس رسول کی بابت لکھا ہے۔ کہ اُس

نے ایک سردار کو جو یہودی نہ تھا۔ کہا کہ تم جانتے ہو۔ کہ یہودی کو بیگانے سے صحبت رکھنی یا اُس کے ہاں جانا روا نہیں ۲۸۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حواری بھی اس کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ یہودی کو دوسرے سے صحبت رکھنی روا نہیں۔ اور اپنا مذہب اُسے تلقین کرنا ناجائز ہے۔ پس بموجب اُس قاعدہ کلیہ کہ جو یسوع نے مقرر فرمایا تھا۔ کہ میں ایک شوشہ تک توریت سے نہ مٹاؤں گا۔ مسیحیت کی تلقین غیر قوموں میں کرنی ناجائز تھی۔ اور ہے۔

پھر اعمال باب ۱۱ آیت ۱ سے ۳ تک لکھا ہے۔ کہ اور رسولوں اور بھائیوں نے جو یہودیہ میں تھے۔ سنا کہ غیر قوموں نے بھی خدا کا کلام قبول کیا۔ اور جب پطرس یروشلم میں آیا۔ تو مختون اُس سے یہ کہکر بحث کرنے لگے۔ کہ تو نامختونوں کے پاس گیا۔ اور اُن کے ساتھ کھایا ۳۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یسوع کے صلیب پانے کے بعد تک حواریوں کا یہی خیال تھا۔ کہ نامختونوں اور غیر قوموں میں تبلیغ ناجائز ہے جس سے یہودیوں کا مذہب خوب معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چل جاتا ہے۔ کہ یسوع نے صلیبی واقعہ تک اپنے پہلے حکم کو غیر قوموں میں تبلیغ نہ کرنا موقوف نہیں کیا تھا۔

اس سے بھی زیادہ کھلی یہ بات ہے۔ کہ اعمال باب ۱۱ ۱۹ میں چند رسولوں کی نسبت لکھا ہے۔ کہ وہ پھرتے پھرتے فینیکے و کپرس اور انطاکیا میں پہنچے۔ مگر یہودیوں کے سوا کسی کو کلام نہ سناتے تھے ۱۹۔ جس سے خوب اچھی طرح سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہودیوں میں غیر قوموں کو ہدایت کرنا سخت ممنوع تھا۔ پس خود حواریوں کے اقوال اور افعال سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہودیوں میں غیر قوموں میں تبلیغ کرنا منع تھا۔ اور چونکہ خود یسوع نے کہا ہے۔ کہ میں توریت اور دوسرے انبیاء کے احکام کا ایک شوشہ تک نہیں مٹاؤں گا۔ بلکہ وہ ابد تک قائم رہینگے۔ تو پھر کسی حواری کا یا

۰۰۰۔ منشی غلام محمد صاحب کا ۱۲۵۔ سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کا ۶۷۰۔ سردار خاں صاحب کا

۰۰۰۔ حکیم محمد یعقوب صاحب کا ۶۱۵ سی۔سی۔حسین کولکاتا کا ۲۳۷۔ مولوی عبدالدین صاحب کا

۳۱۰۔ حکیم غلام محمد اختر صاحب کا ۲۹۰۔ عبدالغفار ورکس صاحب کا ۹۴۳۔ منشی عنایت علی صاحب کا

۴۰۵۔ منشی غلام محمد صاحب کا ۲۳۵۔ میاں احمد علی صاحب کا ۲۳۰۔ سید روشن علی صاحب کا

۱۹۹۔ میاں رحمت خان صاحب کا ۲۰۲۔ منشی قدرت اللہ صاحب کا ۶۳۷۔ حکیم احمد علی صاحب کا

۴۰۰۔ میاں سراج الدین صاحب کا ۴۱۹۔ میاں نظام الدین صاحب کا ۴۱۳۔ میاں محمد یوسف محمد یحییٰ کا

۵۴۰۔ منشی فضل دین صاحب کا ۴۷۵ میاں محمد حسین حلوائی کا ۴۶۰۔ مرزا محمد جمیل صاحب کا

۵۹۵۔ میاں عبدالعزیز صاحب کا ۷۱۵ شیخ حبیب الرحمن صاحب کا ۴۷۰۔ سراج الدین صاحب کا

۰۰۰۔ حکیم [illegible] صاحب کا ۶۱۵ سید اللہ ودھن صاحب کا ۳۱۲۔ میاں [illegible] الدین صاحب کا

۴۰۳۔ منشی کریم بخش صاحب کا ۳۹۵۔ گلاب الدین صاحب کا ۲۲۱۔ میاں خیر الدین صاحب کا

۰۰۰۔ شیخ محمود الحسن صاحب کا ۴۹۰۔ تاج الدین صاحب کا ۴۲۰۔ فیروز علی شاہ صاحب کا

۴۲۳۔ میاں نور محمد صاحب کا ۳۰۰۔ منشی کریم بخش صاحب میرٹھ ۶۱۳۔ خلیفہ محمد صادق صاحب کا

۲۰۱۔ مولوی الٰہی بخش صاحب کا ۵۰۶۔ سید امیر علی شاہ صاحب کا ۱۰۱۔ شیخ نور محمد صاحب کا

۵۰۔ سید سعید الدین صاحب کا ۵۲۳۔ مولوی عبدالحی صاحب کا ۹۰۹۔ چودھری [illegible] صاحب کا

۵۵۵۔ بابو اکبر علی صاحب کا ۳۰۵۔ منشی عبدالعظیم صاحب کا ۱۹۲۔ ملک پھول محمد صاحب کا

۸۰۶۔ سید محمد شاہ صاحب کا ۲۷۵۔ نعیم الدین صاحب کا ۳۴۲۔ چودھری اللہ [illegible] صاحب کا

۳۲۹۔ میاں احمد الدین صاحب کا ۶۹۰۔ میاں عبدالحق صاحب کا ۵۰۱۔ خلیفہ شمس الدین صاحب کا

۶۸۰۔ سید [illegible] شاہ صاحب کا ۳۵۲۔ سید علیم الدین صاحب کا ۴۹۰۔ میاں محمد اسمٰعیل صاحب کا

۵۴۔ مستری علم الدین صاحب کا ۴۳۰۔ بابا محمد فاضل صاحب کا ۴۳۳۔ مولوی محمد حسین صاحب [illegible]

۳۳۵۔ ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کا ۳۴۲۔ پیر [illegible] صاحب کا ۵۴۳۔ منشی اکبر علی صاحب کا

۱۶۰۔ ابو محمد عمر صاحب کا ۵۱۱۔ مرزا خدا بخش صاحب کا ۴۹۱۔ ملک غلام محمد صاحب کا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۶۴

ڈاکٹر برمن کا بنایا ہوا

اصلی عرق کافور

ایسی اصل ہے جو ہندوستان بھر میں [illegible]

ڈاکٹر [illegible] ہیضہ کے شروع ہوتے ہی عرق کافور پلانے [illegible] فائدہ دکھاتا ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] ہر شخص کو لازم ہے کہ عرق کافور کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھیں۔

ہیضہ کے سوائے [illegible] عرق کافور بہت مفید ہوتا ہے

نقل عرقوں سے بچو۔ ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن کا اصل عرق کافور [illegible] شیشی میں بھر کر [illegible]

کے بکس میں بند رہتا ہے۔ اور ان بکسوں پر [illegible] چھپا ہوتا ہے۔

قیمت [illegible]

المشتہر

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

باہتمام [illegible] اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا

رسالہ تشحیذ الاذہان

جلد ۵ نمبر ۴

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء — فہرست مضامین — مطابق ربیع الثانی سنہ

باہتمام حافظ عبدالرحیم مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

ریویوز

دیسی کلنڈر سنہ ۱۹۱۰ء مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قادیاں نے دفتر ہذا میں ریویو کے لئے بھیجا ہے۔ جن احباب کو تاریخوں کے معلوم کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ اُن کے لئے بہت مفید ہے۔ اس کلنڈر میں۔ انگریزی۔ قمری۔ بکرمی۔ اور سدی بدی چار قسم کی تاریخیں ہیں۔ قیمت فی کلنڈر ا ر ہے۔ کلنڈر امل مرتب نیاز علیخاں سوداگر تاجر کتب و مالک مطبع افغانی بازار حال شہر امرتسر یا مفتی صاحب مذکور سے مل سکتا ہے۔

احکام اللہ والرسول یہ کتاب جناب سید عبدالحی صاحب قادیاں کی تالیف کی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں قرآن شریف اور احادیث سے اللہ اور رسول کے احکام کو ایک جگہ پر جمع کر دیا گیا ہے جنپر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ یہ کتاب اصل مولف سے ملتی ہے۔ قیمت صرف ۲ ر ہے۔

ضروری اطلاع

جن احباب کی طرف سے سال سنہ ۱۹۱۰ء کی قیمتیں وصول نہیں ہوئیں۔ وہ برائے مہربانی بہت جلد بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماویں۔ والا مئی سنہ ۱۹۱۰ء کا پرچہ بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔

مینجر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نحمدہ و نصلی علے رسولہ الکریم

آریہ مذہب اور جہاد

کہتے ہیں کہ خربوزہ خربوزہ کو دیکھکر رنگ پکڑتا ہے۔ پادریوں نے جو مسیح ناصری کی خدائی منوانے کے لئے زور مارنا شروع کیا اور اپنے مذہب میں کوئی خوبی نہ پاکر غیر مذاہب پر حملے شروع کئے تو آرین (پنڈت دیانند صاحب کے متبع) جو اس قسم کے لٹریچر کے پہلے سے ہی فدا تھے۔ دیوانہ را آہوئے بس است کے مقولہ کے مطابق اُٹھے۔ اور پنڈت صاحب کے ساتھ مل کر گئے بزرگان مذاہب پر اعتراض کرنے۔ اور تو اور خود اپنے بزرگوں تک کو نہ چھوڑا کیونکہ پادریوں کا پورا اتباع تو تبھی ہو سکتا تھا (جنہوں نے بائبل کے کل نبیوں پر اتہام باندھے۔ اور ہر ایک کو گنہگار ثابت کر نہیں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا) بلکہ قوم ترقی کی اور پادریوں نے تو نبیوں پر بہت کچھ اعتراض جماکر بھی انکو نبوت سے جواب نہ دیا تھا مگر آریوں نے کرشن اور رامچندر جیسے بزرگوں کو اپنے حقیقی عہدہ سے بھی معزول کر دیا۔ وہ لوگ جنہوں نے ہندوستان کو خطرناک گناہوں کے پنجہ سے چھوڑ نیکی اور ہدایت کا سبق دیا جنہوں نے حقیقی وحدت کی تعلیم دی (گو بعد میں لوگوں نے بگاڑ دی) انہیں کو مخرب اخلاق تعلیم کا بانی قرار دیا اور بت پرستی کا موجد ٹھہرایا۔ مگر پھر ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے شدھی کا طریق نکالا اور غیر مذاہب کے بزرگوں کی وہ وہ عیب چینی کی کہ ایک شریف آدمی تو ان کی تحریرات کو پڑھنے تک سے شرم کرتا ہے۔ پنڈت صاحب کی ستیارتھ پرکاش کا چودہواں باب تو خاص کر مسلمانوں کی دل آزاری کے لئے ہی لکھا گیا تھا جسکا نتیجہ لیکھرام نے کلیات مسافر کی صورت میں شائع کیا۔ پھر تو ایک دریا اُمڈ آیا کہ جسکا

اندازہ کرنا میرے لئے تو مشکل کام ہے۔ ہر سال ایک نیا اخبار نیا نکل آتا ہے۔ جس کا سارا زور اسلام کے برخلاف گالیاں بکنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ دہرم پال صاحب بی اے کا تو ہر وقت کام ہی یہی ہے۔ اور نکالا تو اس غرض کو مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے اور جب شروع کیا تو اسی پہلو کو مدنظر رکھکر کہ بزرگان اسلام پر بہتان باندھے جائیں۔ اور حق کو چھپایا جائے۔ ایک اعتراض کا جواب لکھکر دیدیا جاتا ہے۔ مگر اگلے پرچہ میں پھر وہی موجود۔ دوسری دفعہ پھر سمجھایا جاتا ہے۔ تیسری دفعہ پھر بیان کیا جاتا ہے۔ مگر ہمارے آریہ مہربان ہیں سنتے تک نہیں۔ سینکڑوں دفعہ جواب دو مگر اعتراض وہیں کا وہیں۔ کیا اسی طرح مذہبی جھگڑوں کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یا حق کو پرکھا جاتا ہے۔ بات تو تب ہو۔ کہ جو جواب ہو اس پر غور کیا جائے۔ اس کے حسن اور سقم پر بحث ہو۔ اور ایک ہی بات کو بار بار نہ رٹا جائے۔ اور اس قسم کی تحریرات کے بعد دروغ بیانی کو کسیقدر الگ کر کے رکھدیا جائے۔ یہ مدنظر نہ ہو۔ کہ اولیا اللہ کو گالیاں دیے بغیر نہیں رہنا بلکہ تحقیق کی غرض ہو اور سچ کی طلب +

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تہا چونکہ آرین صاحبان نے اس نصیحت کو ماننا ہے۔ اور نہ اُن کو سنانے سے کچھ فائدہ ہے۔ اس لئے میں اصل مقصد کی طرف لوٹتا ہوں اور وہ یہ کہ جہاں پنڈت دیانند اور اُن کے پیروں نے اسلام پر اور سینکڑوں حملے کئے ہیں۔ وہاں ایک حملہ جہاد کا بھی ہے۔ بار ہا اس کا جواب دیا گیا ہے۔ اور بیسیوں دفعہ سمجھایا گیا ہے۔ مگر مقابل میں دل ہو۔ تو اس پر بات اثر بھی کرے۔ جس پرچہ کو دیکھو یہی نظر آئیگا۔ کہ مسلمان ایک خونریز قوم ہے۔ ان کے پیغمبر (فداہ ابی و امی) نے اپنے مخالفین سے بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ اور یہ ہمیشہ جہاد کرتے رہے ہیں۔ اور ان کے دلوں میں لوٹ

مار کے خیالات جمے رہتے ہیں۔ اور انکی ترقی ہوئی ہی جہاد سے ہے۔ وہ
یہ مذہب تہا ہی کیا نکلتے ہی تباہ ہو جاتا گویا کہ اسلام جب شروع ہوا ہے تو
ایک جنگی فوج سے شروع ہوا ہے۔ کہ جس نے یکلخت دنیا میں چاروں
طرف حملہ کر دیا۔ یا یہ کہ اسلام کا بانی ایک بڑا زبردست بادشاہ تہا کہ جس کے پاس لاکھوں
کی تعداد میں فوج تھی جس کے دعوی کرتے ہی کروڑوں آدمیوں نے اسکی
بیعت کر لی۔ ان نادانوں کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ آنحضرت (فداہ ابی و امی)
کے ساتھ تیرہ برس تک مکہ والوں نے کیا سلوک کیا۔ اور کس شکل سے آپ کے
پیرواں گزارہ کرتے تھے۔ پھر جس مذہب نے اس حالت میں ترقی کی کہ اس
کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے۔ جو ہر وقت اس کے تباہ کرنے میں لگے
ہوئے تھے۔ کیا وہ مذہب جہاد سے پھیلا ہوا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر
اسوقت مجھے اس سے بحث نہیں۔ کیونکہ اس کا جواب کئی دفعہ دیا جا چکا
ہے۔ اس موقعہ پر میں آریہ صاحبان سے انہیں کی الہامی کتب وید سے ایک
منتر لکھکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا اسلامی جہاد زیادہ خطرناک ہے یا کہ رگوید اشٹک
سات انو کا دا سکت منترا کا واقعہ جسمیں اندر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا
ہے کہ اسکی جو جہات خوش ہوتا ہے۔ یہ لوگ لگا کر پوجا کرو جس نے راجہ وان کے
ساتھ کرشنا کی حاملہ استریوں کو قتل کیا ہم رکشا کے خواہشمند انکو جو نعمتوں کا دینے
والا ہے۔ اور جس کے ہمراہ ماست ہیں۔ اور جو بجر کو داہنے ہاتھ میں دہارن کرتا ہو
بلاتے ہیں تاکہ ہمارا مددگار ہو۔ جس وید کی یہ تعلیم ہو کہ جوان بچہ اور بوڑھے مرد اور
عورتیں تو الگ دشمن کی حاملہ عورتیں تک قتل کر دی جائیں۔ کیا اس کے پیرو
اسلام کی کسی لڑائی پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ راجہ ابسوان کے ساتھ ملکر اس کے
دشمن کرشنا کو جو کہ ہندوستان کے اصل باشندوں میں سے تہا۔ اور سیاہ فام

قوم میں سے تھا جس کے ساتھ راجہ رجبہاں کی جنگ رہتی تھی۔ اندر کا نہ صرف کرشن کو قتل کر دینا بلکہ انکی حاملہ عورتوں تک کو قتل کر دینا کس انصاف کے ماتحت تھا۔ کیا آریہ صاحبان اپنے ویدوں میں اس قسم کے منتر پڑھکر پھر بھی مسلمانوں کے دفعیہ جنگوں پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ اس منتر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس منتر کا پڑھنے والا رشی جس پر وید نازل ہوا ہے۔ یا جس نے وید کو بنایا ہے۔ اس فعل کو یاد دلا کر اندر کو بتاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ تو اگر ہمارا مددگار ہو جس سے اسکی صاف خواہش معلوم ہوتی ہے۔ کہ وہ اس فعل کو دوبارہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اندر سے درخواست کرتا ہے۔ کہ تو ہماری بھی مدد کرتا۔ کہ راجہ رجبہاں کی طرح ہم بھی اپنے دشمنوں پر حملہ کرکے انکو قتل کر دیں۔ اور نہ صرف انکے جنگی جوانوں کو ہی قتل کر دیں۔ اور ایسی خونریزی ہو کہ حاملہ عورتیں تک بھی ماری جائیں۔ تاکہ آئندہ نسل کا بھی انقطاع ہو جائے تاکہ ہمارے برخلاف بولنے والا کوئی نہ رہے۔

اب میں آریہ صاحبان سے پوچھتا ہوں۔ کہ یہ جہاد زیادہ سخت ہے۔ یا اسلامی جہاد جو نسبت خاک را با عالم پاک۔ میں امید کرتا ہوں کہ آریہ صاحبان اس قسم کے منتروں کو پہلے حل کر کے پھر کبھی جہاد پر اعتراض کرنیکی جرأت کرینگے۔ ورنہ بزرگان دین پر اعتراض کرنے سے کیا فائدہ صلح سے کام لو۔ اور فساد کے خیالات کو جانے دو۔ اور گورنمنٹ اور رعایا دونوں کے درمیان نیک تعلقات پیدا کرنیکی کوشش کرو۔ تو مذہب کا فیصلہ خدا خود کر دیگا۔ سچائی چھپی نہیں رہتی۔ اور جھوٹ کی پردہ دری ضرور ہوتی ہے۔ خدا اپنے دین کی مدد آپ کریگا۔ گالیوں سے خدا تعالے کو کیا مدد ملسکتی ہے۔ الٹا دنیا میں فساد پڑ جاتا ہے۔ اور گورنمنٹ کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ صلح کو دنیا میں قائم کرو۔ تاکہ خدا بھی تم سے صلح کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اسلام گناہوں کا بیخ کن ہے

آج اتفاق سے جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کا پرچہ آریہ مسافر جالندہر میری نظر سے گزرا. جسکے صفحہ ۶ میں ایک نامہ نگار کی طرف سے اک مضمون شائع ہوا ہے. جسکی سرخی اسلام اور گناہ ہے. اس مضمون میں نامہ نگار نے یہ دکہانے کی کوشش کی ہے. کہ اسلام گناہ کرنیکی تعلیم دیتا ہے. اور جو شخص کہ مسلمان ہو. وہ بغیر گناہ کیئے کے مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا. مگر نامہ نگار صاحب کی تحریر کو دیکہ کر صاف پتہ لگتا ہے. کہ وہ خود بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں. کہ اسلام گناہ کرنے سے روکتا ہے. مگر بیماری تعصب کی وجہ سے وہ شیرین کلام جو بالکل صاف اور سیدہا اور عین فطرت انسانی کے مطابق تہا. انکو کڑوا لگنے لگ پڑا ہے. چنانچہ وہ خود ہی اپنے مضمون کے ابتداء میں لکہتے ہیں "بادی النظر میں تو اسلام گناہ جائز قرار نہیں دیتا. اور نہ ہی اس کے کرنیکی کسی مومن کو ترغیب اور تحریص کرتا ہے. لیکن اگر اسلام کی کتب کا مطالعہ کیا جائے. تو صاف معلوم ہوتا ہے. کہ اسلام میں گناہ جائز قرار دیا گیا ہے. اور ہر ایک مومن اس کے بغیر مومن کہلانے کا مستحق نہیں ٹہرتا. یعنی مومن وہ شخص کہلاتا ہے. کہ جو احکام اسلام کا اقرار باللسان کرتا ہو اور تصدیق قلب سے اقرار نہ کرتا ہو. ایسا مومن وارث بہشت ہوگا. وہ جو عقائد اسلامیہ کا اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کرتا ہے" اب اس عبارت سے صاف پتہ لگتا ہے. کہ مضمون نویس صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام بادی النظر میں گناہ سے روکتا ہے. لیکن ہم نامہ نگار سے صرف اتنا ہی پوچہتے ہیں. کہ بادی النظر میں تو خود آپ بھی اس امر کو مانتے ہیں. کہ اسلام گناہ سے روکتا ہے

لیکن ایک امر جو کہ باطنی تھا۔ اور جسکو وہ لوگ بھی آجتک نہ سمجھ سکے جنکی عمریں اسلامی کتب کے پڑھنے پڑھانے میں گذر گئیں۔ اور جنہوں نے اسلام کی تعلیم کی تہہ تک پہنچنے کے لئے بیحد کوششیں کیں۔ اور وہ پہنچ بھی گئے۔ تو آج آپ جیسا شخص جو کہ بالکل اسلامی تعلیم سے بے بہرہ اور محض لا علم ہے۔ اور جسکو اسلامی کتب کے سمجھنے کا ذرہ بھی مس نہیں۔ اور نہ وہ اس کی زبان سے واقفیت رکھتا ہے۔ اگر اس کے ایک باطنی امر پر اعتراض کرے۔ تو کسقدر تعجب کی بات ہے اور عقلمندوں کے نزدیک ایسے آدمی کی تحریر کس پایہ اور کس درجہ کی سمجھی اور کس وقعت کی نظر سے دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ مضمون ایک ایسا لغو اور بیہودہ مضمون ہے۔ جس کے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ ہر ایک آدمی جسنے اسلامی تعلیم کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کیا ہے وہ خوب جان سکتا ہے۔ کہ یہ مضمون کسقدر سچائی اور انصاف اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ مبادا کوئی ناواقف شخص اس مضمون سے دہوکہ کہا جاوے (کیونکہ آریوں کے اکثر کیا تمام کے تمام مضامین ہی ایسے ہوتے ہیں جو کہ محض ناواقف لوگوں کو دہوکہ میں ڈالنے کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ باتیں بھی اسلام کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں جنکا اسلامی تعلیم میں شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا جیسا کہ خود نامہ نگار کی فطرت بھی اسبات کو مانتی ہے) اسلام کے ساتھ لفظ گناہ کا ذکر کرنا ہی مجھے تو تعجب آتا ہے۔ اور ہر ایک انصاف شعار اور ذی عقل آدمی کو واقعی تعجب آنا چاہئے۔ کہ جس کتاب کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ یعنی یہ کتاب ہم نے اسواسطے نازل کی ہے۔ کہ تو لوگوں کو انکے رب کے حکم سے ظلمت سے نکالکر نور یعنی

عزیز عبید خدا کے راستہ کی طرف لے جاوے اور جس کے تعلیم لانے والے
یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ روحی ونفسی) کی نسبت فرمایا گیا ہے لقد من
اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ
ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین
یعنے اللہ تعالٰے نے مومنوں پر احسان کیا ہے۔ کہ ان میں انہی میں سے ایک
رسول بھیجا ہے۔ جو انپر اسکی تعلیم کو پڑہتا اور پھر انکو پاک کرتا۔ اور انکو کتاب اور
کی باتیں۔ (جو کسی طرح بھی انکی ہلاکت کا موجب نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی انکو
کرتے ہوئے وہ کسی کے سامنے شرمندہ ہو سکتے ہیں) سکھاتا ہے۔ اور تحقیق
وہ اس سے پہلے کھلی کھلی گمراہی میں تھے۔ سبحان اللہ کیا پاک رسول ہے۔
خود کسقدر پاکیزگی کا نمونہ دکھایا۔ اور پھر اپنی قوت قدسی سے ایک جہان کو
پاک کرکے اس دنیا سے رخصت ہوا کیا ایسا شخص جسکی نسبت دشمن بھی اقرار
کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جسوقت وہ دنیا میں ظاہر ہوا تمام دنیا میں کفر اور ظلمت
کا گھٹا ٹوپ بادل چھایا ہوا تھا۔ اور جسوقت وہ دنیا سے گیا۔ اسوقت ایک ایسی
جماعت پیدا کر کے گیا جسکا دل خدائی نور سے منور تھا۔ اور پھر اس جماعت نے
اس نور کو اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ سورج کی طرح اس نور کو تمام دنیا
میں پھیلایا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت
عرب طرح طرح کے گندوں میں مبتلا تھا۔ جن میں سے انکو نکالنا سوائے ایک
حد درجہ کے پاک انسان کے کسی کا کام نہیں ہو سکتا اگر ان تمام گندوں کا جن میں
وہ مبتلا تھے یہاں ذکر کیا جاوے تو میرے خیال میں وہ خود ایک مستقل مضمون
بن جاتا ہے۔ جس کا ذکر بوجہ خوف طوالت مضمون یہاں چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ
وہ ایک بدیہی امر ہے جسکا انکار اگر کوئی کور باطن اور حد درجہ کا متعصب

اور تاریخ سے محض ناواقف انسان کرے تو کرے ورنہ ایک انصاف پسند تاریخ سے واقفیت رکھنے والا انسان کبھی نہیں کریگا۔ تو پھر ایسے شخص کی تعلیم کی نسبت یہ کہنا کہ وہ گناہ کرنے پر انسانوں کو مجبور کرتی ہے ہٹ دھرمی اور مسلمانوں کا دل دکھانا نہیں تو اور کیا ہے۔

پھر کیا ایسی کتاب کی طرف گناہ کی تعلیم منسوب ہو سکتی ہے جس کے پیرو کاروں کو یہ سکھایا گیا ہو کہ وہ دن میں پانچ دفعہ خدا کے حضور یہ دعا مانگا کریں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین آمین کہ یا الٰہی تو ہم کو ہمیشہ اسی رستہ پر چلاتا رہو جس پر چل کر ہم تجھکو پا لیویں یعنی ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام کئے اور ان بد بختوں کی راہ سے ہم کو بچائے جو اپنے گناہوں کے سبب سے تیرے غضب کے مورد ہوئے اور جو تیری راہ سے دور جا پڑے ہیں۔ پھر جس کتاب کی نسبت فرمایا ہو کہ لا یمسہ الا المطہرون یعنی اس کے حقائق کو وہی انسان سمجھ سکتا ہے جو اپنے اندر پاکیزگی پیدا کرے اور جس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہو کہ ان اللہ یحب المطہرین کہ اللہ تعالے صرف پاکوں سے ہی محبت کرتا ہے۔ اور پھر جو یہ بتاوے کہ قد افلح من زکیھا وقد خاب من دسیھا یعنی جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے اسکو گناہوں میں دبا دیا وہ خائب اور خاسر رہا اور جو اپنے متبعین کو یہ ارشاد کرے کہ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہ یعنی تم ایک بہترین امت ہو جو دنیا میں اسواسطے نکالی گئی ہو۔ تاکہ تم لوگوں کو معروف باتوں کا حکم کرو اور بے حیائی کی باتوں سے روکو۔ اور جو بار بار یہ حکم دے کہ امنوا وعملوا الصالحات یعنی ایمان لاؤ اور عمل نیک کرو اور جسمیں گنہگاروں کو طرح طرح کے

عذاب سے ڈرایا گیا ہو۔ اور نیکیوں کو طرح طرح کے انعامات کا وعدہ دیا گیا ہو اور جہیں لکھا ہو پھر کافمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوٗن اما الذین اٰمنوا و عملوا الصالحت فلهم جنت المأوی نزلا بما کانوا یعملون و اما الذین فسقوا فماوٰهم النار یعنے کیا وہ شخص جو مومن ہو اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو فاسق ہو۔ یہ دونو ہرگز برابر نہیں ہو سکتے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لاتے انکے لئے جنت ٹھکانا ہے۔ یہ مہمانی ہے۔ بدلہ انکے جو وہ کرتے ہیں۔ اور لیکن وہ لوگ جو فاسق بنتے ہیں۔ انکا ٹھکانا آگ ہے۔ اور جس کے رسول کی نسبت یہ فرمایا گیا ہو۔ یا ایها الذین اٰمنو استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم یعنی اے مومنو اللہ اور اس کے رسول کی باتوں کو مان لو۔ جبکہ وہ تمکو بلاتا ہے۔ تاکہ تم کو گناہوں سے پاک کر اور تمہاری مردہ روحوں میں جان ڈالے اور پھر جسکا خدا یہ کہتا ہو۔ کہ اللہ ولی الذین اٰمنو یخرجهم من الظلمت الی النور والذین کفروا اولیٰئهم الطاغوت یخرجونهم من النور الی الظلمت و اولٰئک اصحب النار هم فیها خلدون یعنی اللہ دوست ہے۔ ان لوگوں کا جو مومن ہیں۔ انکو وہ ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اور وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے دوست سرکش روحیں ہیں۔ جو انکو نور سے ظلمت کی طرف نکالکر لے جاتی رہتی ہیں یہی لوگ دوزخی ہیں۔ اور اسمیں رہنے والے ہیں۔ اور پھر جو ڈنکے کی چوٹ یہ حکم دیتا ہے۔ لا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون یعنی تم شیطان کی پیروی مت کرو تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور وہ تحقیق تمکو حکم کرتا ہے۔ فحش اور بری باتوں کا اور یہ کہ کہو خدا پر جو تم نہیں جانتے اور پھر فرمایا اقیموا الصلوٰۃ اور ساتھ

ہی یہ بھی فرمایا ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر یعنی نماز فحش اور بےحیائی کی تمام باتوں سے روکتی ہے۔ بغرضکہ میں کہاں تک لکھتا جاؤں تمام قرآن شریف اسی تعلیم سے بھرا پڑا ہے۔ مگر افسوس کہ مخالفین کو تعصب نے اسقدر اندھا کر رکھا ہے۔ کہ باوجود آنکھیں رکھنے کے بھی نہیں دیکھتے ہیں اور باوجود کان رکھنے کے بھی نہیں سنتے اللہ تعالےٰ ان کی حالت پر رحم کرے۔

تعجب ہے۔ کہ جس پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثوں پر نامہ نگار نے اپنی نافہمی یا دھوکہ دہی کی خاطر اعتراض کیا ہے۔ وہ تو اپنی پاک حدیثوں میں یہ فرماتا ہے۔ کہ تم سب کان دھر کر سن لو کہ ان اللّٰہ طیب لا یقبل اللّٰہ الا طیباً اللہ تعالےٰ پاک ہے اس کے حضور کسی شخص کے اعمال قبولیت نہیں پا سکتے جبتک کہ پاکیزہ نہ ہوں۔ مگر ان لوگوں کو ان صریح باتوں سے کیا غرض جنکی منشا ہی محض دوسروں کا دل دکھانا اور عوام کو دھوکہ میں ڈالنا ہو۔

اب میں ان حدیثوں کو لیتا ہوں۔ جنپر نامہ نگار نے اعتراض کیا ہے اور جس سے وہ ثابت کرنا چاہتا ہے۔ کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زنا اور چوری کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اس شخص کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اسقدر دلیرانہ وار بہتان اسلام پر باندھ رہا ہے۔ او کم عقل کیا تو نے اسلام کے اس حکم کو نہیں پڑھا۔ کہ لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا یعنی زنا کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ وہ ایک بہت ہی فحش اور بری راہ ہے۔ اور پھر کیا تو بتا سکتا ہے۔ کہ کیا اسلام سے بڑھکر دنیا میں کسی مذہب نے اس بدذاتی کو دنیا سے اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اگر اسکا مرتکب شادی شدہ ہو تو اسکو رجم کرنیکا حکم دیا ہے اور جو شادی شدہ نہ ہو۔ اس کیلئے سو

کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ و الیوم الاخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین یعنی زانی عورت اور زانی مرد ان ہر ایک کو سو سو کوڑا مارو اور تمکو ان دونوں کے لئے اللہ کے اس حکم میں کوئی نرمی نہ پکڑے اگر تم اللہ اور یوم الآخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اب دیکھئے کہ کسقدر سخت حکم ہے۔ فرمایا کہ اگر تم کو یہ یقین ہے کہ اللہ موجود ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ بھی علم ہے۔ کہ وہ مالک یوم الدین ہے اور کوئی آخرت کا دن آویگا جسمیں جزا اور سزا دی جاویگی۔ تو یاد رکھو کہ اگر تم انکو یہ سزا نہ دوگے اور انکے ساتھ نرمی کروگے۔ تو تم اسدن پوچھے جاؤگے۔ اور پھر اسپر بھی مومنوں کو عبرت دلانے کے لئے فرمادیا۔ کہ مومنوں کا ایک گروہ انکی سزا کے وقت حاضر ہوا کرے اور دوسرے ان کو سزا گاہ میں موجود ہونیکا حکم دینے سے یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ اس بد ذاتی کے ارتکاب سے لوگ بچتے رہیںگے۔ کیونکہ انسان کی فطرت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ کسی کے سامنے ذلیل ہو۔ اور اسکا پردہ فاش کیا جاوے یہ حکم تو ان لوگوں کی نسبت ہے۔ جنکی شادی ابھی نہیں ہوئی۔ مگر ان لوگوں کا حکم جو شادی شدہ ہیں۔ اس پاک انسان یعنی محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں موجود ہے۔ جنکی کلام پر ان معترض نے اعتراض کیا ہے۔ آنحضور نے فرمایا ہے۔ لا یحل دم الذی مسلم الا باحدی ثلاث۔ یعنی مسلمان آدمی کا خون کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ مگر ہاں جب وہ تین امروں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوجاوے۔ اور ان امور میں سے سب سے پہلا امر یہ کہا ہے۔ کہ الثیب الزانی یعنی وہ آدمی جو شادی شدہ ہو۔ اور پھر وہ زنا کرے تو ضرور اسکو مار دو کیا اگر اس زرین اصول پر عمل کیا جاوے۔ تو دنیا میں کہیں زانی بھی نظر آسکتا ہے۔

ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ پھر اس پاک کتاب نے تو ایسے اصول باندھے ہیں جن پر عمل کیا جاوے تو اس فعل کا ارتکاب ہونا ہی مشکل ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجہم ذالک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون وقل للمؤمنت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن یعنی کہہ دے مومنوں کو کہ اپنی آنکھوں کو نیچے رکھا کریں۔ اور اپنے فرجوں کی حفاظت کریں۔ یہ بہت ہی پاکیزہ بات ہے۔ انکے لئے تحقیق اللہ تعالیٰ خبردار ہے ساتھ اس کے جو وہ کرتے ہیں۔ اور مومن عورتوں کو بھی کہہ دے۔ کہ وہ بھی اپنی آنکھیں کو نیچا رکھا کریں۔ اور اپنے فرجوں کی حفاظت کیا کریں کیا کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ اس اصول پر کاربند ہونے سے اس بدذاتی کا نام و نشان بھی باقی رہ سکتا ہے۔ تو جواب یقیناً یہی ہوگا ہرگز نہیں۔ نامہ نگار صاحب اور نہیں تو کم از کم قرآن شریف کی اگر اس ایک آیت کو پڑھ لیتے۔ تو میرے خیال میں ایسا لغو اعتراض پیش کرنے کی کبھی بھی جرأت نہ ہوتی۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون والذین ھم عن اللغو معرضون والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون والذین ھم لفروجہم حفظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العٰدون تحقیق وہ مومن فلاح پائینگے جن میں اور صفات کے علاوہ یہ بھی ایک صفت ہوگی کہ وہ اپنے فرجوں کی حفاظت کرنیوالے ہیں اور سوائے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے اور کسی کی طرف نہیں دیکھتے۔ اور جو کوئی ان کے سوائے کسی اور کا قصد کرے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ اور فرمایا کہ ان اللہ لا یحب المعتدین حد سے بڑھنے والوں سے اللہ تعالےٰ محبت نہیں کرتا۔

ایسے ایسے صریح احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی یہ کہے۔ کہ اسلام

زنا کو جائز قرار دیتا ہے۔ تو ناظرین خود ہی رائے لگا سکتے ہیں۔ کہ کیا ایسا آدمی تعصب سے خالی اور عقلمند سمجھا جا سکتا ہے۔ اب میں اس حدیث کے معنی کرتا ہوں جسکی بنا پر نادان معترض نے نہایت ہی کم فہمی اور کم سمجھی سے اسلام پر زنا اور چوری جیسا بدنما دھبہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے جو ابوذر رضی اللہ تعالےٰ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم علیہ ثوب ابیض ثم اتیتہ فاذا ھو نائم ثم اتیتہ وقد استیقظ فجلست الیہ فقال ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علی ذالک الا دخل الجنۃ قلت و ان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق ثلاثا الخ معنی اس حدیث کے یہ ہیں۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس حالت میں کہ آپ سوئے ہوئے تھے۔ آپ پر سفید کپڑا تھا۔ پھر میں آیا پس اس وقت بھی آپ سوئے ہوئے تھے پھر میں آیا۔ تو آپ اسوقت بیدار تھے۔ پس میں آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور آپ نے فرمایا کہ ایسا کوئی آدمی نہیں جو لا الٰہ الا اللہ کہے اور پھر مرتے دم تک اسی پر قائم رہے۔ اور پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو یعنی ضرور داخل ہوگا۔ میں نے (ابوذر رضی اللہ عنہ) نے کہا۔ اگرچہ وہ زنا کر چکا ہو۔ اور چوری کر چکا ہو تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں اگرچہ چوری اور زنا کر چکا ہو۔ پھر اسی بات کو تین دفعہ دہرایا گیا۔ یہ ایک ایسی صاف اور سیدھی حدیث ہے۔ جسمیں اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں۔ کہ زنا اور چوری اسلام میں جائز ہے۔ مگر نادان معترض نے محض مسلمانوں کا دل دکھانے کے لئے اپنی بدباطنی کی وجہ سے اس کے الٹ پلٹ معنی کر کے اعتراض جڑ دیا ہے۔ چنانچہ آپ اس کے معنی کرتے ہیں۔ پس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) فرمانے لگے۔ کہ جو کوئی کہے لا الٰہ الا اللہ اور اوسپر قائم رہ کر

مرے وہ بہشت میں داخل ہوگا یہاں تک تو آپ سیدھی طرح معنی کرتے چلے گئے ہیں۔ مگر آگے جاکر یہ حاشیہ لیعنی صرف زبان کے اقرار سے بدون اعمال نیک کے معترض نے اپنی طرف سے چڑھا دیا ہے۔ جبکہ حدیث کے لفظوں میں نام و نشان تک بھی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثم مات کے لفظ کو سمجھنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ اور عربی زبان کی ناواقفیت کی وجہ سے اس کے معنے یہ کر دیئے ہیں۔ کہ ادھر وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور ادھر اسکی جان نکل جاوے۔ میں حیران ہوں کہ جس زبان کے سمجھنے کا ذرا بھی مس نہ ہو۔ اسپر اعتراض کرنیکی جرأت کس طرح ہو سکتی ہے مگر جب ہم غور کر کے دیکھتے ہیں۔ تو صاف پتہ لگتا ہے کہ اسکی وجہ صرف عربی زبان سے ناواقفی ہی نہیں۔ بلکہ وید و دونسترمسلمانوں کا دل دکھایا گیا ہے۔ کیونکہ خود معترض صاحب اس کے معنی کرتے ہیں۔ کہ جو کوئی لا الٰہ الا اللہ پر قائم رہکر مرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔ پھر جب وہ اس کلمہ طیبہ پر قائم رہکر مریگا تو پھر کسطرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہی مرجاوے۔ حالانکہ وہاں تو اسپر قائم رہنے کی شرط لگی ہوئی ہے۔ اور قائم وہی رہیگا۔ جو اس قول کے کہنے کے بعد زندہ بھی رہے۔ اور پھر ثم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کے کہنے کے بعد وہ اسپر کاربند بھی رہے۔ کیونکہ ثم کا لفظ عربی زبان میں تعقیب مع التراخی کے لئے آتا ہے۔ یعنی اس مطلب کے اظہار کے لئے کہ ثم کے ماقبل کے وقوعہ کے بعد فوراً ہی اس کے مابعد کا وقوع نہیں ہو جاویگا۔ بلکہ کچھ دیر کے بعد اس کے مابعد کا وقوع ہوگا۔ پس اس حدیث سے تو صاف پتہ لگتا ہے۔ کہ اس کلمہ طیبہ کے کہنے والا ضرور ہے۔ کہ اسپر کاربند بھی رہا ہو جیسا کہ مات علیٰ ذالک بھی اس امر کی تائید کرتا ہے۔ اور ایک اور حدیث سے بھی صاف پتہ لگتا ہے۔ عن سفیان بن عبد اللہ

الثقفی قال قلت یارسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسأل عنہ احدا بعدک قال قل اٰمنت باللہ ثم استقم سفیان بن عبد اللہ ثقفی رضی سے روایت ہے۔ کہا میں نے کہا یارسول اللہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتایئے جسکی نسبت میں آپ کے بعد پھر کسی اور سے نہ پوچھوں تو آپ نے فرمایا۔ کہ کہو میں ایمان لایا اللہ پر پھر اسپر استقامت کر۔ اسی طرح قرآن شریف میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ الخ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو کہتے ہیں۔ کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر اسپر استقامت کرتے ہیں۔ ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔

مگر ہم اس امر کو بھی مان لیتے ہیں۔ کہ کسی نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اور اسکو اعمال کرنے کی توفیق ہی نہیں ملی۔ اور اسکو موت آگئی تو پھر بھی وہ نجات پاجائیگا اور اسپر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ لا الٰہ الا اللہ کے اگر معنوں پر غور کیا جاوے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس پاک تعلیم پر ایمان لانیوالا ضرور ہے۔ کہ نجات پا جاوے۔ چنانچہ اس کلمہ طیبہ میں دو چیزیں قابل غور ہیں۔ اول لا الٰہ پھر الا اللہ۔ لا الٰہ کے معنے تو یہ ہیں کہ کوئی معبود نہیں یعنی کوئی بھی ایسی ہستی نہیں جسکی فرمانبرداری کی جاوے گویا اس کلمہ میں تو صاف فرما دیا۔ کہ مسلمان وہ ہوتا ہے۔ جو یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ میں کسی کی بھی فرمانبرداری نہیں کرونگا۔ اب جائے غور ہے۔ کہ سب سے بڑھکر انسان کو بدیوں کی طرف لیجانے والا نفس امارہ اور شیطان ہے۔ اور بدیوں کے کرنے کا وہی اسکو حکم دیتا ہو تو جب ہم اس کلمہ میں اقرار کرچکے ہیں۔ کہ ہم تو کسی کی بات کو نہیں مانینگے۔ تو اس حکم کا کہا جو برائی کا حکم دیتا ہے۔ ہم کسطرح مان سکتے ہیں۔ تو گویا تمام برائیوں سے بچنے کے لئے تو یہ کلمہ ہی کافی ہے۔ پھر آگے اس کے وہ اقرار کرتا ہے

کلا اللہ یعنی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں کروں گا۔ مگر اللہ کی یعنی اس ذات کی جو تمام صفات حمیدہ سے متصف اور تمام برائیوں سے منزہ ہے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جو ذات کہ خود تمام برائیوں سے منزہ ہو کیطرح دوسروں کو برائیوں کا حکم دے سکتی ہے۔ اور یہ ایک بدیہی امر ہے۔ جسکو ہم دنیا میں بھی ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ وہ انسان جو خود پاک ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کو بھی پاکیزگی کا ہی حکم دیتے ہیں۔ اسی واسطے ہر مذہب اور ملت میں اپنے آپکو نیک بنانیکے لئے یہ سب سے اعلیٰ نسخہ سمجھا گیا ہے۔ کہ نیک آدمیوں کی صحبت میں زیادہ بیٹھا جاوے تو پس جب انسان اس بات پر سچے دل سے ایمان لاتا ہے۔ کہ میرا خدا تمام برائیوں سے منزہ اور تمام صفات حمیدہ سے متصف ہے۔ تو اسکے ملنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ خود بھی اپنے آپ کو ایسا بنانیکی کوشش میں لگا رہے۔ اور جن باتوں کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے۔ ان کو کرے اور جن باتوں سے روکا ہے۔ ان سے رکے جیسا کہ خود قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً یعنی وہ شخص جو اپنے رب کو ملنا چاہتا ہے۔ پس اسکو چاہیئے کہ وہ نیک عمل بجالائے اور اپنے رب کی فرمانبرداری میں کسی کو شریک نہ کرے تو پس لا الٰہ کا اقرار انسان کو تمام گناہوں سے روکتا اور الا اللہ کا اقرار تمام نیکیوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اسواسطے تمام اولیاء اللہ نے بالاتفاق اس بات کو لکھا ہے۔ کہ اگر اس کلمہ طیبہ کا بہت ورد کیا جاوے۔ تو وہ تمام حجاب جو انسان اور خدا کے درمیان ہوتے ہیں۔ وہ آہستہ آہستہ دور ہو جاتے ہیں۔ پھر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کا لفظ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ اور باقی تمام اسماء جو خدا تعالیٰ کے لئے آتے ہیں۔ وہ سب صفاتی نام ہیں۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ وہ

گویا اللہ تعالےٰ کے تمام صفات پر ایمان لاتا ہے۔ تو ان تمام صفات میں شدید العقاب اور مالک یوم الدین بھی خدا تعالیٰ کی صفات ہیں۔ تو جب انسان اسبات کو تسلیم کر لیتا ہے۔ کہ میرا خدا گناہ کرنے پر سخت سزا دینے والا اور جزا سزا کے دن کا مالک ہے۔ تو گویا جب انسان اس کلمہ کو مانتا اور اسپر ایمان لاتا ہے۔ تو گویا وہ ان تمام گناہوں سے جو اس سے سرزد ہوئے ہوتے ہیں توبہ کرتا اور اقرار کرتا ہے۔ کہ یا الٰہی اب میں سوائے تیرے اور کسی کی فرمانبرداری نہیں کرونگا اور کسی کی نہیں۔ تو پھر اگر اسکو موت آجاوے۔ تو کیا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا ضرور ہوگا۔ کیونکہ موت تو اس کے اپنے اختیار میں نہیں بلکہ وہ تو اب سچے دل سے اپنے گناہوں سے توبہ کر چکا۔ اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اقرار کر چکا ہے۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور اسپر قائم رہ کر نیک اعمال بجا لاتا باقی رہا یہ کہنا کہ اسطرح پر انسان مرنے کے بعد لا الٰہ الا اللہ کہکر خواہ کتنے ہی گناہ کر چکا ہو۔ نجات پا سکتا ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ دھوکہ تو انسان کو دے سکتا ہے۔ جو اس کے اندرونی حالات سے ناواقف ہو۔ مگر وہ جو علیم بذات الصدور خدا ہے۔ وہ کیا ایسا دھوکہ کہا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ چنانچہ یہی معنے ہیں اس حدیث کے جسمیں فرمایا ہے۔ کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کے اگر کوئی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا تو پھر اور کونسا امر ہے جس کے ماننے سے انسان وارث جنت ہو سکتا ہے۔ قلیاتوا بحدیث مثلہ ان کانو صادقین۔ یعنی اگر یہ سچے ہیں۔ تو پھر اسکی مثل کوئی بات تو پیش کریں۔

اسجگہ میں اس حاشیہ (یعنی صرف زبان کے اقرار سے بدوں اعمال نیک کے) کی نسبت جو حدیث کے الفاظ پر اپنی طرف سے ہی چڑہایا گیا ہے۔ نامہ نگار کو اتنا جتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام ایسے آدمی کو جو صرف زبان سے ہی اقرار کرتا اور

دل سے نہ مانا ہو منافق سمجھتا اور اس کے ایمان کی نفی کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے
ومن الناس من یقول اٰمنا باللہ وبالیوم الاٰخر وما ھم بمؤمنین یعنی
بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم الآخر پر ایمان لائے لیکن اللہ تعالیٰ
کہتا ہے کہ وہ مومن ہی نہیں ہوئے۔ اور پھر فرمایا کہ احسب الناس ان یترکوا ان
یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون یعنی کیا لوگ گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ صرف اتنی بات
پر ہی چھوڑے جاوینگے۔ کہ زبان سے اتنا کہہ دیں۔ کہ ہم مومن ہیں۔ اور وہ امتحان
میں نہ ڈالے جاویں۔ یعنی وہ ضرور امتحان میں ڈالے جاوینگے۔ تو جب اسلام
ایسے آدمی کے ایمان کو ایمان ہی نہیں سمجھتا جو زبان سے تو اقرار کرتا ہو اور دل
میں اس کے شرارت ہو۔ اور پھر ساتھ ہی یہ حکم دیتا ہے کہ اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت
اور ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ضرور وابستہ کرتا ہے۔ تو پھر اسکی تعلیم کی نسبت یہ
کہنا کہ صرف زبان کے اقرار سے بدون اعمال کئے کے عقلمندوں کے نزدیک
کسقدر صحیح اور درست ہو سکتا ہے۔ پھر آگے چلکر نامہ نگار نے یہ معنی کئے ہیں۔ الی ذر
نے کہا کہ اگر وہ؛ چوری کیا کرے تو بھی بہشت میں جائیگا۔ فرمایا حضرت نے
زنا چوری کر کے بھی۔ مگر نامہ نگار نے ان زنیٰ وان سرق کے یہ معنی کئے ہیں۔ کہ
اگر وہ زنا یا چوری کرے۔ یعنی ماضی کے صیغہ کو مضارع کے معنی میں کر کے پھر یہ نتیجہ
نکالا ہے۔ کہ چوری اور زنا کو اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ زنا کی نسبت تو میں پہلے
بحث کر چکا ہوں مگر چوری کی نسبت میں نامہ نگار صاحب کو قرآن شریف
کی ایک آیت سناتا ہوں۔ السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما یعنی چور
مرد وعورت ہوں دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ کیوں صاحب دیکھا کہ اسلام نے
چوری کو کیا جائز قرار دیا ہے۔ یہ تو آپ کی دینی کتب کی واقفیت کا حال ہے۔ کہ ان
تمام صریح حکموں پر پانی پھیر دیا اور علمی لیاقت کا یہ حال ہے۔ کہ عربی میں ماضی

اور مضارع کے صیغوں میں بھی آپ تمیز نہیں کر سکے۔ اور پھر اعتراض کرنے میں یہ جرأت کر لکھدیا ہے۔ کہ ہر ایک مومن گناہ کیے بغیر مومن کہلانے کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

شاید نامہ نگار صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں۔ کہ اِنْ کا لفظ ماضی کے صیغہ پر داخل ہو کر مضارع کے معنی میں کر دیتا ہے۔ اس لئے میں آپ کے اس شبہ کو پہلے ہی سے دور کر چھوڑتا ہوں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ کہ اِنْ ہر وقت ماضی کو مضارع بنا دیتا ہے۔ ہاں کبھی مضارع بھی کر دیتا ہے۔ اور کبھی ماضی کو اسی کے معنوں میں بھی بحال رہنے دیتا ہے۔ چنانچہ مغنی جو نحو کی اعلیٰ کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ اسمیں قطرب کا یہ قول درج ہے۔ کہ ان جب ماضی کے صیغہ پر آتا ہے۔ تو کبھی قد کے معنے بھی دیتا ہے۔ اگر ہم چاہیں۔ تو یہاں یہی معنے کرلیں۔ دریں معنے بھی بالکل درست بن جاتے ہیں۔ چنانچہ پھر یہ ہوگا کہ اس خیال میں کہ تحقیق وہ زنا اور چوری کر چکا ہو۔ لیکن چونکہ اس کا خلاف کیا ہے انہوں نے کہا ہو کہ معنی اس کے وہی رہتے ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ مضارع کے معنی بھی کر دے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مثال حدیث میں سے دی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہیں۔ ان کنت المت بذنب فاستغفری یعنی اگر تو نے گناہ کر لیا ہوا ہے۔ تو بھی استغفار کرے پھر قرآن شریف میں آیا ہے۔ ان کان قمیصہ قد من دبر۔ یہاں بھی ماضی کے ہی معنی ہیں۔ پھر ایک شعر بھی ہم یہاں درج کر دیتے ہیں۔ اتغضب ان اُذُنا قتیبۃ حُزّتا۔ جہارا ولم تغضب لقتل ابن حازم معنی کیا تو کہلا کہلا ناراض ہوتا ہے۔ اگر قتیبہ کے دونو کان کاٹے گئے ہیں۔ اور نہیں تو ناراض ہوا ابن حازم کے قتل پر۔

چنانچہ دوسری حدیثیں ہمارے ان معنوں کی موید ہیں۔ قال ابو هريرة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن ولا يسرق السارق حین يسرق وهو مومن الخ یعنی مومن ہونے کی حالت میں زنا اور چوری وغیرہ سرزد ہی نہیں ہوسکتیں۔ دوسری حدیث عبادة ابن الصامت سے مروی ہے۔ انهم بايعوه صلی اللہ علیہ وسلم على ان لا یسرقوا و لا یزنوا ولا یعصوا یعنی صحابہ نے نبی کریم کے ہاتھ پر تین امر دل کی بیعت کی کہ وہ کبھی نہ تو چوری کریں گے۔ اور نہ زنا اور نہ نافرمانی کریں گے۔

جب میں اس مضمون پر مزید غور کرتا ہوں تو مجھے نامہ نگار صاحب کی عقل اور دانائی پر حیرت آجاتی ہے کہ ایک معنی جو خود اہل زبان بھی جن کے سامنے یہ حدیث پیش کی گئی ہے۔ نہیں سمجھ سکے۔ وہ آپ نے کسطرح سمجھ لئے اگر اس حدیث کے یہی معنی ہوتے۔ جو آپ نے کئے ہیں۔ . . . .

. . . . تو حضرت دنیا میں سب سے پہلے تو وہی ان کے مرتکب ہونے۔ کیونکہ وہ لوگ تو ان گندوں کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اور اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ذرا سا بھی ان باتوں کا اشارہ پاتے تو وہ کھلم کھلا انکا ارتکاب کرتے۔ مگر وہ لوگ صرف خود ہی ان گندوں سے نہیں بچے بلکہ ایک دنیا کو انہوں نے ایسی بدذاتیوں سے نکالا اور اب ایک دنیا انکا نام یاد کرتے اللہ تعالےٰ سے ان کے لئے رحمتیں اور برکتیں مانگتی ہے۔

پھر اس حدیث کے بعد نامہ نگار نے ایک اور حدیث اپنے معنوں کی تائید میں پیش کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ نبی کریم کو تلاش کرتے کرتے بنی نجار کے باغ میں آئے۔ اور جب وہ

آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے اپنی جوتیاں دیکر کہا اذھب بنعلی ھاتین فمن لقیت من وراء ھذا الحائط یشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ مستیقنا بہا قلبہ فبشرہ بالجنۃ فکان اول من لقیت عمر یعنی یہ میری جوتیاں لے جا۔ اور جو شخص تجھے اس باغ کے پیچھے ملے اور وہ گواہی دیتا ہو۔ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ کی اور اسکا دل اس بات پر یقین کرتا ہو پس اسکو جنت کی بشارت دیدے۔ پس وہ (ابوہریرہؓ) کہتا ہے۔ کہ پہلا شخص جو مجھے ملا وہ حضرت عمرؓ تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ یہ جوتیاں کیسی ہیں۔ اس نے پھر ساری بات حضرت عمرؓ کو بتلائی تو پھر انہوں نے اسکی چھاتی میں ایسا مکا مارا کہ وہ سرین کے بل گر پڑا۔ اور کہا کہ لوٹ جا۔ اے ابا ہریرہ پھر وہ کہتے ہیں۔ کہ میں لوٹ کر نبی کریمؐ سے شکایت کی آپنے حضرت عمرؓ سے اسکا سبب پوچھا حضرت عمرؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ کیا آپ نے ابا ہریرہ کو بھیجا تھا آپ نے فرمایا ہاں تو حضرت عمرؓ نے کہا۔ فلا تفعل فانی اخشی ان یتکل الناس علیہا فخلھم یعملون۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فخلھم یعنی یا رسول اللّٰہ ایسا نہ کیجئے پس میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اسپر بھروسہ کر بیٹھینگے۔ پس انکو چھوڑ دیجئے کہ عمل کریں آپ نے فرمایا کہ ہاں انکو چھوڑ دو۔

اس حدیث میں اول تو نامہ نگار صاحب نے یہ معنی کئے ہیں۔ کہ ابا ہریرہ نے حضرت عمر کو جب یہ بشارت دی تو انہوں نے لات ماری حالانکہ حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ معنے نکلتے ہوں۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو ابا ہریرہ کو صرف یہی تھا۔ کہ اس دیوار کے پیچھے جو آدمی ہو اسکو یہ بشارت دیدو مگر ابا ہریرہ نے تو حضرت عمر کو بتایا ہی نہیں۔ اور آگے چلا گیا۔ اسی واسطے حضرت عمرؓ نے اس کو مار کر واپس لوٹا دیا کیونکہ آپ سمجھ گئے تھے۔ کہ یہ حکم خاص میرے ہی

واسطے آنحضرت نے یہ بات رایہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے کہنے پر اسبات کے اظہار سے روکا ہے۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ خود نبی کریم نے معاذ بن جبل کو یہ حدیث سنائی ہے۔ اور اسکو عام لوگوں کو سنانے سے روکا ہے۔ کیونکہ آپ خود سمجھتے تھے۔ کہ ہر ایک آدمی فقیہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک آدمی لفظوں کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے معاذ بن جبل کو کہا۔ فان حق اللہ علی العباد ان یعبد و اللہ ولا یشرکوا بہ شیئا وحق العباد علی اللہ ان لا یعذب من لا یشرک بہ قلت یا رسول اللہ افلا ابشر الناس قال لا تبشرھم فیتکلوا یعنی نبی کریم نے کہا۔ کہ اللہ تعالی کے حق بندوں پر یہ ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالی کی ہی فرمانبرداری کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ اور بندوں کے حق اللہ پر یہ ہیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو سزا نہ دیوے جو اس کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کیا میں لوگوں کو بشارت نہ دوں۔ فرمایا انکو بشارت نہ دو۔ کیونکہ وہ اسپر توکل کر بیٹھیں گے

جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اگر بہ دیا تو کونسا حرج ہو گیا۔ اگر آپ نے دوسرے کے منہ سے ایک ہوئی حق بات کو مان لیا۔

میرے خیال میں جو کچھ میں نے لکھا ہے ایک متلاشی اور تعصب سے خالی انسان کے لئے کافی ہے۔ انشاء اللہ تعالی اگلے پرچہ میں آپکی اگلی حدیثوں پر بھی بحث کی جاویگی۔ جو آپ نے استغفار کے متعلق پیش کی ہیں +

خاکسار

شیخ عبدالرحمن۔ قادیان

بت پرستی کے نتائج

کیا پاک ہے وہ تعلیم جو قرآن شریف نے ہمکو دی ۔ یعنے لو کان فیہما آلہۃ الا اللہ لفسدتا فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون ۔ یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا ۔ تو ضرور فساد پڑ جاتا اور امن قائم نہ رہ سکتا پس پاک ہے اللہ جو رب ہے عرش کا ان مشرکانہ باتوں سے جو کہ بت پرست لوگ اُنکی طرف منسوب کرتے ہیں ۔

چنانچہ ذیل کا واقعہ جو ابھی ہوا ہے ۔ اسکا شاہد ہے ۔ پایونیر کے گیارہ تاریخ کے پرچہ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے ۔ کہ ایک شہر میں دو بت تھے ۔ اور دونوں کے معتقدوں کی ایک جماعت تھی ۔ جو اپنے اپنے بت کو مانتی تھی ۔ ایک موقعہ پر ایک بت کے معتقدین نے اپنے بت کا جلوس نکالنے کا ارادہ کیا ۔ مگر دوسرے بت کے ماننے والوں نے انکو روکا کہ تم اپنے حدود سے باہر نہ آؤ ۔ اور اس بت کو اپنے ہی علاقہ میں پھراؤ ۔ ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا ۔ کیونکہ انہوں نے بتایا کہ اگر دو بت ایک ہی جگہ اکٹھے ہو جائیں ۔ تو اس شہر میں آئندہ نسل بند ہو جاتی ہے اور گائیں دودھ دینا چھوڑ دیتی ہیں ۔

دوسرے گروہ کا یہ اعتقاد نہ تھا اور اسکے ماننے کیلئے تیار نہ تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اس بات کے ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم تو اپنے بت کو ضرور سارے شہر میں پھرائینگے ۔ جس پر جھگڑا اس حد تک بڑھا کہ نوبت کچہری تک پہنچی مجسٹریٹ نے فیصلہ دیا کہ ہر ایک بت اپنے علاقہ سے باہر نہ نکلے ۔ کیونکہ اسی میں امن معلوم ہوتا ہے ۔ عدالت بالا میں اپیل ہوئی مگر وہاں بھی یہی فیصلہ بحال رہا کہ ایک بت دوسرے بت کے علاقہ میں نہ جائے ۔ مگر چیف کورٹ میں اپیل کرنے میں جہاں عدالت نے فیصلہ دیا کہ ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ کیوں دو بت شہر کی آزا

سڑکوں پر نہ پھرے - کیونکہ سڑکیں پبلک ہیں اور جو چیز کل پبلک کی ہو اس سے ہر ایک فرد بشر فائدہ اُٹھا سکتا ہے - اور چونکہ یہ بت بھی پبلک میں ہی داخل ہیں - اسلئے انکو ہم کوئی خصوصیت نہیں دے سکتے جیسے اور لوگ پھرتے ہیں یہ بھی پھریں - مگر فریق ثانی نے ولایت میں پریوی کونسل میں اس فیصلہ کی اپیل کی گر وہاں بھی ججان عدالت عالیہ نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کو بحال رکھا - اور کہا کہ سرکاری سڑکوں پر جیسے زید بکر عمر کو پھرنیکا اختیار ہے - ویسے ہی خدا کو ہے - ہم انکو روک نہیں سکتے - مگر اس فیصلہ پر بھی طرف ثانی خوش نہ ہوئی - اور ارادہ کیا کہ پریوی کونسل میں نظرثانی کرائی جائے - مگر خوش قسمتی سے ججوں نے اجازت نہ دی ورنہ کئی ہزار روپیہ اور برباد کیا جاتا -

اگر یہ واقعہ سچا ہے - اور صرف اپریل فول ہی نہیں تو واقعی تعجب انگیز ہے -

کفارہ

اس مضمون پر جناب مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر قادیان نے ایک مختصر سا ٹریکٹ لکھا ہے جسمیں کہ نہایت خوبی اور عمدگی سے مسئلہ کفارہ کا بطلان کیا ہے - اور نہ صرف عقلی دلائل سے بلکہ خود توریت و انجیل سے اس مسئلہ کی غلطی ثابت کی ہے - میں نے اس مضمون کو خوب غور سے سنا ہے - اور جہاں تک میں دیکھتا ہوں - مفید ہی مفید پاتا ہوں - اس وقت ایسے ٹریکٹوں کی بہت ضرورت ہے - مگر شرط یہ ہے کہ سچے دل اور اخلاص سے لکھے گئے ہوں اور یہ باتیں اس رسالہ میں خدا کے فضل سے پائی جاتی ہیں - خدا کرے طالبان حق کیلئے مفید ثابت ہو - احباب کو چاہئے کہ کچھ رسالے خرید کر مسیحیوں میں مفت شائع کریں - قیمت ۳ر ہے - اور مفتی صاحب سے ملسکتا ہے - عیسائیوں میں تقسیم کرنے کے لئے عہ ر میں سو رسالہ دیتے ہیں -

انکی کونسل کا کوئی حق نہیں کہ وہ اس قانون کو بدل سکیں خواہ کسی خواب یا الہام کی بنا پر ہو کیونکہ جبکی نسبت خود خدا کا پیشاو نعوذ باللہ کہتا ہے۔ کہ وہ قانون کو اِسوقت تک نہ بدلینگے انکو بدلنا کسی پطرس یا شمعون کے رویا یا الہام کی بنا پر کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ ورنہ دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ مان لیا جائے کہ یسوع کا علم ناقص تھا اور یا یہ کہ مذکورہ بالا کلمات انجیل میں پیچھے سے مل گئے ہیں ان دونوں حالتوں میں انجیل کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

پنجم ایک اور دلیل کا یہاں لکھدینا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ یسوع ایک موقعہ پر حواریوں کو فرماتا ہے کہ "وہ چیز جو پاک ہے۔ کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو کہ وے انہیں پامال کریں۔ اور پھر کر تمہیں پھاڑیں۔"

متی باب ۷۔ اس آیت میں یسوع نے کیسے پرزور اور جوش دلانے والے الفاظ میں حواریوں سے التجا اور استدعا کی ہے کہ دیکھو اپنے جوشوں کو دباؤ اور نرمی سے کام لو میں جو تم کو تعلیم سکھاتا ہوں وہ موتیوں کی طرح ہے۔ اُسے ضائع مت کرو۔ اُسے غیر قوموں کے سامنے پیش مت کرو۔ کیونکہ جیسے موتیوں کی قدر کتے اور سؤر نہیں کر سکتے اُسیطرح یہ لوگ بھی اعلیٰ باتوں کی قدر پہچاننے سے عاری ہیں۔ اور اگر تم انکے سامنے یہ تعلیم پیش کروگے۔ تو جیسے سؤر موتیوں کو پاؤں میں روند ڈالتے ہیں اُسی طرح سے یہ لوگ اس تعلیم کو تباہ کر دینگے۔ اور اس کی خوبی کو خاک میں ملا دینگے۔ اور اسمیں اپنی طرف سے بہت سی باتیں ملا دینگے۔ یہاں تک کہ وہ موتی جو تم انکے سامنے پیش کروگے۔ وہ ان ملے ہوئے موتیوں کی طرح ہو جاینگے جو زمین پر روندے گئے ہوں اور انمیں اور مٹی میں کچھ فرق نہ ہو سکیگا۔ اور نہ صرف وہ اس تعلیم کو ہی خراب کر دینگے۔ بلکہ تم پر اور مجھ پر ایسے ایسے الزام باندھینگے کہ پھر بچنے کی کوئی راہ نہ ملیگی؟

پس کیسی پاک یہ تعلیم تھی جو یسوع ؑ نے دی۔ اور کیا ہی پاک وہ نصیحت تھی جو اس نے کی مگر افسوس صد افسوس ہے کہ جب حواریوں نے یا (میرے خیال کے مطابق) انکے بعد اور لوگوں نے یسوع ؑ کے ان دوہرے کلمات کی پروا نہ کرتے ہوئے یونانیوں اور رومیوں پر یہ مذہب پیش کیا۔ اور ماتم اُس قوم کے لئے کہ جس نے اپنے محسن اپنے نجات دہندہ اپنے مہربان اپنے استاد کے ارشاد بلکہ وصیت کو یوں خاک میں ملا دیا۔ اور بت پرست قوموں کے سامنے مسیحیت کو پیش کیا۔ وہ لوگ جنکی گھٹی میں ہی بت پرستی پڑی ہوئی تھی۔ وہ کب اس مذہب میں داخل ہوکر اسے ترک کر سکتے تھے۔ اگر پہلے محبت اور غضب اور وقت اور قسمت کے بت پوجتے تھے۔ تو اب انہوں نے یسوع ؑ اور مریم کے بتوں کے آگے سر جھکا دیئے۔ اور اسیطرح وہ تعلیم جو توحید سکھاتی تھی سب سے زیادہ بت پرستی کی تلقین کرنیوالی تعلیم ہوگئی اور وہ یسوع ؑ جس نے کہ قوم کی خاطر بڑے بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ اسکو انہوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ ملعون قرار دیا (نعوذ باللہ) اور اسیطرح پہلے نوشتوں کا کلام پورا ہوا کہ اپنے موتی سؤروں کے آگے نہ ڈالو کہ وہ انہیں پامال کریں۔ اور پھر کر تمہیں پھاڑیں۔ یسوع ؑ کے احسانات فراموش کر دیئے گئے۔ اُسکی کل نیکیاں بھلا دی گئیں۔ اُسکی کل مہربانیاں نظرانداز کر دی گئیں۔ اور وہ قوم کا مصلح بغیر کسی جرم کے ملعون قرار دیا گیا اور اس کے پیروان نے اسکی تعلیم کو غیر قوموں کے سامنے پیش کر کے اسے بگڑوایا اور گالیاں دلوائیں۔ سچ ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ یسوع ؑ کے اپنے ہی شاگردوں نے سادگی کی وجہ سے بت پرستوں کے آگے موتی ڈالدیئے جنہوں نے انکو رونڈا اور خود اُن کے استاد کو پھاڑ ڈالا۔ کیا اس سے زیادہ کوئی حملہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک خدا کے قوم اور نیک آدمی کو من

مانے عیش اڑانے کے لئے ملعون قرار دیا۔ گو پروٹسٹنٹ فرقہ نے کچھ اصلاح کی مگر کس طرح ممکن تھا۔ کہ نوشتوں کا کھاتا بدل جائے۔

اب میں اس مسئلہ کو لمبا کرنا نہیں چاہتا میں انجیل سے اچھی طرح ثابت کر آیا ہوں۔ کہ مسیحی تعلیم کا غیر قوموں میں پھیلانا نہ صرف ممنوع ہے۔ بلکہ خطرناک گناہ ہے۔ پس جبکہ انجیلی نجات سوائے یہودیوں کے اور لوگوں کے لئے ہے ہی نہیں۔ تو مسیحی بننا ہی بالکل لغو اور بیہودہ فعل ہے۔ اور انکا نجات کے مسئلہ پر لوگوں سے بحث کرنا ہی فضول۔

آرین تعلیم بھی عام نہیں

اس کے بعد میں آرین تعلیم کو لیتا ہوں مگر اسے میں زیادہ لمبا نہیں کرنا چاہتا اور اگر کروں تو بھی بڑی مشکلات ہیں کیونکہ یہ لوگ تاریخ سے نابلد ہے ہیں۔ انکی کوئی بات بھی ملتی ہی نہیں۔ جو مرضی آئے یہ کہدیں۔ وہ سب سچ مگر غیر مذاہب والے اگر انکی پہلی کتابوں یا قدیم نشانات سے کوئی واقعہ نکالکر ثابت کردیں تو وہ سب بالکل غلط اور نادرست ناقابل اعتبار ہوتا ہے۔ وید کا کوئی ترجمہ صحیح نہیں اور پنڈت دیانند نے جو کچھ لکھا اسمیں دشمنوں کی دست برد ہمیشہ ہوتی رہی۔ تاریخ دانی کا یہ حال ہے۔ کہ ان کے ایک اخبار نویس لکھتے ہیں۔ کہ بکرماجیت سے بھی پہلے ایک راجہ تھا جس نے سرحد پر حملہ کر کے مسلمانوں کی لڑکیاں چھین لی تھیں۔ گویا کہ آنحضرت سے بھی سات آٹھ سو برس پہلے مسلمان سرحد پر رہا کرتے تھے۔

مگر پھر بھی چونکہ تنقید کرنی ہی پڑتی ہے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے مگر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اسقدر کافی ہے۔ کہ بقول ان کے دنیا کروڑوں برس سے چلی آرہی ہے۔ تو اتنی مدت میں صرف آج پنڈت دیانند

کو یہ بات سوجھی کہ وید سب دنیا کے لئے ہے۔ اور جسقدر رشی منی گزرے ہیں سب اس سمجھ سے خالی تھے۔ تو پھر یہ بڑا پاپ اور ظلم ہے کہ وہ تعلیم جو ساری دنیا کے لئے تھی۔ وہ پرماتما نے صرف ہند میں مخصوص کر چھوڑی اور یہی نہیں۔ بلکہ صرف آرین قوم کیلئے خاص کر دی جب کروڑوں برس سے تمام ہندو رشی۔ منی یہی کہتے آئے ہیں۔ تو آج پنڈت صاحب کو ہم کسطرح مان لیں کہ یہ درست کہہ رہے ہیں کیوں نہ کہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کو دیکھکر انکو بھی شوق چرایا کہ ہم کیوں پیچھے رہیں۔ کیوں نہ وید کو بھی تمام دنیا کے لئے بتائیں بیشک ایک رنگ میں تو وید تمام عالم کیلئے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہمالیہ سے پرے کچھ نہیں۔ بس دنیا وہاں ختم ہے۔ تو اس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وید سب دنیا کیلئے اترا تھا۔ کیونکہ جب دنیا ہندوستان کا ہی نام ہے۔ تو بیشک وید سب دنیا میں شائع ہو چکا ہے اور ہمیشہ سے اسکی تعلیم دنیا کے (یعنے ہندوستان کے) ہر کونہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس بات کے مان لینے میں ہمکو بھی کچھ مضایقہ نہیں۔ لیکن اگر دنیا سے مراد کل عالم لیا جائے تو پھر ہم وید کو کل دنیا کے لئے نہیں مان سکتے۔ اور نہ خود ہندوؤں کی کتابیں ہمکو اس بات کی اجازت دیتی ہیں۔

مگر اصل بات یہی ہے۔ کہ جب سے آرین لوگ ہندوستان میں آئے ہیں اور جب سے کہ وید تصنیف ہوئے ہیں۔ اسی وقت سے انکی تعلیم کو ہندوؤں میں خاص رکھا گیا اور شودروں کیلئے ایسے سخت قانون بنائے گئے۔ کہ انکو پڑھکر حیرت ہوتی ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے سوا دوسرے لوگوں کو کیا سمجھتے تھے۔ چنانچہ حکم تھا۔ کہ اگر کوئی شودر وید کو سُن لے یا خود ہی نہ سنے انکے کان میں ہی آواز پڑ جائے تو اسکو سخت سزائیں دی جائیں اور کان کاٹ دیئے جائیں آنکھیں نکالدیجائیں وغیرہ

وغیرہ۔ اور وید کو چھونے پر تو بہت ہی سخت سزائیں ملتی تھیں۔ پس ایسی حالت میں یہ کہنا کہ وید سب دنیا کے لئے ہے کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔ جب آریوں کے بزرگوں کا عمل اور انکی کتب ہمکو یہ واقعات بتارہی ہیں۔ تو پھر زبان سے وید کو کل عالم کے لئے کہدینے سے تو کچھ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اگر کوئی تعلیم وید کی ایسی ہوتی کہ جمیں سب دنیا کی ہدایت کا اقرار ہوتا۔ تو آخر اس اربوں برس میں کوئی رشی منی یا اوتار تو اس دھرم کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور کہتا کہ وید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب دنیا کو ہدائیت کرو پھر اس کتاب کو اپنے گھر میں کیوں چھپائے بیٹھے ہو۔ اور اگر جب سے وید نازل ہوئے ہیں۔ سب ہندو دہرم کی دوا اور ہدایت سے خالی ہی رہے ہیں۔ اور کسی کو بھی ہندوستان سے باہر کے لوگوں کی حالت پر رحم نہیں آیا۔ اور نہ وید کی تعلیم کی حمایت کا ہی جوش پیدا ہوا تو ایسی کتاب جس نے دو ارب برس میں ایک کو بھی ہدائیت نہ کی۔ آج اس سے ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور ہماری نجات کے لئے وہ کیا کر سکتی ہے۔

غرضکہ وید نہ تو تمام دنیا کے لئے ہونیکا دعوی کرتا ہے۔ اور نہ ہی اسکی وجہ بتاتا ہے اور علاوہ اس کے وید ابتک ہندوستان سے باہر نہیں پھیلایا گیا اور ہمالیہ سے باہر اسکی تلقین نہیں ہوئی۔ اور شاستروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وید کو غیر قومیں سن تک نہیں۔ اور خود ہندو بزرگوں کا عمل بھی ظاہر کرتا ہے چنانچہ آریہ قوم کے سوا جو کہ بہت تھوڑی تعداد میں ہے۔ اور لاکھوں سے نہیں بلکہ قریباً کل فرقے اس بات کے قائل ہیں۔ کہ وید کا باہر نکالنا۔ اور غیر قوموں کو اپنے اندر شامل کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اور گناہ عظیم ہے۔ تو اس صورت میں آریوں کا ثابت کا دعوی تمام دنیا کیلئے کہلا ثابت کرنا بالکل غلط ہے۔ اور انکو کوئی حق نہیں کہ غیر قوموں میں اپنے مذہب کی تلقین کریں۔

اسلام سب دنیا کیلئے ہے

میں دیکھتا ہوں کہ تمہید بہت لمبی ہوتی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی ضروری ہے۔ کہ میں قرآن شریف سے اسبات کا دعویٰ دکھاؤں کہ وہ سب دنیا کے لئے ہے۔ اور یہ کہ آنحضرت ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے خاتم النبیین ہوکر مبعوث ہوئے ہیں۔ اور ابتک جسکو تیرہ سو برس گزر گئے ہیں۔ یا آئندہ آپکی غلامی سے منکر شخص کی رسائی دربار الٰہی میں نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ اول ہی اول جو آیت ہمکو سورۃ فاتحہ میں نظر آتی ہے۔ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ جسکے معنے ہیں۔ کہ سب تعریف ہے اُس کے لئے جو سب دنیا کا رب ہے یعنے پرورش کرنے والا ہے۔ جیسیں کہ ہمکو بتایا گیا ہو کہ شکر کرو اُس خدا کا جس نے وہ کتاب بھیجی کہ جس نے پہلی سب کتابوں کو موقوف کر کے جو مختلف قوموں کے لئے تھیں اس کتاب کو ارسال کیا۔ کہ جو ربوبیت عالمین کی صفت کے ماتحت اب سب دنیا کی ربوبیت کریگی۔ اور خواہ کسی مقام یا جگہ کا رہنے والا آدمی ہو سب کے لئے اس نے اپنے دروازوں کو کھول دیا ہے۔ اور کسی دکھیارے کو رد نہیں کرتی اور کسی سائل کو دھتکارتی نہیں۔ نہ کسی ملک کے ساتھ اپنے آپکو مخصوص کرتی ہے چنانچہ یہ وہ آیت ہے۔ کہ مسلمان اسکو دن میں کم سے کم چالیس دفعہ تو پڑھ ہی چھوڑتے ہیں۔

علاوہ اس کے سورۃ انعام رکوع ۲ میں خدا تعالےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو کہدے کہ اُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔ یعنے وحی کیا گیا ہے۔ میری طرف یہ قرآن تاکہ میں تمکو اس سے ڈراؤں اور اسکو ڈراؤں جسکو یہ پہنچے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن ہر ایک شخص کے لئے ہے۔ اور کسی قوم یا ملک کی خصوصیت نہیں جسکے کان میں یہ پڑے وہی مخاطب ہے اور کوئی نہیں جو کہہ سکے کہ میں تو اس کے مخاطبین میں سے نہیں ہوں بلکہ

جنکو یہ پہنچ جائے اُنکو آنحضرت کے دعوے کی طرف جھکنا پڑیگا۔ اور سستی یا شرارت پر کوئی عذر نہ سنا جاویگا۔ چنانچہ اس آیت میں ایک پیشگوئی بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت کو فرماتا ہے۔ کہ قرآن شریف کے منکرین کے لئے جو سزائیں بتائی گئی ہیں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے۔ کہ جو شرارت کریگا۔ اور اس کتاب سے ٹھٹھا کریگا۔ وہ ہلاک ہوگا۔ اور دنیا میں ذلیل ہوگا۔ وہ صرف اہل عرب کے لئے نہیں بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں یہ جائیگا۔ وہیں اس کے مقابلہ کرنیوالے ذلیل وخوار ہونگے۔ اور اُنکے لئے بھی تذیر ہوگا چنانچہ اس لئے فرمایا کہ لانذرکم ومن بلغ یعنے تاکہ انذاری پیشگوئی تمکو بھی اور جنکو یہ پہنچے ان کو بھی سنادی جائے۔ اور یہ قرآن شریف کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ اور آیت ہے۔ کہ جس کے مقابلہ میں اور کوئی کتاب نہیں ٹھہر سکتی چنانچہ آتھم اور لیکھرام نے اس پیشگوئی کے مطابق اپنا انجام دیکھ لیا اور اس پیشگوئی کے شاہد بنے اور دیگر لوگوں نے بھی اس کا مشاہدہ کیا۔ پس علاوہ اس کے کہ اس آیت سے یہ نکلتا ہے۔ کہ قرآن شریف سب دنیا کے لئے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنکو یہ پہنچے اس کے لئے یہ انذار ساتھ موجود ہے۔ کہ اس سے ٹھٹھا ہی پر جانہ سے اگر ٹھٹھا کروگے۔

تو آنحضرت اسی لئے آئے تھے کہ سب دنیا کو کہدیں کہ لانذرکم بہ ومن بلغ

علاوہ ازیں سورۃ اعراف رکوع ۱۹ میں ہے۔ کہ قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنے انکو کہدے کہ میں دو کے لئے نہ کسی خاص قوم کے لئے اور نہ ہی کسی خاص ملک کے لئے بلکہ میں دنیا کے ہر گوشہ کے باشندوں کے لئے مبعوث ہو کر آیا ہوں اور میرا بھیجنے والا اللہ ہے۔ جو کہ آسمان وزمین کا بادشاہ ہے۔ اور مالک ہے۔ اس لئے میری بات کو ہلکا مت خیال کرو بلکہ یاد رکھو کہ اگر تم نے میرا مقابلہ کیا تو لد

مشارق السموات والارض ملک ایکا ہے وہ تم سے فوراً چھین لیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت کا جس نے مقابلہ کیا وہ ذلیل ہوا اور علاوہ اور ذلتوں کے ملک بھی خالی کرنا پڑا پھر آپ کے پیچھے متبعین حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کے زمانوں میں بھی جو کوئی سامنے آیا ذلیل ہوا اور خائب وخاسر ہوا۔ چنانچہ اس وقت تو اور بگ تبا اب بھی پادری صاحبان نے جس وقت سے اسلام کے برخلاف منہ زوری کرنی شروع کی ہے۔ اس وقت سے یورپ کے پادریوں کی حکومت ٹتی جاتی ہے۔ اور اب صرف چند جگہ ہی رہگئی ہے۔ ورنہ کل یورپ میں انکا سکہ چلنا بند ہوگیا ہے۔ وہ طاقتیں جو کروڑوں روپیہ انکی مدد کے لئے خرچ کرتی تیں۔ اب وہ یہ دنیا تو لگ خود ان سے وصول کرنا چاہتی ہیں۔ انگلستان سے انکا دخل اٹھ گیا۔ فرانس وبلیم سے انکا دخل اٹھ گیا۔ جرمن سے انکو جواب ملا۔ ایشیا میں ان کی ذلت ہوئی تو امریکہ نے ان کی اطاعت کا جوا اتار کر پھینک دیا۔ چنانچہ تاریخ کو اٹھا کر دیکھو کہ جس وقت سے اسلام کے برخلاف انہوں نے زہر اگلنا شروع کیا ہے اور قرآن شریف کی ہتک پر کمر باندہ ہی ہے۔ تبھی سے انپر تباہی آنی شروع ہوئی ہے۔ اور کہاں تو بادشاہ تک پادریوں سے ڈرتے تھے۔ اور کہاں مذہب کے برخلاف فیصلے ہو رہے ہے۔ اور اگر پادری صاحبان کچھ چوں چرا کریں تو گورنمنٹ تو لگ عوام تک بھی گرجہ پھونک دیتے ہیں۔ بلیں تحقیقات تو تاریخوں سے ہو سکتی ہے۔ میں ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے میری تصدیق ہوتی ہے ڈاکٹر جے۔ ایف ارنلڈ او سلم مشن سوسائٹی کے آنریری سیکرٹری کی کتاب اسلام اور عیسائیت سے جو کہ ۱۸۷۴ء میں چھپی ہے۔ ہمکو معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے اول مسلمانوں کے برخلاف اگر کوئی باقاعدہ سوسائٹی تیار ہوئی ہے۔ تو وہ

۱۸۲۲ء میں بیل کے مقام پر ہوئی ہے۔ (جو کہ غالباً سوئٹزرلینڈ میں ہے۔) اچانچہ اس سوسائٹی نے ایکزار سے زائد مشنری ادھر اُدھر بھیجے تھے۔ مگر یہ سوسائٹی بہت جلد ۱۸۳۳ء میں گورنمنٹ کے حکم سے ملک بدر کی گئی۔ چنانچہ ڈاکٹر فانڈر جو میزان الحق کا مصنف ہے۔ وہ بھی اس گروہ کے ساتھ یورپ سے بھیجا گیا تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ نے فوراً ہی اس سوسائٹی کو مفسد قرار دلوا کر ذلت کے ساتھ ملک بدر کرا دیا۔ مگر چونکہ پادری صاحبان نے نصیحت حاصل نہیں کی۔ اس لئے آج ہم دیکھتے ہیں۔ تو یورپ میں کہیں یونیٹیرین فرقہ کا روز ہے۔ جو یسوع کی ابنیت پر سو سو قہقہہ لگاتا ہے۔ تو کہیں فری تھنکر پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ جن کا کام ہی پادری صاحبان کو گالیاں دینا اور ان کے راز پوشیدہ کو ظاہر کرنا ہے۔ گر یہ باتیں بھی کچھ نہ تھیں۔ اگر یورپ مسیحیت پر قائم رہتا۔ مگر جو لوگ یورپ سے دنیا کو نجات دینے کیلئے نکلے تھے۔ ان کے اپنے وطن میں اسی فی صدی سے بھی زیادہ لوگ دہریہ ہو گئے ہیں۔ اور اسی وجہ سے جہاں جہاں پادریوں کا کچھ اختیار رہتا۔ انکو اس سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ یہ اس آیت کے ماتحت ہے کہ لہٗ ملک السمٰوٰت والارض بیشک سب کچھ خدا ہی کا ہے۔ وہ اس پاک کتاب پر مشخا کرنے والوں کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑتا۔ مگر اس کو جو توبہ کرے

تیسری آیت اس بارہ میں سورۃ سبا کے رکوع ۳ میں ہے کہ وما ارسلناك الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یعنے ہم نے تجھکو نہیں بھیجا مگر صرف اس لئے کہ اب تمام دنیا کے لئے ایک نبی کی ضرورت تھی اور وہ اسباب کی محتاج تھی کہ بجائے الگ الگ نبی آنیکے ایک ہی نبی آئے جو کامل اور مکمل ہو چکے۔ وجود پر تمام دنیا کی ہدایت کا مدار ہو اور

جس کے توسط سے لوگ اُس خالق حقیقی تک پہنچیں کہ جس تک پہنچنا تمام
بزرگیوں سے بزرگ تر اور تمام انعامات سے بڑا انعام ہے۔ اس لئے ہم نے
تجھکو اس کام کے لئے چنا اور بشیر و نذیر بناکر مبعوث کیا۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں
اور تیری بیکسی کو دیکھکر کہتے ہیں۔ کہ یہ شخص جو ایسا کمزور اور غیر مشہور ہے۔ اسکی
تعلیم اور ہدایت تمام دنیا میں کسطرح پہنچیگی۔ اور کسطرح تمام دنیا کے لئے بشیر و نذیر
ہو جائیگا۔ ایک ہمارا مقابلہ تو یہ کر نہیں سکتا۔ پھر سب دنیا میں اسکے پیرو کسطرح
پھیل جائینگے اور یہ چند آدمی بڑھتے بڑھتے کل دنیا کا احاطہ کسطرح کرینگے۔ چنانچہ
خدا تعالےٰ ان لوگوں کے خیالات و اقوال کو اسطرح ظاہر فرماتا ہے کہ جب
مخالفین اسلام نے آنحضرت کا یہ قول سنا کہ میں سب دنیا کے لئے مبعوث
ہوا ہوں اور سب کے لئے بشیر و نذیر ہو کر آیا ہوں اور میری تعلیم ہر جگہ پھیل
جائیگی تو وہ حیران ہوئے۔ ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صادقین۔
یعنے اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ اور کب آپکی بشارت اور آپ کا انذار
تمام دنیا میں پھیل جائیگا۔ اور آپ کے دشمن ذلیل اور پیرو باعزت ہو نگے۔ پھر
خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ قل لکم میعاد یوم لا تستاخرون عنہ ساعۃ ولا
تستقدمون۔ انکو کہدو کہ دوسروں سے تمکو کیا۔ اپنی سنو کہ تمہارے لئے ایک یوم
(جو الہامی کتب میں ایک قلیل مدت سے مراد ہوتی ہے) کی مدت مقرر ہو
چکی ہے۔ اب اس مدت کے اندر اندر تمکو انذار سنا دیا جائیگا۔ اور موقعہ بدر پر
تمکو اس انکار کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ باقیوں کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔
جب ان کا موقعہ آئیگا۔ ان تک بھی یہ کلام پہنچ جائیگا۔ ہاں تمہارا واقعہ ان کے
لئے ایک عبرت کا کام دیگا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بدر کے موقعہ پر اپنی قسمت
کا انجام دیکھ لیا اور کچھ مدت کے اندر اندر ہی اسلام دنیا میں پھیل گیا۔ جو کہ

ایک عقلمند کے لئے ایک بڑی آیت ہے۔ جو مذکورہ بالا آیت کے مطابق پوری ہوئی۔

پھر چوتھی آیت جس میں آنحضرت کے عہدہ کی میعاد بیان کی گئی ہے۔ کہ کب تک آپ کا مذہب قائم رہیگا۔ یہ ہے۔ ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما سورۃ احزاب رکوع ۵۔ یعنے نہیں ہیں۔ آنحضرت صلعم تمہارے مردوں میں سے کسیکے باپ لیکن آپ اللہ تعالٰے کے رسول ہیں۔ اور رسول بھی کیسے کہ خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالٰے ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی ذرہ بھی اُس کے علم سے باہر نہیں۔ اس آیت میں خدا تعالٰے نے فرمایا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد اب کوئی شخص نہیں آئیگا کہ جسکو نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جائے۔ اور وہ آپکی تعلیم کو منسوخ کردے اور نئی شریعت جاری کرے بلکہ جسقدر اولیا اللہ ہونگے اور متقی اور پرہیزگار لوگ ہونگے سبکو آپکی غلامی میں ہی ملیگا جو کچھ ملیگا۔ اسطرح خدا تعالٰے نے بتادیا کہ آپ کی نبوت نہ صرف اس زمانہ کے لئے ہے۔ بلکہ آئندہ بھی کوئی نبی اور نہیں آئیگا بلکہ اب ہمیشہ کے لئے آپکی ہی تعلیم جاری رہیگی۔ اور یہی لوگوں کی ہدایت کا موجب ہوگی جو اس سے باہر نکلیگا۔ وہ درگاہ الٰہی میں نہیں پہنچ سکیگا۔

اس جگہ ایک اور نکتہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس آیت میں خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ کہ کان اللہ بکل شیء علیم۔ مگر بظاہر اس جگہ اس کا جوڑ کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالٰے نے جس قدر باتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں۔ ان کے لئے یہ بتانا کہ اللہ تعالٰے ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے۔ کچھ ضروری نہ تھا۔ سو اصل بات یہ ہے۔ کہ یہاں آپ کے خاتم النبیین ہونیکے متعلق ایک پیشگوئی

ہے۔ اور وہ یہ کہ آنحضرت سے پہلے دنیا میں سینکڑوں نبی گذرے ہیں۔ جنکو ہم جانتے ہیں۔ اور جنہوں نے بڑی بڑی کامیابیاں دیکھیں بلکہ کوئی صدی نہیں معلوم ہوتی کہ جس میں ایک نہ ایک جگہ مدعی نبوت نظر نہ آتا ہو۔ چنانچہ کرشن۔ رامچند بودھ کنفیوشس۔ زرتشت۔ موسیٰ اور عیسیٰ تو ایسے ہیں کہ جن کے پیرو ابتک دنیا میں موجود ہیں۔ اور بڑے زور سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ اور ہر ایک اپنی ہی سچائی کا دعویٰ پیش کرتا ہے۔ مگر آنحضرت کے دعوی کے بعد تیرہ سو برس گزر گئے ہیں مگر کسی نے آجتک نبوت کا دعوے کر کے کامیابی حاصل نہیں کی۔ آخر آپ سے پہلے بھی تو لوگ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے۔ اور انہیں سے بہت سے کامیاب ہوئے۔ (جنکو ہم تو سچا ہی سمجھتے ہیں) مگر آپکی بعثت کے بعد یہ سلسلہ کیوں بند ہو گیا۔ اب کیوں کوئی کامیاب نہیں ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہی پیشگوئی ہے۔ کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ اب ہم اسلام کے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑھکر کیا نشان ہو سکتا ہے۔ کہ آپ کے دعوے کے بعد کوئی شخص جو مدعی نبوت ہوا ہو کامیاب نہیں ہوا۔ پس اس کی طرف اشارہ تھا۔ کہ کان اللہ بکل شیٔ علیما۔ یعنے ہم نے آپکو خاتم النبیین بنایا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ آپکے بعد اب کوئی نبی نہ آئیگا۔ اور کوئی جھوٹا آدمی بھی ایسا دعویٰ نہ کریگا۔ کہ ہم اسکو چک نہ کر دیں۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی پیشگوئی ہے۔ کہ اس کا رد کسی سے ممکن نہیں۔ اگر ہو تو ہمارے سامنے پیش کرو۔ مگر اسطرح نہیں۔ کہ کسی نے دعوی کیا ہو۔ اور لاکھ دو لاکھ اس کے پیرو ہو گئے ہوں۔ بلکہ ایسا آدمی کہ جس نے آنحضرت یا آپ سے پہلے نبیوں کی طرح کامیابی حاصل کی ہو۔ مگر کوئی نہیں جو ایسی نظیر پیش کر سکے

غرض قرآن شریف نے بڑے زور سے دعوی کیا ہے۔ کہ میں تمام دنیا کے لئے آیا ہوں اور ہر زمانہ کے لئے ہوں مگر برخلاف اسکے جیسے کہ

میں پہلے لکھ آیا ہوں۔ دوسری کتب کا یہ دعویٰ نہیں۔ اس لئے اُنکا دعویٰ کرنا کہ ہم نجات سب عالم کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کسیطرح بھی درست نہیں اور ان کا کوئی اختیار نہیں کہ اپنی تعلیم غیر مذاہب کے سامنے پیش کریں۔ اور جب انکو ان کی کتب اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ تو ہمارے سامنے ان کا اپنی نجات کو پیش کرنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ انکی نجات تو انہیں تک محدود ہے اور اسلام کی نجات سب دنیا کے لئے ہے۔ اور چونکہ خدا تعالےٰ رب العالمین ہے۔ اس لئے سچی بات یہ ہے۔ کہ اصل نجات وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں میری غرض اس مضمون کو اس جگہ لکھنے سے صرف یہی ہے۔ کہ میں بتاؤں کہ ان لوگوں کی کتب تو انکو اجازت ہی نہیں دیتیں۔ کہ یہ اپنی نجات دوسروں کے سامنے پیش کریں۔ پھر ہمارا ان کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ میں نے ہر ایک مذہب کے متعلق الگ الگ ثابت کیا ہے۔ کہ سوائے اسلام کے مسیحیت اور آرین مذہب کا غیر قوموں میں پھیلانا بالکل خلاف اصول ہے۔ اور منع ہے۔ چنانچہ اس لئے انکا ہم سے نجات کے بارہ میں بحث کرنا خلاف اصول ہے۔

اب میں اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں اور سب سے پہلے یہ بتاتا ہوں کہ اسلامی نجات کیا ہے۔ اور یہ کہ واقعی وہی نجات سچی اور حقیقی ہے۔ ورنہ باقی سب مذاہب کی پیش کردہ نجاتیں ناقص ہیں۔

نجات کی تعریف

ہر ایک مضمون پر قلم اُٹھانے سے پہلے ضروری ہوتا ہے۔ کہ اُسکی تشریح کردی جائے اور تعریف کردی جائے۔ تاکہ ایک تو مضمون کے حصہ کرنے میں آسانی ہو۔ اور ایک پڑھکر

والیکو انکے سمجھنے میں مدد ملے۔ اس لئے میں لفظ نجات کی تحقیقات کرنی ضروری سمجھتا ہوں۔

یاد رہے۔ کہ نجات ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ کہ جس کے معنے دریافت کرنیکے لئے ہمکو عربی لغات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اول لفظ نجات کے وہ معنے جو لغت عربی ہم کو بتاتی ہے۔ لکھدوں۔

تاج العروس جلد دس صفحہ ۳۷۵ پر لکھا ہے۔ کہ النجاۃ الخلاص من الشئی کالنجاء ونظیرھا السلامۃ ذکرہ الحرانی وقال غیرہ ھو من النجوۃ وھی الارتفاع من الھلاک وقال الراغب اصل النجاء الانفصال من الشئی ومنہ نجا فلانٌ من فلانٍ۔ اب اس صورت میں نجات کے تین معنی ہوئے۔ ایک تو خوف والی چیز سے خلاصی دوسرے یہ کہ ہلاکت کی جگہ سے اونچا کردینا اور ٹیلہ پر جگہ دینا اور تیسرے کسی چیز سے جدا ہوجانا مگر بہر حال ہمکو ان تینوں معنوں سے اتنا معلوم ہوگیا کہ نجات کہتے ہیں کسی مکروہ چیز سے بچ جانیکو پس اب ہم مذاہب کو دیکھتے ہیں۔ تو انکا اصل مقصد خدا تعالےٰ کی ناراضگی سے انسان کو بچانا اور اُس سے سچا تعلق پیدا کرانا ہوتا ہے۔ اس لئے مذاہب نے جو یہ لفظ لیا ہے۔ اور استعمال کیا ہے۔ تو انہوں نے اسکو انہیں مذکورہ بالا معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اور نجات کے لفظوں کو اپنی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے اور اسکی رضا حاصل کرنے پر حصر کیا ہے۔ اور واقعی اگر دیکھا جائے تو اصل خوف تو خدا تعالےٰ کی ناراضگی سے ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ راضی ہے تو پھر ہر ایک آفت سے انسان محفوظ ہے۔ اور اگر وہ ناراض ہے۔ تو ساری دنیا کی نعمتیں موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی سکھ اور چین اور آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔ کسی نے

سچ کہا ہے۔ کہ خدا راضی ہو تو کل جہاں راضی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ ناراض ہو تو اور تو اور خود اپنے ہاتھ پاؤں تک نافرمان اور قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اگر کسی چیز سے ڈر ہو سکتا ہے۔ تو وہ غضب الٰہی ہے۔ پس کل مذاہب نے غضب الٰہی سے بچنے اور رضائے الٰہی کے حصول کا نام نجات رکھا ہے۔ اور اسی حد تک کل مذاہب متفق ہیں۔ لیکن دوسرے قدم پر اختلاف شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض مذاہب تو ایک بات پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ جسکو یہ حاصل ہو جائے تو وہ خدا کی ناراضگی سے نجات پا گیا دوسرے انکے برخلاف کوئی اور بات پیش کر کے کہتے ہیں۔ کہ نہیں جبتک اس درجہ کو انسان حاصل نہ کرے تب تک نجات ناممکن ہے۔ پھر اس بات پر جھگڑا اٹھتا ہے کہ ایک شخص گر گناہ کرتا رہا۔ اور ایک خاص وقت تک خدا تعالےٰ سے باغی رہا تو اب اسکی توبہ قبول کر کے نجات ملیگی یا نہیں۔ اور اگر ملیگی تو کسطرح اسیطرح اور بہت سے مسائل ہیں۔ کہ جنپر مختلف مذاہب آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس لیے مسئلہ نجات کے حل کرنیکے لئے ضروری ہے۔ کہ ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھکر غور کیا جائے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب کا پیرو جب اس لفظ کو استعمال کرتا ہے۔ تو اپنے عقاید کے ماتحت وہ اس لفظ کے ایک خاص معنے اپنے دل میں رکھتا ہے۔ چنانچہ جب ایک عیسائی اس لفظ کو استعمال کریگا۔ تو وہ اُس سے یہ مراد لیگا۔ کہ پچھلے گناہوں سے توبہ کے ذریعہ نجات نہیں ہوتی۔ بلکہ کفارہ مسیح پر ایمان لانے سے نجات ہوتی ہے۔ اور ایک آریہ جب اس لفظ کو استعمال کریگا۔ تو اس کا مقصد یہ ہوگا۔ کہ پچھلے گناہوں کی سزا بھگتے بغیر انسان نجات پا ہی نہیں سکتا۔ اور جبتک کہ وہ مختلف طرح کی جونوں کے چکر میں پڑکر اپنے گناہوں کا کفارہ نہ کرے تب تک کسی قسم

کی مکتی کی امید کرتی اُسکا خیال خام ہے یا ایک مسیحی جب نجات کا ذکر کریگا۔ تو وہ اس بات پر پکا ہوگا۔ کہ گنہگاروں کے لئے دوزخ ابدی ہے۔ اور آریوں کے لئے مکتی کو ابدی قرار نہ دیگا۔ مگر مسلمان ان دونوں کے برخلاف خیالات رکھتا ہوگا۔ پس جب نجات پر بحث کی جائے۔ تو ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھنی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے نجات کا مضمون کامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس وجہ سے میں ارادہ رکھتا ہوں۔ کہ انشاء اللہ اپنے مضمون میں اُن تمام پہلوؤں پر بحث کروں۔ کہ جن سے نجات کا مسئلہ پورا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک حصہ میں جہاں غیر مذاہب سے اختلاف ہو اسکو بیان کروں۔ اور اُنکے دلائل اور اسلام کے دلائل کا موازنہ کر کے بتاؤں۔ کہ سوائے اسلام کے باقی سب مذاہب کی پیش کردہ نجاتیں۔ اپنے ایک حصہ یا دوسرے حصہ میں نقص رکھتی ہیں۔ اور اس وجہ سے ناقص ہیں۔ مگر چونکہ اسلام خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے اسلامی نجات ہر طرح کامل اور فطرت کے مطابق ہے۔

چنانچہ اس خیال کو مدنظر رکھکر سر دست میرا ارادہ ہے۔ کہ اگر خدا تعالیٰ نے عمر صحت اور طاقت دی۔ تو انشاء اللہ اس مضمون کو چھ حصوں میں لکھونگا۔ اول یہ کہ کیا اسلام میں پچھلے گناہوں سے نجات ہے یا نہیں۔ اگر ہے کسطرح۔ دوم یہ کہ کیا اسلام انسان کے گناہوں سے پاک ہونیکا قائل ہے۔ یا نہیں۔ اگر ہے تو کسطرح۔ سوم یہ کہ کیا اسلام مرنے کے بعد گناہوں کی معافی کا قائل ہے یا نہیں۔ چہارم یہ کہ کیا دوزخ کا عذاب غیر محدود ہے؟ پنجم یہ کہ کیا جنت کا انعام منقطع ہے؟ اور ششم خاتمہ جسمیں انشاء اللہ اس مضمون کے متعلق متفرق باتوں کو بیان کیا جائیگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

رسالہ تشحیذ الاذہان

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء | فہرست مضامین | مطابق [illegible]

اسسٹنٹ ایڈیٹر

ایڈیٹر
صاحب انجمن تشحیذ الاذہان

باہتمام [illegible] مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو قادیان دارالامان سے شائع ہوا

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ

اصل ممیرا اور ممیرا کے سرمہ کا اعلان [illegible] اس اشتہار میں بہت سے لوگوں نے [illegible]
ہو یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح حکیم مولوی نورالدین صاحب مدظلہ کے مجوزہ نسخہ کے موافق طیار کیا
گیا ہے اور اصل ممیرا [illegible] حضرت نے دیکھ کر اصل ممیرا ہونے کی تصدیق کی اور اس میں ڈالا گیا
حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ بلا امراض چشم کیلئے مفید است [illegible]
کسی اور شہادت کی کچھ ضرورت نہیں کیونکہ [illegible] کا نام [illegible] حیثیت اور تجربہ [illegible]
[illegible] شہادت [illegible]
ابتدائی موتیابند وغیرہ امراض کے لیے بہت مفید ہے قیمت [illegible] قسم [illegible]
ممیرا قسم اول فی تولہ [illegible] قسم دوم [illegible]

ست سلاجیت

[illegible]
[illegible]
[illegible] بہت مفید ہے [illegible] کے ساتھ استعمال
کریں قیمت فی تولہ [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی [illegible] ریشمی اور سوتی [illegible]
ٹوپیاں اور [illegible] کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور [illegible] میں [illegible]

المشتہر

احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ایڈیٹوریل نوٹس

ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی وفات

ہز میجسٹی ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم ۶۔ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد کی رات کو پونے بارہ بجے فوت ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ آپ کی وفات کے وقت ملکہ شاہزادہ شاہزادی ویلس دیگر شاہزادگان ڈیوک آف فائف شاہزادی وکٹوریہ اور شاہزادی لوئیس موجود تھیں۔

بیماری کے متعلق یہ خبر ملی ہے کہ پہلے ہز میجسٹی کو زکام کھانسی تھی بعدہ یہاں تک بڑھی کہ ڈاکٹروں کے معائنہ سے معلوم ہوا کہ سانس جانے کی ان نالیوں میں جو کھانسی سے اچھی حالت میں نہ تھیں۔ کھانسی کا بہت زیادہ اثر ہو گیا ہے۔ جملہ اخبارات لکھ رہے ہیں کہ پولیٹیکل معاملات کی حالت نازک پہنچ کے وقت بادشاہ کی وفات بدنصیبی کی علامت ہے۔ آپ سنہ ۱۸۴۱ء میں تولد ہوئے۔ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء میں اپنی والدہ وکٹوریہ آنجہانی کے انتقال پر تخت

انگلستان پر متمکن ہونے اور ۶۔ مئی ۱۹۱۰ء کو قریباً ۹ سال کی حکومت اور ۶۹ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

قیصر ایڈورڈ ہفتم دنیا کی چوٹی کے مدبرین اور خوش اقبال سلاطین میں سے تھے۔ آپ نے جب تخت انگلستان پر قدم رکھا تو انگلستان جنوبی افریقہ میں بوئروں سے برسرِ پرخاش تھا۔ مگر آپ نے جلدی ہی اپنے طبعی تدبر سے بوئروں کو صلح سے مسخر کیا۔ پھر آپ نے جاپان فرانس اور روس سے یکے بعد دیگرے اتحاد اور دوستی کے عہد وپیمان کئے۔ کہ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگر انگلستان کو کسی جنگ کی ضرورت پڑے تو اس کیساتھ اس کے کئی دوست نکلنے کے لئے تیار ہو گے۔

بہرحال یہ خبر بہت ہی افسوسناک ہے اور ہز میجسٹی کی وفادار رعایا میں سے ہر فرد بشر اس خبر کو بہت رنج سے سنیگا۔

کیا مذہب کی ضرورت نہیں ہمعصر کشمیری میگزین نے انڈین میگزین سے ایک مضمون نقل کیا ہے جس کا ابتدا یہ ہے " یونیورسٹی کا طالب علم پڑھتا ہے معقولات اور مغربی فلاسفروں کی کتابیں پڑھتا ہے۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ انسانی نسل جب زمانہ طفلی میں تھی اس نے مذہب ایجاد کیا اور موجودہ مذہب اس زمانہ طفلی کی یادگار ہے " دوسرا کہتا ہے " اسکی ابتدا بزرگ پرستی سے ہوئی ہے " تیسرا بتاتا ہے " مذہب پجاریوں کا ڈھکوسلہ ہے " چوتھا بیان کرتا ہے " مذہب ایک قسم کا خبط ہے جس میں بیہودگی شامل ہے " یونیورسٹی کے اس طالبعلم کو پھر بتایا جاتا ہے کہ مذہب کو سمجھدار لوگ حقیر جانتے ہیں ایک ہارورڈین مصنف مسٹی ایم رینیں ایک قدم اور آگے نکلتا ہے اور وہ یقین دلاتا ہے کہ مذہبی اعتقادات رفتہ رفتہ معدوم ہو جائیں گے اور بہت قریب زمانہ میں ابتدائی تربیت اور مذہبی مسائل کو عملی تعلیم

شادگی مسٹر کا ٹن ایلین خوشی میں کہتا ہے مذہب کی آئندہ ہستی محض ایک خوش اعتقادی امید ہے ورنہ عقل تو اس کے معدوم ہو جانیکا فتوےٰ دے رہی ہے ٹلیس گریہ تمام نہاد علمی تعلیم انسان کو خدا کے اعتقاد سے منحرف کر دے۔ تو اس میں کیا تعجب ہے؟

اس کے بعد راقم مضمون نے مذہب کی ضرورت ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ سب یسوعی مذہب کی مہربانیاں ہیں۔ کیونکہ یسائین جو آجکل بڑی عقلمند قوم کہلاتی ہے۔ سمجھ چکی ہے کہ یہ مذہب انسانی عقل کے برخلاف ہے اور اسی پر انہوں نے تمام مذہب کو قیاس کیا ہے۔ اس لئے اکثر یسوعین اسطرف جا رہے ہیں کہ مذہب کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ باپ بیٹا۔ روح القدس تین خدا۔ پھر تین نہ کہو بلکہ ایک خدا والا مسئلہ بالکل عقل کے برخلاف ہے یہ مسلمہ امر ہے کہ ۱+۱+۱ برابر ہوتے ہیں تین کے پھر یہ تین چیزیں ملکر ایک کس طرح ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح کفارہ کا مسئلہ ہے کیونکہ ہر ایک جانتا ہے جو چوری کریگا وہی سزا پائیگا۔ ایک کی جگہ دوسرا کس طرح سزا پا سکتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ یہ دونوں مسئلے یسوعی مذہب کی جڑ ہیں بلکہ اگر کہا جاوے تو یسوعی مذہب ان ہی کا مجموعہ ہے۔ شریعت پر عمل کرنیکے کچھ نہیں رہجاتا۔ سو شریعت بھی بموجب اعتقاد یسوعین قابل عمل نہیں لہٰذا یہ دو مسئلہ یسوعی مذہب کا خلاصہ ہیں اور یہ ہر دو عقل کے برخلاف ہیں

ہاں اگر یہ لوگ مذہب اسلام کے متعلق تدبر کرتے تو کبھی ایسا نہ کرتے وہ دیکھ لیتے کہ جو قرآن کریم وعدہ دیتا ہے وہ اسی دنیا میں پورا کرکے دکھاتا ہے دوسرے مذاہب کی طرح صرف وعدہ ہی نہیں کرتا کہ آئندہ ایسا ہوگا ایسا ہوگا اور انکو یہ بھی سمجھ آجاتی کہ نمازوں اور دعاؤں میں کیا مزہ ہوتا ہے اور پھر ایسا بات

کا بھی واعظ کر لیتے کہ اسلام ہر وقت ایسا نمونہ پیش کر سکتا ہے جس کا خدا تعالیٰ سے خاص تعلق ہوتا ہے گویا کہ اسلام ہر وقت کوئی نہ کوئی نمونہ سامنے رکھتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ مذہب خدا کی طرف سے ہے اور جیسا کہ ابتدا میں اسلام اعلیٰ قسم کے آدمی پیدا کر سکتا تھا۔ اب بھی کر سکتا ہے۔

افریقہ میں اشاعت اسلام

یہ خبر اخباری دنیا میں گشت کر رہی ہے۔ کہ افریقہ میں اسلام جو کسی باقاعدہ تحریک کے حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے ڈاکٹر کول کوم جنہوں نے صرف اشاعت اسلام کا حال معلوم کرنے کے لئے سفر کیا ہے لکھتے ہیں "وہ وقت نزدیک ہے جب کہ سوائے صرف جنوبی افریقہ برٹش و شرقی افریقہ کے بعض حصص یوگنڈا اور حبش کے جو نام کے لئے عیسائی رہ جائیں گے باقی سارا افریقہ مسلمان ہو جائیگا۔ مسلمان تاجر اور مذہبی سفیر وہاں آتے جاتے ہیں اور اگرچہ اشاعت اسلام کے لئے انکے پاس کوئی باقاعدہ انجمن نہیں ہے لیکن وہ اپنا اثر و رسوخ شمالی افریقہ مشرقی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں پھیلا رہے ہیں اور کالی اقوام کو مسلمان بنا رہے ہیں۔ اگر وسطی سوڈان کی کالی اقوام جن پر گوری اقوام کا بڑا اقتدار ہے عیسائی بنا لیجائیں تو بلاد اسلام کے خلاف ایک بڑی دیوار کھڑی ہو جائیگی" [illegible] صاحب کتنا ہی زور لگائیں اور کتنی ہی تجویزیں کریں جو اللہ چاہتا ہے وہ ہو کر ہی رہے گا۔ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ

مبارک

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے گھر میں بتاریخ ۲۰ مئی بروز بدھ بوقت ۷ بجے صبح لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام حضرت امیر المومنین نے [illegible] الدین رکھا ہے اللہ تعالیٰ اسکو نیک متقی اور دین کا خادم بنائے۔ آمین۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

یادِ حبیب

{حضرت اقدس مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔}

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛۔ مکرمی مولوی نور محمد صاحب۔ والسلام علیٰ من اتبع الہُدیٰ۔ عنایت نامہ گرامی آں مخدوم پہنچا۔ یہ عاجز بموجب کم فرصتی و مشغولی ملاقات بعض احباب و نیز بوجہ ضعف طبیعت ابتک جواب لکھنے سے تقصیر رہا۔ اب بھی استقدر طاقت و فرصت نہیں کہ مفصل لکھوں صرف مجمل طور پر عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ یہ عاجز اپنی حالت کی رو سے فی الواقعہ نہایت آلودہ دامن اور ناچیز اور ہیچ ہے اور جس قدر بد ظنی کیجاوے تھوڑی ہے۔ من آنم کہ من دانم لیکن اگر یہی ہے تو اس قدر ہے کہ جس بنا پر آپ اور آپ کے ان بزرگوں نے جن کے رویا اور کشف آپ کے زعم خام میں قطعی اور یقینی ہیں جن میں وحی انبیاء کی طرح ایک ذرہ خطا اور غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس احقر عباد پر کذب اور افترا کا الزام لگایا ہے اور آپکے اپنے گمان میں بہت کچھ فساد اور شرک اور کفر کی حالت کو بہ نسبت ایں احقر تسلیم کر لیا ہے ایسا تعین مسلمانوں کی حالت سے بعید ہے اللّٰھم اصلح امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب آپکو اور آپ کے [illegible] بزرگوار کو بڑی وحشت میں اسی خواب نے ڈالا ہے کہ جو اتفاقاً آپ کے اس بزرگ نے دیکھی ہے جس [illegible] کے تشحیذ پر ایسا ظاہر ہوا کہ گویا یہ عاجز ایک جبہ [illegible] اور مجھے [illegible] جبہ [illegible] ہے اور پھر اس بزرگ نے یہ دیکھا کہ یہ عاجز

[illegible]

ایک ریچھ کی کھال پر بیٹھا ہوا ہے اور اسپر قرآن شریف رکھا ہوا ہے اور
پھر ایک دوسرے بزرگ نے بقول آپ کے اس عاجز کی بینائی میں زرق
دیکھا۔ ان دونوں خوابوں کی صورت پر نظر کر کے سیرت حسن ظن اسلامی کو
آپ نے چھوڑ دیا ہے اور جو کچھ ہمارے رب کریم نے تاکید فرمائی ہے کہ
کل مومنین اور مومنات کا اپنے بھائیوں سے بخیر ہونا چاہیئے۔ اس تاکید
کو یک لخت بھول گئے اور بڑے دعوے کی زبان کھول کر ضرور دال میں کچھ
کالا ہے۔ برادرم آپ ناراض نہ ہو جائیں یہ کلمہ کفر سے کچھ کم نہیں کاش اگر
آپکو کچھ سمجھ ہوتی۔ کسی مومن کی نسبت ایسی ایسی وجوہات سے کفر یا شرک
یا فسق اور افترا کا یقین کرنا اور یہ کہنا کہ دال میں کچھ کالا ہے پرہیزگار اور
نیک شعار اور نیک طبیعت مسلمانوں کا ہرگز طریق نہیں ومن اللہ من
یقول؟ ما مومنین نہ معلوم آپ اور آپ کے بزرگوار کہاں سے اور کس
سن آئے کہ جو صورت مثالی خواب یا کشف میں مشہود ہو وہی صورت حقیقت
مقصود ہو جاتی ہے کیونکہ تمام معبرین کا اسی پر اتفاق ہے کہ ہر ایک نوع
رؤیا اور کشوف میں اکثر یہی اصول ہے کہ جو امور صور حسیہ اور مثالیہ میں ظاہر
ہوتی ہیں وہ اپنی ظاہری شکل پر حمل نہیں کئے جاتے کیونکہ وہ تمام معانی ہیں
جنکو ان صورتوں سے کسی وجہ من الوجوہ مناسبت ہے اور یہ مناسبت ہے کہ
جو صرف بوجہ اعتقاد رائے قوت متخیلہ میں پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً ایک شخص اپنے
دشمن کو سانپ کی صورت میں دیکھتا ہے سو وہ نہیں کہ سانپ کی صفات وسمیہ
فی الحقیقت اس دشمن میں موجود ہیں بلکہ ممکن ہے کہ دشمن اپنی ذاتی حالت کی
رو سے [illegible] سبب اعتقاد نے سانپ کی
صورت پیدا اسکو کر دیا ہو اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو [illegible] مثالیہ میں متشکل ہو

قوت متخیلہ پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور شخص۔ اسے کی خود اپنی حالت ہوتی ہے اور ... جس خبث اور فساد کی کسی دوسرے کی نسبت وہ رائے دیتا ہے۔ حقیقت میں وہ تمام خبث اور فساد اس کے اپنے ہی نفس میں بھرا ہوا ہے جو فطرتی طور پر آئینہ صفت ہوتا ہے وہ آئینہ کی طرح وہ خبث اسپر ظاہر کر دیتا ہے مثلاً ایک شخص کہ جو نہایت بدشکل ہے جب وہ اپنی صورت آئینہ میں دیکھیگا تو ضرور اسکی شکل کا عکس آئینہ میں پڑیگا۔ اب یہ بات نہیں کہ آئینہ بدشکل ہے۔ بلکہ بباعث نہایت صفائی کے اس میں انعکاس بدشکلی کا ہو گیا ہے اسی جہت سے محققین علم تعبیر لکھتے ہیں کہ جو لوگ نفانی ہیں۔ وہ بباعث آئینہ صفت ہونیکے محل انعکاسی صفات ہوجایا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے قدیم سے یہ تجربہ ہوتا چلا آیا ہے۔ کہ اکثر کفارہ فجار و نے یا ایسوں نے جنکا خاتمہ بد تھا انبیاء اور اولیاء کو خراب اور فاسد حالتوں میں دیکھا ہے اور آخر انجام ایسے لوگوں کا بد ہوا ہے اور کفر پر مرے ہیں۔ تھوڑے عرصہ کی بات ہے کہ ایک بزرگ مولوی فضل احمد نام نے کہ جو موضع فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے ہیں اور ایام خوردسالی میں اس احقر کے استاد بھی تھے اور ابتک بقید حیات ہیں۔ اس عاجز کے پاس ذکر کیا کہ ایک شخص نے حضرت صلعم کو خراب حالت میں دیکھا۔ و بلباس و وضع و مکان و حالت وغیرہ امور میں نالائق باتیں مشاہدہ کیں اور مولوی صاحب فرمانے لگے کہ اس خواب کے سننے سے مجھے بہت انقباض ہے اور ہر چند اس وسوسے کو دور کرتا ہوں مگر بے اختیار ہوں تب میں نے امام زین العابدین وغیرہ کے اقوال انکو پڑھکر سنائے اور معتبر رسائل تعبیر کے کھولکر انپر ظاہر کیا کہ اس پلید باطن نے اپنے ہی نفس کو دیکھا ہے نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ اسکا خاتمہ بد ہوگا۔ تب مولوی صاحب سنکر بہت خوش ہوئے اور انکا تمام قبض دور ہو گیا

اور فرمانے لگے کہ وہ شخص کچھ تھوڑی مدت کے بعد عیسائی بھی ہو گیا۔ یہ خاتمہ کی بری بد تر ہی علامت ہے اور نیز مولوی صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ مجھکو اس عمدہ تعبیر کی ہرگز خبر نہ تھی اب مجھکو بہت بصیرت حاصل ہوئی ہے سچ ہے کہ بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے۔ غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص فانیوں کو خراب حالت میں دیکھتا ہے وہ درحقیقت اپنے ہی نفس کی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے۔ سر اس میں یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس سے فانی ہے وہ بباعث اپنی نہایت شفقت کے کہ جو اسکو عباد اللہ سے ہے دوسروں کی حالت پر کہ جن میں وہ شخص خود بھی داخل ہے ایسا ہی درد مند ہے کہ جیسا خود صاحب درد کو ہونا چاہیئے۔ پس اس جہت سے شخصی رائے کی حالت نقشہ اس صاحب کمال میں کہ جو بوجہ نہایت شفقت محو فی الخلق بھی بطور انعکاس دکھائی دیتی ہے اور سادہ لوح کو یہ دھوکا لگتا ہے کہ واقعی طور پر یہ حالت اس میں موجود ہے اور کبھی اسکا باعث یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی شخص کا حال اور مقام دریافت کرنے کے لیئے باطنی طور پر توجہ کرتا ہے اور وہ شخص جس کا حال دریافت کرنا منظور ہے۔ شخص متوجہ کی نظر سے بہت دور ہوتا ہے۔ ناچار نظر باطنی کے تھکان کیوجہ سے کچھ اپنے ہی حالات ظاہر ہو جاتے ہیں جیسے ایک شخص جو آسمان کی طرف نظر کرتا ہے تو آسمان بوجہ دور ہونیکے اس کو نظر نہیں آتا۔ لیکن اپنی ہی آنکھوں کی کبودی سامنے آسمان میں دکھائی دیتی ہے اور دھوکہ سے نادان آدمی یہ خیال کر لیتا ہے کہ آسمان بہ رنگ کبود ہے حالانکہ وہ ایک نورانی اور پاک جوہر ہے تو اسی طرح نقصان توجہ سے بھی دھوکے لگتے رہتے ہیں جس میں سلب ایمان کا خطرہ رہا ہے۔

اب قصہ کو مختصر کر کے گزارش کرتا ہوں کہ جو آپ کے بزرگوار نے

خواب دیکھا ہے وہ تعبیر کے رو سے نہایت عمدہ خواب ہے۔ کاش آپ کے
بزرگوار اور نیز آپکو کچھ حصہ علم تعبیر سے ہوتا۔ دونوں تھکر بدظنی سے بچ جاتے
سو جاننا چاہیے کہ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زنار کا باندھنا مستور
الحال کے لئے اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صاحب
عزم ہے وہ کسی کا سوار سے نہ تھکیگا جب تک اپنے دشمنوں سے انصاف نہ لے
اور گاؤمیش سے قوم لایعقل اور نفس پرست ذلیل ہو جائینگے اور حق ظاہر ہو
جائیگا۔ اور یہ جو اس بزرگ نے دیکھا کہ سواری کی حالت میں دُم کی طرف منہ
ہے یہ اعراض عن الجاہلین کی طرف اشارہ ہے یعنی جاہلوں سے منہ پھیرا
ہوا ہے اور ان کے جاہلانہ شور و غوغا کی طرف التفات نہیں سو دم کی طرف
منہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ جاہلوں سے اعراض کیا ہوا ہے اور آیت اعرض
عن الجاہلین پر عمل ہے اور دوسری خواب بھی خواب کی تائید میں ہے ریچھ
سے مراد احمق اور سفلہ آدمی ہے کہ جو ریچھ کی طرح ناحق الجھتے ہیں اور ریچھ کی
کھال پر بیٹھنا تسلط تام سے مراد ہے اور ریچھ کی کھال اس کے اخلاق ذمیمہ
کا پردہ ہے جس پردہ کو خداوند کریم بذریعہ اس عاجز کے فاش کریگا اور یہ جو دیکھا
کہ قرآن شریف اس کھال پر رکھا ہوا ہے اسکی تعبیر یہ ہے کہ حجت قرآنی
ایسے ریچھوں پر قائم ہو جاویگی گویا قرآن اس کھال پر رکھا گیا اور فرق بینائی
سے اندوہ و حزن مراد ہے کہ جو شفقتاً علیٰ خلق اللہ طاری حال ہے چنانچہ
ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ معبروں نے شخص مستور الحال کے لئے یہی
تعبیر لکھی ہے اور حوالہ اس آیت کا دیا ہے وابیضت عیناہ من الحزن
فھو کظیم۔ یہ تعبیر اول کشف صحیح کے ذریعہ سے اور پھر ابن سیرین وغیرہ
کے معتبر اقوال سے یہ بات پایہ صداقت پہنچ گئی ہے فالحمد للہ علیٰ ذالک

افسوس کہ آپکو ان قطعی اور یقینی الہامات سے کہ جو مخالفوں کی شہادت سے پایۂ ثبوت کو پہنچگئی کچھ ہدایت نہ ہوئی کیا صدہا انوار یقینیہ قطعیہ کے سامنے کسی کی پیش جاتی ہے خداتعالےٰ اس امت پر رحم کرے اور مرض خناس سیرتی سے کہ جو ظلمت سے پیار اور نور سے بغض رکھنے کا موجب ہوا ہے۔ آپ دور فرماوے۔ والسلام علیٰ [illegible]

اواب الصدق و اللاین [illegible]

مورخہ یکم اپریل ۱۹۰۳ء مطابق ۲- جمادی الاول ۱۳۲۱ ہجری [illegible]

ریویو

باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری یہ کتاب شیخ محمد یوسف صاحب اڈیٹر [illegible] کی تصنیف سے ہے۔ اس کتاب میں شیخ صاحب نے باوا صاحب مذکور کی پیدائش سے وفات تک کی ستر سال کی عمر کے حالات درج ہیں اور بیان کیا گیا کہ باوا صاحب جو سکھوں کے گورو ہیں وہ در اصل مسلمان تھے۔ میرے خیال میں ایسی کتاب کی اشاعت میں بہت کوشش کرنی چاہیئے۔ خصوصاً سکھ صاحبان میں یہ کتاب کثرت سے تقسیم ہونی چاہیئے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انکے گرو کا کیا مذہب تھا۔ اور وہ دنیا میں کیا کرنا چاہتے تھے اور کیا کچھ باوا صاحب نے کیا ہے سکھ صاحبان کا مذہبی فرض ہے کہ اپنے مذہب کے بانی کے سوانح غور سے پڑھیں اور اپر عمل کرنیکی کوشش کریں۔ واقعی یہ کتاب بہت مفید ہے یہ کتاب [illegible] سائز کے [illegible] کاغذ کے ۲۰۰ صفحوں پر چھپی ہے قیمت مجلد صرف [illegible] روپے [illegible] قادیان سے مل سکتی ہے۔

دہرم کی کسوٹی [illegible]

[illegible]

[illegible]

قرآن کریم کے متعلق مسافر آگرہ

کے

اعتراضات اور انکے جوابات

پیشتر اس کے کہ میں مضمون شروع کروں۔ یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مسافر آگرہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے۔ جو پنڈت لیکھرام آریہ مسافر کی یادگار میں آگرہ سے نکلتا ہے۔

اس اخبار میں ہمیشہ مسلمانوں پر کچھ اعتراض ہوتے ہیں۔ جن کے جواب اکثر دیئے جا چکے ہیں یا بعض دفعہ ایسے بیہودہ اعتراضات ہوتے ہیں جنکا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ میں ذیل میں مثال کے طور پر اس کے چند سوال لکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں۔ کہ ان کے جواب کی توفیق عنایت فرمائے۔

مسافر آگرہ مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۰ء میں ایک اعتراض اس آیت پر کیا گیا ہے یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون ترجمہ تجھ سے لوگ چاندوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ تو کہدے لوگوں کے لیے وقت ہیں اور چاند ہیں حج کے لیے وقت ہیں۔ اور یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں کو ان کی پشت کی طرف سے جاؤ۔ اور

لیکن نیکی یہ ہے۔ کہ جو اتقاء کرے اور گھروں کو ان کے دروازوں کی طرف سے آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ترجمہ کے بعد دیانندی صاحب نے ایک نوٹ لکھا ہے جس میں دو چند اعتراض کرتے ہیں اول تو یہ کہ اس آیت میں اول تو انصار لوگوں نے حضرت سے چاند کے بڑھنے گھٹنے کا سوال کیا جس قدر علم اللہ میاں کو تھا جواب دیا کہ یہ گھٹنا بڑھنا زمانہ کی شناخت کے لئے ہے مگر یہ نہ بتلا سکے کہ اس کے گھٹنے بڑھنے کی کیا وجہ ہے:

ڈاکٹر صاحب نے یہ تو کہہ دیا کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کی بابت دریافت کیا گیا تھا لیکن اگر ان سے اسکا ثبوت دریافت کیا جائے تو حیران رہجائیں قرآن شریف میں لفظ اهلة ہے جو ہلال کی جمع ہے ہلال کے معنے تاج العروس میں حسب ذیل لکھے ہیں

الهلال بالكسر غرة القمر وهي اول ليلة او يسمى هلالا لليلتين من الشهر ثم لا يسمى به الى ان يعود فى الشهر الثانى (تاج العروس جزو ثامن صفحہ ۱۶۱) ترجمہ۔ ہلال کسرہ کیساتھ چاند کی پہلی تاریخ کو کہتے ہیں جو پہلی رات میں ہوتا ہے۔ یا ہلال نام رکھا جاتا ہے مہینے کی دو راتوں تک پھر اسکو ہلال نہیں کہتے یہانتک کہ دوسرے مہینے میں لوٹ آئے اسکا خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اور بعض کا یہ بھی قول ہے کہ دوسری رات کے چاند کو بھی ہلال کہتے ہیں۔ اس کے بعد کے چاند کو نہیں کہتے۔

اب اهلة جمع ہے هلال کی جس کے معنے ہوئے کہ دو سے زائد مہینوں کی پہلی رات کا چاند۔ اب اگر سیاق سباق پر غور کیا جائے تو صاف پتہ لگتا ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں رمضان کے مہینے کا ذکر ہے کہ اس میں روزے رکھنے چاہئیے اور اس میں فلاں فلاں برکات ہیں جب رمضان شریف کا مفصل حال

گرچہ آریہ لوگ دیانت کرتے ہیں کہ باقی مہینوں کے متعلق بھی کچھ ارشاد فرمایئے کہ ان میں کیا کچھ کرنا چاہیئے جیسا کہ عام طور پر انسانی طبیعت کا حال ہے کہ جب بہت سے امور میں کسی کا کچھ حال یا حکم بیان ہو تو وہ باقی کی نسبت بھی تفصیل چاہتی ہے اسلئے انکے سوال کا جواب ملتا ہے قل ھی مواقیت للناس والحج کہدے۔ ان مہینوں کے پڑھنے میں اوقات کا پتہ چلتا ہے لوگوں کے لیئے اور حج کے لئے۔ اب پنڈت صاحب بتائیں کہ قرآن شریف کے کس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ چاند گھٹتا بڑھتا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ کسی مفسر[1] نے لکھا ہوگا۔ مگر ہم اسکو کیا کریں جب کہ قرآن شریف کے الفاظ اس کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ مجھے تعجب ہے کہ لالہ صاحب نے یسئلونک عن الاھلۃ کا ترجمہ یہ کیا ہے "تجھ سے پوچھتے ہیں چاند کا نیا نکلنا" اور پھر اعتراض کرتے وقت لکھتے ہیں کہ تجھ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے متعلق سوال کرتے ہیں ہلال تو ایسا لفظ نہیں کہ جو ہر ایک رات کے چاند کو کہا جاوے بلکہ وہ تو صرف پہلی رات کے چاند کا نام ہے اگر گھٹنے بڑھنے کے معنے ہوتے تو اول تو ہلال کی جگہ قمر یا کچھ اور چاہیے تھا جو تمام مہینے کے چاند کے لیئے آتا ہو اور پھر اس کے گھٹنے بڑھنے کیلئے بھی کوئی لفظ چاہیئے تھا۔ پہلی رات کا چاند کس طرح گھٹ بڑھ سکتا ہے جیسا کہ میں بیان کرتا ہوں خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ پہلی رات کے چاند کی بابت یا مہینوں کی تبدیلی میں اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لیئے یہاں ایک لفظ حج آیا ہے جسکی تشریح کے لئے حج کے احکام شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے لیس البر بان تاتوا البیوت من ظھورھا ولکن البر من اتقی واتوا البیوت من ابوابھا۔ یعنی یہ نیکی نہیں کہ گھروں کو ان کی پشت کی طرف

[1] اگر پنڈت صاحب ہمیں تفسیروں کے ماننے کے لیئے مجبور کرتے ہیں۔ تو بتائیں کہ کیا وجہ ہے کہ تمام پہلی کتابوں سے اتفاق رکھتے ہیں یا نہیں۔

سے جاؤ۔ یہ عرب میں دستور تھا۔ کہ جب حج کو نکلتے تھے اور پھر جب انکو واپس آنے کی ضرورت پڑتی تھی تو گھروں کو پچھلی طرف سے آیا کرتے تھے سامنے سے نہیں آیا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسا کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں نیکی تو وہ ہوتی ہے جس میں تقویٰ مد نظر ہو جب یہ نیکی نہیں ہے تو اے مسلمانو! تمہیں اس کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ پس اب (واتوا البیوت من ابوابھا) گھروں کو دروازوں سے آیا کرو یہ ظاہر رسم کو توڑ دینے کیلئے فرمایا ہے۔ اسپر لالہ صاحب فرماتے ہیں

"بعدازاں آیت ہذا میں وہ دوسرا مضمون شامل کر دیا ہے۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں بوجہ قبل از وقت احرام باندھنے گھر آتے تھے چھت پر چڑھ کر یا پس دیوار سوراخ کر کے اپنے گھروں میں آتے تھے۔ دروازے سے آنا درست نہیں سمجھتے تھے ایک دن حضرت رسالتماب اپنے دروازے سے برآمد ہوئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو اللہ میاں نے فوراً اس آیت میں جو چاند کے متعلق تھی۔ یہ مضمون ٹھونس دیا۔ اور آیت بھی نازل کر دی۔" نعوذ باللہ،

سلہ گو بظاہر اس کیے تھے اس بیہودہ رسم کو توڑا ہے مگر حقیقت میں بتایا یہ ہے کہ ایسی اور بھی رسمیں بھی اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ کہ الٰہی حکم کے سوا ہی خود بخود کسی چیز کی نسبت تقلید اور شریعت چاہی جائے یہاں تک کہ جب کوئی نہیں ملتی۔ تو نفس اور شیطان کی بنا ہے۔ اور خود قوم کی خواہش سے نا عاقبت اندیش پیشوا از خود کوئی تقیہ اور شرع اس کی نسبت ایجاد کر دیتے ہیں۔

اس لئے یہاں سمجھایا ہے۔ کہ ایسا کرنا منع ہے کیونکہ اس سے بہت سے مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہیں صاف طور پر اس آیت کا ترجمہ مع تشریح لکھ آیا ہوں اور جو لوگ اسکو پڑھینگے۔ ان کو صاف معلوم ہو جائیگا۔ کہ اس آیت میں کوئی دوسرا مضمون نہیں ہے۔ بلکہ یک ہی مضمون ہے لوگوں نے مہینوں کے متعلق دریافت کیا ہے تو فرمایا ہے۔ انہیں لوگوں کے لئے وقت مقرر ہیں اور حج کے لئے بھی اوقات ہیں توچونکہ حج کا ذکر آیا تھا اسلئے حج ہی کے متعلق یک اعینی رسم کو ذکر کرکے ایسی خواہش کی خرابی کا اظہار کیا ہے سو اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ سارا ایک ہی مضمون ہے۔ یہ کوئی نیا مضمون نہیں چنانچہ پہلے حج کا ذکر فرمایا ہے پھر یہ اسکی تشریح ہو رہی ہے۔ اور اس کے احکام ذکر ہو رہے ہیں۔

واتوا البیوت من ابوابھا کو رسول کریم کے مکّے اور نہ نکلنے سے کوئی تعلق نہیں ہے حج کے احکام کے بیان کے لیے ضروری ہے کہ شروع احکام یہاں سے ہوں۔ کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو کیا کرے۔ پس اس ضرورت کے مطابق یہ حکم بتایا ہے

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ اب قرآن شریف کی ہمہ دانی و فصاحت و بلاغت پر ناز کرنیوالے مسلمان اللہ میاں کی حسن لیاقت کی خود ہی داد دیں جن کو خدا نے علم و عقل عطا کی ہے وہ تو سمجھ ہی جائیں گے کہ ایسی حسن و خوبی کی حامل قرآن شریف کو کیسے کلام ربانی کہہ سکتا ہے؟

الجواب ہم بڑے فخر سے قرآن شریف کو خدا تعالیٰ کا کلام اور وہ بھی معمولی نہیں۔ بلکہ ہر طرح لاثانی سمجھتے ہیں۔ اگر شریر لوگ اسپر حملہ کریں یا اس کے مقابلہ کے لئے لوگ اٹھیں اور ایک بیہودہ گندی عبارت پیش کریں تو اسکی کیا پرواہ ہو سکتی ہو قرآن شریف کہتا ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ یعنی قرآن کریم کا عرفان کما حقہ پاک لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں اگر کوئی شریر آدمی اعتراض کرے تو عقلمندوں پر اسکا

کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس آیت پر جو آپنے اعتراض کئے تھے وہ بفضلہٖ تعالیٰ سب حل کر آیا ہوں زیادہ لکھنا باعث طوالت ہوگا۔

اب ہم ان اعتراضات کا جواب دیچکے ہیں جو پنڈت بھوجدت صاحب نے آیت مذکورہ کے متعلق اپنے اخبار کے ۱۰ اپریل ۱۹۱۰ء کے پرچے میں کئے تھے۔ لیکن ابھی ایک اور آیت باقی ہے جس پر ۲۳ اپریل کے سالہ میں اعتراض کئے گئے ہیں وہ آیت یہ ہے
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ
ترجمہ اور لڑو بیچ راہ اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے اور زیادتی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آیت ایسی عجیب ہے کہ کئی سے آریوں کے اعتراض متعلقہ جہاد سب رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں فرمایا ہے کہ صرف ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو۔ جس مذہب کا دعویٰ ہو کہ کسی سے مقابلہ کرنا منع ہے بلکہ جو مقابلہ کریگا اس کو اللہ پسند نہیں کریگا سوائے ایسی حالت کے کہ مقابلہ پر وہ لوگ ہوں جو تم سے لڑائی کرتے ہوں۔ خود کسی پر حملہ کرنا منع ہے تو ایسے مذہب کے پیرو اشاعت اسلام کے لئے کس طرح لڑائی کر سکتے ہیں جس کی انکو اجازت بھی نہیں دی گئی۔ مگر ہمارے پنڈت بھوجدت صاحب ایسے متعصب ہیں کہ انھوں نے اس آیت پر بھی فوراً اعتراض کر دیا کہ چونکہ موضح القرآن میں لکھا ہے کہ چار مہینے (ایام حج) کہ میں لڑائی بند رہتی جتھا کر سیدھی مجاہدوں کا نقصان نہ ہو سکا سلئے اللہ تعالیٰ آداب جہاد فرماتا ہے جو تم سے لڑیں انکو مارو۔۔۔۔۔ القصہ یہ آیت قتل کفار پر صادر ہوئی تھی چونکہ اب کے میں امن و امان ہے۔ یہ خونی آیت استعمالی کر داخل دفتر کرنی چاہیئے۔

سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ قرآن کریم میں تو کہیں نہیں لکھا کہ یہ آیت [illegible]

کے متعلق ہے اگر موضح القرآن میں لکھا ہے تو مصنف موضح القرآن اس خصوصیت کا ذمہ وار ہے۔ لڑائیاں اب بھی ہوتی ہیں یہ قانون عام ہے۔ اگر مسلمانوں کی سلطنت کی کسی دوسری سلطنت سے لڑائی ہو۔ تو اس کیلئے ضروری ہے کہ اس آیت کی پابندی کرے۔

دوسری عرض یہ ہے کہ جیسا کہ میں پہلی آیت میں بتا چکا ہوں۔ کہ حج کے متعلق احکام ہیں یعنی حج کے لئے اگر جاؤ تو ایسا کرو ایسا کرو یہاں فرمایا ہے۔ کہ اگر تم کو لڑائی کی ضرورت پڑے تو ایسا کرنا چاہیے کہ اللہ کے راہ میں لڑو حد سے زیادتی نہ کرو۔ اگر اس لڑائی کی ضرورت حج میں بھی پڑ جائے تو حرم کے مہینے سمجھکر خاموش نہ رہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کریں بلکہ ایسے موقعہ پر تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی ان سے لڑائی کرو۔ مگر جہاں تک وہ تم سے لڑائی کریں۔

یہ کہاں سے ثابت ہوا۔ کہ جو کام حج میں ہوتے ہیں وہ کہیں اور نہیں ہو سکتے۔ اس کی مثال تو ہو بہو یہی ہے کہ حکم ہو کہ نماز میں الحمد للہ رب العلمین پڑھا کرو اور مومن کو حکم دیا گیا ہے۔ وہ کسی خوشی کے موقعہ پر کہے الحمد للہ رب العلمین۔ تو کوئی بیوقوف کہدے کہ بس جناب کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں صرف نماز میں کہا کہ اگر خدا تعالیٰ نے کہا کہ حج میں ایسا کرو۔ تو کہاں سے ثابت ہوا۔ کہ کسی اور موقعہ پر بھی اسی کام کی ضرورت پیش آئے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً قرآن کریم کہتا ہے فاذکروا اللہ۔ تو کیا دوسرے اوقات میں ایسا کرنا منع ہے۔

پنڈت صاحب کی یہ منطق سمجھ میں نہیں آتی۔ باقی رہا یہ کہ جنگ کی ضرورت پڑتی ہے کہ نہیں سو آپ بھی اسکو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ مسلمانوں کو مختلف اوقات میں لڑائی کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ مسلمانوں کی خدا کے فضل سے اب بھی سلطنتیں ہیں۔ خواہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہوں۔ پھر میں کہتا ہوں ۱۱ کہ حج کے متعلق ہے۔ اگر

کیا پنڈت صاحب کو معلوم نہیں ہے کہ ہندو اب بھی امن کو توڑنے کی تجاویز میں مشغول رہتے ہیں اور ہر سال کچھ نہ کچھ حاجی مارے جاتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں اس آیت کی ضرورت نہیں لیکن یاد رہے خاص مکہ میں کوئی لڑائی نہیں کرسکتا ہے بلکہ میری مراد راستے کی لڑائی ہے۔

مندرجہ بالا عبارت میں پنڈت صاحب نے بریکٹ میں لکھا ہے کہ حج کے دنوں میں لڑائی اسلئے منع ہے کہ تا میلہ میں مجاوروں کا نقصان نہ ہو جاوے۔ افسوس! پنڈت صاحب کو معلوم نہیں کہ ایک مقدس جگہ میں خصوصاً جب کہ وہاں اکٹھ ہو لڑائی جائز نہیں ہونی چاہیئے کیا پنڈت صاحب اس بات کو اچھا سمجھتے ہیں کہ گورکل کے جلسہ کے دنوں میں وہاں جنگ شروع کر دی جاوے۔ میرے خیال میں پنڈت صاحب ایسا کبھی پسند نہ فرمائیں گے۔ کیونکہ ان کو یہ فکر دامنگیر ہوگی کہ بہت سے بے قصور برہماشوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا پس مکہ کو خدا تعالیٰ نے امن والا بنایا ہے۔ یہ جائے اعتراض نہیں بلکہ عظیم الشان نشان ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مکہ کو امن والا بناتے ہیں کون ہے۔ کہ جو ہمارے ارادہ کے برخلاف جنگ کرے یا اس میں لڑ سکے۔ کتنے مذاہب قوموں زمانوں کی تبدیلی ہو جاوے مکہ امن میں رہیگا۔

آپ اس آیت کو خونی آیت بتاتے ہیں۔ افسوس تعصب بالکل اندھا کردیتا ہے ذرا پنڈت صاحب بتائیں تو سہی کہ آیت مذکورہ بالا خونی ہے۔ یا رگوید اوپیائے سات انوکا دا سکت ۳ کا پہلا منتر خونی ہے جس میں اندر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ "اسکی وجہ ہمارے خوش ہوتا ہے بھرگ لگ کر پھاڑ کر جس نے راہبوں؟"

له آیت کا ترجمہ یہ ہے اور لڑو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

کے ساتھ کرشنا کی حاملہ استریوں کو قتل کیا۔ ہم رکھشا کے خواہش مند اسکو بر نعمتوں کا دینے والا ہے جس کے ہمراہ مارت ہیں اور جو یجروید کو داہنے ہاتھ میں دھارن کرتا ہے جاتے ہیں تاکہ ہمارا مددگار ہو۔

جس وید کی یہ تعلیم ہو کہ جوان بچے اور بوڑھے مرد اور عورتیں تو الگ دشمن کی حاملہ عورتیں تک قتل کر دیجائیں کیا اسکا پیرو کبھی کہہ سکتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت قرآن کریم کی پاکو تکی اور آیت خونی ہے۔ پھر پنڈت صاحب ذرا بتایئے تو سہی کہ یہ الفاظ خونی ہیں کہ حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے روئے زمین کو دشمنوں سے خالی کرو۔ یجروید ۹۔ ۴۰ " دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۵۰۰ حقیقت یہ سب باتیں تب ہوتی ہیں جب تعصب نہ ہو۔ پنڈت صاحب تو مسلمانوں پر اعتراض کرنیکے لیئے تلے ہوئے بیٹھے ہیں پھر کیا جہاں اعتراض نہ ہو وہاں بھی بنالیا۔ کاش پنڈت صاحب غور فرمائیں۔

اب بتلایئے پنڈت صاحب کیا خونی ٹیکا ہمکو سنانیکی کوشش کرنی چاہیئے یا آپکو تعصب کی عینک اتار کر غور و فکر کے بعد جواب دیں۔

پھر پنڈت صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ یہ کانٹ چھانٹ یہ ردوبدل جہاں ہے وہ دین رب العالمین ہرگز نہیں۔

میں تو ابھی بتا چکا ہوں کہ یہ آیت نہ منسوخ ہوئی ہے نہ اسکے منسوخ ہونیکی ضرورت ہے بلکہ یہ آیت کیا قرآن کریم کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں اور نہ ہو ہی سکتا ہے خصوصاً اس آیت کے متعلق جس پر بحث ہے میں ابھی ثابت کر دکھا چکا ہوں۔ ہر وقت ضرورت رہتی ہے اور تو جانے دو دیئے ابھی کرزن گزٹ میں پڑھا ہے " البانیہ ..... کے مختلف اضلاع میں سخت معرکہ آرائیاں ہو رہی ہیں ..... رپورٹ گئی ہے کہ ترکوں نے شیلانی میں البانی باغیوں کو شکست

وحی کیا اب ان مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ اس آیت پر عمل کریں۔

کیا اب بھی یہ آیت نعوذ باللہ داخل دفتر ہونیکے قابل ہے۔ یا ستیارتھ پرکاش کے صفحات ۱۰۸۔۱۷۹۔۱۸۰ وغیرہ قابل ترمیم ہیں۔ جہاں کسی ... کا ذکر ہے کہ کسطرح حکومت کرنی چاہیئے اور راجا اور پرجا کو کیا کچھ کرنا چاہیئے اور فوج و اسلحہ جنگ وغیرہ کیسے مضبوط ہونے چاہئیں کیونکہ تو ہندوستان میں آریوں کی حکومت نہیں رہی اور نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے باہر آریوں کی کبھی سلطنت ہوئی ہے۔ اور نہ کبھی ہونے کی امید ہے۔ اسلیئے یہ سب قواعد خصوصاً ویدوں کے منتر جہاں کہ یہ منتر گرنتھوں اور یجر وید کا نواں ادھیا سارے کو سارا دیکھ کر قریباً قریباً سارے ادھیائے میں یہی ذکر ہے۔ اس قابل ہے کہ داخل دفتر کئے جاویں۔ (اسسٹنٹ اڈیٹر)

(۱) کیا اسلام میں پچھلے گناہوں سے نجات ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس طرح؟

جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں نجات کے مضمون کو میں نے مختلف حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ اور اب پہلے میں مذکورہ بالا ہیڈنگ پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں کیونکہ جب ایک انسان خدا کی طرف جھکتا ہے تو ضرور ہے کہ اُسے پہلے یہی سوال پیش آئے کہ کیا میرے پہلے گناہ جو میں اب تک کر چکا ہوں وہ معاف ہو سکتے ہیں کہ نہیں اور اس سوال کے حل کئے بغیر نجات پر بحث کرنا بے معنی فضول ہے کیونکہ جب گناہ ہی معاف نہ ہوتے تو پھر نجات کس طرح ممکن ہے۔

یاد رہے کہ اسلام ہمکو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کے انوار ہونے پر ہر حالت میں ایمان لائیں۔ … اور کسی وقت بھی اس کے بے پایان فضل و کرم سے ناامید نہ ہوں۔ بلکہ ہر دم یقین کریں۔ کہ اگر خدا تعالےٰ کے احسانات ہمارے شامل حال نہ ہوں تو ہماری زندگیاں تلخ ہو جائیں اور جینا ہمارے لئے دوبھر ہو جائے اور یہ کہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کرتا ہے اور اگر سچی توبہ کیجائے ہم فضل کی جاذب ہو تو ہمارے گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے وہ محبت سے پرکرنے کے قابل ہستی ہے جس کے مدنظر انسان کی اصلاح ہے اس کی ہلاکت نہیں پس جس وقت انسان اصلاح کی طرف جھکتا ہے اور اپنی غلطیوں پر نادم ہو کر اُسکے وہ کرم کی طرف توجہ کرتا ہے آسمان کے دروازے بھی اُسکے لئے کھلجاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ کی توجہ بھی اسکی اصلاح کی طرف منصرف ہو جاتی ہے پس مبارک

ہے وہ جو ان باتوں پر غور کرے اور فائدہ اٹھائے۔

برخلاف اس کے مسیحی اور آرین یہ خیال کرتے ہیں کہ پچھلے گناہ قطعاً معاف نہیں ہو سکتے جو ہو چکا سو ہو چکا۔ اب واپس نہیں لیا جا سکتا۔ اب اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ تو یہی طریق ہے کہ آئندہ کے لئے گناہوں سے بچے اور پچھلے گناہوں کی سزا کا منتظر رہے (مسیحی ایک طریق گناہوں کی سزا سے بچنے کو بتاتے ہیں مگر وہ اس جگہ کچھ تعلق نہیں رکھتا اسلئے انشاء اللہ آئندہ بیان ہوگی)

پس ہمارا اور دیگر مذاہب کا اس مسئلہ میں ایک عظیم الشان اختلاف ہے جس پر بحث کرنا ضروری ہے اور چونکہ گناہوں کی معافی کا تعلق خدا تعالیٰ کی صفات سے ہے اور ساری بحث کا دارو مدار اس پر آن رہتا ہے کہ آیا خدا تعالیٰ کی صفات یہ چاہتی ہیں کہ انسان کے گناہوں کو بروقت توبہ معاف کیا جائے۔ یا اُسے ضرور ہی سزا دی جائے اور باوجود اس کی ندامت اور پشیمانی کے اور آئندہ اصلاح پر آمادہ ہونیکے اسکو ہلاک کر کے چھوڑ جائے۔ اسلئے اولاً میں خدا تعالیٰ کی صفات پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

یاد رہے کہ یہی مسئلہ نہیں بلکہ جسقدر دیگر مسائل میں مذاہب کا اختلاف ہے وہ صرف خدا تعالیٰ کی صفات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے چنانچہ دنیا کے مذاہب پر نظر رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ کل مذاہب میں جب برائیاں پڑی ہیں اور طرح طرح کی بدعات داخل ہوئی ہیں تو اسکا اصل باعث یہی ہے کہ مرور زمانہ سے ان لوگوں میں خدا تعالیٰ کی کسی ایک صفت یا بہت سی صفات کے متعلق غلط فہمی ہو گئی جس کی وجہ سے انکے اعمال بھی بگڑتے بگڑتے کسی اور طرز پر آگئے مثلاً ایک فرقہ جو خدا تعالیٰ کی نسبت یہ خیال کرتا ہو کہ خدا تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کا علم ہوتا ہے اگر مرور زمانہ سے وہ خدا تعالیٰ کے علم کی صفت کے سمجھنے سے دھوکہ کھا جائے اور

مذاہب کی غلطیاں صفات باری کو نہ سمجھنے سے ہیں

اسلئے یہ خیال ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا ہی علم ہے اور جزئیات کا علم نہیں تو ضرور ہے کہ اس کے بہت سے عقائد ساتھ ہی بدل جائیں گے مثال کے طور پر انکو ماننا پڑیگا کہ قیامت کو انکے بہت سے گناہ خدا تعالیٰ کی نظر سے پوشیدہ ہونگی وجہ سے سزا سے بچ جائیں گے۔ اور وہ یہی خیال کرینگے کہ خدا تعالیٰ کو دھوکا بھی دیا جا سکتا ہے۔

غرض کہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت میں غلط فہمی ہو جانے کی وجہ سے ہی مذاہب دنیا میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور اگر سب مذاہب صفات الٰہیہ اور ان کے ظہور میں متفق ہوتے تو پھر کوئی اختلاف نہ ہوتا اور سب مذاہب ایک ہی بات کے ماننے والے ہوتے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سوائے بہت چھوٹے چھوٹے اختلافات کے سب مذاہب ایک ہی ہو جاتے مگر چونکہ صفات الٰہیہ کے سمجھنے اور ان کے ظہور کے طریق میں بہت کچھ اختلافات ہو گئے ہیں۔ اسلئے آپس میں اسقدر بعد واقعہ ہو گیا ہے کہ اگر ایک مذہب کو مانا جائے تو دوسرے کو ضرور ہی غلط کہنا پڑتا ہے۔ کیونکہ یا تو انہوں نے خدا تعالیٰ کی صفات میں کچھ کمی کر دی ہے یا زیادتی ورنہ اگر غور سے دیکھا جائے تو کیا ہندو یا آریہ یا مسیحی یا یہودی یا زرتشتی جان بوجھکر اپنے آپکو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اور دوزخ کو دیکھتے ہوئے اس میں کودنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں تو دہریت کو چھوڑ باقی کل مذاہب اس طاقتور ہستی سے تعلق پیدا کرنیکے لئے کوشاں ہیں اور مختلف طرق سے اور جائز اور ناجائز وسائل سے اسے خوش کرنے اور اپنے پر مہربان کرنیکے لئے لگے ہوئے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ اس کی صفات میں دھوکا کھایا ہے اور اسلئے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔

ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے چار آدمی ایک شہر کی تلاش میں نکلیں۔ اور ایک تو ٹھیک سیدھے راستہ پر چلا جائے اور باقی اپنی جلد بازی اور نافہمی کیوجہ سے

اصل جہت کو چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کریں اور ان میں سے کوئی شمال کو چلا جائے کوئی جنوب کو چلا جائے اور کوئی مشرق کو چلا جائے۔ پس اس میں شک نہیں کہ یہ سب اس شہر کی تلاش میں سرگرداں و کوشاں ہیں۔ لیکن یہ فرق ہو گیا ہے کہ ایک تو ان نشانات پر جو بتائے گئے تھے چلا جاتا ہے اور آخر منزل مقصود کو پہنچ بھی جائیگا مگر باقی تین نے اپنی طرف سے کچھ ایسی باتیں ان نشانات میں ملا لیں کہ اصل راستہ سے بھٹک کر کہیں کے کہیں چلے گئے۔ اور اگر اصل راستہ کی طرف نہ لوٹے تو ضرور ہے کہ اسی طرح چلتے چلتے مر جائیں گے اور منزل مقصود کو نہ پہنچیں گے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ انکو بھی اس شہر تک پہنچنے کی تڑپ ہے۔ اسی طرح موجودہ مذاہب میں سے سچے مذہب کو چھوڑ کر خواہ وہ کوئی مذہب ہو باقی سب مذاہب کے پیرو گو خدا تعالیٰ سے ملنے کی تڑپ رکھتے ہیں مگر وہ نشانات جو انکو اس کے ملنے کے لئے بتائے گئے تھے (یعنی اسکی صفات) ان میں انہوں نے ایسی خود ساختہ باتیں ملالی ہیں کہ اب وہ اصل راستے سے بھٹک کر کہیں کے کہیں نکل گئے ہیں اور ان آویزشوں کی وجہ سے جن میں آکر وہ بہ گئے ہیں زمین و آسمان کے خدا کو چھوڑ کر اپنے خیالات کے بموجب کچھ اور خدا تجویز کر کے انکے پیچھے لگ گئے ہیں اور انکی مثال ان بکریوں کی ہے کہ جنہوں نے رات کے وقت اپنے مالک کے قدموں پر چلنا ترک کر دیا اور ادہر ادہر ہو گئیں اب چور انکو لئے جاتا ہے اور وہ اس کے پیچھے لگ جاتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ وہ انکا مالک ہے مگر صبح سے پہلے وہ ان کو قصاب کے سپرد کریگا اور پھر انکو اپنا گھر دیکھنا نصیب نہ ہوگا

چنانچہ اس دھوکے میں پڑ کر کسی نے تو محبت کے جوش میں برہما، وشنو، شو۔ کرشن اور رامچندر کے بھیس میں اسے دیکھا اور کسی نے اس پاک ہستی کو ماہ۔ شیر مچھ کچھ کی شکل میں اعتقاد کیا کسی نے یسوع کے رنگ میں رنگین پایا۔

توکسی نے بدھ کی صورت میں جلوہ گر دنعوذ باللہ من ذالک) اور یہودیوں نے اگر موسیٰ کی معرفت سے انکار دیا تھا۔ تو زرتشتیوں نے زرتشت کی وساطت سے اس کی ملاقات کی خواہش کی گر سچی بات یہی ہے کہ وہ وراء الورا ہستی اس بات کی محتاج نہیں کہ کسی انسان کی صورت اختیار کرے اور یہ بات اس کی صفات کے بھی برخلاف ہے انکا دیدار اس کی صفات کی معرفت سے ہوتا ہے چنانچہ اس پیچیدہ مسئلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت خدا تعالیٰ نے ہم تک پہنچایا اور فرمایا کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ کہ اس کی مانند کوئی چیز نہیں کہ جس کے جیسیں ہیں وہ آ سکے اور دوسرے مقام پر فرمایا کہ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ یعنی یہ مادی آنکھیں اسکی کنہ تک نہیں پہونچ سکتیں ہاں وہ ان آنکھوں کی کنہ کو خوب پہنچتا ہے اور وہ بڑا لطیف اور خبیر ہے۔

پس ان سب بدعقائد کی جڑ صفات الٰہیہ سے بے خبری ہی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض نادان محبت کی وجہ سے بعض خدا نما لوگوں کو خدا ہی سمجھ بیٹھتے ہیں اور بعض مخلوقات الٰہیہ کو اسکا شریک قرار دیتے ہیں۔ اسی کی طرف قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ یعنی لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے پوری آگاہی حاصل نہیں کی اور نہ اسکی بڑائی کا پورا اندازہ کیا تحقیق اللہ قوی اور غالب ہے کیا سبب کہ لوگ بدعقلت میں پڑ گئے ہیں اور ایسے معبودوں کی طرف جھک گئے ہیں جو خود ضعیف ہیں اور کوئی طاقت اور قوت نہیں رکھتے اور نقصوں سے پاک نہیں ہیں بلکہ طرح طرح کے نقائص سے آلودہ ہیں ایسے لوگوں نے صفات الٰہیہ کا پوری طرح سے مطالعہ ہی نہیں کیا۔ اور بلا سوچے سمجھے من گھڑت صفات خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دی ہیں کہ جن کی وجہ سے اصل معبود سے دور جا پڑے

ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسئلہ نجات میں بھی مختلف اقوام نے دھوکہ کھایا ہے۔"

اسلام کی تعلیم سے ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاک ذات جس کی محبت میں لاکھوں نہیں کروڑوں روحیں بہہ رہی ہیں اور ہیں اور رہیں گی تمام نقائص سے پاک ہے اور کسی قسم کی اس میں کمی نہیں ہے بلکہ تمام نیک صفات کی وہ جامع ہے اور بالکل بے عیب ہے اور کوئی اعلیٰ صفت نہیں کہ جسکا ہونا اس ذات کیلئے ضروری ہو اور وہ اس میں نہ پائی جاتی ہو اور نہ کوئی ایسی صفت ہے کہ جس کے ہونے سے اس میں نقص لازم آتا ہو . . . . اور وہ اس میں پائی جاتی ہو۔

اور انسان کو اللہ تعالےٰ کی صفات سے آگاہ کرنیکے لئے قرآن شریف میں مختلف جگہ پر صفات الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے تا ایسا نہ ہو کہ اس مذہب کے پیرو کچھ مدت کے بعد خدا تعالیٰ کی صفات میں دھوکہ کھا جانے اور وہ سیدھے راستہ سے بھٹک جائیں اور نیکی کا طریق ان سے چھوٹ جاتے اور ضلالت اور گمراہی کی وجہ سے یہ لوگ خدا تعالےٰ کی طرف وہ صفات منسوب کریں کہ جو درحقیقت اس میں نہیں ہیں اور انکا ہونا اس کے لئے عیب کا موجب ہو اور ایسی صفات جن کے نہ پائے جانے سے اسمیں کمی لازم آتی ہو اور نقص وارد ہوتا ہو ان صفات کو اس سے جدا کریں اور اسکے نتیجہ میں اس حقیقی خدا کو چھوڑ کر مصنوعی خداؤں کے پیچھے لگجائیں پس قرآن شریف ہمکو بتاتا ہے کہ وہ خدا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور ان میں طرح طرح کے جانور پیدا کئے اور انسان کو بنایا۔ اور بادلوں سے پانی اتارا۔ اور آگ اور ہوا سے انسان کے فائدہ کی تکمیل کی وہ خدا بڑا طاقتور خدا ہے اور اس کے تمام فعل بالارادہ ہوتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہی اور جس کام کو وہ کرنا چاہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جس کام کو وہ روکنا

چاہیے اسے کوئی کرنیوالا نہیں

علاوہ اس کے قرآن شریف میں خداتعالےٰ نے ہمکو یہ بھی بتایا ہے۔ کہ انسان کی خلقت ہی ایسی رکھی اور قوتیں رکھی گئی ہے۔ جس سے وہ نیک بات اور بری بات میں فرق کر سکے۔ چنانچہ فرماتا ہے فطرت اللہ التی فطرالناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ ، ذالک الدین القیم و لکن اکثرالناس لا یعلمون ۔ یعنی اللہ کی طرف سے دی ہوئی فطرت وہی ہے جو اس نے اپنے بندوں میں رکھی ہے اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں چاہیے۔ یہ ایک دین ہے جو استوار ہے لیکن اکثر لوگ ناواقف ہوتے ہیں یعنی اللہ کی طرف سے انسان میں ایسی صفات رکھی گئی ہیں۔ کہ جن سے وہ ایک حد تک صفات الٰہیہ کا مظہر بن سکتا ہے اور ایسی ایسی صفات حسنہ اس میں ودیعت کی گئی ہیں کہ جن کی مدد سے وہ نیک و بد کو پرکھ سکتا ہے اور اس طرح سمجھ سکتا ہے کہ خداتعالیٰ کی طرف کن صفات کو منسوب کرنا جائز اور کن کو منسوب کرنا ناجائز ہے اور یہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ انسان میں بھی ایک حد تک الٰہی صفات کا رنگ دیا گیا ہے اور اسلئے جب نقطہ کے مطابق انسان الٰہی صفات کو پرکھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ فلاں فلاں صفات کا اللہ تعالےٰ سے جوڑ کرنا اور فلاں فلاں صفات کا اس کو منسوب کرنا برا ہے پس خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان میں وہی صفات ہیں کہ جو میری طرف سے اسے میری معرفت حاصل کرنے کے لئے دی گئی ہیں اور چونکہ میری خلق میں کوئی تبدیلی نہیں چاہیئے۔ اسلئے ایسا نہ ہو کہ تم خلاف فطرت ایسی صفات تجویز کرو۔ جو میری خلق کے خلاف ہیں۔ اور میں نے انکو پیدا کیا بلکہ ہمیشہ عقل و فطرت سے کام لیا کرو۔ اور ان دونوں کو اپنا رہنما بناؤ۔ اور جبتک تم ان انہیں تبدیل نہ کرو گے اسوقت تک تم راہ راست پر رہو گے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اسلام کو خشک

ہرگز نہیں کہ عقل سے بالا کوئی علوم نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ فطرت وعقل کے مطابق کل علوم ہونے چاہئیں اس کے خلاف نہ ہوں مثلاً کوئی شخص ہمکو آکر بتائے کہ زید امپور گیا ہے تو یہ بات ہماری عقل سے بالا ہے خلاف نہیں۔ کیونکہ ہمکو سماع سے معلوم ہوتی ہے خود عقل بغیر کسی کی اطلاع کے اسبات کو دریافت نہ کرسکتی تھی۔ مگر جب معتبر خبر ہمکو ملی۔ تو ہماری عقل نے کوئی وجہ اسکے رد کرنیکی نہیں پائی پس جہاں جہاں میں عقل وفطرت کو انسان کا رہنما بتلاؤنگا۔ میرا یہی مطلب ہوگا کہ جن باتوں کے وہ برخلاف نہ ہوں انکو قبول کرو خواہ وہ کسی ذریعہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوں؛

پس خدا تعالیٰ اس آیت میں ہمکو بتاتا ہے کہ فطرت انسانی تو ہماری ہی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور اس میں ہم نے اپنے صفات کا پرتو ڈالا ہے پس اس میں تبدیلی مت کرو۔ اور اسکو اپنا رہنما بناؤ۔ اور جب تک تم اس اصول پر چلتے رہوگے اور اس راہ کو نہ چھوڑوگے تو تم سیدھی راہ پر ہوگے اور ہماری صفات کے سمجھنے میں دھوکہ نہ کھاؤگے۔ چنانچہ فرماتا ہے ذٰلک الدین القیم یعنی یہ دین کہ اس طرح فطرت کے مطابق ہمکو چلاتا ہے اور وہ اصول ہمکو بتاتا ہے جو فطرت کے برخلاف نہ ہوں وہی سچا ہے اور باقی سب مذاہب جھوٹے ہیں۔ اور غلطی پر ہیں۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ کی حقیقت کو ہی نہیں سمجھا اور وہ سیدھے راستے سے دور جا پڑے ہیں اور کیونکہ ان کی بات بے ثبوت ہے اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ جس سے وہ اپنے دعوے کو ثابت کرسکیں اور یہ ایک ایسا اصول ہے کہ جسکو اکثر لوگ نہیں جانتے؛

پس قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ایک حد تک انسان کو اپنے صفات کا مظہر بناتا ہے اور جو لائقیں کہ خدا تعالیٰ میں ہیں۔ ایک حد تک

انسان پر اسکا برتر ہوتا ہے چنانچہ اس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ تخلقوا باخلاق اللّٰہ یعنی اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے آپکو مظہر بناؤ۔ اور وہ صفات حسنہ جو خدا تعالیٰ نے تم میں ودیعت کی ہیں۔ انکو ترک مت کرو۔ اور ان سے غافل مت ہو۔ بلکہ ان میں ترقی دو۔ اور اپنے آپکو کامل مظہر بناؤ۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اور بھی تشریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ جب مومن اپنے آپکو خدا تعالیٰ کے بالکل سپرد کر دیتا ہے۔ تو اسوقت خدا تعالیٰ اس کے ہاتھ ہوجاتا ہے جن سے وہ پکڑتا ہے اور زبان ہوجاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور پاؤں ہوجاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ انسان ایسا اپنی فطرت پر پکا ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی قسم تبدیلی بھی جائز نہیں رکھتا۔ اسلئے چونکہ انسانی فطرت میں الٰہی صفات رکھی گئی ہیں اور اس کی کل حرکات فطرت کے مطابق ہوجاتی ہیں تو اسوقت گویا اسکا ہر ایک فعل خدا کا ہی فعل ہوجاتا ہے اور ایسا انسان خدا تعالیٰ کا محبوب بنجاتا ہے۔

پس اسلام نے سچے مذہب کی یہ نشانی بتائی ہے کہ وہ فطرت کے مطابق ہو اس کے برخلاف نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب نہ کرتا ہو۔ جو خلاف فطرت ہوں بلکہ ایسی صفات کو منسوب کرتا ہو جو عین فطرت کے مطابق ہوں اور مشاہدہ بھی انکی تائید کرتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں ایسی صفات رکھی ہیں کہ جن سے انسان فیصلہ کر سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف کونسی صفت منسوب کر سکتے ہیں اور کونسی نہیں۔

اسلئے مجھکو کوئی بڑے دلائل دینے کی بھی ضرورت نہیں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر انسانی فطرت میں ایسی طاقت نہ ہوتی تو وہ خدا کی صفات کو سمجھ

ہو نہ سکتا کیونکہ جو طاقت ایک چیز میں مخلوق ہی نہیں تو وہ اس قسم کا کام نہیں دے سکتی۔ مثلاً یہ کہ طوطے میں بولنے کی طاقت ہے جب ہم اسکو بولنا سکھاتے ہیں تو وہ بولنے لگتا ہے لیکن چونکہ بیل میں بولنے کی طاقت نہیں ہم اسکو کوشش کریں وہ کبھی نہیں بولیگا کیونکہ اس میں وہ مادہ ہی نہیں۔ کہا گیا یا یہ کہ اونٹ کو پر نہیں دئے گئے اور اسمیں اڑنے کی طاقت نہیں رکھی گئی۔ اب اگر ہم اس سے کہیں کہ تو اڑ اور ہوا پر خود کو اڑتا ہوا دیکھے لیکن نہ تو اسکی توجہ ہی اس طرف جا سکتی ہے اور نہ وہ اڑ ہی سکتا ہے اسی طرح کل جانور جنکو انسان کی طرح ترقی کی طاقت نہیں دیگئی۔ اگر یہ ان کو سمجھانا چاہیں کہ دنیا کے لئے ہر وقت ترقی کی فکر میں لگا رہنا ضروری ہوتا ہے اور ایجادات سے اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا اسکا فرض ہوتا ہے تو وہ اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ کیونکہ انمیں یہ طاقت ہی نہیں رکھی گئی انسان کو دیکھو کہ کہاں سے کہاں ترقی کر کے آگیا ہے مگر جانور جس طرح آج سے دو ہزار یا تین ہزار یا چار ہزار سال پہلے تھا اسی طرح آجکل بھی ہے یعنی جس طرح مکھی آج سے ہزاروں سال پہلے شہد تیار کیا کرتی تھی۔ اسی طرح اب بھی کرتی ہے یہ نہیں کہ انسان کی طرح نئی نئی ایجادیں کرتی رہے۔ مگر آج سے دو ہزار سال پہلے اگر انسان رتھوں پر سوار ہوتا تھا اور اسکے بعد چنڈول اور بہلیں اور سکھپال وغیرہ سواریاں نکل آئیں پھر اور ترقی کی تو گھوڑے گاڑیاں ایجاد ہوئیں۔ اور پھر انمیں مختلف قسم کی کثرت ہوتی رہی اور وہاں سے انسان نے ترقی کی تو ریل ایجاد کی اور پہلے اگر دس میل فی گھنٹہ رفتار تھی تو پھر پندرہ میل اور رفتہ رفتہ ایک سو دس میل تک لے آیا اور سٹیم سے ترقی کی تو برقی طاقت سے کام لینے لگا اور اس سے بھی بڑھا تو ہوائی جہاز تیار کئے۔ مگر کسی نے شہد کی مکھی کے طریق میں اور ریشم کے کیڑے نے کپڑے کے بنانے میں اس عرصہ میں نئی نئی ایجادیں نہیں کیں جس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں یہ طاقت ہی نہیں رکھی گئی۔

اگر ہم کسی جانور کو فلسفہ کے مسائل بجھاتے رہیں تو کیا سمجھا سکتے ہیں کبھی نہیں کیونکہ اس میں وہ مادہ ہی نہیں۔

پس جب تجربہ ہمکو بتاتا ہے کہ جو طاقت کسی چیز میں نہ ہو وہ اس سے کام نہیں لے سکتی تو پھر کسطرح ممکن ہے کہ اگر انسان میں ان صفات کا پرتو نہ ڈالا گیا ہو جو خدا تعالیٰ میں ہیں تو پھر بھی وہ اسکی صفات کو سمجھ سکے خدا تعالیٰ کو ملنے کا ایک ہی طریق ہے۔ اور وہ اسکی صفات کا کامل علم ہے پس جب انسان ان صفات کا علم ہی نہیں حاصل کر سکیگا۔ تو وہ انکا عرفان کیونکر حاصل کریگا۔ پس الٰہی گیان یا عرفان کو حاصل کرنیکے لئے ضروری ہے کہ انسان میں الٰہی صفات کا جلوہ موجود ہو اور یہی مطلب ہے۔ ان آیات و احادیث کا جو میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ انسان میں الٰہی صفات کا پرتو ایک حد تک ڈالا گیا ہے۔ اور اسکی فطرت اس طرح نیک بنائی گئی ہے کہ اگر وہ اس سے کام لے تو وہ ضرور خدا تعالیٰ کی صفات کو سمجھ سکتا ہے پس معلوم ہوا۔ کہ الٰہی صفات کے سمجھنے کا ایک ہی طریق ہے کہ انسان فطرت انسانی کو دیکھے اور پھر ہر ایک مذہب کی بتائی ہوئی صفات کو اس کسوٹی پر پرکھے۔ تو اسے معلوم ہو جائیگا۔ کہ کونسا مذہب سچا ہے اور فطرت کے مطابق ہے اور کونسا جھوٹا اور فطرت کے برخلاف۔ پس اب میں اسلام کا دعویٰ مشاہدات کے دلائل سے ثابت کر آیا ہوں کہ انسان میں الٰہی صفات کا ضرور ایک حد تک جلوہ ہونا چاہیئے۔ تا کہ انسان الٰہی صفات کو سمجھنے کے لائق ہو اور اگر اس میں وہ صفات نہ رکھے جاتے۔ تو وہ ایک جانور کی طرح جو فلسفہ کے مسائل ہزار برس پڑھانے پر بھی نہیں پڑھ سکتا۔ الٰہی صفات کے سمجھنے کے ناقابل ہوتا۔

پس اب مذاہب کے دعاوی کے پرکھنے کے لئے ہمارے لئے ایک بہت آسان راہ نکل آئی کہ اگر کسی مذہب کا دعوےٰ عقل انسانی اور فطرت کے خلاف ہو

اور متعارض ہو تو وہ غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ جب ہماری فطرتیں آلہی صفات کا جلوہ گاہ ہیں تو جو بات ہماری فطرتوں کے برخلاف اور صریح متعارض ہے ضروری ہے کہ وہ آلہی صفات کے بھی برخلاف اور متعارض ہو۔ اسلئے اگر کوئی مذہب خدا کی طرف کوئی ایسی صفت منسوب کرے۔ کہ جو ہماری فطرتوں کے برخلاف اور متعارض ہے۔ تو ہم فوراً سمجھ لیں گے کہ یہ صفت خدا تعالیٰ کی طرف منسوب بالکل ناجائز اور منع ہے۔

اب جبکہ یہ طے ہوگیا کہ کل مذاہب کی بتائی ہوئی آلہی صفات کو مد نظر رکھکر ہم دیکھیں گے کہ انسانی خلقت کس طرح واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی فطرت میں ایسی صفات ہیں کہ جنکو وہ فطرتاً نیک کہتا ہے اور بعض ایسے فعل ان سے سرزد ہوتے ہیں کہ انکو وہ فطرتاً برا کہتا ہے چنانچہ پھر تجربہ اور مشاہدہ اسپر گواہی دیتا ہے کہ واقعی یہ فعل نیک ثمرات کا دینے والا اور یہ فعل برے نتائج کا پیدا کرنے والا ہے۔ مثلاً جب ایک انسان دوسرے سے محبت اور اخلاص سے پیش آتا ہے اور کشادہ پیشانی سے ملاقات کرتا ہے تو دوسرے کے دل میں فطرتاً اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی بہتری کا خیال اس کے دل میں جاگزین ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر برخلاف اس کے کوئی شخص دوسرے سے کج خلقی سے پیش آتا ہے اور اخلاق حمیدہ کو ترک کر دیتا ہے اور انسانیت کو چھوڑ کر درندگی کا رنگ اختیار کرتا ہے تو لوگ اس سے کنارہ کرتے ہیں اور الگ ہو جاتے ہیں۔ اور انکی صحبت کو ترک کر دیتے ہیں اور اس سے جدائی اختیار کر لیتے اور اسکی عزت لوگوں کے دلوں سے اٹھجاتی ہے اور اسکی بجائے نفرت گھر کر لیتی ہے اور تمام علاقہ میں اسکی شکایات کی آواز بلند ہو جاتی ہو اور وہ لوگوں میں انگشت نما ہو جاتا ہے۔

پس غور کرو کہ اس بد اخلاق انسان کی محبت اور اس کے اخلاق کی نفرت کی کیا وجہ ہے اور کیوں اس کے ساتھ لوگوں نے تعلقات کو بڑھایا۔ اور اس سے علیحدگی اختیار کی۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ اس نے تو فطرت انسانی کے جذبات کو محفوظ رکھا اور اس نے فطرت کو بدل دیا۔

پھر اسی طرح ایک شخص جو بڑا سچا ہے اور سچ کی وجہ سے خواہ اس کا نقصان بھی ہو جائے۔ وہ اسے ترک نہیں کرتا۔ اور جھوٹ کے قریب نہیں جاتا۔ اس کی بات پر تمام لوگ اعتبار کرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے اسکا انکار نہیں کیا جاتا۔ اور اس کی شہادتوں کی تصدیق کیجاتی ہے اور اسکو جھٹلانیوالا خود جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے برخلاف وہ شخص جو اپنی فطرت کو مٹاتا ہے اور جھوٹ کی نجاست کو استعمال کرتا ہے۔ اور سچ کے بولنے کے پاک طریق کو چھوڑ دیتا ہے اسکا اعتبار اُٹھ جاتا ہے اور غیر تو غیر خود اسکے یار و غمگسار تک اس کی باتوں کو خلاف واقع سمجھتے ہیں۔ اور اس کی بات کا انکار کرنا برا نہیں بلکہ وہ دانشمندی سمجھا جاتا ہے اور اسکی رسوائی چاروں طرف پھیلائی ہے۔ اسی طرح تمام نیک صفات کا نتیجہ نیک نکلتا ہے جسکی سے مثال کا تجربہ ہو اور یہ ایک ایسا امر اور ایسی کسوٹی ہے کہ جس پر انسان اپنی صفات کو پرکھ سکتا ہے اور اس طرح اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعی وہ صفات جو فطرتاً نیک معلوم ہوتی ہیں وہ ہیں بھی نیک اور یہ کہ جو صفات فطرتاً بد معلوم ہوتی ہیں اس کے نتائج بھی بد نکلتے ہیں پس فطرت کے پرکھنے کے لئے ایک تجربہ بھی انسان کو دیا گیا ہے۔ کہ جس سے انسان اپنی فطرت کو پرکھتا رہتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ضمیر ہے۔ کہ جو اس کی مددگار بنی ہوئی ہے اور اسکو آگاہ کرتی رہتی ہے کہ اسکا کونسا کام فطرت کے مطابق ہے۔ اور کونسا برخلاف فطرت۔ پس جب انسان فطرت سے کام لیتا ہے۔ تو اُسے کوئی دقت نہیں ہوتی اور جب

وہ فطرت کے برخلاف کام کرتا ہے تو فوراً اسکو ملامت شروع ہو جاتی ہے اور اگر ایک وقت تک فطرت کے برخلاف کام کرنے سے دل پر ایک زنگ لگجاتا ہے اور فطرت انسانی مسخ ہو جاتی ہے۔ اور اس آئینہ کی طرح ہو جاتی ہے۔ کہ جو زنگ کی کثرت کیوجہ سے عکس قبول نہیں کرتا۔ اور اپنی اصلی حالت کو چھوڑ دیتا ہے

مگر پھر بھی ایسے انسان کسی نہ کسی وقت فطرت کے مطابق بول ہی اُٹھتے ہیں ایک چور اپنے گروہ میں چوری کو بُرا سمجھتا ہے ایک ٹھگ اپنے گروہ میں ٹھگی کو مکروہ خیال کرتا ہے۔ کنجر تک اپنی بیوی سے پیشہ نہیں کراتے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ فطرت کہیں نہ کہیں سے اپنا راستہ تلاش کر ہی لیتی ہے۔ علاوہ ازیں کنجریوں میں ایک حد تک اتقاء کا خیال ہوتا ہے جس سے انسان کو اس کی فطرت پر آگاہی ہوتی رہتی ہے۔ غرض کہ فطرت انسانی کو جب ہم دیکھتے ہیں تو بعض صفات کو وہ نیک خیال کرتی ہے۔ اور بعض کو مکروہ۔ پس اس فطرت سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کونسی صفت خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنی نیک ہے اور کونسی بری۔ جو صفات کہ انسان کے تقدس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور وہ اس کے نقائص کو دور کرنیکے لیئے نہیں ہیں وہ تو خدا تعالیٰ کی طرف انسان منسوب کرتا ہے۔ اور جو صفات کہ بری ہوں یا نقائص پر دلالت کرتی ہوں تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیجاتیں۔ پس اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان میں رحم کا مادہ ہے اور یہ ایک نیک صفت یقین کیگئی ہے اور اس کے برخلاف جس انسان نے رحم کے برخلاف کام کیا ہو وہ خود لوگوں کی نظر میں گر جاتا ہے فطرت انسانی کو مشاہدہ کر کے دیکھ لو۔ کہ یہ شروع سے ہی رحم کی محتاج چلی آئی ہے۔ چنانچہ اگر والدین کی طبیعت میں رحم کا مادہ نہ ہو تو پھر کس طرح ممکن ہے۔ کہ بچہ بڑھ سکے۔ بچہ تو پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جائیگا۔ اور ایکدن بھی زندہ نہ رہ سکیگا۔ پس جبکہ والدین جو صرف بچہ سے ایک عارضی تعلق رکھتے ہیں۔ اور

ہیں کہ اس دنیا میں انکے وسیلہ ہی سے ٹھہرے ہیں اور انکے پیدا کرنے میں خود انکی
کوششیں کوئی دخل نہیں رکھتیں اس قدر سے تعلق کو جب اپنے بچّہ پر اس قدر
رحم کرتے دیکھتے ہیں جو کہ محبت بلکہ عشق کے نام سے موسوم ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ جو
کہ اصل خالق اور مالک ہے کیا رحم نہ کریگا۔ غرض کہ انسان بچپن سے ہی رحم کا محتاج
ہے۔ والدین جب تک اسپر رحم نہ کریں وہ ایک دم بھی گزارہ نہیں کر سکتا۔ پھر آگے
چل کر ہم دیکھتے ہیں تو بچوں کے نسبت سے قصوروں پر نظر انداز ہی کیجاتی ہے
اسکی وجہ یہ ہے کہ بے علم بچہ ہے انکو کیا سزا دینی ہے چنانچہ بچوں کو سزا دینے والے
سخت بے رحم اور ظالم تصور کئے جاتے ہیں اور اپنے بچے تو الگ رہے دوسرے کے
بچوں کو سزا ملتے ہوئے دیکھکر بھی انسانی فطرت جوش میں آجاتی ہے اور خود سفارشیں
شروع ہو جاتی ہیں کہ بے علم معصوم بچہ ہے اسکو سزا کیوں۔ یہ تو بچہ اسی سبب
اسلئے کہ وہ ناقص ہے اور اسکا علم اپنے کمال کو نہیں پہونچا۔ اسی طرح جب انسان
بڑا ہوتا ہے۔ تو پھر اسوقت یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جوان آدمی ہے۔ نادانی کی وجہ
سے جوش جوانی میں ایسا کام کر بیٹھا۔ اور اسکے لئے بھی ایک راہ رحم کرنیکی نکال لی
جاتی ہے اور جب وہ ذرا بڈھا ہو جاوے تو پھر کہا جاتا ہے ضعیف آدمی ہے سزا کے قابل
نہیں معافی بہتر ہے۔ غرض کہ فطرت انسانی ہر وقت رحم کی ملتجی رہتی ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں رحم کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور وہ ہر
وقت اپنے اوپر رحم چاہتا ہے اور دوسرے کیلئے بھی رحم کی درخواست کرتا ہے
مثلاً جو شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا۔ اور انکے قصوروں اور خطاؤں کو نہیں بخشتا۔ وہ
اپنے ہم جنسوں کی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے اور اوچھا کہلاتا ہے۔ اور یہ صفت
انسانوں میں ہی نہیں بلکہ حیوانوں میں بھی بعض دفعہ نظر آتی ہے۔ غرضیکہ احسان و
مغفرت انسانی سرشت میں ہے اور بنی نوع انسان روز ایکدوسرے کے گناہوں پر

چشم پوشی کرتے رہتے ہیں۔ ہاں اسپر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ بعض دفعہ رحمت
یعنی مغفرت کرنے سے اور مجرم پر رحم کرنے سے برائی اور بڑھ جاتی ہے تو یاد رہے کہ
اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان عالم الغیب تو ہے ہی نہیں بعض دفعہ اپنے فیصلہ میں
غلطی کرتا ہے اور جہاں مغفرت مناسب ہوتی ہے وہاں رحم کر بیٹھتا ہے تو اسکا
نتیجہ بھی برا پیدا ہوتا ہے اس صفت رحم پر کچھ اعتراض نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو اسکو بخلاف
فطرت استعمال کرنیکی وجہ سے ہوتا ہے۔ جیسے کہ ایک دوائی جو خواہ کیسی ہی مفید ہو
اور کیسی ہی قیمتی اور لاثانی ہو اگر کسی ایسے مریض کو دیجائے کہ جس کیلئے وہ مضر ہے۔ تو
ضرور نقصان کریگی۔ لیکن اس سے اس دوائی پر کوئی اعتراض نہیں پڑیگا کیونکہ اگر اسے
مثلاً کونین ایک بڑی مقدار میں ایک حاملہ عورت کو دیدی جائے تو وہ اسے نقصان
کرتی ہے مگر اس سے کونین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو تشخیص کرنیوالے
کی غلطی ہے کہ اس نے مریض کی حالت کو نہ دیکھا پس اگر رحم کو بے موقعہ استعمال
کرنے پر اسکا کوئی برا نتیجہ نکلے تو تشخیص کا نقص ہے نہ کہ رحم کا کیونکہ رحم تو ہر حال ایک
صفت ہے ہاں جب اُسے غیر محل استعمال کیا جائیگا تو ضرور اس سے نقصان ہوگا
بس اس قسم کے نقصانوں سے خود رحم پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور وہ بہر حال ایک
عمدہ صفت ہے غرض کہ ہم دیکھتے ہیں کہ رحم انسانی سرشت میں ازل سے پڑا ہوا
ہے۔ اور رحم نہ کرنیوالا اگر ظالم نہیں تو بخیل ضرور خیال کیا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے ہر
ایک روحانی بات کا ایک پہلو اس دنیا میں بھی دکھایا ہے تاکہ انسان اسکو دیکھکر سمجھ لے
کہ اسی طرح وہ روحانی بھی ہوگا۔ اسی کے مطابق اپنے کاموں میں ہم دیکھتے ہیں کہ رحم کی صفت
جب تک عمل نہ کیا جاوے تو ہمارے اخلاق ہی کامل حاصل نہیں کرتے چنانچہ عدل
خود بھی ایک عمدہ صفت ہے جو رحم کے ماتحت ہے یعنی جبکہ ہم کسیکو اسکا پورا بدلہ دیں
تو وہ عدل کہلاتا ہے اور جب ہم اُسے زیادہ دیں۔ تو وہ احسان یا رحم کہلاتا ہے جیسے کہ ایک

مزدور جو سارا دن کام کرتا رہا اور شام کو اُسے آٹھ آنے مزدوری ملنی ہے اگر ہم اُسے ایک روپیہ دیدیں تو یہ ہمارا رحم ہے اور احسان ہے اور اس فعل سے ہماری دنیا میں ہتک ہی نہیں ہوگی بلکہ شہرت ہوگی اور ہماری نیکی کی لوگ تعریف کرینگے۔ یا ایک قرضدار جس نے ہمارا کچھ روپیہ دینا ہے۔ اگر ہم اس سے پورا روپیہ وصول کریں تو یہ ہمارا عدل ہوگا اور کوئی ہم پر اعتراض نہ کریگا۔ کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ لیکن اگر ہم اسکو روپیہ بخشدیں بلکہ اسکی تنگدستی پر خیال کرکے اسکو اور کچھ دیدیں تو یہ ہمارا رحم ہوگا اور اسپر ہم بدنام نہیں نیک نام ہونگے اور خود اس شخص کے دل میں جو ہمارا ممنون ہے۔ ہماری عزت اور محبت پیدا ہو جائیگی۔

جیسا کہ قرآن شریف نے بھی اس مسئلہ کو خوب وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (پ ۲۵ ع ۵)۔ یعنی اس بات کی خدا تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ جس نے جسقدر بدی تم سے کی ہے اسی قدر اسکو سزا دے لو۔ لیکن اگر کوئی اصلاح سمجھکر معاف کردے تو وہ عند اللہ ماجور ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی درگاہ میں انعام کا مستحق ہوگا اس پر خیال رہے کہ خدا تعالیٰ ظالمین کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی نہ انکو جنہوں نے ظلم کیا اور نہ انکو جنہوں نے اصلاح عفو میں دیکھکر پھر بھی سزا دی اور نہ انکو جنہوں نے بیجا عفو سے کام لیا اور عفو سے دنیا میں اور بھی فساد پیدا کیا۔ پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عفو اور رحم عدل سے زیادہ عمدہ صفتیں ہیں اور اس سے اعلیٰ وجہ پر یہ اعتقاد و تجربہ ہمکو بتاتا ہے کہ جب ہم عدل کرتے ہیں تو اسکے لئے ہم ویسے مشکور نہیں ہوتے جیسا کہ رحم کرتے۔ مثلاً ایک مزدور کو اس کی پوری مزدوری دیکر ہم شکریہ کے مستحق نہیں ہوتے اور جب ہم اسکو کچھ انعام بھی دیدیں تو اسوقت وہ دل سے ہمارا شکریہ ادا کرتا ہے اور دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی ہم قابل تحسین ٹھیرتے ہیں۔ پھر جبکہ ایک شخص ہمکو گالیاں دیتا ہے یا مارتا ہے تو اگر ہم اسوقت عفو میں اصلاح دیکھ

اسکو معاف کر دیں جس سے آیندہ اسکو نصیحت ہو جائے تو یہ ہمارا عیب نہیں سمجھا جائیگا۔ بلکہ ایک خوبی ہوگی اور لوگ بجائے اس کے کہ ہمکو ظالم کہیں۔ کہ ہمنے عدل نہیں کیا کہ مزدور کو بجائے آٹھ آنیکے سو پیہ دیدیا۔ اور قرضخواہ کو معاف کر دیا اور ہمکو تکلیف دینے والیکو بغیر تکلیف کے چھوڑ دیا۔ بلکہ لوگ ہماری تعریف کرینگے اور ہمکو عادل قرار دینگے۔ اور بجائے نقص کے فعل ہماری خوبی سمجھی جائیگی۔ غرضیکہ انسان میں رحم کا مادہ ہے ...... اور عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اور عدل سے بہت بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اور جب سے تم ذکر نیوالا کامل تصور کیا جاتا ہے پس جبکہ اس خوبی کو اپنے اندر دیکھتے اور روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو پھر ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس خوبی سے محروم ہے اور اس کی صفات میں رحم کا کوئی مادہ نہیں۔ پس انسانی مشاہدہ بتاتا ہے اور روز روشن کی طرح ظاہر کر دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ میں رحم کی صفت ضرور ہے ورنہ وہ ناقص ہوگا۔ اور ناقص ذات اپنے اندر آپ قائم نہیں رہ سکتی اور اس طرح خدا تعالے کے وجود سے ہی انکار کرنا پڑیگا۔ اور دہریت کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا کم سے کم یہ ماننا پڑیگا کہ جو نیک صفات ہم میں ہیں وہ خدا تعالے میں نہیں اور بعض نیکیاں ایسی بھی ہیں کہ جن میں ہم خدا سے بڑھ گئے ہیں۔ اور یہ ایک سخت کفر اور شرک کا کلمہ ہے کہ جو ایک نیک آدمی کبھی بھی اپنی زبان پر نہیں لا سکتا۔ غرض کہ اب میں ثابت کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اپنی ذات کے سمجھانیکے لیے ہم میں اپنی صفات کا ایک پرتو رکھا ہے جس سے کہ ہم نیکی اور بدی کو پہچان سکتے ہیں۔ اور اندازہ کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف کونسی صفت کو منسوب کرنا خلاف شان ہے۔ اور کونسی صفت کا اس سے الگ کرنا اس کے نقص پر دلیل ہے چنانچہ قرآن شریف سے پہلے اسکا ثبوت دیا ہے اور پھر پہلے بتایا ہے کہ رحم کی صفت انسان میں ہے اور وہ عدل سے بڑھکر سمجھی جاتی ہے

اور اگر وہ نہ ہوتی تو دنیا کا کارخانہ ہی اُلٹ جائے۔ اور پھر قرآن شریف سے میں نے اس مسئلہ کو بھی نکال کر بتایا ہے۔ کہ اسلام بھی اسی کا قائل ہے چنانچہ جب یہ ثابت ہو چکا۔ تو معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ میں بھی رحم کا مادہ ہے اور وہ چونکہ عدل سے بالا ہے اور اعلیٰ مرتبہ ہے اسلئے خدا تعالےٰ نے اپنی گوناگوں حکمتوں سے کام لیکر اس صفت کو بھی استعمال کرتا ہے۔ اور میرا اس مسئلہ کو یہاں لکھنا اس باعث سے ہے کہ اس مسئلہ کے حل ہونے سے نجات کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

اسلام کے سوا اور دوسرے مذاہب نے عدل اور رحم میں فرق محسوس نہ کرنے میں نجات کے معاملہ میں غلطی کھائی ہے۔ اور اگر وہ خدا تعالیٰ کی ان صفات میں ٹھوکر نہ کھاتے تو کبھی بھی نجات کے معاملہ میں انکو غلطی نہ ہوتی۔

اب میں اسلام کی نجات کو بتاتا ہوں کہ وہ کیسی انسانی نجات کو قوانین فطرت کے مطابق قرار دیتی ہے ہمارا رب کہ خدا تعالےٰ ہمکو بتاتا ہے کہ میں رحمٰن ہوں میں رحیم ہوں۔ اگر تم گنہگار ہو اور جہل اور کم علمی سے یا معرفت کی کمی سے تمہارے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے۔ اور تمہاری عمر گناہوں کے کیڑے نے گھن لگو دیا۔ اور تم ایک عرصہ تک اپنی ماں کی چھاتیوں سے جدا رہے ہو اور معنوی بیماریوں کو جو روحانیت کو نقصان پہنچاتے ہیں اور بھوک سے وہ نہیں ہوتی۔ پرستے رہے ہو اور ان دشوار گزار راہوں میں پڑے رہے ہو جو انسان کو صراط مستقیم سے دور پھینک دیتی ہیں۔ اور اس بچھڑے کی طرح جو اپنی ماں کو بھول کر ایک معنوی کوے کے پیچھے گھانے کہ جس کے اندر سوائے جنس کے اور کچھ نہیں۔ میری ہی پرستش کو چھوڑ کر ہوا و ہوس کے غلام بنے رہے ہو۔ تو آؤ میں تمہارے گناہ بخشدونگا۔ اور جیسے ماں اپنے بچھڑے ہوئے بچے کو جو ایک مدت تک آوارہ رہا ہو اور پھر اپنی آوارگی پر پشیمان ہو کر اپنی ماں کے گھر میں رہنے کے لیے آیا ہو

اپنے کلیجہ سے لگا لیتی ہے ویسے میں تمہاری کل خطاؤں کو بھلا دونگا۔ اور نئے سرے سے تم سے مہربانہ ہونگا۔ اور تمہاری کل کمزوریوں کو نظر انداز کر دونگا اور تمہارے گناہوں کو میٹ دونگا۔ اور تمہاری بدیوں کو پوشیدہ کر دونگا۔ اور تمہیں وہ کچھ دونگا۔ کہ جس کا گمان تک بھی تمہیں نہ ہو۔

چنانچہ فرماتا ہے کہ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ پ ۲۴ ۔ یعنی اے میرے بندو! کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اور گناہوں میں ڈوب گئے اور خطاؤں میں غرق ہو گئے۔ ہر وقت ظلم و تعدی میں لگے رہے جو اے مضمون نے خدا کی راہ بھلا کر اور راہ اختیار کر لی ہے اور اس مہربان اور سچے محبوب کو چھوڑ کر اور اشیاء سے دل لگایا ہے اور حقیقت کی بجائے جھوٹ کو پسند کیا ہے اور خالق کی جگہ مخلوق کو چن لیا ہے۔ اور نیکی کو ترک کر کے بدی کو لے لیا ہے نا امید مت ہو اور میری درگاہ سے مایوسی مت کرو۔ کیونکہ میں تو سب گناہوں کو معاف کر دیا کرتا ہوں اور ہر ایک قسم کی خطاؤں سے درگذر کرتا ہوں اور بڑا مہربان ہوں تم گھبرائے کیوں ہو اور اداس کیوں ہوتے ہو جس وقت تم کو سمجھ آئے۔ اور تم معلوم کر لو کہ اصل نیکی کی راہ کونسی ہے اور سلامتی کس طریق میں ہے اور ہدایت کا راستہ کونسا ہے اور نیکی اور تقویٰ کیا ہے۔ اور بدی میں کون کون سے نقائص ہیں اور گناہوں سے کیا نقصان ہے۔ تمہارے دل نیکی کی طرف جھکجائیں۔ اور تم کو سچائی کی رغبت ہو جائے اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے تم بے چین ہو جاؤ تو اس وقت میری طرف جھکو۔ اور اپنے آپ کو ناامید مت کرو۔ یعنی بلکہ مجھکو جھکجاؤ تم پہلی زندگی کو بھلا دو۔ اور آئندہ کے لئے بہتری کا ارادہ کر لو اور یاد رکھو کہ میں تمہارا ہوں

بقیہ رسیدات زر ماہ جنوری ۱۹۱۱ء

میاں مولا بخش صاحب	[illegible]	محمد الدین صاحب	[illegible]	میاں غلام رسول صاحب	[illegible]
چوہدری گل محمد صاحب	[illegible]	میاں فضل الٰہی ملازمت	[illegible]	میاں منظور علی [illegible]	[illegible]
میاں نور محمد صاحب	[illegible]	سید محمد صاحب [illegible]	[illegible]	آغا محمد صاحب	[illegible]
بابو برکت علی صاحب	[illegible]	عبدالعزیز صاحب	[illegible]	عبدالعزیز صاحب [illegible]	[illegible]
میاں نیاز احمد صاحب	[illegible]	عبدالرحمن [illegible]	[illegible]	نصیر الدین صاحب	[illegible]
میاں عبدالکریم صاحب	[illegible]	منشی محمد یاسین صاحب	[illegible]	شیخ محمد صاحب	[illegible]
میاں فضل حق صاحب	[illegible]	حکیم محمد صادق صاحب	[illegible]	[illegible]	[illegible]
شیخ محمد حسین صاحب	[illegible]	[illegible] شیخ محمد صاحب [illegible]	[illegible]	عبدالرحمن صاحب	[illegible]
سید عبدالحق صاحب	[illegible]	ماسٹر محمد الدین صاحب	[illegible]	منشی علم الدین صاحب	[illegible]
چوہدری سردار خان صاحب	[illegible]	شیخ [illegible]	[illegible]	منشی [illegible]	[illegible]
منشی غلام حید صاحب	[illegible]	مرزا [illegible]	[illegible]	حافظ محمد حسین صاحب	[illegible]
منشی تاج الدین	[illegible]	حافظ شیخ محمد صاحب	[illegible]	خواجہ [illegible] صاحب	[illegible]
حکیم محمد حسین صاحب	[illegible]	محمد [illegible]	[illegible]	بابو [illegible] محمد صاحب	[illegible]
[illegible] حسین صاحب	[illegible]	منشی گلاب دین صاحب	[illegible]	بابو غلام محمد صاحب	[illegible]
منشی محمد لطیف صاحب	[illegible]	مولوی [illegible] صاحب	[illegible]	منشی محمد سلطان صاحب	[illegible]
میاں کرم بخش صاحب	[illegible]	حکیم فضل الٰہی صاحب [illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
محمد [illegible] صاحب	[illegible]	میاں اسمٰعیل صاحب [illegible]	[illegible]	میاں محمد امین صاحب	[illegible]
میاں سید محمد صاحب	[illegible]	منشی امیر محمد صاحب [illegible]	[illegible]	شیخ عبدالرحیم صاحب	[illegible]
[illegible] الدین صاحب	[illegible]	منشی گلاب دین صاحب	[illegible]	منشی سلطان محمد صاحب	[illegible]
ڈاکٹر اقبال [illegible]	[illegible]	منشی محمد [illegible] صاحب	[illegible]	بابو غلام محمد صاحب	[illegible]

بابو احمد حسن صاحب	عہ	میاں عبد الاکبر صاحب	عہ	عبد الرحیم صاحب	عہ
محمد اکرم خاں صاحب	عہ	منشی فضل الدین صاحب	عہ	حکیم غلام محی صاحب	عہ
میاں سلطان صاحب	عہ	بابو غلام محی الدین صاحب	عہ	ماسٹر عبد العزیز صاحب	عہ
میاں ولی محمد صاحب	عہ	میاں عبد الغنی صاحب	عہ	ڈاکٹر محمد حسین صاحب	عہ
میاں موسیٰ رضا صاحب	عہ	نور عالم صاحب	عہ	محمد ابراہیم صاحب	عہ
چوہدری [illegible] صاحب	عہ	محمد فضل الدین صاحب	عہ	میاں شمس الدین صاحب	عہ
چوہدری [illegible] صاحب	عہ	میاں محمد عالم صاحب	عہ	منشی تاج الدین صاحب	عہ
میاں عبد الحکیم صاحب	عہ	عبد العزیز صاحب	عہ	ڈاکٹر ممتاز علی صاحب	عہ
حسین محمد صاحب	عہ	شیخ نعمت علی صاحب	عہ	شیخ رحیم بخش صاحب	عہ
سید محمد شفیع صاحب	عہ	منشی عبد الرحیم صاحب	عہ	منشی پیر بخش صاحب	عہ
پیر محمد شاہ صاحب	عہ	مولوی نور محمد صاحب	عہ	شیخ حبیب صاحب	عہ
جلال الدین صاحب	عہ	[illegible] صاحب	عہ	شیخ خدا بخش صاحب	عہ
میاں غلام محی الدین صاحب	عہ	بابو مظفر احمد صاحب	عہ	ماسٹر محمد فاضل صاحب	عہ
[illegible] محمد حسین صاحب	عہ	شیخ عبد الرشید صاحب	عہ	بابو علی گوہر صاحب	عہ
ابو خدا بخش صاحب	عہ	[illegible] صاحب	عہ	بابو عبد العزیز صاحب	عہ
بابو رشید محمد صاحب	عہ	شیخ ظفر [illegible] صاحب	عہ	منشی عبد الرحمن صاحب	عہ
[illegible] بیگ صاحب	عہ	پیر جلال محمد صاحب	عہ	میاں محمد بخش صاحب	عہ
میاں امیر الدین صاحب	عہ	سید محمد اسماعیل صاحب	عہ	منشی محمد رشید صاحب	عہ
بابو محمد علی صاحب	عہ	ڈاکٹر محمد حسین صاحب	عہ	ابو القاسم علی شاہ صاحب	عہ
چھبیلی [illegible] صاحب	عہ	میاں [illegible] صاحب	عہ	راجہ خیر محمد صاحب	عہ
		[illegible] صاحب	عہ		
بابو محمد افضل صاحب	عہ	شیخ [illegible] صاحب	عہ	منشی شمس الدین صاحب	عہ

منشی امام دین صاحب	ار	مولوی [illegible] صاحب	ار	میاں محمد بخش صاحب	ار
شیخ الٰہی بخش صاحب	ار	منشی عبداللطیف صاحب	ار	میاں سلطان محمد صاحب	ار
قاضی عبدالمجید صاحب	ار	میاں محمد عمر صاحب	ار	میاں [illegible] بخش صاحب	ار
مولوی عبدالقادر صاحب	ار	محمد حیات صاحب	ار	شیخ [illegible] کریم صاحب	ار
میاں [illegible] صاحب	ار	میاں نبی بخش صاحب	ار	میاں عبدالستار صاحب	ار
مستری عبدالرحمٰن صاحب	ار	میاں محمد صادق صاحب	ار	میاں شیر محمد صاحب	ار
میاں الٰہی بخش صاحب	ار	منشی [illegible] رسول صاحب	ار	میاں رحیم بخش صاحب	ار
ملک محمد امین صاحب	ار	میاں محمد اکبر صاحب	ار	چوہدری نبی بخش صاحب	ار
ماسٹر محمد سعید صاحب	ار	میاں محمد حسین صاحب	ار	میاں غلام مصطفیٰ صاحب	ار
سید اعظم رسول صاحب	ار	میاں امام دین صاحب	ار	منشی غلام نبی صاحب	ار
[illegible] عبدالمجید صاحب	ار	عبدالغنی صاحب	ار	چوہدری عبداللطیف صاحب	ار
شیخ محمد حسین صاحب	ار	میاں بقا محمد صاحب	ار	چوہدری [illegible] صاحب	ار
[illegible] صاحب	ار	میاں غلام نبی صاحب	ار	ملک [illegible] صاحب	ار
[illegible] شہیدی	ار	قاضی [illegible] حسین صاحب	ار	بابو عبدالعزیز صاحب	ار
چوہدری [illegible] حسن صاحب	ار	منشی کرم علی صاحب	ار	مرزا غلام سرور صاحب	ار
[illegible] احمد صاحب	ار	مولوی نور محمد صاحب	ار	محمد قلی خان صاحب	
میاں محمد [illegible] صاحب	ار	خادم المسلمین [illegible]	ار	[illegible] الکتب [illegible]	عہ
مولوی نور حسین صاحب	ار	ڈاکٹر کریم الٰہی صاحب	ار	عبدالغنی صاحب	ار
[illegible] صاحب	ار	منشی فرزند علی صاحب	ار	چوہدری [illegible] حسین صاحب	ار
سید [illegible] صاحب	ار	میاں [illegible] بخش صاحب	ار	منشی ابراہیم صاحب	ار
چوہدری فتح دین صاحب	ار	[illegible] مظفر حسین صاحب	ار	منشی نذیر احمد صاحب	ار
[illegible] صاحب	ار				

چوہدری عطاء الٰہی صاحب	حاجی عبد الرحمٰن صاحب	منشی اسمٰعیل محمد صاحب
ملک شیر علی صاحب	ابو سراج الدین صاحب	نیاز احمد صاحب
منشی فضل الٰہی صاحب	مرزا بخش صاحب	سید حبیب شاہ صاحب
مرزا اکرم بیگ صاحب	سید فضل شاہ صاحب	منشی احسان الحق صاحب
محمد عبد المجید صاحب	میاں سلطان بخش صاحب	میر احمد شاہ صاحب
ابو محمد حیات صاحب	چوہدری غلام حسین	میاں غلام محی الدین صاحب
حکیم احسان الحق صاحب	میاں قطب الدین صاحب	مولوی محمد صدیق صاحب
چوہدری کرم بخش صاحب	ملک کرم الٰہی صاحب	مولوی غلام رسول صاحب
محمد یحییٰ صاحب	میاں اسد اللہ صاحب	منشی غلام حسین صاحب
شیخ محمد حسین صاحب	میاں اسمٰعیل صاحب	میاں عبد العزیز صاحب
مولوی جمال الدین صاحب	میاں عیسیٰ خان صاحب	منشی رکن الدین صاحب
منشی عبد اللطیف صاحب	میاں محمد مراد صاحب	سید حیات علی صاحب
میاں امام الدین صاحب	میاں محمد عبد اللہ صاحب	ڈاکٹر [illegible] بیگ صاحب [illegible]
منشی نذر علی صاحب	مولوی نور اللہ صاحب	منشی محمد دین صاحب [illegible]
ڈاکٹر [illegible] عالم صاحب	میاں نظیر الدین صاحب	منشی نیاز محمد صاحب
ڈاکٹر [illegible] خان صاحب	سید [illegible] شاہ صاحب	ڈاکٹر محمد دین صاحب
میاں محمد امین صاحب	مولوی عبد اللہ صاحب [illegible]	شیخ محمد عبد اللہ صاحب
میاں نور الٰہی صاحب	سید [illegible] شاہ صاحب [illegible]	میاں محمد عبد اللہ [illegible]
ابو [illegible] صاحب	میاں [illegible] الدین صاحب [illegible]	چوہدری عبد السلام [illegible]
ابو [illegible] محمد صاحب [illegible]	پیر اللہ [illegible] صاحب	حافظ فضل احمد صاحب
[illegible] شیخ محمد صاحب	ابو [illegible] حسن صاحب	میاں محمد صادق صاحب [illegible]

سید حامد حسین صاحب	میاں عزیز الدین صاحب	منشی الہی بخش صاحب
منشی محمد حسین خان صاحب	میاں عبد الحمید صاحب	میاں محمد عبد الرحمن صاحب
منشی محمد حسین خان صاحب	میاں محمد صاحب	چوہدری غلام محمد صاحب
مولوی عبد الصمد صاحب	میاں فخر الدین صاحب [illegible]	ڈاکٹر محمد حسین صاحب
[illegible]	میاں غلام محمد صاحب	ماسٹر کریم بخش صاحب
منشی محمد اسد صاحب	پیر برکت علی صاحب	[illegible]
بابو عبد الغنی صاحب	بابو غلام محمد صاحب	میاں الہی محمد صاحب
چوہدری گل محمد صاحب	ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب	[illegible]
خواجہ امیر حسن صاحب	[illegible]	میاں غلام [illegible] صاحب
حاجی امام بخش صاحب	بابو عبد العزیز صاحب	ماسٹر محمد الدین صاحب
منشی میاں عبد اللہ صاحب	محمد عبد اللہ صاحب	امانت اللہ صاحب
منشی [illegible] صاحب	نبی بخش صاحب	

رسید زر

یکم جنوری ۱۹۱۱ سے ۲۰ جنوری ۱۹۱۲ تک حسب تفصیل بالا روپیہ دفتر میں وصول ہوا ہے۔ اسکی تمام رسیدیں رسالہ ہو چکی ہیں۔ لہذا عرض ہے کہ اگر کسی صاحب کی طرف سے [illegible] کوئی روپیہ وصول ہوا ہو۔ اور اسکی رسید نہ چھپی ہو وہ صاحب جلد راقم کو اطلاع دیکر ممنون فرمائیں اور یہ بھی لکھیں کہ کس تاریخ کو کس ذریعہ سے رقم بھیجی گئی۔ (مینیجر رسالہ تشحیذ الاذہان)

معذرت

پہلے رسالہ لاہور میں چھپا کرتا تھا۔ اب قادیان میں انتظام کیا گیا کہ قادیان میں چھپایا جاوے۔ یہ نئے انتظام کا پہلا مہینہ تھا اسلئے رسالہ وقت پر [illegible] نہیں چھپ سکا۔ امید ہے کہ ناظرین معاف فرمائیں گے۔

مینیجر

رسالہ تشحیذ الاذہان

فہرست مضامین

باہتمام حافظ عبد الرحیم ... قادیان دار الامان سے شائع ہوا

اصلی ممیرا اور ممیریکا سرمہ

اصلی ممیرے اور ممیریکے سرمہ کا اعلان عرصہ سے شائع ہو رہا ہے اس اشتہار میں جس سے
لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح حکیم مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ
کے بہترین نسخہ کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اور اصلی ممیرا جو خود حضرت نے دیکھکر اس کے
اصلی ممیرا ہونیکی تصدیق کی اس میں ڈالا گیا ہے۔ حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا
"بہت امراض چشم را بسیار مفید است" اس شہادت کے سوا کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں
کیونکہ چار لاکھ انسانوں کا اس پر طبی ثبوت اور تجربہ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بہت جائز مقدار
سے اسکے مفید ہونیکی شہادت دیتا ہے۔ یہ سرمہ دھند جالا پھولا پڑوال ڈھلکا اور خشکی اور
ابتدائی موتیابند وغیرہ امراض کیلئے بہت مفید ہے۔ قیمت سرمہ اول فی تولہ ... قسم دوم
قسم سوم ... اصلی ممیرا قسم اول فی تولہ ... قسم دوم ...

ست سلاجیت

مقوی معدہ اعضا رئیسہ دافع ضعف ... دافع ... بلغم ... اور ... دافع ...
... رنگ گردہ و مثانہ ...
... وغیرہ بہت مفید ہے ... کے ساتھ استعمال کریں
قیمت فی تولہ ...

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی ... سفید ... سیاہ ... اور ...
اور پشاوری ٹوپیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں۔ ...

المشتہر احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ایڈیٹوریل نوٹس

عجیب اتفاق

چاروں رشیوں کے نام جن پر وید نازل ہوئے ہیں۔ وایو۔ آدت۔ انگرا۔ اگنی ہے۔ یعنی چاروں رشیوں کے نام چاروں عناصر پر تھے۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ یہ بناوٹی نام ہیں۔ یا اصل یہ کوئی انسان نہیں تھے صرف عناصر ہی عناصر ہیں۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ وید محفوظ نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ہوا۔ مٹی پانی اور آگ کی کیا مجال ہے کہ کسی کتاب کو محفوظ رکھ سکیں۔ نیز گذشتہ زمانہ کی سائنس کے مطابق ہوگیا۔ کیونکہ اسوقت صرف چار ہی عنصر تھے مگر اب تو بہت سارے عناصر معلوم ہوتے ہیں۔ تو کیا رشی بھی بہت سارے ہیں علیٰ ہٰذا القیاس وید بھی

ہم کسی قانون کے خلاف امر کو تسلیم نہیں کرسکتے

آریہ صاحبان ہمیشہ مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں بات اسلام میں خلاف قانون قدرت ہے ہم اسکو تسلیم نہیں کرنا چاہا۔ بہت سمجھایا۔ کہ تم جو کہتے ہو۔ کہ خلاف قانون قدرت ہے صرف خلاف قانون قدرت ہے کیا تم نے قوانین قدرت کا احاطہ کر لیا ہے۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ قوانین قدرت کیا ہیں!

ایک انسان اسوقت ایک بات کو اپنے سطحی خیالات کے مطابق خلاف قانون قدرت سمجھتا ہے مگر مشاہدہ بتا دیتا ہے کہ یہ خلاف قانون قدرت نہیں مثال کے طور پر یہ عرض ہے کہ ہر ایک جاندار چیز نر و مونث کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ عام لوگوں کے نزدیک ایک قانون قدرت ہے مگر ایک عالم جانتا ہے کہ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک کوزہ میں دہی ڈال کر کوزہ کا منہ بند کر کے کسی کوڑے کے نیچے دبا دیا جاوے۔ تو اس سے زہریلے جانور بنجاتے ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں قانون قدرت کدھر گیا۔ مگر آریہ صاحبان یہی سمجھتے ہیں۔ کہ نہیں ہم تمام قوانین قدرت کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے میں آریہ صاحبان سے دریافت کرتا ہوں کہ ذیل کا واقعہ کس قانون قدرت کے مطابق ہے :

اوڈیٹر پرکاش مورخہ ۰ ۰۔ جیسا کہ میں سیتا جی کے سوانح لکھتا ہوا کہتا ہے "ان کی آہ و زاری سے تضائے آسمان پر اڑنیوالے پرند تک لرز گئے جٹایو نے بھی جو پرندوں کا راجہ اور مہاراجہ دشرتھ کا بڑا رفیق تھا۔ اس آہ و بکا کو سنا اور جب اسے یہ ماجرا معلوم ہوا۔ تو وہ اپنی بساط بھر سیتا جی کی مدد پر مستعد ہو کر راون کے سر پر منڈلانے اور چونچیں مارنے لگا تھوڑے عرصہ تک جٹایوں نے راون کا آگے چلنا محال کر دیا۔ اس کے رتھ اور رتھوان کے پرخچے اڑا دیئے۔ آخر اسکو پاپیادہ اور دیر تک بہت پریشان ہونا پڑا۔ راون غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسنے تیر برسانے شروع کئے مگر جٹایوں نے اپنے زبردست پنجوں سے اس کی ہیئت کی چھلنی کر ڈالی ...... "

کیا پنڈت صاحب بتائیں گے کہ یہ کونسا قانون قدرت ہے کہ اس طرح جٹایو نے سیتا جی کی مدد کی۔ اگر کوئی قانون ہے تو بتائیں کہ جٹایو نے

اور کس کس شخص کی مدد کی۔ ہاں یاد رہے۔ کہ ہندوؤں کی کہانیوں سے ثبوت نہ دیں۔ بلکہ موجودہ زمانہ کا کوئی ثبوت دیں کیونکہ جو پہلے قانون قدرت تھا۔ اب بھی ہونا چاہیئے۔

کون سچا ہے

ستیارتھ پرکاش سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نیوگ سے گیارہ بچے حاصل کئے جاسکتے ہیں مگر سنہی کہتے ہیں کہ "والد کا حکم پا کر موہن میں گمی لگا کر خاموش ہو کر بیوہ عورت میں لڑکا پیدا کرے۔ سوائے ایک لڑکے کے دوسرا لڑکا کبھی نہ پیدا کرے" (منو ۹۔۶۰)

کیا دیا نندی مہاشہ صاحبان! اس بات پر روشنی ڈالیں گے۔ کہ سنہی جی جھوٹے ہیں۔ یا سوامی جی مہاراج بہرحال جو کوئی جھوٹا ہو۔ اس کی اتباع آریہ بھائی کو ضرور چھوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ آریہ سماج کا چوتھا نیم دیا کر کے لیئے مجبور کرتا ہے

کیا ہندوستان تمام مذاہب کا مرکز ہے

پرکاش نے ۶۔ جون ۱۹۱۰ء کے پرچہ میں اپنے لیڈنگ آرٹیکل میں تحریر فرمایا ہے۔ "یہ تحقیق ہے کہ جتنے علم اور مذاہب روئے زمین پر پھیلے ہیں وہ سب آریہ ورت ملک سے ہی پھیلے ہیں اسکے ثبوت کے لیئے یہ بتایا گیا ہے کہ ایک جیکالٹ صاحب پیرس یعنی فرانس کے ملک کے رہنے والے اپنی کتاب بائبل ان انڈیا میں لکھتے ہیں کہ سب علوم اور نیکیوں کا منبع آریہ ورت کا ملک ہے۔ اور جملہ علوم نیز مذاہب اسی ملک سے پھیلے ہیں"

اب میں ایڈیٹر صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم ہر ایک کی بات کو تسلیم کر لیں اگر ایک فرانسیسی نے ایسا لکھا ہے تو ہم اسکو کیا کریں۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا مرکز عرب ہے جسے بچہ بچہ بھی جانتا ہے۔ تو آپ کی کلیت میں سے ایک تو مذہب خارج ہو گیا۔ کیا وجہ اور کیا ثبوت ہے

کہ ہم آریہ ورت کو اسلام کا مرکز سمجھیں۔ اسکے تو یہی معنے ہونگے۔ کہ ہم ایک سورج کا مشاہدہ کر رہے ہوں۔ اور کوئی شخص ہمیں کہے کہ تم غلطی کرتے ہو سورج ہے ہی نہیں تو کیا ہم اس کی بات کو مان لینگے؟

اسی طرح جبکہ ہم خوب جانتے ہیں اور تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔ کہ اسلام کا مرکز عرب ہے۔ گر ایک شخص کہتا ہے۔ کہ نہیں تمام مذاہب آریہ ورت سے نکلے ہیں تو ہم کس طرح اسکی تصدیق کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مزید غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ سوائے ویدوں کے مذہب کے اور کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کے متعلق ہم یہ کہہ سکیں کہ اسکا مرکز آریہ ورت ہے۔ تو کس طرح کہا جا سکتا ہے۔ کہ تمام مذاہب کا مرکز آریہ ورت ہے؟

اسی طرح مضمون مذکورہ میں کہا گیا ہے کہ تمام نیکیاں آریہ ورت سے نکلی ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سب سے بڑی نیکی تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لایا جاوے۔ اس کے متعلق آریہ ورت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ تمام لوگ جانتے ہیں یعنی وہ صرف آریہ ورت ہے جس میں ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کی پوجا کیجاتی۔ تو اس حالت میں کسطرح آریہ ورت تمام نیکیوں کی جڑ ہو سکتا ہے۔

شدھی بند مسٹر مہرپال نے اپنے اخبار ارجن مورخہ ۱۴۔ مئی سنہ میں اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ آئندہ کسی کو شدھ نہ کیا جاوے کیونکہ ابھی آریہ سماج اس قابل نہیں ہے ایڈیٹر مسافر آگرہ (جو کہ شدھی کے بڑے دلدادہ ہیں) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کو بعض آریہ مہاشے لکھتا ہے کہ مضمون مذکورہ کا جواب نہیں دینا چاہیئے۔ دیکھئے شدھی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؛

دیانند ستیہ من راج کی تعلیم

آریہ مسافر جالندھر سنہ ۱۹۰۸ء کے اختتام اور سنہ ۱۹۰۹ء کے ابتداء میں چھ
سات نمبروں میں بار بار لکھتا رہا کہ اسلام بغاوت کی تعلیم دیتا ہے اس
کے جواب بہت سے مسلمان اخباروں کی طرف سے دیئے گئے۔ اور
اسی اثناء میں رسالہ تشحیذ الاذہان نے بھی اس کے اعتراضات کے
جواب دئے۔ خیر اسوقت تو آریہ مسافر صاحب جالندھر نے خاموشی اختیار
کی۔ اور پھر جب تک سابق ایڈیٹر صاحب زندہ رہے۔ اس بات پر کبھی کچھ
نہیں لکھا۔ اس دفعہ پھر ایک مختصر سا نوٹ نکلا ہے۔ جس کی سرخی غزا اور
جہاد ہے۔ اب بجائے اسکے کہ ہم انکے اعتراضات کا جواب دیں۔ ایک اور
طرز اختیار کرتے ہیں شاید ہے کہ آریہ صاحبان کے لیے یہی طریق مناسب ہو
وہ طریق جو ہم اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ذرا اس مسئلہ کے
متعلق ستیارتھ پرکاش اور ویدوں سے مشورہ لیں کہ وہ کیا بتاتے ہیں۔ اور پھر
وید یا آریہ سماج کی اور کتب جو بتائیں وہ آریہ سماج کے پیش کرکے ان کی خدمت
میں عرض کریں کہ پہلے اپنی آنکھ کے شہتیر کو دیکھیں۔ اور پھر کسی کی طرف تنکا
اٹھائیں۔ پس جب ہم آریہ سماج کی پوتر پستکوں کو دیکھتے ہیں۔ تو معلوم کرتے
ہیں کہ ان میں سے قریباً ساری کی ساری کتابوں میں اس جہاد کی تعلیم ہے

۵؎ اصل میں لفظ جہاد کے معنے کوشش کرنیکے ہیں جس پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

جس پہلو پر آریہ سماج اعتراض کرتی ہے،

ویدوں میں ملک گیری کی تعلیم

اس تعلیم کو دیکھکر سب سے پہلے ہمارے دل میں یہ خیال گذرتا ہے کہ یہ تعلیم کیوں بجز کم از کم ستیارتھ پرکاش اُس زمانہ میں لکھی گئی ہے جبکہ آریہ سماج کی سلطنت کسی جگہ بھی نہ تھی۔ اور نہ ہی یہ امید ہو سکتی تھی (اسوقت کیا اب بھی امید نہیں ہے) کہ کبھی آریہ سماج کی سلطنت ہوگی۔ اگر یہ صورت نہ تھی۔ تو پھر اس تعلیم کے ذکر سے پنڈت صاحب کا کیا منشاء تھا۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آریہ سماج کو سلطنت کیلئے کوشش کرنی چاہیئے؛

دوسری طرف جب ہم ویدوں کو دیکھتے ہیں۔ تو اس میں بھی اس تعلیم کا ذکر ہے۔ جس سے تین صورتیں ضرور معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ صورت ہے۔ کہ مصنف وید کو یہ علم نہ تھا کہ کوئی ایسا زمانہ بھی آنیوالا ہے کہ متبعین وید کی سلطنت دنیا کے کسی حصہ پر نہ رہے گی دوسری صورت یہ بھی ہے۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وید کے بعض حکم وقتی ہیں تو اس سے یہ بھی خیال ہو سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ سارا وید وقتی تعلیم کرتے ہوئے ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ خواہ کیسا ہی وقت ہو متبعین وید کو چاہیئے۔ کہ ضرور اپنی سلطنت بنائیں واقع وید کے وہ منتر نقل جاتے ہیں جن میں یہ تعلیم پائی جاتی ہے۔ اب ہم کسیقدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ وید کے متبعین کو کس طرح سلطنت کرنی چاہیئے۔ اسکے بعد ہم اپنی طرف سے آریہ صاحبان کی خدمت میں کچھ عرض کرینگے،

راج کس طرح کرنا چاہیئے

وید کے اکثر منتروں اور آریوں کی ایہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کا انتظام ایک مجلس کے ماتحت ہونا چاہیئے۔ جس کا نام آرین اصطلاح میں راج آریہ سبھا ہے

(دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۱) اس سبھا کے کم سے کم دس علماء اور اگر بہت ہی کم ہوں تو تین علما ممبر ہونے چاہئیں۔ یہ انجمن جیسے آئین باندھے ان کو کوئی تجاوز نہ کرے (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۱)

اس سبھا کے ممبر کیسے ہونے چاہئیں؟

اس انجمن میں چاروں وید نیا شاستر نرکت دھرم شاستر وغیرہ کے جاننے والے تمام ممبر ہوں۔ ویس سبھا میں۔ رگوید یجر وید سام وید کے جاننے والے تین ممبر آئین باندھیں اس سبھا کی آئین کو کوئی بھی نہ توڑے (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۱)۔ راجہ اور راج سبھا کے ممبر وہ ہو سکتے ہیں جو چاروں ویدوں کے ان تین علوم یعنے کرم اپاسنا اور گیان رکھتے ہوں (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۰)۔ یجروید ادھیائے کے منتر ۲۰ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ممبر وید جاننے والے ہوں۔ غرض راج سبھا کے ممبر سب وید کے عالم ہونے چاہئیں مگر اسوقت ایسا نہیں ہوتا۔ اسلئے آریہ صاحبان کو کوشش کرنی چاہئیے کہ پارلیمنٹ کے تمام ممبروں کو وید پڑھائیں یا کم از کم ایسی پارلیمنٹ بنانے کی کوشش کرنی چاہئیے جس کے تمام ممبر وید کے عالم ہوں۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو لوگ وید ودیا سے محروم ہیں۔ وہ کبھی سبھا میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ تو جاہل بیوقوف ہیں۔ اور جاہل بیوقوف دخواہ مغربی باشندوں کی طرح کیسے ہی لائق ہوں مگر وید ودیا سے محروم ہوں) اگرچہ بڑا مجمع کیوں نہ کئے جاویں ان سے سبھا نہیں بن سکتی۔ (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۲۱) اس جگہ ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگرچہ پنڈت دیانند صاحب نے تحریر

لہ اس مضمون میں جہاں کہیں ستیارتھ پرکاش کا حوالہ ہوگا اس سے ستیارتھ پرکاش مترجمہ رادھاکشن مہتہ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۸ کی مراد ہوگی بشرطیکہ ستیارتھ پرکاش کی کوئی خصوصیت بیان

فرمایا ہے کہ کم از کم دس ممبر اور اگر کم بھی ہوں تو تین ممبر ایسی سبھا میں ہونے چاہئیں۔ جو راج کا انتظام کریں۔ اور وید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ راج ایک سبھا کے ماتحت ہونا چاہئے۔ مگر ان سب کے برخلاف پنڈت جی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر صرف ایک ہی شخص ہو ویدوں کا جاننے والا ہو کوئی قانون دھرم کا تو اس کے برخلاف کرنے کو کسی کو اختیار نہیں ہے چنانچہ پنڈت صاحب ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۱۸۷ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "اکیلا سب ویدوں کا جاننے والا دوجوں میں اعلیٰ سنیاسی جس دھرم کی آئین باندھے وہی اچھا ہے۔" ہم کہتے ہیں کہ اگر ایسا شخص اکیلا ہی سلطنت کرے تو کیا حرج ہے۔

راجہ یا پریزیڈنٹ سبھا کیسا ہونا چاہیئے

اب ہم راجہ کے اوصاف میں سے کچھ حصہ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ آریوں کے راجہ کیسے ہونے چاہئیں

نل ہو یعنی ہوا کی مانند سب کے پیارے جان کی طرح پیارا اور دل کی بات جاننے والا ہو (ملاحظہ ہو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۸۸) مگر ہم دریافت کرتے ہیں کہ انسان کس قانون قدرت کے ماتحت دوسروں کے آئندہ حالات سے واقف ہو سکتا ہے۔ شاید وید نے کوئی ایسا منتر بتایا ہوگا۔ اسی لئے تو آریہ راجہ کے لئے یہ شرط رکھی گئی ہے۔

سب سے بڑی صفت یہ ہونی چاہیئے کہ بادشاہ فتح حاصل کرنیوالا اور دشمنوں کو ہلاک کرنیوالا ہو۔ اسکا ذکر وید کے اتنے منتروں میں ہے کہ میں ان سب کو یہاں لکھنا فضول سمجھتا ہوں یہ صرف اسلئے اگر وہ ان لوگوں کو جو آریہ نہ ہوں۔ اپنے ملک سے مار نکال دیں۔ میں ذیل میں کچھ حوالے اس صفت کے متعلق لکھتا ہوں

اے وِدوان چونکہ آپ .... دشمنوں کے مارنیوالے ہیں .... چونکہ آپ اپنے مخالف کو مارنیوالے ہیں۔ یجروید ادھیائے ۱۲ منتر ۵ میں زبردست فوج والے کو جلا استت کرتا ہوں.... دشمنوں پر فتح پانے کے قابل ہوتا ہے۔ یجروید۔

بقیہ حوالے اس مضمون کے آگے آئیں گے۔ اور بعض صفات بھی آگے آئیں گے۔ جہاں راجہ کے کام آئیں گے۔ اسجگہ میں مختصر طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جن چیزوں سے راجہ کو روکا گیا ہے۔ ان میں سے شکار کھیلنا بھی ہے۔ جیسا کہ ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۲۰۵ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے مگر ہمیں حیرانی ہوتی ہے۔ جب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ دشمنوں کا شکار اسکے لئے جائز ہے جیسا کہ یجروید ادھیائے ۱۰ منتر ۸ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے" جیسے آپ دشمنوں کے شکار کرتا ہیں" ان دونوں کا تعلق سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید مطلب یہ ہو کہ گائے کو نہیں مارنا چاہئے انسان کو بیشک ۔ ار دو۔ کیونکہ آریہ صاحبان کے نزدیک ایک آدمی کی جان سے ایک گائے کی جان بہت عزیز ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ جو انسان ان مفید (گائے وغیرہ) پشوؤں کو مارے انکو راجا وغیرہ حاکم بے انداز سزا دیں یجروید ۱۳: ۴۹ کا مطلب۔

ایک اور بات جو اسجگہ ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ ادھرمی کا کام ہے چنانچہ لکھا ہے۔ پرجا راجہ کبھی ادھرمی کا کام نہ کریں (دیکھو یجروید ادھیائے ۰ منتر ۰) مگر اگر کسی پرجا میں سے کسی سے کوئی ادھرمی کا کام سرزد ہو جائے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔ صاف بات ہے۔ راجہ انکو شکار کرے۔

اس منتر سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مسلمان اور عیسائی جو آریوں کے نزدیک

ادہرم کو کام کرنیوالے کے لقب سے ہی پکارے جائینگے۔ اس حالت میں انکے ساتھ نرم سے نرم یہ سلوک ہو سکتا ہے کہ ملک بدر کئے جاویں لیکن اگر تمام دنیا پر آریوں کی حکومت ہو جائے جیسا کہ انکی کتابوں سے خواہش پائی جاتی ہے تو سب جلا کر بھسم کئے جائیں گے یا راجہ کا شکار ہونگے!

راجہ کے کام

(۱) راجاؤں کے پاس ویدوں کا لازوال خزانہ ہے۔ اس کی اشاعت کے لئے ایسے برہمنوں کی راجہ اور سبھا سب عزت کرے۔ جو کال ہو بچپن سے وید وغیرہ شاستر پڑھکر گورو کل سے واپس آویں۔ نیز انکی بھی جن سے ان عالموں نے تعلیم پائی ہو (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۰۹) اگر کوئی راجہ ایسا نہ کرے۔ تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے۔ کوئی مہاشہ اسکا جواب عنایت فرمائے۔

(۲) علم کو پھیلانا۔ اس سے بھی غالباً وہی مراد معلوم ہوتی ہے۔ کہ ویدوں کا پھیلانا۔ کیونکہ بقول آریہ صاحبان وید علوم کا خزانہ ہے۔ دیکھو یجروید ادھیائے ۵ منتر ۹ "لیکن اے آرام کے دینے والے نیکوں کے راستہ میں چلانیوالے راجہ چونکہ تو میر مجلس اور علم کے پھیلانے میں مستعد ہے"

(۳) "وید کو دل میں رکھکر راج اور رعایا کو ترقی دینا" اس سے صاف ظاہر ہو کہ راجہ اس رعایا کو ترقی دے جو وید کی فرمانبردار ہو (مفصل منتر یوں ہے) "میں بڑی تحقیقات سے سمجھتا ہوں۔ کہ آپ پرماتما وید کو دل میں قائم کر کے راج ...... اور رعایا کو ترقی دیجئے گا (دیکھو یجروید ادھیائے ۹ منتر ۳)

(۴) راجہ کا چوتھا کام دشمنوں پر فتحیابی ہے۔ اور یہ بہت بڑی صفت ہے کیونکہ اس صفت کے علاوہ وہ اپنے مخالفین کو شکار نہیں کر سکتے۔ اسکے متعلق کچھ منتر ذیل میں لکھتا ہوں۔ تمام منتر درج کرنا باعث طوالت ہوگا۔

"جیسا کہ آپ دشمنوں پر فتح کے خواہشمندوں میں سب سے بڑے پرگری ہیں" (یجروید ادھیائے ۸ منتر ۴۶) "اگر آپ دشمنوں پر فتح پانے کے خواہشمند ہو جئے" (یجروید ادھیائے ۱۰ منتر ۱۰) "اے سبھا اور سبھا کے سوامی جو شخص ہم دھرماتماؤں سے مخالفت کرے اور جو ہمارے ساتھ دشمنی کرے۔ اور ہماری ہجو کرے۔ اور جو ہم کو دھوکہ دے اور جو ہمارے ساتھ چھل کرے۔ ان سب کو آپ جلا کر بھسم کر دیں" (یجروید ادھیائے ۱۱ منتر ۸۰) غالباً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ آریوں کے مخالف مذہب والوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ اگر اب بھی سمجھ نہیں آیا۔ تو منتر مذکورہ کو ایک دفعہ پھر غور سے پڑھ جائیں۔ ایسا کرنے سے نتیجہ صاف نکل آئیگا۔ کہ وہ جلا کر بھسم کر دیے جائینگے اور بس۔

"چونکہ آپ پکڑنیوالے ہیں۔ ہاتھی نشین بہت مخبر والے راجہ کی طرح نہایت دکھ والی پھانسی سے دشمنوں کو اور جلا مقابلہ سے دھکائے" (یجروید ۱۳ : ۹)

"اے سخت سزا دینے والے راج پرش ہر مرتبہ دوہی دشمنوں کو ہمیشہ جلاؤ" "اے زبردست تیجوان ہمارے دشمنوں کے ابھارنیوالے کو ہر حالت میں کر خشک ایندھن کی طرح جلائے" (یجروید ادھیائے ۱۳ منتر ۱۲)

اور اے اعلےٰ خیال ہمکو بہت زیادہ فتح کی ترکیبیں بتلا تاکہ ہم لوگ ہمیشہ آپ کے مددگار رہیں" (یجروید ادھیائے ۱۵ منتر ۲) اس ادھیائے کا پہلا منتر بھی اسی قسم کا ہے۔

ناظرین! آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ آریہ صاحبان کسی راجہ یا بادشاہ کی اسقدر مدد کر سکتے ہیں جبکہ وہ انکو اپنے دشمنوں پر فتحیابی کی اعلیٰ اعلیٰ ترکیبیں بتائیں اور خود آریوں کے دشمنوں کو مارے۔ پھانسی دے۔ جلا کر بھسم کرے۔

اعلیٰ افسر کیسے ہوں | میرے خیال میں راجہ صاحب کے صفات بہت

ذکر ہو چکے ہیں۔ اب اعلیٰ افسرین کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ وہ کیسے ہونے چاہئیں سو عرض ہے۔ کہ

اعلیٰ افسر فوجی اعلیٰ حاکم شاہی اعلیٰ منصف راجا۔ یہ چاروں سب علوم سے (ویدک علوم سے) ماہر ہونے چاہئیں۔ (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۹۱)

اعلیٰ افسروں کے متعلق یہ شرط آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ ویدک علوم سے واقف ہوں۔ اب ان سے ادنیٰ ملازمین کی شرط بھی سنیئے۔ ان کے لئے یہ شرط ہے۔ کہ وہ ویدوں کے علاوہ سب شاستروں میں بھی ماہر ہوں۔ (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۹۶)

اگرچہ اب آریہ راج کی تمام کنسٹیٹیوشن کا ذکر کر چکا ہوں۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اسلحہ جنگ بھی ایسے ہونے چاہئیں۔ جو دشمنوں کے جیتنے کے قابل ہوں اور فوج بھی ایسی ہونی چاہیئے۔ جو قابل تعریف ہو۔ اور جس سے راجا ہمیشہ فتحیاب رہے (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۷۷)

(بجلی) پنڈت صاحب نے اسی سلسلہ میں جنگ کی ترکیبیں بھی بتائی ہیں۔ جس میں سے میں اسوقت صرف ایک کو خاص طور پر ذکر کرتا ہوں جس سے پنڈت صاحب کی عقل و دانش پر روشنی پڑتی ہے۔ "اگر سامنے توپ یا بندوق چل رہی ہو۔ تو سانپ کی طرح لیٹے لیٹے چلے جائیں جب توپوں کے پاس پہنچیں تو ان کو مار یا پکڑ کر توپوں کا منہ دشمن کی طرف پھیر کر انہیں توپوں یا بندوقوں وغیرہ سے دشمنوں کو مارے (دیکھو ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۴۴) یہ ترکیب تو بہت عمدہ ہیں مگر اسکے لئے ضروری ہے کہ دوپہر کا وقت ہو اور اگر صبح یا شام یا رات ہو تو سورج کیندمت میں تمام آریہ صاحبان ملکر عرض کریں۔ کہ اے خدا کے اوتار۔ دیکھ آریہ ورت تباہ ہوتا ہے۔ تو اپنی روشنی تیز کر اور پھر جب سورج تیز ہو جاوے۔ تو

سوم لیکر دشمن کی فوج کے ہر ایک سپاہی کے سر پر تھوڑی تھوڑی رکھدینی چاہیئے۔ تاکہ وہ اندھے ہو جائیں کیونکہ انکے دیکھنے کی صورت میں ایسا ہونا ناممکن ہو۔ بریں عقل و دانش بباید گریست ؛

نتیجہ اب ہم ناظرین کو آریوں کی سلطنت کے متعلق بہت کچھ بتا چکے ہیں۔ جس سے یہ بات بالکل صاف ہو گئی ہے۔ کہ اگر وید سچا ہے اور آریہ چاہتے ہیں کہ اسکو سچا ثابت کریں تو ضروری ہے کہ ویدک سلطنت قائم کریں۔ والا وید کی سلطنت کے متعلق جو احکام ہیں وہ سب فضول ہو جائیں گے ؛

اس مضمون سے دوسری بات جو نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ وید کے بعض احکام وقتی بھی ہوتے ہیں جس سے یہ شک پڑتا ہے کہ کہیں سارا وید وقتی تو نہیں تھا یہ بات بھی صاف ہو گئی ہے۔ کہ اگر بفرض محال یہ تسلیم کیا جاوے کہ کبھی آریوں کی سلطنت ہو جائیگی تو مسلمانوں عیسائیوں، بدھوں وغیرہ کا کیا حال ہوگا کیونکہ وہ سلطنت تو اسی غرض سے ہوگی۔ کہ ان لوگوں کو صفحہ ہستی سے نابود کر دیا جاوے۔ چنانچہ۔ گرید بھاشہ مطبوعہ سنہ ۱۹۲۵ بکرمی صفحہ ۷ پر۔ گوید کے پہلے اسٹک کے پہلے ادھیائے کے ساتویں ورگ کے پانچویں منتر کے پچھلے حصہ (ترجمہ) کی یہ عبارت میرے بیان کی تصدیق کرتی ہے۔ جو نا ستک تندگ واز ہورت منش ہیں وے سب ہم لوگوں کے نواس استھان سے دور چلے جاویں گنہ نشٹ کرکے اور دیشوں سے بھی دور ہو جاویں ارتھات ادھرمی پرش کسی دیش میں نہ رہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ویدوں کے مخالف نہ صرف ویدک دہرمیوں کے دیش سے نکال دئیے جائیں۔ بلکہ صفحہ دنیا پر بھی نہ رہنے پائیں آوا اسی تعلیم کو دیانندی عالمگیر تعلیم بتا رہے ہیں۔ کیا ویدوں کے معتقد کو یہ بھی معلوم نہیں کہ پھر مخالف لوگ کہاں رہیں ؛

ناظرین غور فرمائیں۔ کہ کیا دیانند تلوار کے زور سے وید کی اتباع کراتا ہے یا اسلام۔ اسلام کھلے طور پر فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین کو اور وید کھلے طور پر لکھتا ہے۔ کہ جو بھی تسلیم نہ کرے۔ اسے صفحہ ہستی سے دور کر دو۔ کیا اس تعلیم میں جبر نہیں ہے۔ کیا ویدک دھرم اپنے راج کے زور پر اپنے آپ کو تسلیم نہیں کرواتا؟

ناظرین! ایسی ظالمانہ تعلیم یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ذرا اور بھی دیکھئے کہ پنڈت دیانند جی مہاراج انیسویں صدی کے مصلح اپنی کتاب آریہ بھے ونی کے چھٹے ایڈیشن مطبوعہ بکری کے صفحہ ۵۰ پر رگوید اشٹک اوّل ادھیائے ۴ ورگ ۴ منترہ کا بیان یوں درج فرماتے ہیں۔

"اور جو ناستک ڈاکو چور بشواس گھاتی مورکھ وشے لمپٹ۔ جتنا آدمی دوسرے نیک اتم کرموں میں وگھن ڈالنے والے سوارتھی سوارتھ سادھن میں تت پر وید ودیا رو دھی اناریہ منش وسرب اپکارک یگیہ میں بگھن ڈالنے والے ہیں۔ ان سب دشٹوں کو سمول بھسٹ نشٹ کر دیجئے۔"

اس عبارت میں پنڈت صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ مورکھ یعنی اَن پڑھ ہیں خود غرض ہیں۔ گوشت خور یا شراب خور ہیں۔ اچھے کاموں میں روک ڈالنے والے ہیں۔ ویدک علوم کے مخالف ہیں اور وید پر ایمان یا ان کی نندیا کرنیوالے ہیں اور اسلئے وہ بے دین ہیں۔ انہیں نہ صرف نست نابود ہو جانا چاہئے۔ بلکہ ان کی جڑوں تک غارت ہونے چاہئیں۔

کیوں آریہ ورت کے رہنے والے سناتن دھرمیو۔ بدھو بودھ کے مقلدو، پارسیو، عیسائیو، مسلمانو! تم نے سن لیا ہے کہ تمہارے حق میں ویدک ایشور کیا فرماتے ہیں۔

یہ امر دریافت طلب ہے کہ جیسا کہ میں ثابت کر آیا ہوں۔ راجا کو بھی تو دشٹوں کا سنگھار کرنا چاہیئے تو کیا راجہ کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونا چاہیئے۔ اور آریہ اپنی خود غرضی پر ان فقروں کا دارومدار ہے، کے ساتھ بھی یہی سلوک ہونا چاہیئے اس طریق سے کوئی بچہ زمین پر نہیں بچ سکتا؛

کیوں آریہ صاحبان اسی تعلیم پر آئے دن مسلمانوں پر حملے کرتے ہیں کہ اسلام بغاوت سکھاتا ہے۔ اسلام میں جہاد کی سپرٹ ہے کچھ گھر کا حال معلوم ہوا کہ نہیں اگر نہیں تو اور سنیئے؛

آپ قرآن شریف کی آیت وقاتلوهم حیث ثقفتموهم پر تو فوراً اعتراض کر لیتے ہو۔ اور اس اعتراض کے وقت تم کو پیچھا سب بھول جاتے ہو تمہیں یاد نہیں رہتا۔ کہ قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہے کہ لا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالیکو پسند نہیں کرتا)، فلا عدوان الا علی الظلمین (پس نہیں ہے زیادتی مگر ظالمین پر) وان احد من المشرکین استجارک فاجره (اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو تو اسکو پناہ دیدے)، مگر کیا تمہیں یہ یاد نہیں رہتا۔ کہ اُسکے مقابلہ پر تمہاری اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے دوسرے اڈیشن کے صفحہ [illegible] پر پنڈت صاحب کیا تحریر فرماتے ہیں۔ اگر یاد نہیں رہا۔ تو اب سن لو "دشٹ پرش کے مارنے میں سنتا کو پاپ نہیں ہوتا چاہیئے۔ پرسدھ مارے چاہے اپرسدھ مارے کیونکہ کرودھی کو کرودھ مارنا جانو کہ کرودھ کی کرودھ سے لڑائی ہے" یعنے دشٹ آدمیوں کے مارنے میں قاتل کو پاپ نہیں ہوتا۔ خواہ کھلم کھلا قتل کرے۔ خواہ چھپ چھپا کر کرے"

کیوں آریہ صاحبان یہ تعلیم خوفناک ہے کہ نہیں۔ ہمارے خیال میں اس سے

بڑھکر کوئی تعلیم اور کیا سفاک ہو سکتی ہے۔ کیا مخالف کو کھلم کھلا بیدردی سے قتل کرنا ظلم نہیں ہے۔ آہ! اگر یہ ظلم نہیں۔ تو اور کیا ظلم ہو سکتا ہے۔

خاتمہ میں آریہ صاحبان کی دوسری پستکوں سے اور بھی بہت کچھ بتلا کر ناظرین کو دکھانا چاہتا تھا۔ مگر اب اسی پر اکتفا کرتا ہوں پھر ضرورت پڑی۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر سہی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم نے ابتدا نہیں کی۔ بلکہ ابتدا آریہ صاحبان کی طرف سے ہوئی ہے۔ ہم نے مجبوراً اس مضمون کو ناظرین کے پیش کیا ہے۔

نوٹ:۔ ویانندی صاحبان کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ جو مہربان اس مضمون کا جواب دے وہ اس جواب کی ایک کاپی دفتر تشحیذ الاذہان میں بھی ضرور بھیجدیں۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

رسیدات زر

بابت ماہ جون ۱۹۱۰ء

نمبر	نام	رقم
	میاں عبد الہادی صاحب بنوں	[illegible]
[illegible]	۔ لطف الرحمن صاحب [illegible]	[illegible]
[illegible]	۔ حافظ غلام نبی صاحب کلکتہ	[illegible]
[illegible]	بابو گل حسن صاحب	[illegible]
[illegible]	۔ سلطان محمد صاحب	[illegible]
۱۲۳	منشی گلاب دین صاحب [illegible]	[illegible]

اسلام و آریہ سماج

مسلمان اور آرین لوگوں کے تعلقات سے ناظرین خوب واقف ہیں۔ جتنے مضمون اسلام کی طرف سے ہوتے ہیں وہ آریوں کے اعتراض کے جواب میں ہوتے ہیں۔ اور آرین لوگ ہمیشہ پہل کرتے رہیں یہ طریق عمل خود بتا رہا ہے۔ کہ کس فریق کی غلطی ہے۔

آریوں کی طرف سے ہمیشہ سخت سے سخت لہجہ میں اعتراض ہوتے رہے۔ اور انکو مسلمانوں کی طرف سے تہذیب سے جواب دیئے گئے۔ اب چند ایک پرچے آریوں کو کسی قدر انکے لہجے میں جواب دینے کے لئے مسلمانوں نے جاری کئے ہیں یہ پرچے خواہ کتنا بھی زور لگائیں۔ آرین لٹریچر سے کبھی سبقت حاصل نہیں کر سکتے۔ جس شخص نے گندہ اور فحش لٹریچر دیکھنا ہو۔ وہ آریہ مسافر آگرہ کے کسی ایک پرچہ کو دیکھ لے۔ پھر اسی پر کیا ہے راجپوت گزٹ اندر وغیرہ بہت سے پرچے انکے بھائی ہیں۔ پرکاش نے اپنے ۔ جون ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں معزز ہمعصر الحق دہلی کے اعتراض متعلق کتاب ذوالفقار حیدری بجواب نعرہ حیدری پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ اگر اسکا جواب دیا جائیگا۔ تو مسلمانوں کو برا معلوم ہوگا۔ گر ہم کہتے ہیں کہ آپ نے مسافر آگرہ کے ایڈیٹر کو کیوں منع کیا۔ کہ وہ نعرہ حیدری شائع نہ کریں۔ اب اسکا جواب نکلتا ہے قبل از وقت چیخنے

کے کیا معنے ہیں۔ آپ کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آریہ سماج کی طرف سے اسلام کے برخلاف کتابیں نکلتی رہیں۔ اور کوئی آگے سے انکا جواب نہ دے اگر آپ کسی جواب کے سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو کیوں اسلام پر اعتراض کرنے سے آریوں کو بند نہیں کرتے۔ تاکہ کسی مسلمان کو آریوں کے خلاف لکھنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اسطرح آریہ مسافر آگرہ جالندھر کے اپریل ۱۹۱۰ء کے پرچہ میں ایک مضمون بعنوان "آریہ سماج و اسلام" آرین تعصب کی نقرے لکھا گیا ہے۔ جس پر غور کرنا اسوقت ہمارا مقصد ہے۔ یہ مضمون پریم نرائن شاکر کی قلم سے نکلا ہوا ہے۔

چنانچہ شاکر صاحب شروع ہی میں تحریر فرماتے ہیں:" محمدی لوگ اکثر معترض ہوا کرتے ہیں۔ کہ آریہ سماج بوجہ تعصب دشمن اہل اسلام ہے اول تو معترضین کو اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ الفاظ محمدی۔ عیسائی۔ بودھ شت سے صاف طور پر تعصب کی بو آتی ہے" یہ عجیب نقرہ ہے۔ ایک طرف تو مسلمانوں کو ملامت کیگئی ہے۔ کہ وہ آریہ سماج کو متعصب کیوں کہتے ہیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کو صرف اس غرض کیلئے کہ انپر اعتراض کیا جاوے۔ محمدی کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ تعصب نہیں تو پھر تعصب اور کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں ہمارا نام مسلمان رکھا گیا ہے۔ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں۔ کہ مسلمان کہنے کی بجائے محمدی کہے تو پھر اس حال میں شاکر صاحب کا صرف اعتراض کے لئے محمدی کہنا کونسا بھلامانس کہہ سکتا ہے کہ تعصب نہیں۔ پنڈت صاحب ذرا تعصب کی تشریح فرمائیں۔ کہ وہ کیا ہوتا ہے۔ واہ! شاکر صاحب آپ نے اپنے آپ سے تعصب کے الزام کو خوب دور کیا۔ اسکے بعد شاکر صاحب فرماتے ہیں۔

کیونکہ ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے۔ کہ مذاہب مذکورہ بالا کے متقدین کو اپنے پیشوا سے ایک نسبت و تعلق خاص ہے۔ اور اسی وجہ سے ان مذاہب کو منجانب اللہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں تعلیم نہیں پائی جاتی۔ بلکہ تخصیص ثابت ہے؟

ناظرین آپنے دیکھا ہوگا۔ کہ یہ کیسا بیہودہ اور لغو اعتراض ہے۔ کیونکہ غلط بنا پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس کی بنا کہ مسلمان محمدی کہلاتے ہیں۔ سخت غلط ہے اور اسپر جتنی عمارت بنائی جائے اور اس عبارت سے جتنے نتیجے نکالے جائیں۔ وہ سب غلط ہونگے۔ لہٰذا اسکے متعلق ہم کچھ اور کہنا نہیں چاہتے۔ سوائے اسکے کہ قرآن کریم ہمارا نام مسلمان رکھتا ہے۔ اسلام کے مطیع مسلمان کہلاتے ہیں۔ نہ کہ محمدی جب کہ وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور مسلمان کے معنے جیسا کہ بلیٰ من اسلم وجهه لله وهو محسن سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرمانبرداری کرنیوالے کے ہیں۔ اس لئے جو کوئی اسلام کی فرمانبرداری کریگا۔ وہی مسلمان کہلائیگا۔ رسول کریم صلعم کے نام کیساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ ان نبی کریم کی اطاعت ضروری ہے باقی رہی یہ بات کہ آریہ نام میں تعمیم پائی جاتی ہے۔ سو اسکے متعلق عرض ہے کہ تعمیم تو دیانند مت میں بھی نہیں رہی۔ آجکل کے زمانہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پنڈت دیانند کی پیروی کرنیوالیکو آریہ یا دیانندی کہتے ہیں۔ اگر اس تعریف میں وسعت کو مد نظر رکھا جاوے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ وید کے پیروؤں میں سے ایک حصہ ہے جس کو آریہ کہتے ہیں۔ الغرض اگر خصوصیت ہے۔ تو تمام مذاہب میں ہے۔ اگر تعمیم نہیں ہے تو تمام مذاہب میں نہیں ہے۔ یہ کیا کہ آریہ مت میں عمومیت پائی جاتی ہے اور باقی سب میں خصوصیت۔ اگر دوسرے مذاہب کو پیشوا سے خاص تعلق ہے تو کیا آریہ مت کو دیانند جی مہاراج سے خاص تعلق نہیں ہے۔

پھر آپ فرماتے ہیں۔ برخلاف اسکے آریہ کے جس سے کسی پیشوا کسی نبی

کسی اوتار کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ واہ واہ صاحب واہ لفظ آریہ زبان پر آتے ہی ظاہر کر دیتا ہے۔ کہ اس کے بانی سبھائی دیانندجی ہیں اگر کہا جائے کہ جب وید اترے ہیں تب سے ہی آریہ مذہب شروع ہے تو ہم کہتے ہیں کہ کیا وہی آریہ دھرم جس کی بدولت بت پوجے گئے۔ اور تینتیس کروڑ دیوتا کی پرستش کی گئی۔ آپ لوگوں کا مذہب ہے۔ تو یقیناً آریہ لوگ اسکا انکار کرینگے۔ اگر آریونکی پرانی کتب کے کچھ حصے نقل کئے جائیں اور دیانندی صاحبان سے دریافت کیا جائے کہ کیا آریونکے عقیدجات یہی ہیں۔ تو شاید دیانندی صاحبان کو اس کے سوا کچھ نہ سمجھ میں آئیگا۔ کہ ان کتابوں سے انکار کر دیں۔ بہرحال ہم اسوقت ان کتابوں کو نقل نہیں کرتے اگر آریہ صاحبان کو انہی پر فخر ہے۔ تو فبہا۔ مگر یہ بتلادیں کہ کیا انکے سابقین کا جنکا مختلف پرانی کتابوں میں ذکر ہے اور موجودہ دیانندی صاحبان کا ایک ہی مذہب ہے تو پھر ان میں اور ان میں اسقدر فرق کیوں ہے۔ غرضیکہ آریہ صاحبان کا پنڈت دیانند صاحب سے جو ان کے پیشوا ہیں۔ خاص تعلق ہے اور اسی لئے وہ بعض اوقات دیانندی کہلاتے ہیں اسلئے یہ مت بھی اسبارہ میں خصوصیت نہیں رکھتا۔ اگر خصوصیت ہے تو صرف اسلام کو جس نے اپنے پیرووں کو مسلمان کیا ہے۔ اگر کوئی مخالف محمدی کہکر اعتراض کرے۔ تو اور بات ہے؛

پرشاکر صاحب رقمطراز ہیں۔ کہ "برخلاف مسلمانوں کے ہم ان کی نسبت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے۔" پنڈت صاحب کا یہ فقرہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کاش وہ غور کرتے۔ کہ جب کہ مسلمان مانتے ہیں کہ دعا کیساتھ ناممکن معاملات میں انسان کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اور کوئی بات نہیں جو دعا سے حل نہیں ہو سکتی تو اگر وہ اپنے اس اعتقاد کے مطابق اپنے مطاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے خیر

سے یاد کریں۔ تو کونسا حرج ہے۔ ہم تو اس شخص کو بڑا ظالم سمجھتے ہیں۔ جو اپنے بزرگوں کو خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم الشان انسان کو دعا سے یاد نہ کرے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اور اسکی رضا کے ماتحت مخلوق کی ہمدردی کے لئے ایسے ایسے تکالیف اٹھائے۔ کہ جن کے ذکر سے قلم لرزاں ہے۔ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے گئے آپ پر سجدہ کی حالت میں اوجھڑی پھینکی گئی۔ آپ پر پتھر برسائے گئے۔ آپ کے قتل کی سازش کیگئی۔ بلکہ آپکے قتل کے لئے انعام مقرر کئے گئے۔ غرض کہ جس طرح ہو سکا شیطان کے بندوں نے آپکو ستایا۔ اور آپکو مشکلات میں ڈالا۔ صرف اس لئے کہ وہ کہتے تھے۔ کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ ایسے شخص کو جس نے ہمارے لئے ہر قسم کے دکھ اٹھائے۔ اگر ہم صرف زبان سے بھی صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہیں تو ہم بڑے احسان فراموش ہونگے۔ غرض یہ ہے کہ یہ بہت ضروری ہے کہ رسول کریم (فداہ روحی وجسمی) کا جب ہم نام لیں۔ تو اسکے ساتھ کم از کم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ضرور ہی کہا کریں

نہ معلوم شاکر صاحب نے اسپر کیوں اعتراض کیا ہے کیا یہ کوئی شرک ہے ہم تو کہتے ہیں کہ جتنے بزرگوں نے ہم پر احسان کئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم کم از کم انکے نام دعا کیساتھ یاد کریں۔ آپ تو کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی ایسا سمجھتے ہیں ہم تو ہر ایک شخص کو بھی کہتے ہیں جو سچے طور پر انکا متبع ہو جیسے دعا عام ہے۔ تو پھر اسپر اعتراض کی کوئی صورت نظر نہیں آتی:

باقی رہی یہ بات کہ آریہ صاحبان ایسا کیوں نہیں کرتے۔ سو میں کہونگا کہ آریہ صاحبان . . . . کی سخت غلطی ہے۔ بلکہ اسی غلطی کا نتیجہ ہے۔ کہ آریہ صاحبان دوسرے مذاہب کے بزرگوں

کے علاوہ اپنے بزرگوں کی بھی برا کہنے سے نہیں رک سکتے۔ جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بزرگوں کو دعا کیساتھ یاد نہ کرنے کا ایسا بُرا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ تو ہم کیوں آریت کے اعتراض سے ڈر کر اپنے پیارے آقا و مطاع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا سے یاد نہ کریں۔

پھر شاکر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ویدک دھرم میں کسی انسان کو تعلق نہیں وہاں تو صرف پرماتما کی سلطنت ہے جسکا نہ کوئی شریک ہے۔ نہ مصاحب نہ پیغمبر نہ اوتار۔ اسکے متعلق میں شاکر صاحب سے یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ آدت۔ اگنی۔ وایو وغیرہ کون تھے۔ وہ کس طرح اترے۔ آیا تمہے لکھانے کہیں سے تھے یا کسی انسان کے ذریعہ آپکو وید پہنچے ہیں۔ اسکا جواب غالباً آپ یہی دینگے۔ کہ آدت۔ انگر وایو وغیرہ انسانوں کے ذریعے ملے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اس مختصر سے مضمون میں تسلیم کیا ہے۔ جب یہ فیصلہ ہو گیا۔ کہ خدا تعالی نے چاروں رشیوں پر وید نازل کئے تو میں پوچھتا ہوں۔ وہ رشی کیا تھے۔ آخر آپ کو یہی کہنا پڑیگا۔ کہ وید جو خدا تعالے کا پیغام ہے مخلوق تک پہونچانیکا ذریعہ ہیں۔ پس اسی کو فارسی والے پیغامبر یا پیغمبر کہدینگے۔ آپ کس طرح دعوے کرتے ہیں۔ کہ ویدک دھرم کوئی پیغمبر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اور ایسی حالت میں آپ کا یہ فقرہ کیا صریح جھوٹ نہیں ہے؟

پھر اور سنئے۔ اور گوش ہوش سے سنئے۔ ہندوستان میں جتنے دیوتا تسلیم کئے گئے ہیں۔ کیا دنیا کے کسی اور حصہ میں بھی اسی قدر ۳۳ کروڑ دیوتا کی پوجا کی گئی ہے۔ اسکا جواب صاف ہے۔ کہ آریہ ورت اس امر میں دیوتا کی کثرت ہونیمیں تمام ممالک سے بڑا ہوا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ جب یہ ہندوستان میں ویدک دھرم تھا۔ تو اس نے بتوں کی پوجا سے کیوں

نہ روکا۔ آپ اس بات کو کسی طرح ٹال نہیں سکتے۔ کیونکہ نمونہ موجود ہے اگر آپ کو
معلوم نہیں۔ تو سناتن دھرمیوں سے پوچھ لیجئے کہ آیا دیوتا کی پرستش صحیح ہے
یا نہیں۔ ساتھ ہی ان سے یہ بھی دریافت کر لیں۔ کہ دیوتا کی پوجا میں آپ وید کو
ہی پیش کرتے ہیں۔ یا کچھ اور۔ پس جبکہ نمونہ موجود ہے۔ اور سابقہ ہندوؤں کا
عمل بتا رہا ہے۔ کہ وید کی ست دیوتا کی پوجا کی تعلیم دیتا ہے۔ تو آپ کس
طرح انکار کر سکتے ہیں۔ اسلئے اب آپکو یہ تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ وید کی دھرم میں پیغمبر
بھی مانے جاتے ہیں تو پھر آپ ایسا کہنے کی کسطرح جرأت کر سکتے ہیں۔ کیوں شاکر
صاحب! آپکو معلوم ہو گیا۔ کہ وید کی ست صرف ایشور کی بھگتی کی تعلیم دیتا ہے یا کچھ اور
بھی نہ پھر شاکر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ آریہ سماج کو نہ مسلمانوں سے عداوت ہے
نہ ہندوؤں وعیسائیوں وغیرہ سے خصومت۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ ان مذاہب
باطلہ کا ضرور مخالف ہے۔ کیونکہ یہ سب جھوٹے ہیں"
اس بات پر کچھ لکھنے کی اتنی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کہ وہ اسلام دشمن
ہے کیونکہ میں اپنے ایک اس سے پہلے آرٹیکل میں بتا آیا ہوں۔ کہ اگر آریہ
کے ہاتھ میں حکومت آجاوے تو ہمارے ساتھ کیا سلوک یہ روا رکھینگے
اسکے علاوہ مذہبی دنیا جانتی ہے کہ آریہ سماج کو مسلمانوں سے کتنی دشمنی ہے
میں ایڈیٹر صاحب آریہ مسافر سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ اگر آپکو اسلام سے
دشمنی نہیں تو آپ نے صرف اسلام کی مخالفت کیلئے جیسا کہ آریہ مسافر کے نام
سے معلوم ہوتا ہے) اپنا پرچہ کیوں جاری کیا۔ پھر مسافر آگرہ جیسا گمنام
پرچہ کیوں جاری ہوا۔ باقی رہا یہ کہ آریہ مسلمانوں سے کیا سلوک کرتے ہیں
سو یہ صاف بات ہے۔ اسکے لئے میرے خیال میں دسمبر ۱۹۲۰ء کا واقعہ
کافی ہے جبکہ آریہ سماج لاہور نے بازار مسلمانوں کو مخاطب کر کے گالیاں ہی

نہیں دیں۔ بلکہ ان گایوں کی قیمت بھی چارج کی؟

پھر دیکھو پنڈت لیکھرام کے قتل پر آریوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا۔ غرض اسبات کو دنیا خوب جانتی ہے کہ آریوں کو اسلام سے ایک خاص دشمنی ہے کیونکہ آریہ سماج جانتی ہے کہ ہمیں ترقی سے روکنے والا صرف اسلام ہی ہے اسکا ثبوت یہ ہے کہ آریوں کی طرف سے جتنی کتابیں اور جتنے اخبار شایع ہوتے ہیں ان سب کو دیکھا جاوے تو اسلام کی مخالفت میں کثرت سے مضمون ہونگے بہ نسبت اسکے کہ کسی اور مذہب کی مخالفت میں ہوں۔ یہ دعوے صحیح نہیں کہ سب مذاہب جھوٹے ہیں۔ صرف آریہ سماج ہی سچا ہے۔ اگرچہ اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا مگر تاہم کچھ عرض کئے دیتا ہوں۔

پنڈت دیانند صاحب اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش مترجمہ راؤ ہاکشن مطبوعہ لاہور سنہ ۱۸۹۸ء کے صفحہ ۷۰۰ میں آیت کریمہ اھدنا الصراط المستقیم پر اعتراض کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "یہ ہدایت کیا مسلمانوں کا ہی ہے اوروں کو نہیں ...... اگر اچھی باتیں سب مذاہب میں مشترک ہیں تو پھر مسلمانوں میں کچھ خصوصیت مذہبی اور اچھی باتیں نہیں مانتے تو ثابت ہوا کہ وہ متعصب ہیں" پھر صفحہ ۷۰۶ پر فرماتے ہیں کہ جس کتاب میں متعصبانہ باتیں پائی جائیں۔ وہ کلام الہٰی نہیں ہو سکتی" پھر صفحہ ۷۰۸ پر فرماتے ہیں کیا اپنے ہی منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کرنا ریاکاری نہیں" پھر صفحہ ۷۰۹ پر فرماتے ہیں "نیکوں کاروں پر خواہ وہ کسی مذہب میں ہوں، رحم کریگا"

اب میں ان تمام حوالوں کے بعد آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا آریوں کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اگر اور مذاہب میں بھی عمدہ باتیں ہیں تو پھر آپ ان مذاہب کو مذاہب باطلہ کیوں کہتے ہیں اور جب اور مذاہب میں بھی خوبیاں ہیں تو

انکو جڑھ سے اکھاڑنا گویا خوبیوں کو نیست نابود کرنا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آریہ سماج نیکیوں کو جڑھ سے اکھاڑنے کے لئے آتا ہے پھر دیکھو دوسرے مذاہب میں بھی رہ کر نجات مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ نیک ہوں۔ تو ویدک مت کی پیروی کی کیا ضرورت ہے اور اگر آپ کہیں کہ دوسرے مذاہب میں بھی باتیں نہیں۔ تو یقیناً بموجب فیصلہ پنڈت دیانند صاحب آپ متعصب ہیں اور جو مذہب آپکو ایسا تعصب سکھلاتے وہ منجانب اللہ نہیں ہو سکتا۔ مگر چونکہ وید نے آپ کو تعصب سکھلایا ہے۔ اسلئے **بقول پنڈت دیانند صاحب وید منجانب اللہ نہیں**؛ اور اگر تم کہو کہ وید منجانب اللہ ہے تو اس میں یہ کہیں دعویٰ نہیں ہے۔ . . . . جو کتاب خود دعوے نہیں کرتی تمہارا کیا حق ہے کہ تم اسکو منجانب اللہ کہو اور اگر کہو کہ اسنے دعوے کیا ہے۔ کہ میں ایشور کی طرف سے نازل ہوئی ہوں تو ایشور نے اپنے منہ سے اپنی کی تعریف کی اور یہ بقول پنڈت دیانند صاحب ریاکاری ہوگی۔ معوذ باللہ من ہذا الخرافات

یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے پنڈت دیانند صاحب کے مندرجہ بالا حوالوں سے لیا ہے جس سے ناظرین اس نتیجہ پر ضرور پہنچ گئے ہونگے کہ ویدک مذہب بقول پنڈت جی جھوٹا مذہب ہے۔ جب وہ خود جھوٹا مذہب ہے۔ تو پھر دوسروں سے مباحثہ وغیرہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔

اس کے بعد شاکر صاحب فرماتے ہیں: "برخلاف اس کے اسلام کو آریہ سماج سے سخت عداوت ہے" یہ ایک ایسا فقرہ ہے۔ جس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے۔ . . . . اس کے ثابت کرنے کے لئے شاکر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ (۱) لیکھرام کو قاتل مسلمان تھا۔ (۲) پنڈت دیانند

کے زہر دینے میں ایک مسلمان کی شمولیت تھی (۳) مسلمانوں نے آریوں کی تذلیل اور خرابی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا"

لیکھرام کے قتل کے متعلق یہ کہنا کہ مسلمان نے قتل کیا تھا جھوٹ ہے۔ اسکا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ اور نہ آریہ سماج کبھی اثبات کیجانے ثبوت پہونچا سکتی ہے۔ ہاں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مرشدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود کی پیشگوئی سے ہلاک ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

الا اے دشمن نادان بے راہ
بترس از تیغ بران محمد ؐ

لیکن اسکے مقابلہ میں خود لیکھرام کی بھی پیشگوئی تھی۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی نے سچا ہو کر اسلام کی صداقت اور آریہ دھرم کے کذب پر مہر لگا دی۔

پنڈت سوامی جیکو (بقول آریوں کے) زہر دینے میں اگر کوئی مسلمان شریک تھا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اصل زہر دینے والا کون تھا۔ اور زیادہ قصور کسکا تھا؟ یہ تیسری بات بھی ثبوت طلب ہے۔ اگر کوئی ثبوت پیش کریں۔ تو اسکی طرف توجہ کیجا سکتی ہے!

اب ہم حضرات انصاف پسند سے ملتمس ہیں۔ کہ وہ بروئے انصاف اس امر کا تصفیہ کر دیں۔ کہ کون فریق برسر حق ہے۔ اور کون برسر باطل۔ آریہ جب اسلام کے مقابلہ میں کچھ اور نہیں سوجھتا۔ تو اپنے تعصب سے مسلمانوں پر اتہام لگانا شروع کر دیتے ہیں ؂

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

اپیل بخدمت ممبران انجمن تشحیذ الاذہان

رسالہ تشحیذ الاذہان صرف اسلئے جاری کیا گیا تھا کہ اس کے ذریعہ سے نوجوانان سلسلہ احمدیہ عموماً اور ممبران رسالہ ہذا خصوصاً اپنے اپنے مضامین لکھکر اس رسالہ میں شائع کرائیں۔ تاکہ آئیندہ زندگی میں وہ اس بات کے مشاق ہو جائیں۔ کہ اپنے خیالات کو اچھی طرح سے مخلوق پر ظاہر کر سکیں۔ لیکن تجربہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ آجتک اسپر پورے طور سے عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ صرف چند اصحاب جو کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور انھوں نے بہت سا فائدہ بھی ماشاء اللہ اس سے حاصل کیا ہے۔ باقی سب خاموش ہیں۔ حالانکہ ان کا بھی حق ہے۔ بلکہ فرض ہے کہ اپنے فائدے کے لئے اور نیز مخلوق کے فائدہ کے لئے اس رسالہ کو اپنے مضامین سے رونق دیں؛

ممبر چونکہ مضامین کم بھیجتے ہیں۔ اسواسطے مجبوراً ہمارے مکرم ایڈیٹر صاحب کو خود اپنے مضامین سے رسالہ پر کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ ماہ کے پرچہ میں سوائے ایک مضمون کے سب مضامین انہیں کے تھے۔ ممکن ہے کہ بعض صاحبان اس خیال سے ہمت نہ کرتے ہوں کہ وہ اچھے مضامین نہیں لکھ سکتے۔ مگر یاد رہے کہ کوئی بڑے سے بڑا لیکچرار یا مضمون نگار پہلے ہی ایسا کمال نہیں رکھتا۔ جیسا کہ بعد ازاں مشق و استقلال سے پیدا کر لیتا ہے پہلے دن جب ڈیماسیتھنز اسٹیج پر لیکچر دینے کو کھڑا ہوا۔ تو سب حاضرین اسکی ناتجربہ کاری پر بہت ہنسے۔ لیکن اس نے استقلال کو ہاتھ

ندیا۔ اور آخر کار اتنا بڑا لیکچرار ہو گیا۔ کہ آج تک تعلیم یورپ اسپر ناز کرتا ہے
بموجب حکم قرآن مجید لم تقولون مالا تفعلون ؕ میں بھی چند سطروں کو
گر خاموشی کو توڑتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ دیگر ممبر بھی اس حقیر سے
مضمون کو دیکھکر جرأت کرینگے؛

"دُعا اور اِسلام"

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً
مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ؛

دعا بھی اللہ تعالیٰ کے ان بڑے بڑے احسانات میں سے ہے
جن سے کہ اسنے اسلام کو دیگر مذاہب پر فضیلت دی۔ بڑے سے بڑا عقدہ
اور بڑے سے بڑا کام جس کے آگے انسان کی سب تدبیریں اور کوششیں عاجز
ہوں۔ اگر حل ہو سکتا ہے۔ تو اسی دعا سے۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ دعا مانگنے والا
اللہ تعالےٰ کو حقیقی قادر مطلق جانے اور غیر معمولی طور پر استقلال سے کام لے
اسجگہ مجھے ایک کہانی یاد آئی۔ جسکو اپنے آقا حضرت خلیفۃ المسیح سے سننے کا
بہت دفعہ اتفاق ہوا۔ ایک دفعہ جب کہ ایک بزرگ بڑے تضرع سے اللہ تعالیٰ
کے حضور میں ایک معاملہ کے متعلق دعا مانگ رہے تھے۔ تو اوپر سے آواز
آئی۔ کہ تمہاری دعا ہرگز قبول نہ ہوگی اتفاق سے انکے ایک شاگرد بھی وہاں
موجود تھے۔ وہ اس غیبی آواز کو سن کر بہت حیران ہوتے۔ لیکن اس روز
انہوں نے اس بات کا ذکر ان بزرگ صاحب سے نہ کیا۔ لیکن تین روز تک
متواتر جب انھوں نے یہی آواز سنی تو آخرکار بڑے ادب سے اپنے بزرگ

اُستاد سے عرض کیا، کہ جب آپکو اتنی نا امیدی دلائی جاتی ہے تو آپ کیوں اپنا وقت اس میں ضایع کرتے ہیں۔ اس پر وہ بزرگ مسکرائے اور فرمایا کہ تم تو تین دن میں ہی مایوس ہو گئے مجھے تو یہی آواز سنتے ۲۰ سال ہو گئے۔ میں عبد ہوں اور میرا کام عبودیت ہے اور اسلئے میرا فرض ہے کہ میں ہر وقت دعاؤں میں لگا رہوں اور خدا تعالے مالک ہے۔ اسلئے قبول کرنا یا نہ کرنا اس کا کام ہے۔ سو اسکے قبول نہ کرنے میں اپنا کام کیوں چھوڑ دوں۔ اور اپنے فرض منصبی سے کیوں اعراض کروں:

اللہ تعالےٰ کو ان کا یہ استقلال ایسا بھلا معلوم ہوا۔ کہ اگلے روز ہی ان کو الہام ہوا۔ کہ تمہاری دعا قبول ہو گئی:

مذکورہ بالا حکایت سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ جب اتنی اتنی ہی مدت میں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تو ایسے امور کے لئے دعا مانگنے سے کیا فائدہ۔ جنکی میعاد بہت تھوڑی ہو۔ مثلاً ایک شخص کو پانچ منٹ کے بعد ایک امتحان دینا ہے۔ لیکن وہ اسلئے اسکے واسطے دعا نہیں کرتا۔ کہ اتنے عرصہ میں یہ کیونکر قبول ہو سکے گی۔ سو یہ خیال اسکا غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے مابین کوئی فاصلہ تو نہیں ہے کہ جس سے دعا کے وہاں تک پہنچنے میں کچھ دیر لگ سکے۔ وہ خود فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ پھر فرماتا ہے۔ ان اللہ علیم بذات الصدور۔ پانچ منٹ تو ایک عرصہ ہوتا ہے۔ اگر ایک واقعہ جو ایک سیکنڈ کے بعد ہونیوالا ہو۔ اسکے لئے بھی اگر دعا کیجائے تو اللہ تعالیٰ اسکام کو پورا کر سکتا ہے:

بعض لوگ شکایت کیا کرتے ہیں۔ کہ ہم نے بہت دعائیں کیں لیکن ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ سو اول تو انکے یہ الفاظ ہی انکی الوہیت کی بے اتصال

ثابت کر رہے ہیں۔ دوئم یہ بھی مسلّم بات ہے۔ کہ انسان بعض وقت ایسی دعا مانگتا ہے جو کہ حقیقتاً اسکے لئے مضر ہوتی ہے جیسے کہ قرآن شریف میں بھی آیا ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دعا کی قبولیت میں دوسرے کا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آسمان پر گھنے بادل ہوں۔ اور بارش کے علامات ظاہر ہو رہی ہوں۔ تو اسوقت ایک کمہار کے دل سے جس کے کچے برتن باہر دھوپ میں سوکھنے کے لئے رکھے ہوئے ہوں۔ یقیناً یہی دعا نکلے گی۔ کہ اے رب بارش کو تھامے رکھ۔ اور سورج کے آگے سے بادلوں کو ہٹا دے۔ تاکہ میرے برتن سوکھ جائیں لیکن ادھر ایک مالی جس کے باغ کے پھل پانی کی قلت سے مرجھائے ہوتے ہیں اور وہ کئی روز سے بارش کیلئے دعا کر رہا ہے اب ایسی حالت میں دونوں کی دعا کا قبول ہونا اور نہ ہونا قانون قدرت کے خلاف ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں سے ایک کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور دوسرے کا جسکا نقصان ہوتا ہے اسکے نقصان کو کسی اور راہ سے پورا کر دے۔ بلکہ کئی درجہ اور بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے۔

بعض وقت اللہ تعالےٰ انسان کو آزماتا ہے۔ جیسا کہ آپ صاحبان نے پہلی حکایت میں ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ مگر یہ آزمائش انسان کو محض تکلیف دینے کے واسطے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ جہت سے انعامات کرنیکے لئے ایک بہانہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کی آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے ولنبلونکم بشیئٍ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا

للہ وانا الیہ راجعون۔ اولٰئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولٰئک ہم المھتدون۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی وقت انسان کی دعا قبول نہیں فرماتا۔ بلکہ اسکی بجائے اسکے گناہ بخشدیتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو صرف اسواسطے جنت میں بھیجیگا۔ کہ دنیا میں انکی بہت سی دعائیں اسنے قبول نہیں فرمائیں تھیں۔ حالانکہ بلحاظ اعمال کے وہ دوزخ میں جانیکے قابل ہونگے پھر اس موقعہ پر بعض لوگ تمنا کرینگے کہ کاش ہماری ایک دعا دنیا میں نہ سنی جاتی۔ کہ اسوقت ہم کچھ فائدہ اٹھا سکتے۔ اس بات کو مدنظر رکھکر میرے خیال میں کوئی شخص بھی اپنی دعا کے قبول نہ ہونیکی شکایت دل میں نہیں لا سکتا ہے۔

غرضیکہ یہ ایک ضروری اور لابدی امر ہے کہ درد دل سے نکلی ہوئی دعا کبھی ضائع نہیں جاسکتی۔ یہ ایک ایسے تیر کے مانند ہوتی ہے جسکو کوئی ڈھال ہرگز نہیں روک سکتی۔ اور ایک ایسی آگ کی مانند ہوتی ہے جس کو پانی ہرگز نہیں ٹھنڈا کرسکتا۔ کیا وہ حضرت نوح علیہ السلام کی ہی دعا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا الخ، ہی نہ تھی۔ جس نے سب کفار کو ایک دم میں ملیا میٹ کردیا؟ اور کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پر اثر دعا کا اثر نہ تھا کہ جس سے فرعون جیسا عظیم الشان بادشاہ ایک لمحہ میں اس کی آنکھوں کے سامنے حسرت بھرے دل سے لقمہ اجل ہوا۔ پھر کیا وہ ہمارے شفیع الوریٰ سید المرسلین سرور عالم کی انتھک دعاؤں کا جادو خیز اثر نہ تھا کہ جس نے عرب جیسی اجہل قوم کو افضل بنادیا۔ اور جنگ بدر میں ۳۱۳ مسلمانوں کی قلیل اور بے سروسامان جماعت نے کفار کے ایک ہزار تجربہ کار بہادروں کو جو ہر طرح مسلح تھے۔ پس پا کردیا۔ اور آخر میں میں کہونگا۔ کہ یہ ہمارے آقا حضرت مسیح موعود

کی پر وہ دعاؤں کا ہی غیر معمولی اثر تھا کہ جس نے لیکھرام جیسے دشمن اسلام و دیگر حشرات الارض کو ان کی زندگی میں نابود کر کے اسلام کا بول بالا کر دیا۔

اب آخر میں ناظرین کو ایک دلچسپ واقعہ دعا کے متعلق سنا کر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو کس طرح قبول فرماتا ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے اللہ تو مجھے بلا محنت رزق عطا فرما۔ ایک عرصہ دراز تک وہ شخص یہ دعا بڑے تضرع و استقلال سے کرتا رہا۔ لیکن اتفاقاً ایک ہمسایہ کی گائے اسکے ہاں آگھسی تو اس نے اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھکر پکڑ لیا۔ اور ذبح کر کے خود بھی کھایا۔ اور غریبوں میں بھی تقسیم کیا۔ مالک کو جب اطلاع ملی تو اس نے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اس پر حضرت نے دونوں کو طلب فرمایا اور اظہار لئے جب مدعا علیہ کی باری آئی تو اس نے عرض کی کہ پہلے میری وہ دعا سن لیجئے کہ جس کے بدلہ میں یہ گائے مجھکو ملی ہے اور پھر ایسے درد انگیز لہجہ میں وہی دعا دہرانے لگا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دل بھر آیا۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ آخر کو مقدمہ کی تاریخ کل پر ڈال دی اور رات بھر اللہ تعالیٰ سے اصلی معاملہ کے انکشاف کے لئے دعا کی تب اللہ تعالیٰ نے اصل حقیقت ان پر کھول دی اور فرمایا کہ صبح کو تم مدعی کو کہو۔ کہ ملزم کو معاف کر دے اگر وہ راضی نہ ہو تو پھر کہو اور اگر پھر بھی راضی نہ ہو۔ تو اسکا سب مال و اسباب ملزم کو دلوا دو۔ کیونکہ مدعی نے مدعا علیہ کے باپ کو مار کر اسکا سب مال و اسباب اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ اور فلاں پتھر کے نیچے مدعا علیہ کا باپ معہ اس تلوار کے جس سے وہ قتل کیا گیا تھا۔ مدفون ہے چنانچہ صبح کو حضرت داؤد علیہ السلام نے بموجب حکم الٰہی مدعی سے ملزم کو معاف کرنیکی

سفارش کی لیکن وہ اسپر بہت بگڑا۔ اور آخر کار جب وہ کسی طرح سے نہ مانا۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام معہ مدعی و مدعا علیہ و دیگر اہل دربار اس پیڑ کے پاس تشریف لیگئے۔ اور جب اس پیڑ کے نیچے سے زمین کھدوائی تو واقعی اس میں سے ملزم کے باپ کی لاش نکلی۔ اور ایک تلوار بھی جس پر کہ مدعی کا نام کھدا ہوا تھا۔ چنانچہ مدعی کو آخر کار اس جرم کا اقرار کرنا پڑا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے اسکا سارا مال و اسباب مدعا علیہ کو دلوا دیا۔ اور اس طرح اسکی دعا پوری ہوئی؛

یکہ گوئی گر دعا ہا را اثر بودے کجاست
سوئے من بشتاب بنمایم ترا چوں آفتاب
ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق
قصہ کوتہ کن ببیں از من دعائے مستجاب

(منظور علی شاکر ازمرادآباد)

پردہ

اس زمانہ میں یوروپین تہذیب کا اثر ہندوستانیوں کی کمزور طبیعتوں پر اسقدر زیادہ ہوگیا ہے کہ جس کا بیان نہیں ہر بات میں یورپ ہی کی تقلید کو پسند کیا جاتا ہے۔ مذہب کچھ کہے اسلام کچھ بتائے وہ سب فضول۔ مگر جو بات عروس چمن یورپ کی زبان جادو بیان سے نکل جائے وہ پتھر پر لکیر ہو۔ اسپر تمام یوروپین تہذیب کے فدائی آمنا و صدقنا کہنے کے لیے تیار ہے

حیف گر از اثر فلسفۂ مغربیان ✤ منکر فلسفۂ سنت و قرآن باشی
مسمر از شعبدۂ جلوۂ دہر بہبی ✤ منکر معجزۂ عیسےٰ عمران باشی
گفتۂ مسولن و آئین جہانبانی او ✤ بر زبان داری و بیگانہ ز نعمان باشی
از ہنیبال صد افسانہ و دستان گوئی ✤ جاہل از معرکہ فاتح ایران باشی
قیصر و رابمہ یک بشماری افکار ✤ بیخبر از عمرؓ و حیدرؓ و عثمانؓ باشی

مگر میں بلاخوف لومۃ لائم۔ ڈنکے کی چوٹ پکار کر کہونگا کہ یہ تمام باتیں اور بد اعتقادیاں اور صراط مستقیم سے لغزشیں اسلام سے ناواقف اور عقل سلیم سے بے بہرہ ہونیکا نتیجہ ہیں۔ رسم پردہ جو آجتک اسلامی ممالک میں نہایت عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے۔ اور جس کے فوائد اصحاب دانش و بینش پر ہویدا ہیں اور جس پر تیرہ سو برس سے لیکر آجتک مسلمان عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ آج یوروپین تہذیب کے از عامہ الحال میں نہ فقط غیر مفید چیز ہے بلکہ پہلے درجہ کی تباہ کن بھی۔ میں

اس موقعہ پر مضمون زیر بحث آیات قرآن اور آثار نبوی صلعم سے ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہتا۔ بلکہ روزمرہ کے واقعات اور شہادات کی بنا پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں:۔

"تاریخ شاہد ہے۔ کہ جس وقت آفتاب رسالت سرزمین عرب میں چمکا اسوقت عربوں کی بدچلنی اور بد اخلاقی درجہ کمال تک پہنچ چکی تھی۔ زناکاری اس حد تک ہوتی تھی۔ کہ چپ ہی بھلی۔ اس بے شرمی و بے غیرتی کو جڑھ سے اکھیڑنے کے لئے تاجدار دو عالم نے پردہ کو رواج دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں بہائم خصلت عرب اپنی خصلت جبلی کو بھول بھال کر پرلے درجہ کے نیک چلن بنگئے۔ اور آج پورے پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ تمام جہان میں سب سے زیادہ نیک چلن ملک عرب ہی ہے۔" یورپ جیسے آج اپنی تہذیب پر غرہ ہے آزادی نسواں اور پردہ کے نہ ہونیکے باعث پرلے درجہ کی اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہے۔ بسقدر بدچلنی کا زور اس خطہ زمین میں ہے شاید جہان کے کسی دوسرے حصہ میں نہیں۔ آپ کی بیوی کو آپکے سامنے دوسرا اپنے ساتھ بانہو میں بازو دیئے لیجاتا ہے۔ مگر کیا مجال کہ آپ تاب دم زدن لائیں۔ ورنہ ابھی بیوی صاحبہ سے پچاس سنی پڑیں۔ اور پیچھا چھڑانا مشکل ہوجائے آزادی نسوان یا بے پردگی کے زہریلے اثر کا پتہ پچھلے دنوں انگلستان کو لگ گیا۔ جبکہ عورتوں نے علی الاعلان پارلیمنٹ میں عورتوں کو ممبر بنائے جانیکے لئے تمام ملک کو سر پر اٹھالیا۔ اور بوجہ ان کی درخواست کے نامنظور کئے جانیکے ہنگاموں اور بلوؤں میں اپنے جوش کو ظاہر کیا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض عورتوں کو جیلخانہ میں بھیجا گیا۔ اکبر صاحب اب بھی آزادی نسواں

ہی کا کھٹکا پڑا ہو گا)
جوان عورت کو کھلے منہ ہر گلی کوچہ میں خراماں ہونا صبر و شکیبائی کے رشتہ کو کاٹنے کیلئے مقراض کا کام دیتا ہے۔ اُدھر عاشق کی تلاش اِدھر معشوق کی جستجو ؎

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گذرے گی جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو

برخلاف اسکے اگر عورتیں حیا اور شرم سے اپنے مکانات میں باپردہ رہیں تو یقیناً بدچلنی کا تخم جہان کے صفحۂ ہستی سے اُٹھ جائے۔ کیونکہ ؎

بغیر از فصل گل وحشت میں دیوانہ نہیں آتا
نہ جب تک شمع روشن ہو تو پروانہ نہیں آتا

کئی مدت کے غور و تامل کے بعد میں اس نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ رسم پردہ ہی کے نہ ہونیکے باعث ہندو مذہب نے نیوگ کو زیبا جائز ٹھہرایا۔"

میں اپنے مضمون کو فخر ملک و قوم جناب نواب محسن الملک مرحوم کے ایک ریمارک پر ختم کرتا ہوں۔ جو انہوں نے بمقام بمبئی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعہ پر پردہ پر کیا۔ نواب صاحب فرماتے ہیں۔

"مجھ کو افسوس ہو کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ کالج، اُنکی اور کانفرنس کی رائے ہے کہ پردہ اُٹھا دیا جائے میں کہتا ہوں کہ نہ کانفرنس کا یہ منشا ہے اور نہ کالج کا۔ کالج کے بانی سر سید احمد خان تو جاہل سے جاہل اور کٹر سے کٹر مسلمان سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر تھے۔ چنانچہ کلکٹروں کی بیویوں نے انکی بہو محمود بیگم سے ملنا چاہا۔ لیکن انھوں نے اسکو بھی جائز نہ رکھا علیگڑھ پارٹی اور ٹرسٹی کالج کے۔ و نیز ہمدردی طلباء کی یہ رائے ہے کہ پردہ حیا کو موجودہ زمانہ میں بے قائم رکھا جائے۔ پردہ کی نسبت میری ذاتی

رائے یہ ہے کہ پردہ ایک مذہبی امر ہے اور مذہب کے جیسا ثابت ہو وہ رکھا جائے۔ والسلام خیر الختام

بتوا ل ورنہ آن مباش کہ مضمون تو دلست۔ صد سال میتوان سخن از زلف یار گفت

نوٹ: ایسے وسیع مضمون پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے لیکن اس خوف سے کہ طول سخن باعث ملال طبع ناظرین ہو۔ اسی پر اکتفا ہے۔

احقر العباد سید محمد ظفر حسین آزاد از مظفر پور

ریویوز

تندرستی لاہور یہ ایک نیا اخبار ہے جسکا دوسرا نمبر جو ۱۹ جون ۱۹۱۰ء کو شائع ہوا ہے ریویو کے لئے دفتر تشحیذ الاذہان میں موصول ہوا ہے یہ اخبار اسلئے جاری کیا گیا ہے کہ نوع انسان جن مرضوں میں گرفتار ہیں انکو ان کے بچنے کے قواعد بتائے اور ان مرضوں کے نقصانات سے آگاہ کرے اور پھر ایسے مرضوں کی تشخیص و علاج وغیرہ بہ تحقیق بیان کیا جاوے۔ اسی طرح صحت کے متعلق مختلف تحقیقاتیں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرے

اسکے دوسرے نمبر میں جو مضامین درج کئے گئے ہیں وہ انہی اغراض کو لئے ہوئے ہیں۔ یہ ماہوار اخبار ہر انگریزی مہینے کی ۱۹ تاریخ کو لاہور سے شائع ہوتا ہے اس اخبار کا دوسرا نمبر جو ہمارے سامنے ہے ۲۲×۱۹ کے سولہ صفحوں پر شائع کیا گیا ہے قیمت سالانہ صرف ۱۲ آنہ ہے۔ خط و کتابت و ترسیل زر بنام مینیجر تندرستی و چشمہ صحت لاہور اچھرہ روزہ کے نام پر ہونی چاہئے

اُولی الاَمر

یہ ایک چھوٹا سا ٹریکٹ قاضی غلام محی الدین صاحب اڈیٹر العزیز بٹالہ نے تصنیف کرکے اپنے اخبار پرچہ العزیز کیساتھ بطور نمونہ شائع کیا ہے۔ اس ٹریکٹ کی بڑی بڑی سرخیاں یہ ہیں: "تابعداری حاکمِ وقت عین فرض ہے" انگریزی راج کے ہندوستان میں نوازش، مسلمان ہر جگہ اپنے اپنے بادشاہ کے خیر طلب اور اطاعت گزار ہیں، فساد اور مذمت فساد میں قرآنی احکام۔ برٹش گورنمنٹ کے احسانات و برکات منظوم۔ کتاب میں اختصار کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ ٹریکٹ ۲۹×۲۲/۸ کے سفید کاغذ کے ۴۰ صفحوں پر شائع ہوا ہے قیمت فی جلد ۲ پیسہ جو اصل مصنف سے طلب کرو۔

ٹریکٹ سیریز مدرسہ الٰہیات کانپور

ہمارے پاس مدرسہ الٰہیات کانپور کی طرف سے ٹریکٹ نمبر ۲ و ۳ پہونچے ہیں۔ ٹریکٹ نمبر ۲ میں مسئلہ اصول ازدواج پر بحث کی گئی ہے۔ اور ٹریکٹ نمبر ۳ میں سماجی پرمیشور یعنی ویدک توحید اور اسلامی توحید کا مقابلہ کیا گیا ہے یہ ٹریکٹ بڑی تحقیقات سے لکھے جاتے ہیں۔ انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے مصنف جو طلباء مدرسہ الٰہیات میں سے ہیں آریوں کی کتابوں سے خوب واقف ہیں۔ ان ٹریکٹوں میں سلسلہ وار ہر ایک ٹریکٹ میں ویدک مت پر چالیس اعتراض کئے گئے ہیں اور اعتراضوں کے نمبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ٹریکٹ میں بھی چالیس اعتراض درج تھے۔ ہمارے خیال میں یہ سلسلہ ٹریکٹس بہت مفید ہے۔ ٹریکٹ مفت تقسیم ہوتے ہیں صرف ٹکٹ محصول کیلئے بھیجنے پڑتے ہیں۔ درخواستیں حافظ احمد اللہ صاحب آنریری سکرٹری مدرسہ الٰہیات کانپور کے نام بھیجی جانی چاہئیں۔

خداتعالیٰ کے قہری نشانات

۱۹۰۵ء

خداتعالیٰ کے ایک مامور نے آج سے تقریباً پانچ سال پہلے یعنی ۸ اپریل
خداتعالیٰ سے خبر پاکر دنیا کی ہمدردی کے لیے ایک خبر شائع کی تھی جسکا خلاصہ
یہ ہے۔

سونیوالو جلد جاگو یہ نہ وقت خواب ہے ۔ جو خبر دی وحی حق نے اس سے دل بیتاب ہے
زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمین زیر و زبر ۔ وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے
ہے سر راہ پر کھڑا نیکوں کی وہ مولا کریم ۔ نیک کو کچھ غم نہیں ہے گو بڑا گرداب ہے

جس وقت یہ پیشگوئی شائع ہوئی اسپر ہر طرح سے ہنسی کیگئی یہانتک کہ بعض اخباروں نے لکھدیا کہ پبلک میں بدامنی پھیلانے کیلئے یہ پیشگوئی شائع کی گئی ہے۔ غرض اسوقت دنیا کے بندوں نے جس طرح ہوسکا زور لگایا کہ پیشگوئی شائع نہ ہووے۔ مگر جوں جوں مخالفین نے اس پیشگوئی کی اشاعت کے روکنے کی کوشش کی توں توں خداتعالیٰ نے اپنے بندے پر زور دیا کہ کثرت کیساتھ شائع کیجاوے چنانچہ یہ پیشگوئی بڑے زور سے شائع کی گئی۔ دنیا میں کوئی ملک نہیں جہاں یہ پیشگوئی نہ پہونچی ہو مگر دنیا نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اسلئے خداتعالیٰ کے قہری نشانات مختلف صورتوں میں واقع ہوتے رہتے ہیں ان قہری نشانات میں سے بہت کچھ مختلف اوقات میں بتائے جا چکے ہیں۔ ہر سال بہت سے واقعات اس پیشگوئی کی صداقت پر مہر کرجاتے ہیں جیسا کہ اخبار بین دنیا کی نظر سے مخفی نہیں ہے ذیل میں

دو چار واقعات ایسے لکھتا ہوں جو آجکل اخباروں میں چکر لگا رہے ہیں۔

وادی رائن (جرمنی) کا قصبہ الشی نامی اسی طوفان سے تمام و کمال برباد ہو گیا ہے۔ نقصان جان بے پایاں ہوا ہے۔ صحیح تعداد معلوم نہیں پاس کا قصبہ آدساو بھی برباد ہو گیا ہے ایک پل جس پر تماشائیوں کا مجمع جمع تھا۔ ٹوٹ کر مسمار ہو گیا۔ سب لوگ دریا میں ڈوب گئے۔

بالائے صوبہ بویریا میں بھی عظیم طوفان آنے شہر آبیر مرگاؤ کیساتھ آمد و رفت ناممکن ہے۔ بہت سے برٹش و امریکن مسافران بباعث طوفان کے شہر میں اس خبر سے نہیں جا بجا ماتم طاری ہے۔

برہما میں کثرت باراں سے سخت سیلاب آیا جس سے ریل کی سڑک کئی جگہ سے ٹوٹ گئی اور بہت سا نقصان ہوا

اٹلی کا زلزلہ کچھ عرصہ گزرا۔ اٹلی میں سخت زلزلہ آیا تھا۔ اب پھر اٹلی کے صوبہ ایلمینو میں سخت زلزلہ آیا۔ بہت سے مکانات اور جانیں ضائع ہوئیں۔

یہ سب واقعات اسطرف توجہ دلا رہے ہیں۔ کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئیے۔ جیسا کہ اس پیشگوئی سے ظاہر ہے جس کی تصدیق کیلئے یہ واقعات ہو رہے ہیں لہٰذا بہت جلد خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئیے

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اس سیل سے
حیلے سب جاتے رہے اک حضرت توّاب ہے

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

اشتہار

[illegible]

المشتہر مینیجر نیر اعظم بک ایجنسی یو-پی مراد آباد روہیلکھنڈ

ڈاکٹر برمن کا بنایا ہوا

TRADE MARK

اصلی عرق کافور

TRADE MARK

اُنیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ برمن [illegible] تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

[illegible] چھپا

یہ رسالہ ماہوار ہر انگریزی مہینہ کی آخری تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے

جلد ۵ نمبر ۷

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ عوام سے ... دو روپیہ اور طلباء سے ...

رسالہ تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ جولائی ۱۹۱۰ء | فہرست مضامین | مطابق رجب المرجب

ایڈیٹر

حافظ عبد الرحیم

ایڈیٹر

باہتمام حافظ عبد الرحیم صاحب مینیجر ... جولائی ۱۹۱۰ء کو قادیان سے شائع ہوا

باہتمام ... مظفر الدین صاحب ... پریس لاہور میں چھپا

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ و ست سلاجیت

اصلی ممیرے اور ممیرے کا سرمہ کا اعلان عرصہ سے شائع ہو رہا ہے اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب کے تجویز کردہ نسخہ کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور اصلی ممیرا اسکو خود حضرت نے دیکھکر اصلی ممیرا ہونے کی تصدیق کی اس میں ڈالا گیا ہے حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ "برائے امراض چشم بسیار مفید است" اس شہادت کے بعد مجھے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ چار لاکھ افراد کا امام جو طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی اپنا امام کہلایا جا سکتا ہے اسکے مفید ہونے کی شہادت دیتا ہے یہ سرمہ دھند جالا پھولا اور ضعف البصر اور سرخی اور ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کیلئے بہت مفید ہے قیمت سرمہ قسم اول فی تولہ عہ دوم عہ سوم عہ اصلی ممیرا قسم اول عہ قسم دوم عہ ۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا مقوی معدہ مشہی طعام قاطع بلغم دافع ریاح دافع بواسیر دافع ضعف ... نزلہ و تنگی نفس و شیخوخیت فساد بلغم و تحلیل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل البول و سیلان منی و ریح ... درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ عہ ۔

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری اور بخاری سیاہ اور سفید اور ریشمی سوتی شرعی جائے نماز سفید اور ایرانی پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور قیمت کی مل سکتی ہیں ۔

المشتہر احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِؕ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِؕ

تعصّب کا پردہ

افراط و تفریط کے نتائج ہمیشہ بُرے ہوتے ہیں ہر ایک بات موقعہ پر ہی اچھی لگتی ہے۔ نمک و مرچ تک جن کے بغیر ہم بادشتگان منہ کھانا ہی نہیں کھا سکتے اگر حد سے بڑھیں تو طعام کا لطف ہی جاتا رہتا ہے۔ غذا جو انسان کا اپنا حصّہ ہے اگر زیادہ ہوجائے تو ڈاکٹر کو کچھ روپیہ دیکر نکلوا دی جاتی ہے۔ بات اگر بڑھ جائے تو اس کے نتیجے سب جانتے ہی ہیں۔ زبان و قلم سے انسان دنیا میں عزّت بھی دیکھتا ہے۔ مگر کبھی اُسکے سولی پر چڑھانے کے باعث بھی ہوجاتے ہیں۔ یورپین مورخین نے حاطب اللیل کی طرح مختلف نشانات سے جو تاریخی واقعات اخذ کرنے شروع کئے تو اس میں ایسی ایسی ٹھوکریں بھی کھائی ہیں کہ جو کسی طرح نظرانداز نہیں کیجا سکتیں مگر پچھلے دنوں میں جو ایک خطرناک غلطی کی گئی ہے وہ صرف جہالت کی وجہ سے نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اُسکے پردہ میں تعصّب بھی

جھلک مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے:

لنڈن کا اخبار ٹائمز ایسا مشہور ہے کہ اکثر اخبار خواں اس کے نام سے واقف ہونگے۔ اس نے ۱۹۰۷ء میں ایک تاریخ پچیس جلدوں میں چھاپ کر شائع کی ہے جسے اسوقت کے مشہور یورپین مورخین نے لکھا ہے اور کل پچھلی مستند کتب سے اس کے لئے ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے اور بڑے بڑے علماء کے ماتحت اس کی اشاعت ہوئی ہے اور چونکہ کل دنیا کی تاریخ ہے۔ اس لئے سو ڈیڑھ سو صفحہ اسلام کے حالات کے لئے بھی وقف کیا گیا ہے مگر میں نے جہانتک اسے دیکھا ہے کوئی موقعہ خالی نہیں جانے دیا گیا کہ جہاں نیش زنی نہ کی گئی ہو۔ سیدھی باتوں کو ٹیڑھا کر کے دکھایا گیا ہے مگر یہ سب الزام تو اتنا کہنے سے حل ہو سکتا ہے کہ ہم نے اپنی تحقیقات میں یہی واقعات صحیح پائے ہیں مگر چند باتیں ایسی ہیں کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان کے متعلق کوئی معقول جواب پیش کیا جا سکے۔

قرآن شریف کوئی ایسی کتاب نہیں کہ جو ویدوں کی طرح تاریکی میں پڑی ہوئی ہو جس کے جاننے والے دنیا کے ہر ملک میں نہ مل سکتے ہوں اور جس کا پڑھنا اور پڑھوانا مشکلات سے ہو نہ یہ بائبل کی طرح مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں ترجمہ ہو کر اپنی اصل سے دور جا پڑی ہے کہ جس کے لئے یونان اور روم کے قدیم کتب خانوں کی تلاش کرنی پڑے نہ زردشتیوں اور بدھوں کی کتب کی طرح سکندر رومی اور شنکر اچارج کی دست برد میں آچکی ہے ہزاروں نہیں لاکھوں حافظ ہر زمانہ اور ہر ملک میں موجود رہے ہیں اور خدا کے فضل سے اس ظلمت کے زمانہ میں بھی موجود ہیں لاکھوں نہیں کروڑوں کاپیاں اس کی شائع ہو چکی ہیں اور

دنیا کے ہر حصے میں موجود ہیں ایشیا اور آفریقہ ہی نہیں خود سینٹ پیٹرز برگ اور
پیرس کے چھپے ہوئے قرآن ملسکتے ہیں۔ اور ایک سرے سے دوسرے
سرے تک دیکھ جاؤ اور ہر زمانہ کے نسخوں کا آپس میں مقابلہ کرو تو ان میں
ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا جائیگا پھر ایسی مشہور اور معروف اور صداقت یقیاب
ہونیوالی کتاب کا حوالہ اگر کوئی غلط دے تو سوائے اسکے کہ اسکے ایسے فعل
کو تعصب کیطرف منسوب کیا جائے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب
کے آٹھویں والیوم میں صفحہ ۲۶۳ پر اسلام کے متعلق مضمون لکھنے والا
(اسکا نام نہیں معلوم ہوسکا) ایک عربی عبارت نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ
یہ قرآن شریف کے ایک پرانے نسخہ سے نقل کی گئی ہے اور وہ عبارت

وَلَنْ یَفُوْتُ الْغِنٰی مِنْہُ یَدًا تَرِبَتْ اِنَّ الْحَیَا ؕ

وَجُنْ مُثْقِلًا اَوْخَفَ طَفَ مُوَکَّلًا بِمَنْقُوْلٍ ؕ

اسکی دوسری لائن تو اچھی طرح پڑھی نہیں جاتی۔ مگر پہلی سطر قصیدہ بردہ
کے ایک شعر کا ایک حصہ ہے جو کہ علامہ بوصیری نے رسول اللہ کی تعریف
میں آپ کی وفات کے کئی سو سال بعد کہا ہے اور وہ پورا شعر یہ ہے:

وَلَنْ یَفُوْتَ الْغِنٰی مِنْہُ یَدًا تَرِبَتْ

اِنَّ الْحَیَا یُنْبِتُ الْاَزْہَارَ فِی الْاَکَمِ

اور اس شعر کا نشان شدہ حصہ ہے جو یہ عالم مؤرخ بیچ کچھ اور زیادتی کے
قرآن شریف کے نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ عبارت
جو نقل کی گئی ہے وہ بھی پوری نہیں ایک حصہ تو علامہ بوصیری کے شعر کا

لے لیا ہے اور ایک حصہ کسی اور کتاب کا اور دو ٹکڑے اس خوبی سے ملائے ہیں کہ ان کے معنے بھی کچھ نہیں بن سکتے۔ کیونکہ پہلی سطر میں جو الق الحیا آیا ہے اسکے معنے ہیں "تحقیق بارش" اور آگے اس کی خبر نہیں آئی کہ بارش کو کیا ہو گیا یا وہ کیا کرتی ہے کہ جس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں

اول تو یہ کہ راقم مضمون اول درجہ کے متعصب ہیں کہ ان کو اتنا خیال نہیں آیا کہ ایک عظیم الشان مذہب کے متعلق کچھ لکھنے لگا ہوں کچھ تحقیقات ہی کر لوں اور قرآن شریف کے کسی نسخہ سے یہ عبارت ملا تو لوں کہ واقعی یہ اس میں ہے بھی کہ نہیں کیونکہ کسی مذہب کے متعلق صحیح حوالہ جات دینے میں بہا چند دقتیں ہو سکتی ہیں۔ کہ

۱۔ تو وہ مذہب ایسا گمنام اور غیر معروف ہو کہ اسکے پیرووں کا ملنا یا انکی کتابوں کی صحیح کیفیت کا دریافت کرنا ایک مشکل بلکہ ناممکن امر ہو جائے مگر اسلام اس میں نہیں آسکتا کیونکہ یہ ایک ایسا مذہب ہے جو شروع سے لیکر آجتک کے اپنے مخالفوں کی نظروں میں کھٹکتا رہا ہے اور اگر کسی مذہب سے اسبات کا خوف کیا گیا ہے کہ اس کی تعلیم پھیلی تو یہ اپنی سادگی اور سچائی کیوجہ سے کل مذاہب عالم کو نیست کر دیگا تو وہ یہی ایک مذہب ہے کہ جسکی وجہ سے تمام مذاہب کا وار ہمیشہ اسپر چلتا رہا ہے اور تیرہ سو برس سے آجتک یہ کل فرقہ ہائے باطلہ کا ہدف بنا رہا ہے مگر باوجود اس کے کوئی ملک نہیں کہ جس میں مسلمان نہ پائے جاتے ہوں اور خصوصاً ان دنوں تو قریباً یورپ کے ہر ملک میں مساجد تیار ہو گئی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان ممالک میں نہ صرف ایک دو آدمی بلکہ جماعتوں کی جماعتیں رہتی ہیں اور وہ اپنے مذہبی معاملات میں دلچسپی رکھنے والے ہیں کیونکہ اگر وہ اس قدر

ناواقف ہوتیں تو ہزاروں اور لاکھوں کے خرچ سے مساجد کیوں تیار کی جائیں خود انگلینڈ میں لیورپول میں ایک عظیم الشان مسجد ہے اور قرآن شریف تو اسقدر کثرت سے مسلمانوں کو یاد ہے کہ جو لوگ مغز اسلام سے ناواقف ہیں وہ بھی قرآن شریف کی کچھ نہ کچھ عبارت یاد رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں جبکہ مسلمان ہر ایک علاقہ میں اور ملک کے ہر گوشہ میں موجود ہیں پھر قرآن کی آیات کے متعلق تحقیقات کرنے میں کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں :

۲۔ یہ مشکل ہوتی ہے کہ وہ مذہب تو مشہور ہو اور اسکے پیرو بھی بہت کثرت سے ہوں مگر وہ کتاب جس کی طرف وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہوں قریباً معدوم ہو اور اسکا ملنا بہت دشوار ہو اور وقت طلب ہو اور بہت کچھ عرق ریزی کرنیکے بعد اسکا پتہ ملسکتا ہو تو اس صورت میں سنی سنائی بات پر بھی انسان کچھ لکھ سکتا ہے اور اسکو حوالہ کے طور پر استعمال کرسکتا ہے گو کہ یہ حوالہ اسوقت تک قابل اعتبار نہ ہوگا جب تک کہ اسکی نسبت کوشش کرکے اسکی سچائی دریافت نہ کرلیجائے جیسے وید میں کہ خود بڑے بڑے عالم ہندوؤں تک نے انکو پڑھنا تو الگ دیکھا تک بھی نہیں یہانتک کہ کہا جاتا ہے کہ خود پنڈت دیانند صاحب نے سنسکرت میں چاروں وید نہیں پڑھے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

پس اگر کوئی وید کا حوالہ دینا چاہے اور وہ بھی سنسکرت میں اور اسکے راستہ میں بہت سی مشکلات ہوں تو مجبوراً اسے دوسرے لوگوں کی تحقیقات پر ہی اکتفا کرنا پڑیگا۔ مگر قرآن شریف کی نسبت تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اسکے لاکھوں کروڑوں نسخے دنیا میں موجود ہیں +

اور خود یورپ میں کئی دفعہ چھپ چکا ہے۔

۳۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کتاب بھی عام اور اس کے پیروان بھی کثرت سے ہیں۔ مگر اسکے نسخوں میں بڑا اختلاف ہے اور ایک نسخہ دوسرے نسخہ سے نہیں ملتا۔ تو اس صورت میں یہ عذر کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے ایک اور نسخہ سے حوالہ دیا ہے گر قرآن شریف کے متعلق یہ عذر بھی قابل سماعت نہیں کیونکہ اسکے لاکھوں کروڑوں نسخوں میں ایک لفظ کا بھی فرق نہیں پایا جا سکتا اور کسی کی طاقت نہیں کہ اسکے بیشمار نسخوں میں اختلاف دکھا سکے۔

۴۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک کتاب ایسی زبان میں ہے کہ اسکے بولنے والے اور سمجھنے والے اب مل نہیں سکتے اور اگر تے بھی ہیں تو وہ بھی شاذ مثلاً آئس لینڈ کی پرانی زبان یا فنلینڈ کا پرانا لٹریچر یا قبطیوں کی بہت پرانے زمانہ کی تحریرات اسکے حوالجات میں اگر کوئی غلطی ہو۔ تو قابل معافی ہے گر قرآن شریف جس زبان میں ہے اسکے بولنے والے اسوقت کروڑوں کی تعداد میں ملسکتے ہیں اور ہر ایک ملک میں مل سکتے ہیں اور جو بتا سکتے ہیں کہ یہ قرآن شریف کی عبارت ہے اور یہ کسی اور کتاب کی سو اس مقدمہ پر یہ عذر بھی نہیں سکتا کہ راقم مضمون کے لیئے اس زبان کی تحقیقات میں بھی بڑی بڑی مشکلات تھیں۔

۵۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کتاب ایسے زمانہ میں لکھی جائے کہ اسوقت ابھی ذریعہ خط و کتابت کے ذریعہ میں دقتیں ہوں یا سفر میں مشکلات ہوں یا ان قوموں کے آپس میں ملاقات نہ ہوں مگر یہ سب باتیں آجکل نہیں ہیں ابھی ایسا ہے کہ کبھی نہ تھا خط و کتابت کے ذرائع ایسے

ہیں کہ ایک آنہ کے لفافہ میں ہزاروں کوس سے مشورہ طلب ہو سکتا ہے سفر میں وہ سہولتیں ہیں کہ مہینوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہوتا ہے خود مسیحی گورنمنٹوں کے ماتحت مسلمان بستے ہیں جس سے تعلقات کا پتہ خوب لگ سکتا ہے؛

پس کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ جس میں اس عالم مورخ کو معذور قرار دیا جا سکے۔ مسلمان اسجگہ موجود ہیں قرآن کی لاکھوں کاپیاں موجود ہیں۔ اور خود یورپ میں چھپ چکی ہیں پھر اس کے نسخوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے پھر یہ کسی ایسی زبان میں نہیں ہے جو اس زمانہ میں بولی نہ جاتی ہو اور جس کے جاننے والے مشکل سے دستیاب ہوتے ہوں پھر یہ تاریخ ایسے زمانہ میں نہیں لکھی گئی کہ جو تحقیقات میں مشکلات پیدا کرتا ہو۔ نہ یہ جہالت کے زمانہ میں لکھی گئی ہے پس سوائے اسکے اور کچھ وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مذہبی تعصب کے جوش میں قرآن شریف کا صفحہ جا نکلے لئے جو عبارت سامنے آئی اُسی کو اُسکی طرف منسوب کر دیا؛

دوسری بات جو اس حوالہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ راقم مضمون عربی زبان سے محض ناواقف ہیں کیونکہ جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اسکا مطلب بھی کچھ نہیں بنتا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اِنَّ الحَیَا میں اسم اِنَّ تو ہے اور اسکی خبر[1] ہے ہی نہیں جس سے کچھ معانی معلوم ہو سکیں۔ اور کہیں کی اینٹ کہیں کے روڑے سے یہ عجیب عمارت بنا کر آپنے گھڑی کر دی ہے اور اگر اس عبارت میں ایک ایسے

---

[1] چونکہ دوسری سطر پڑھی نہیں جاتی اسلیئے پہلی سطر سے ہی اندازہ کیا جاتا ہے کیونکہ جو اصل کتاب میں اِنَّ کی خبر ہے وہ اسجگہ درج نہیں ہے؛

شاعر کا مصرعہ ہوتا ہو کہ رسول اللہ کے خدام میں سے آپ کے کئی سو
سال بعد ہوا ہے۔ اور عربی کی ناواقفیت کی وجہ سے کہیں کی عبارت
کہیں نہ ملائی ہوئی ہوتی۔ تو کوئی تعجب نہیں کہ کچھ مدت کے بعد مسیحی پادری
اور آریہ مہاشہ شور مچا دیتے کہ دیکھو قرآن شریف میں تحریف ہو چکی ہے
جیسے کہ ایک پرانے نسخہ سے ثابت ہوتا ہے کہ لایفلح الساحر حیث اتیٰ
جو کچھ میں نے لکھا ہے اس سے عقلمند لوگوں پر یہ کھل ہی گیا ہوگا
کہ اسلام کے متعلق جو کچھ اس تاریخ پر لکھا گیا ہے وہ کہاں تک قابل اعتبار
ہے مگر باوجود اسکے عالم مورخ اپنے اس مضمون میں لکھتا ہے کہ قرآن
شریف کی عبارت (نعوذ باللہ) بالکل بے جوڑ ہے اور اُسکا کوئی مطلب نہیں
نکل سکتا اور لکھتا ہے "تفاخرانہ" الفاظ اور لبھانے والی باتیں اور وہ کثرت
سے آنیوالے بیوقوفانہ فقرات جنکا حقیقتاً کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ قرآن شریف
میں کثرت سے پائے جاتے ہیں اور نظم خیال کیے جاتے ہیں" آگے چلکر
لکھتا ہے "لیکن اگر ہم اپنی رائے دیں (قرآن شریف کے متعلق) تو ہمکو
اقرار کرنا پڑتا ہے کہ عربی کی مشہور پرانی کتب میں سے ہمیں کوئی ایسی کتاب
معلوم نہیں جو کہ مذاق سلیم اور حقیقت سے ایسی خالی ہو اور ایسی حد سے
زیادہ بات کو لمبا کرنیوالی اور تھکانیوالی ہو جیسے کہ قرآن (ترجمہ از انگریزی
(نعوذ باللہ من ذالک) جس سے راقم مضمون کی علمیت اور بے تعصبی پر
اور بھی روشنی پڑتی ہے بیشک ہم مانتے ہیں کہ وہ قرآن جس میں سے آپ
نے مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے ایسا ہی ہوگا لیکن ہم جس قرآن پر ایمان
لاتے ہیں وہ وہ ہے کہ جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدائے وحدہٗ
لاشریک کی طرف سے اترا ہے کہ جس کے مقابلہ میں کسی کی طاقت نہیں

ہوئی کہ آجتک ایک آیت بھی پیش کر سکے مگر تعجب تو یہ ہے کہ اس تحقیقات اور اس عربی دانی پر آپ کو اتنے بڑے دعوے کی جرأت کسطرح ہوئی۔

میرے خیال میں کل مسلمانوں کو اخبار ٹائمز کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ اس عظیم الشان غلطی کا ازالہ کریے کیونکہ علاوہ اسکے کہ یہ کروڑوں مسلمانوں کا دل دکھانیوالی بات ہے خلاف واقعہ بھی ہے:

مکتوبات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محبی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپکا عنایت نامہ پہونچا۔ ڈیڑھ میل تک شہر میں اپنے گاؤں سے آنا بجز جمعہ کے متصور نہیں چونکہ گاؤں میں سے اگر شہر کے نزدیک بھی ہے تب بھی ایک محلہ کا حکم رکھتا ہے کسی حدیث صحیح میں اس ممانعت کا نام و نشان نہیں بلاشبہ جمعہ جائز ہے خدا تعالےٰ کے دین میں حرج نہیں کتاب دافع الوساوس چھپ رہی ہے۔ والسلام

خاکسار غلام احمد۔ ۱۳ - اگست [illegible]

مشفقی محبی اخویم منشی حبیب الرحمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عنایت نامہ پہونچکر بریافت واقعہ ہائلہ و حادثہ وفات آپ کی ہمشیرہ کے بہت غم و اندوہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ خدا تعالےٰ آپ کو صبر بخشے۔ اور اس مرحومہ کو راضیات جنت میں داخل فرماتے۔ آمین ثم آمین باقی بفضلہ تعالیٰ سب طرح سے خیریت ہے۔ والسلام

راقم خاکسار غلام احمد۔ ۱۰ - مئی [illegible]

آریہ صاحبان توجہ کریں؟

مدت سے وید کی توحید کے متعلق سنتے ہیں اور اس کے معارف ونکات
کی نسبت آریہ صاحبان نے ایک شور مچا رکھا ہے مگر عجیب بات یہ ہے۔ کہ
جستقدر لوگوں کو دیکھا ہے کہ وید کی تعلیم کے سرشار ہیں۔ اگر ان کی حقیقت معلوم
ہوئی تو یہ کہ وہ خود بھی ویدوں سے ناواقف ہیں گویا وید کے عشاق ان لوگوں
کی مثال ہیں کہ جنہوں نے چلتے چلتے راستہ میں ایک مردہ اژدہا پایا رات کا
وقت اور تاریکی کا جوش تھا چھونے سے معلوم کیا کہ کوئی چیز نہایت ملایم
نازک اور سڈول ہے سمجھے کہ کوئی نازمین آرام کناں ہے جوش عشق تو پہلے
ہی سر پر سوار تھا اور محبوب کی تلاش تو مدت سے تھی یہی خیال کیا کہ اس سے
بڑھکر اور کونسا معشوق ہاتھ آئیگا۔ وہیں ڈیرہ ڈالدیا اور ایک تنگ وتاریک
مکان اس پر بنا دیا اب لگے عشقیہ کلام پڑھنے اور غزلیں گانے کوئی تو اسکے
سن کی تعریف کرتا ہے . . . . کوئی اس کے قدوقامت
کی موزونی پر فدا ہے کسی کا دل اسکے اعضا کی مناسبت پر آیا ہے تو کوئی اُس
کے رنگ وروپ کا شیدا ہے کسیکو اس کی صراحی دار گردن نے موہ لیا ہے تو کسیکو
اس کی زلف پیچاں نے ڈس لیا ہے کسی پر اسکے ابروخم دار کی تلوار چل رہی ہو
تو کسی پر اس کے تیر مژگان کی بوچھاڑ ہے کوئی اس کی نرگسی آنکھوں کا بیمار ہو
تو کوئی اسکے لب ولعل کے پیچھے بک گیا ہے کوئی اسکے رخسار کو آفتاب کے
مقابل پر لا کر اُسے داغدار ٹھہرا رہا ہے تو کوئی اسکے آدار واطوار کا مقابل

میں موتیوں کی لڑی کو شرما رہا ہے۔ غرض ایک شور برپا ہوگیا اور قیامت کا نقارہ آنکھوں کے آگے پھر گیا جو کوئی آتا حیران ہوتا کہ ایسا کونسا معشوق ہاتھ آگیا کہ جس کے پیچھے یہ سب کے سب اسقدر سرگردان و حیران ہیں اور محبت کے مارے انکو کھانا پینا تک حرام ہوگیا ہے پوچھنے پر معلوم ہوا مگر اور تو اور ان دیوانوں نے اپنے معشوق کو ابتک دیکھا تک بھی نہیں اور باوجود اسکے جو کوئی خوبی سنتے ہیں وہ جھٹ اپنے معشوق کی طرف منسوب کردیتے ہیں جو کتاب دیکھی اور اس میں سے جو بات پسند آئی رو دیئے اور کہنے لگے کہ بس ایسی ایسی باتیں ہمارا معشوق ہی کرتا ہے کوئی علم سنا اور کہہ اٹھے کہ یہ علم اول اول ہمارے محبوب نے ہی ایجاد کیا تھا جب شور بکا بہت بڑھا تو اس پاس کے لوگوں نے لیمپ روشن کئے اور دیکھا تو ایک مردہ اژدہا ہزاروں کپڑوں میں لپیٹ کر رکھا ہوا ہے اور اسی کی الفت میں اسقدر گریہ و بکا ہو رہا ہے یہ دیکھنے پر ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ تو مارا ہے اور وہ بھی مرا ہوا مگر وہ انکے گرد ہوگئے اور گے گالیاں دینے کہ یہ روشنیاں ہی خراب ہیں انمیں طاقت ہی کیا ہے کہ یہ ہمارے معشوق کو چہرہ دکھا سکیں انکا نقص تم ہمارے معشوق کی طرف منسوب کرتے ہو۔ ان سے پوچھا گیا کہ اچھا تم نے دیکھا تو آہ بھر کر کہنے لگے کہ ہماری ایسی قسمت کہاں کہا گیا کہ اچھا جگہ سے باہر تو نکالو کہ کچھ نظر آئے تو انہوں نے یہی عذر کیا کہ روشنیاں ناقص ہیں ان سے ہمارے معشوق کی شکل کچھ اور سے اور نظر آتی ہے۔

آریہ صاحبان بھی وید کی تعریفوں میں اسی طرح رطب اللسان ہیں اور کوئی خوبی سن پائی جھٹ مدعی ہوجاتے ہیں کہ ہاں یہ وید ہی لوگوں نے لی ہے اور جو علم ہے اسی کی خوشہ چینی سے نصیب ہوا ہے ان سے پوچھتے ہیں کہ تم نے وید کو پڑھا ہے تو انکار کرتے ہیں جو اس کے ترجمے ہوتے ہیں انکی

نسبت کہتے ہیں کہ یہ زبانیں ہی خراب ہیں۔ ان میں طاقت ہی نہیں کہ وید کے علوم کو بیان کر سکیں گویا سنسکرت کی تاریکی سے باہر آ کر وید کا حسن اس مادہ کی طرح بالکل برباد ہو جاتا ہے۔ اور خود سنسکرت کا عالم آریوں میں کوئی ہے نہیں کہ جو اس گنج سراپا سے ہمکو آگاہ کرے۔ باوجود اس کے نہ معلوم آریوں کو یہ کیونکر معلوم ہوا کہ ان میں یہ یہ علوم بھرے ہوتے ہیں اسکے بیسیوں مضمون وید کے علوم پر دیکھا تو ہمیں کوئی بات ایسی نہ ملیگی کہ جسکو خود وید کی شرتیوں سے ثابت کریں جو ترجمہ وید کے شائع ہوئے ہیں وہ ستاتن دھرم والوں نے بھی کئے ہیں انگریزوں اور جرمن والوں نے بھی کئے ہیں۔ ان سب کو ملا کر دیکھتے ہیں تو وید میں کچھ نظر آتا ہی نہیں سوائے اسکے کہ مال مویشی کی حفاظت کے لئے چند دعائیں ہیں مگر ان سب کو لغو قرار دیا جاتا ہے ایسلئے سوائے اسکے اور کچھ چارہ نہیں کہ آریوں کو اس اژدہا کے مردہ کے عشاق کی طرح سمجھ لیا جائے کیونکہ نہ تو یہ وید کے علوم ہمکو دکھا سکتے ہیں اور نہ ہی خود دیکھتے ہیں اور اگر یہ اپنی بدنامی مٹانا چاہتے ہیں تو انکو چاہئیے کہ ایک تو ایسے لوگوں کی فہرست شائع کریں جو قسمیہ کہہ سکیں کہ ہم نے وید شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور دوسرے ایک ایک کتاب کل علوم کی وید سے اخذ کر کے شائع کریں کہ یہ سائنس ہے جو وید کی فلاں فلاں شرتیوں سے نکلتی ہے اور یہ فلسفہ ہے جو وید سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اس کی مانند فلاں فلاں شرتیاں ہیں تا کہ دنیا پر ان کے بعض دعاوی کو کچھ تو راز کھلے۔ اور اگر یہ نہیں تو کس نہ گوید کہ دوغ من ترش است ؂

دو عظیم الشان مذاہب

کے

بانیوں کے خاتمہ پر نظر

آج جس مضمون پر میں لکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ناظرین کی توجہ اس طرف پھیروں کہ اسلام کے بانی رسول کریم محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ اور یسوعی مذہب کے بانی یسوع کے خاتمہ میں کیا فرق ہے۔

ایک طرف جب ہم دیکھتے ہیں تو کامیابی اور تکمیل نعمت کے خزانے نظر آتے ہیں۔ اور اس کے مقابل پر دوسری طرف ناکامی و مایوسی کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا جس سے ایک عقلمند آدمی اس نتیجہ پر بہت اچھی طرح پہونچ سکتا ہے کہ ان میں سے عظیم الشان شخص کون تھا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی انسان خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ تو شیطان سیرت انسان اس کی مخالفت بڑے زور شور سے شروع کر دیتے ہیں اور بالآخر وہ خدا جو اپنے مُرسل کی حمایت کرتا ہے اس کے دشمنوں کو ہلاک کر کے سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کر کے دکھا دیتا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے جن کو تمام یورپ تمام امریکہ اور اکثر حصہ ایشیا اور افریقہ بزرگ مانتا ہے تو آپ کے مقابل ایک شخص حسب عادت اٹھا جس کو لوگ نمرود کہتے ہیں اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو ان کے مقابل پر فرعون تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس جہاں تک ہم غور کرتے

ہیں ہر ایک نبی کے مقابل پر کوئی نہ کوئی بڑا سخت دشمن ضرور ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جھوٹے ہلاک ہو جاتے ہیں اور راستباز عزت پاتے ہیں۔

آجکل دنیا کی آبادی کا اکثر حصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری پر فخر کرتا ہے مگر جب نمرود کی طرف دیکھا جائے تو یہ بھی مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ آیا کوئی نمرود تھا بھی یا نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ہر فرد بشر حضرت ابراہیم جیسے بزرگ باپ کی اولاد ہونا فخر سمجھتا ہے۔ مگر کوئی شخص برداشت نہیں کرتا۔ کہ اسکو نمرود کا بچہ کہا جاوے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام بڑے ادب اور بڑے فخر سے لیتے ہیں۔ اس کے مقابل پر کوئی شخص برداشت نہیں کرتا۔ کہ اس کو فرعون کا پیرو یا فرعون کی اولاد میں سے کہا جاوے۔

غرض کہ سچے اور جھوٹے کا انجام خود بتا دیتا ہے کہ سچا کون تھا۔ اور جھوٹا کون اسی اصول پر ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع[1] اور حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ فداہ ابی و امی کے انجام کیا بتلا رہے ہیں۔ انہیں کامیاب کون ہوا۔ اور ناکام کون۔ اور اس انجام کے مطابق عظیم الشان انسان کون تھا آیا یسوع یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم!

یسوعی صاحبان کی کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مذہب کا بانی ایک ایسا شخص تھا جو کہ خدا بھی تھا اور انسان بھی تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ اس میں بخیال یسوعین خدائی حصہ بھی تھا۔ کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کی

اکثر ناظرین اسبات سے واقف ہونگے کہ یسوع کے تاریخی حالات

[1] ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ یسوع صاحب کے خیال میں وہ شخص جس میں بجز قرآن کریم حضرت عیسیٰ کہا گیا ہے۔ یسوع کے متعلق ہم جو کچھ لکھیں گے۔ وہ یسوعین کے عقائد کے بموجب ہوگا۔ منہ

کیا تھے۔ اور انہنے کیسی کس مپرسی کی زندگی گزاری۔ شروع شروع میں کسی نبی کسی پیغمبر کسی بزرگ کسی ولی اللہ کی مخالفت ضروری ہے۔ مگر جب ہم ایسے لوگوں کے خاتمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کی زندگی انکے مخالفین سے کامیاب نظر آتی ہے؛

لیکن جب ہم ایسے لوگوں کے خاتمہ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ انکا خاتمہ اچھی حالت میں نہیں ہوا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عیسوی اپنی کتاب "مسیح کا نمونہ" میں لکھتا ہے:

"مگر جسمانی تکلیف جو یسوع نے آخری دم اٹھائی۔ نہایت ہی سخت قسم کی تھی۔ یاد کرو کہ کس طرح گتسمنی کے باغ میں اسکے خون کا پسینہ بہا۔ کہ کس طرح بے رحم سپاہیوں نے اسکو ستون سے باندھکر زور زور سے کوڑے مارے۔ اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ اور اسنے صلیب کی ناقابل بیان ٹھٹھو اور درد برداشت کی ہم دعوے سے کہہ سکیں کہ کبھی کسی شخص نے اس قدر جسمانی دکھ نہیں اٹھایا جیسا اس نے تو بھی ایسا خیال کم سے کم ظن غالب کا رتبہ تو رکھتا ہے کیونکہ اسکے جسم کی صحت و تندرستی حالت کے سبب اغلباً اس نے اوروں کی نسبت درد کو زیادہ محسوس کیا"؛

اب ہم ناظرین کے سامنے یہ واقعات جو یسوع صاحب کو اس کی زندگی کے خاتمہ پر پیش آئے کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

جمعرات کی شام کہ یہود کا دستور تھا کہ سال کے بعد عید فسح کیا کرتے تھے چنانچہ اس جمعرات کو جب شام کے بعد فسح کا کھانا کھا چکا یہودی لوگ یسوع کو پکڑنے کے لئے تیار ہوئے۔ اور بالآخر رات کے آخری حصہ میں جب کہ یروشلم والے سوئے

ہوئے تھے ان میں سے بہت سے یہودی یسوع کی تلاش میں نکلے۔ اور تعجب کی بات ہے۔ کہ یہودا اسکریوطی اس قافلہ کے آگے آگے چل رہا تھا۔ جو یسوع کے شاگردوں میں سے تھا۔ جو اس قافلہ کو اس جگہ لیگیا جہاں اس کا استاد یسوع رہا کرتا تھا اور وہ جگہ کوہ زیتون کے دامن میں واقع تھی اور گتسیمنے کا باغ کہلاتی تھی چنانچہ اس دن بھی یسوع صاحب کا۔ بحیثیت انسان ہونیکے (اپنے آپکے بحیثیت اسکے کہ وہ خدا تھا) وہاں رہے تھے

جب یہ قافلہ باغ کے دروازہ پر پہنچا۔ تو یسوع انکے پاس آیا۔ اور انکے حوالہ کردیا۔ اس کے بعد اس کو چھ پیشیاں ایک ہی دن میں بھگتنی پڑیں۔ یعنی تین پیشیاں دینی عدالت میں ہوئیں اور تین ہی حکومت کی عدالتوں میں۔

جبکہ وہ قیافا کے سامنے پیشی بھگت رہا تھا۔ جو کہ سردار کاہن اور سنہڈرم کا پریزیڈنٹ تھا۔ تو ایک شخص نے اسکے رخسارے پر طمانچہ مارا۔ کیونکہ انہوں نے گستاخی سے اسکو جواب دیا تھا جب وہ سنہڈرم کے سامنے پیش ہوا جو یہودیوں کے دینی فیصلہ کے لیئے مجلس تھی تو وہ خاموش کھڑا رہا آخر اس مجلس کا پریزیڈنٹ مجبور ہو کر رعد کی طرح کڑکا اور کہا۔ کہ تم جواب کیوں نہیں دیتے۔

یہ پیشیاں رات کے وقت میں ہوتی تھیں چنانچہ سنہڈرم نے فیصلہ کیا کہ سورج نکلنے پر باقاعدہ میٹنگ کرکے یسوع پر فرد جرم لگا کر اس کو حاکم کے سامنے پیش کیا جاوے چنانچہ اس غرض کے لیئے وہ جیلخانہ میں بھیجا گیا۔ جہاں کہ ظلم پیشہ اور ستم شعار محافظان جیل جیسے بیرحم لوگوں نے بہت سی شرمناک حرکتیں کیں ؛

ایسی حالت میں یسوع کو گھونسے مارتے تھے۔ اسپر تھوکتے تھے اس کی آنکھیں بند کر کے اسے طمانچوں سے پیٹ کر کہتے تھے۔ بتا مجھے کس نے مارا ہے پھر چھ سات بجے دن کے وہ مسیح کے زنجیریں ڈال کر اسکو حاکم کی طرف لیگئے۔ چنانچہ پیلاطوس کے پیش ہوا اس نے کہا۔ کہ اسنے کیا گناہ کیا ہے؟ تو وہ سب بولے کہ اگر یہ بدکار نہ ہوتا۔ تو ہم تمہارے پاس کیوں لاتے غرض اس نے اس کیس کو ہیرودیس کے سپرد کر دیا

جب ہیرودیس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ تو اسنے اور اس کے سپاہیوں نے یسوع کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اسے ایک ایسی چمکدار پوشاک پہنائی جس کی مانند بڑی دربار میں وہ لوگ پہنا کرتے تھے جو شاہانہ تخت پر بیٹھنے کی امید رکھتے تھے۔ اور طرح طرح سے ذلیل تضحیک کی ہیرودیس نے دوبارہ پیلاطوس کے پاس مقدمہ بھیجا۔ پیلاطوس یسوع کو چھوڑنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے یہ خیال کر کے کہ کوڑے مار کر چھوڑ دونگا یسوع کو کوڑے مار نیکا حکم دیا۔

سپاہی یسوع کو اپنی بیرک کی طرف لیگئے اور وہاں اسکو بیعزت کر کے اور تحقیف دیکر اپنی ظلم پسند طبیعت کو سیر کیا۔ سپاہی اپنی ظالمانہ حرکات سے مزے لے رہے تھے اور ظلم پر ظلم کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ جب کوڑے لگا چکے۔ تو اسکو ایک کرسی پر بٹھایا اور بادشاہوں کے ارغوانی چوغہ کی نقل میں کہیں سے پھٹا پرانا چوغہ لاکر اسے پہنا دیا۔ عصا کی جگہ ایک سرکنڈا اس کے ہاتھ میں دیا اور ان جھاڑیوں میں سے جو آس پاس اگ رہی تھیں خاردار ٹہنیاں لیکر۔ اور انہیں توڑ مروڑ کر تاج کی مانند بنایا اور اس کے سر پر رکھکر ایسا دبایا۔ کہ کانٹے اس کی پیشانی میں جا گھسے۔ اسکے بعد ہر ایک شخص سو اسکے سامنے جاکر سجدہ کرتا اور اس کے منہ پر تھوکتا تھا۔ اور جو سرکنڈا

کے ہاتھ میں چھڑی چھین کر اسکے سر اور منہ پر مارتا تھا!

اسی حالت میں وہ دوبارہ پیلاطوس کے سامنے پیش ہوا۔ لوگ اس عجوبہ کو دیکھکر ہنس رہے تھے یہاں آکر بھی یسوع صاحب خاموش کھڑے رہے اور آخر حاکم نے طیش میں آکر کہا تو بولتا کیوں نہیں؟

اگرچہ پیلاطوس نے بہت کوشش کی کہ یسوع کو صلیب پر نہ کھینچے مگر یا آخر اسکو ایسا کرنا پڑا۔ غرضیکہ یہ قافلہ جو اب ہزاروں آدمیوں کا قافلہ ہو چکا تھا یسوع کو مقتل میں لے گیا اور بالآخر اسکو صلیب پر کھینچا گیا۔ صلیب کی موت بڑی ذلت کی موت تھی چنانچہ بقول پادری جسیس اسٹاکز یہ سزا غلاموں اور باغیوں کو دیجاتی تھی اور ان کی ذلت کو خاص نشان بھی جاتی تھی! اسوقت یسوع صاحب دعا کرتے ہیں۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا

ناظرین! یہ ہے یسوع کی ناکامی کے خاتمہ کا حال صلیب پر لٹکا کر بھی اسے آزاد نہ چھوڑا گیا۔ بلکہ جو ادھر گزرتے تھے۔ بازو ہلاتے جاتے تھے۔ انھوں نے خوب تمسخر کئے۔ آخر بقول عیسائی صاحبان اسی حالت میں مر گئے!

اس مختصر سے مضمون کے پڑھنے سے ناظرین سمجھ گئے ہونگے۔ کہ یسوع کیسے ناکام مرے۔ یسوع کے خاتمہ کے وقت جو اسکے کام کی حالت تھی وہ بھی تسلی بخش نہ تھی۔ یسوع کی ساری محنت تو یہ تھی کہ اس نے بارہ حواری طیار کئے ایک تو ایسا تھا جس نے مسیح کی زندگی ہی میں دغا کی۔ مسیح کے دشمنوں سے تیس روپے لیکر اسے مسیح کو پکڑوا دیا۔ باقیوں کا حال سنو۔ شاگردوں کی دلشکنی میں بھی کوئی کسر باقی نہ تھی چنانچہ جس وقت وہ پکڑا گیا۔ اسوقت وہ سب اسے چھوڑ کر بھاگ گئے پطرس سردار کاہن کے گھر تک اسکے ساتھ گیا۔ مگر وہاں جا کر اور بھی زیادہ شرمناک حالت میں گرفتار ہوا چنانچہ

اپنے مالک کا انکار کر بیٹھا ...... اب یہ شاگرد اسکے سوا اور کیا کر سکتے تھے کہ اپنے اپنے گھروں کو مایوس ہو کر واپس آئیں اور پیشہ ماہی گیری پھر اختیار کریں اور پھر اپنی غلطی کو جس کے سبب سے انھوں نے ایک جھوٹے مسیح کی پیروی کی تھی یاد کر کے اپنا سر دھنا کریں اور اپنے دل سے پوچھا کریں وہ تخت کہاں ہیں جن پر بیٹھانیکا وعدہ اسنے کیا تھا جب شاگرد فراہم ہوئے تو انھوں نے رونا اور ماتم کرنا شروع کیا۔ ہاں ان لوگوں سے زیادہ کوئی مایوس ہو تنگ تر دل نہ تھا۔ (دیکھو حیات مسیح مصنفہ پادری جمیس شا کٹک صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵)

غرض یسوع صاحب کی عمر کے خاتمہ پر ہر طرح ناکامی و نامرادی و مایوسی نظر آرہی تھی۔ اس کے بخلاف دوسری طرف رسول اکرم صلعم کی وفات کے وقت ہر طرح کی کامیابی نظر آتی تھی سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کو گئے ہیں اور اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا۔ کیونکہ اس کے بعد دوسرے سال میں آپ فوت ہو گئے۔ اس حج کے موقعہ پر رسول کریم صلعم نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر وعظ فرماتے ہوئے بیان کیا۔ کہ شاید اگلے سال میں تم میں نہ رہوں۔ اسلیئے کہ تبلیغ رسالت کا کام ختم ہو چکا۔ دین الٰہی کامل ہو چکا پھر وعظ کرتے کرتے فرمایا کہ لوگو! جب قیامت کے دن تم سے خدا میری تبلیغ رسالت کی بابت سوال کریگا۔ تو تم کیا جواب دوگے سبھوں نے متفق ہو کر کہا آپنے خدا کے احکام بخوبی پہنچائے اور امت کو کامل طور پر نصیحت کی اور تبلیغ رسالت کو پورا حق ادا کر دیا تب آپنے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ اللّٰھم اشھد۔ اللّٰھم اشھد۔ اللّٰھم اشھد۔ عرفہ کے دن وہ جمعہ کا دن تھا۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ آج میں نے تمہارے

دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

ناظرین یہ ہے کامیابی رسول کریم صلعم کی اور یہی غرض ہے جس کے لئے نبی یا رسول آتے ہیں۔ پر یہ آپ کا ہی حصہ تھا۔ کہ آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے آپ کو مبعوث کیا تھا فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم چنانچہ اس آیت کے نزول کے ۸۰ دن بعد آپ فوت ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

غرض رسول کریم ہر طرح سے بامراد اور کامیاب ہو کر فوت ہو گئے۔ اور یسوع صاحب ہر طرح یاس اور ناکامی کی حالت میں اس دنیا سے علیحدہ ہوئے جس سے خوب پتہ لگ سکتا ہے کہ اگر یسوع ابن اللہ کہلانے کا حق رکھتا ہے تو رسول کریم کو اس سے بڑھکر کوئی خطاب دیا جانا چاہیئے۔ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

عبدالرحیم سابق ہیڈ ماسٹر اسسٹنٹ ایڈیٹر تشحیذ الاذہان قادیان

جس نے تمہاری جسمانی کمزوریوں کے لیے اور بیماریوں کے لیے ہر ایک قسم کی دوا تجویز کی ہے۔ اور تمہاری جسمانی ضروریات کے لیے سامان مہیا کیے اور والدین کی محبت میری گود سے تمہاری دی گئی ہے پس جب کہ میں ایسا رب ہوں تو اپنی روحانی مصیبتوں کے وقت بھی گھبراؤ مت اور بلا کھٹکے توبہ کرو۔ اور میری طرف جھک جاؤ اور آئندہ میری فرمانبرداری کا اقرار کرلو اور ارادہ کرلو تاکہ تم اس عذاب سے بچ جاؤ جو کہ جب آئے تو پھر کسی کی مدد نہیں کی جاتی؟

پس کیسی پاک ہے یہ تعلیم اور کیسا پیارا ہے یہ کلام جو اسلام نے نجات کے بارے میں بیان فرمایا ہے جو کہ نہ صرف کل اعتراضوں اور کمزوریوں سے ہی مبرا ہے بلکہ فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور ہمارے روزمرہ کے مشاہدات کی تائید کرتا ہے کیونکہ والدین کو الگ کر کے جب کہ ہمارے دوست و آشنا عزیز و اقربا اور ہمسائے اور واقف اور ملاقاتی تک بھی ہم پر رحم کرتے ہیں اور ہماری کمزوریوں پر چشم پوشی کرتے ہیں اور اگر ہمارے قصوروں کو یاد رکھیں اور ہمارے حافظہ سے گرا دیں تو کینہ توز اور کینہ کہلاتے ہیں تو پھر وہ خدا جو ہمیں وجود میں لایا اور ہمارے لیے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ہر قسم کی نعمتوں سے ہمیں بہرہ مند کیا اور کرم اور فضل سے ہمارا گھر بھر دیا۔ اور ہر قسم کے سامان ہمارے لیے مہیا کیے اور ذرہ ذرہ چیز کا خیال رکھا اور کوئی چیز نہ رہی کہ جس کی ہم کو ضرورت ہو اور اس نے اسے پیدا نہ کیا ہو اور کوئی سامان نہ رہا جو ہمارے لیے آرام کا موجب ہو اور اُس نے اُسے نظر انداز کر دیا ہو جس نے ہماری پرورش کے لیے والدہ کی چھاتیوں میں سے دودھ نکالا اور ہم کو نامعلوم ذریعوں سے اسکے پینے کا علم سکھلایا جب کہ کوئی شئی ہمکو کچھ نہ سکھلاتی تھی اور جس نے چرند پرند اور دور نزدیک ہمکو حکومت

بخشی اور چاند اور سورج کو ہمارے لیے مسخر کیا اور عناصر کو ہمارے تابع فرمان بنایا کیا ہمارے گناہوں پر چشم پوشی نہ کریگا اور ہماری خطاؤں سے درگزر نہ کریگا۔ اور جبکہ ہم اس کے پاس اپنی کمزوریوں سے واقف ہو کر مدد کے لیے جائیں۔ اور ہمدردی کے لیے چلائیں اور ہمارے سینے فرط غم سے پھٹ جائیں اور دوزخ کا نظارہ ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ اور کرب و اندوہ سے ایک دیوانگی طاری ہو جائے تو کیا وہ مہربان اپنی محبت کے دامن کو ہم سے الگ رکھیگا۔ اور ہم پر رحم نہیں فرمائیگا اور کیا ایسے وقت میں اپنی الفت کی چادر میں ہمکو نہیں لپیٹ لیگا۔ ان کی مہربانیاں اور بندہ پروریاں ظاہر کرتی ہیں اور فطرت انسانی اسبات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رحیم کریم ہستی وہ مہربان ذات جو ماں باپ سے زیادہ مہربان اور عزیز اقربا سے زیادہ محبت کرنیوالی اور بھائی بندوں سے زیادہ الفت رکھنے والی اور بیوی بچوں سے زیادہ پیار کرنیوالی ہے ضرور ضرور اور ضرور ہماری توبہ کو قبول کریگی اور ہمیں ہلاکت کے گڑھے سے نکال لیگی کیونکہ جب کہ ہم اپنے پیاروں کی توبہ قبول کرتے ہیں اور اجنبیوں پر رحم کرتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ مہربان خدا ہم پر رحم نہ کریگا۔ یہ خیال اس کی نسبت دل میں لانا بھی کفر ہے وہ بڑا پاک ہے اور بڑا مہربان ہے۔

وہ ہم کو اپنے پاک کلام میں بتاتا ہے کہ ہرگز ناامید مت ہو اور مایوسی میں نہ پڑو۔ بلکہ جب تم اپنے گناہوں پر آگاہ ہو جاؤ اور نیکی کی قدر کو پہچان لو تو فوراً توبہ کرو اور یہ خیال مت کرو کہ اب کیا ہو گا اب تو تم بہت سے گناہ کر چکے ہو اور جہنمی ہو چکے ہو بلکہ ہر وقت میری رحمت کے امیدوار رہو کہ میں ماں باپ سے زیادہ مہربان ہوں اور بیوی بچوں سے زیادہ خیر خواہ۔ اور ایک

جگہ ہی نہیں بلکہ بیسیوں جگہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو لیا ہے کہ میں بخشنہار ہوں اور خطاؤں کو معاف کرتا ہوں چنانچہ نا امید ہونیوالے کو دور کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ لَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (پ ۱۳ ع ۵) یعنے اے لوگو تم خدا تعالیٰ کی مہربانی سے نا امید مت ہو کیونکہ اس کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں کہ جو کافر ہوتے ہیں یعنی ان کو اس کے لطف اور کرم پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اور جو اس کی مہربانیوں کو جو کہ پیدائش کے دن سے اس دن تک اپنر ہوئی ہوتی ہیں بھلائے ہوتے ہیں کیونکہ اگر وہ ایماندار ہوتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرچکے ہوتے تو کبھی بھی یہ گمان نہ کرتے کہ خدا تم اثرے وقت میں ان کے کام نہ آئیگا۔ اور توبہ قبول نہ کریگا پھر اور بہت سی جگہوں میں بار بار فرماتا ہے کہ توبہ کرو تو بہ قبول ہوگی چنانچہ فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (پ ۲۸ ع ۱۹) یعنی اے لوگو جنکو مجھپر ایمان آگیا ہے میری طرف توبہ کرو اور ایسی توبہ کرو جو خالص ہو تو قریب ہے کہ میں جو تمہارا رب ہوں، تمہاری بدیوں اور گناہوں اور خطاؤں اور کمزوریوں اور نقصوں کو دور کر دوں اور پردہ ڈالدوں اور اس کے بعد تمکو وہ مدارج عنایت کروں کہ تم دین و دنیا میں بڑے ہو جاؤ اور میرے انعامات و اکرامات کے مستحق بنجاؤ اور ملکوں کا بادشاہ تمکو بنا دیا جائے۔ پس اسجگہ خدا تعالیٰ نے اپنے گنہگار بندوں کو دلیری دی ہے اور کہا ہے اگر تمہارے دل ایمان کی طرف جھک گئے۔ اور تم نے مجھے پہچان لیا ہے تو آؤ توبہ کرو تا کہ تمہارے گناہ بخشدیئے جائیں اور انعامات آلہیہ کے تم وارث ہو جاؤ اور پھر فرماتا ہے

کہ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ پ ۱۱ یعنی کیا لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی تو ہے جو کہ توبہ کو قبول کرتا ہے اپنے بندوں سے اور صدقات لیتا ہے اور یہ کہ تحقیق اللہ تعالےٰ بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحیم ہے اسجگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ اصل میں تو خدا تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اور کوئی نہیں جو کہ توبہ قبول کرسکے جسکا یہ مطلب ہے کہ اوّل تو لوگ خدا تعالےٰ جیسے مہربان اور عنایت فرما ہو نہیں سکتے دوسرے جو لوگ مہربانی کرتے ہیں وہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو کام میں لاتے ہیں اسلئے اصل توبہ اللہ ہی قبول کرتا ہے پس خدا تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ انسانوں نے توبہ کیا قبول کرنی ہے اصل توبہ تو میں قبول کرتا ہوں کیونکہ میں سب سے زیادہ محبت کرنیوالا ہوں پھر خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ یعنی اللہ تعالیٰ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنیوالا ہے اور یہ اسلئے نہیں کہ وہ سزا دے نہیں سکتا بلکہ وہ شدید العقاب ہے ہاں یہ مہربانی اسلئے ہے کہ وہ ذی الطول یعنی انعام کرنیوالا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اسی کی طرف پھر جانا ہے غرض کہ اب میں ثابت کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ میں کل نیک صفات پائی جاتی ہیں اور جو کوئی کسی نیک صفت کو اس سے الگ کرتا ہے گویا کہ وہ اس میں نقص لاتا ہے اور اس طرح ناقص قرار دے کر اسکے قائم بالذات ہونے سے بھی منکر ہے اور میں نے بتایا ہے کہ انسانی خلقت میں بھی رحم بھرا ہوا ہے اور یہ کہ عدل رحم سے نیچے درجہ کی ایک صفت ہے اور خدا تعالیٰ جو تمام محاسن کا جامع ہے۔ رحم سے کسی بھی الگ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ بڑا رحیم کریم ہے اور جب کوئی شخص اپنے گناہوں سے سچے دل سے پچھتاتا ہے اور خدا کے

حضور میں توبہ کرے تو چونکہ وہ ماں باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے اسلیے جیسا کہ ماں باپ اپنی اولاد کا قصور معاف کرتے ہیں اس سے زیادہ اور بہت زیادہ وہ اپنے بندوں کا قصور معاف کرتا ہے اور میں نے قرآن شریف سے ہر ایک بات کا ثبوت دیا ہے پس اب ہر ایک عقلمند سمجھتا ہے کہ جیسے اسلام نے پچھلے گناہوں سے عذاب سے بچنے کا طریق بتایا ہے اور جس قسم کی نجات اسلام نے بیان فرمائی ہے وہ کسی مذہب نے بیان نہیں کی اور چونکہ اسلام کی نجات ہی فطرت انسانی اور مشاہدۂ قدرت سے اور عقل سے ثابت ہوتی ہے اسلیے سوائے اسکے اور کوئی نجات ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ با اخلاق انسان تو رحم کے پتلے ہوتے ہیں مگر وہ خدا جو سب مہربانوں سے زیادہ مہربان اور سب شفیقوں سے زیادہ شفیق ہے وہ اس صفت سے محروم ہو گویا کہ وہ ایک متشوق ہے کہ جسکا ایک عضو نہ رہے پس ایسا خدا قائم بالذات خدا ہو سکتا ہے نہیں اور ہرگز نہیں پس یہ تمام نقص جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں صرف صفات الٰہیہ کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ اسلام تمام زمانہ کی دست بردوں سے پاک ہے اور قرآن شریف ایک ہی محفوظ کتاب ہے اسلیے اس مسئلہ کو اسی کتاب نے ٹھیک طور پر حل کیا ہے اور ایسا پاک اور نقائص سے مبرا خدا انسان کے سامنے پیش کیا ہے کہ جس کی شفقت اور رحمت کو دیکھکر مردہ دل زندگی پاتے اور گمراہ ہدایت حاصل کرتے ہیں پس اصل نجات وہی ہے جو کہ اسلام نے بیان فرمائی ہے:

ایک اور پہلو سے نظر ڈالنے پر بھی میرے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں تین قسم پر ایک چیز منقسم ہوتی ہے۔ ادنیٰ اوسط اور اعلیٰ۔ ادنیٰ پر اوسط بہرحال فضیلت مانی جائے گی اور اوسط پر اعلیٰ کو فوقیت ہوگی۔ اور اس

رو سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ظلم صفات میں سے ادنیٰ ہے کیونکہ اس کے معنے ہیں ایک چیز کو غیر موقعہ پر رکھنا اور اس طرح پر کسی کی حق تلفی کرنی اور اس سے اوپر پھر عدل کی صفت ہے کہ جس کے معنے ہیں کہ جس کا جتنا حق تھا۔ اس کو اسی قدر دیدینا یعنے اگر کوئی شخص ایک روپیہ کا مستحق ہے تو اسکو بغیر کمی یا زیادتی کے ایک روپیہ ہی حوالہ کر دینا۔ اور اس درجہ سے اوپر پھر ایک اور درجہ ہے جس کا نام ہے رحم جس کے معنے ہیں کہ ایک شخص کو جس قدر اس کا حق تھا۔ اس سے زیادہ دیدیا جائے مگر اس سے کسی اور کی حق تلفی نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص نے ایک مزدور لگایا اور اس نے دو روپیہ کا کام کیا تو دو روپیہ کی بجائے اسے اگر تین روپئے دیئے تو یہ اسکا رحم ہے ہاں شرط یہ ہے کہ کسی اور کا حق مار کر ایسا نہ کیا گیا ہو کیونکہ اس صورت میں یہ رحم رحم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ خالق و مخلوق کے درجے بھی ہم دیکھتے ہیں تو تین ہی ہیں ایک تو وہ لوگ جو شریر ہیں اور شیطانی آدمی کہلاتے اور اس کے متبع سمجھے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو کہ نیک ہوتے ہیں اور ایک خود اس کائنات کا وجود ہیں لہٰذا پس ظلم تو اصل صفت شیطان کی ہے کہ اس کے متبع اس صفت سے متصف ہیں اور عدل اصل صفت نیک لوگوں کی ہے اور رحم اصل صفت خداتعالیٰ کی ہے اور یہی مناسب تقسیم ہے کیونکہ شیطانی کام تو شیطان سے ہی سرزد ہونگے اور چونکہ مخلوق خالق کے برابر نہیں ہو سکتی اسلیئے ضرور ہے کہ اُس کی اصل صفت وہ ہو جو کہ وسط میں ہے یعنی عدل اور خالق کی صفت سب سے اعلیٰ ہوئی ہم چنانچہ قرآن شریف سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے اور کہیں خداتعالیٰ نے ظلم کا لفظ اپنے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ یہی فرمایا کہ لَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا یعنی ہماری درگاہ میں فیصلہ کے وقت ایک ذرہ بھر بھی ظلم نہیں ہوتا اور نیک لوگوں کو ہم

کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا۔ ان اللّٰہ یامر بالعدل (یعنے اللہ تعالیٰ تم کو نیک صفات میں سب سے پہلے عدل کی تعلیم دیتا ہے ہاں جب تم کمال حاصل کر لو تو تخلقوا باخلاق اللّٰہ کے ماتحت تم کو پھر رحم کی صفت بھی اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے چنانچہ فرماتا ہے و الاحسان و ایتاء ذی القربٰی) لیکن سارا کا سارا قرآن شریف دیکھ جاؤ ایک جگہ بھی تم عدل کا لفظ خدا تعالیٰ کے لیئے نہ پاؤگے بلکہ یہی پاؤگے اِنّ اللّٰہ غفورٌ رّحیمٌ جس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی اصل صفت رحم ہے جس کے ماتحت اگر عدل بھی ہو جاتا ہے ورنہ زیادہ تر وہ رحم سے ہی کام لیتا ہے پس قرآن شریف میرے اس دعوے کی تائید کرتا ہے اور یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں جو میرا خود ساختہ ہو اور خود فطرت انسانی اسپر مہر کرتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ماننا پڑیگا کہ نعوذ باللہ مخلوق و خالق کی تقسیم اس طرح پر ہے کہ اوّل شیطان کہ جو ظلم کرتا ہے اور اسکی ترغیب دیتا ہے دوم خدا تعالیٰ کہ جو عدل کرتا ہے اور سب سے اعلیٰ مرتبہ پر انسان ہے کہ جو رحم کی صفت سے متصف ہے اور یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جس کے ماننے کے لیئے کوئی ذی عقل تیار نہیں جس سے لازمی طور سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے خدا تعالیٰ ضرور رحیم کریم ہے اور اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور انکے پچھتانے پر انکے ساتھ سختی کیساتھ پیش نہیں آتا۔ بلکہ نرمی کرتا ہے۔

اور اگر خدا تعالیٰ کو نعوذ باللہ رحیم نہ مانا جائے اور توبہ کو قبول کرنے والا نہ

آریہ لوگ خدا تعالیٰ کو رحیم تو کہتے ہیں اور اسے دیالو کرپالو مانتے ہیں۔ مگر چونکہ حقاً اس صفت کے منکر ہیں کیونکہ توبہ کے قبول کرنے اور گناہوں پر چشم پوشی کرنے میں اسے قاصر جانتے ہیں۔ اسلیئے میں اس مضمون میں انجگہیں لکھ رہا ہوں کہ وہ اس کے رحیم ہونے سے منکر ہیں۔

مانا جائے۔ تو ایک اور بھی عظیم الشان اعتراض پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارا خالق نہیں ہے کیونکہ خالق اپنی مخلوق کے خواص سے خوب واقف ہوتا ہے۔ اور فطرت انسانی میں ہم رحم کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا پاتے ہیں پس اب دو صورتوں میں سے ایک صورت ہے یا تو آریوں مسیحیوں کا خدا (نعوذ باللہ) ہمارا خالق نہیں کیونکہ اسکو معلوم نہیں کہ فطرت انسانی میں محبت اور رحم کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے تب ہی تو وہ ہم کو وہ تعلیم دیتا ہے جو ہماری فطرت کے برخلاف ہے اور جب وہ ہماری فطرت کے برخلاف ہے تو اسپر عمل کرنا تکلیف ما لا یطاق ہے۔ اور اگر وہ ہمارا خالق ہے اور ضرور ہے تو ماننا پڑیگا کہ وہ ضرور رحیم ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ ہماری فطرت میں تو یہ بات رکھدے کہ رحم کو ہم عدل سے زیادہ سمجھیں۔ اور پسند کریں اور خود رحیم نہ ہو کیونکہ اس صورت میں ہمکو (نعوذ باللہ) اس سے کبھی بھی محبت نہیں پیدا ہو سکتی۔

اب میں خدا کے فضل و کرم سے قوانین فطرت اور تجربے ثابت کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ ضرور رحیم ہے اور توبہ کو قبول کرتا ہے کیونکہ محبت حسین سے ہوتی ہے اور رحم ایک بیشتر احسن ہے پس کسی صورت میں خدا تعالیٰ جو اصل معشوق ہے اس حسن سے خالی نہیں ہو سکتا اور یہ کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ وہ مہربان خدا جو والدین سے ۷۰ انتہا درجہ زیادہ محبت کرنیوالا ہے جبکہ اُسکے آگے ہم پشیمان ہو کر جائیں اور شرمندگی سے اس کی دلہیز پر اپنی گردن جھکا دیں تو وہ ہمکو کند چھری سے ذبح کر دے اور اپنے قہری کمالات سے دور پھینکدے (نعوذ باللہ) اور اگر ایسا ہو تو خدا تعالےٰ اخلاق میں انسان سے بھی ادنیٰ متصور ہوگا جو ناممکن ہے اور یہ بھی مینے ثابت کیا ہے تو اس عقیدہ سے پھر خدا تعالیٰ کے خالق ہونے سے بھی جواب دینا پڑ گیا ہے پس وہی طریق راست

اور درست ہے کہ جو قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ میں آیات کے حوالوں سے ثابت کر آیا ہوں کہ خدا تعالیٰ ضرور رحیم ہے اور گناہوں کو وہ ضرور بخشتا ہے اور اس جیسا توبہ کو قبول کرنیوالا اور کوئی ہے ہی نہیں۔

کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے چنانچہ مسیحیوں کے لیئے تو یہ مثال کافی ہے کہ جب یونس نبی کی قوم پر اس کے کفر کی وجہ سے عذاب آیا تو اُنکے پچھتنے اور چلّانے پر وہ عذاب ہٹ گیا پھر یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو بخشا اور خدا نے اُسے ملامت نہ کی خود مسیح کہتا ہے کہ

"اور جب کبھی تم دعا کے لیئے کھڑے ہوتے ہو اگر تمہیں کسی پر کچھ شکایت ہو تو اُسے معاف کرو تاکہ تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہارے قصوروں کو معاف کرے اور اگر تم معاف نہ کروگے۔ تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے۔ تمہارے قصور معاف نہ کریگا" مرقس ۱۱؍۲۵-۲۶ آریوں کا خدا اوبالو کرپالو ہے۔ اس سے بھی معاملہ فیصل ہوجاتا ہے۔

اُن اعتراضونکا جواب جو توبہ پر کیئے جاتے ہیں

مسیحی صاحبان اور ان کی دیکھا دیکھی آریہ مہاشہ توبہ کے مسئلہ پر چند اعتراض کرتے ہیں جن کا جواب دینا بھی میں اسجگہ ضروری سمجھتا ہوں اور گو کہ اس سے مضمون لمبا ہوجائیگا۔ مگر اس کے ساتھ مضمون کو [illegible] ناقص رہجاتا ہے اسلیئے ضروری ہے۔

پہلا اعتراض توبہ کی قبولیت پر

یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ تو گویا ظالم (نعوذ باللہ) ہے۔

مگر ایسا اعتراض کرنیوالے ظلم کی حقیقت کو جانتے ہی نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ میں اپنے مضمون میں ثابت کر آیا ہوں جب ایک شخص گناہوں سے پچھتا کر اور اپنی غلطی سمجھکر واپس آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور سچی توبہ کرتا ہے تو اسوقت اس کی توبہ کا قبول نہ کرنا ایک حد تک ظلم کہلا سکتا ہے۔ مگر اسکی توبہ کو قبول کر لینا اور اس کے گناہوں پر چشم پوشی کرنا کوئی ظلم نہیں بلکہ احسان کہلاتا ہے۔ پس اگر خدا تعالیٰ کسی پر احسان کرے تو اسپر کوئی الزام نہیں آتا بلکہ یہ بات اسکی شان کے شایاں ہے کیونکہ یہ بات ہر ایک پر عیاں و مبرہن ہے کہ اگر ایک شخص کسی کو اس کے کسی فعل کے بغیر کچھ روپیہ بطور احسان کے دیدے تو اسکو لوگ ظالم نہیں سمجھتے۔ بلکہ جیسے کہ میں بیان کر چکا ہوں ظلم کے معنے تو یہ ہیں کہ کسی شخص کی حق تلفی کی جائے اور جب کسی کی حق تلفی نہ ہو تو وہ عطا ظلم نہیں بلکہ احسان ہوتی ہے مثلاً ہم جو ایک فقیر کو کچھ دیتے ہیں تو ہمارے نوکر کبھی شکایت نہیں کر سکتے کہ تم نے اسپر ظلم کیا۔ بلکہ اگر ہم انکی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ کر فقیروں کو دیں تو اسوقت ان کی شکایت بجا ہوگی کہ ہمارا حق کسی اور کو کیوں دیا گیا۔ یا مثلاً ایک آقا کسی مزدور کی کمزور حالت کو دیکھکر اسے وقت سے پہلے رخصت کر دے۔ تو اسے ظلم نہیں کہتے ہم گورنمنٹ کو ہی دیکھتے ہیں کہ بعض قیدی اپنی میعاد سے پہلے چھوڑ دیتی ہے کہ ان کی صحت خطرہ میں تھی۔ مگر کوئی نہیں جو گورنمنٹ کے برخلاف شکایت کرے کہ اس نے سخت ظلم کیا اور ملک میں بدامنی پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ اس قیدی کو میعاد سے پہلے ہی چھوڑ دیا ہے کیونکہ سب دیکھتے ہیں کہ اس قیدی کی حالت قابل رحم تھی اور گورنمنٹ نے جو کچھ کیا۔

بالکل مناسب کیا۔ پس اگر خدا تعالےٰ بھی کسی مجرم کی حالت قابل رحم دیکھے اور جان لے کہ شرم و حیا کی آگ سے اس کی ہوا و ہوس جل کر خاک ہو گئی ہیں اور ذلت کے مارے اس کے لئے زندگی وبال جان ہے تو اُسے کیوں نہ بخشے اور کیوں اس کے دل میں اطمینان پیدا کر دے اور کیوں نہ کہے کہ لا تثریب علیکم الیوم غرض کہ گناہ کو بخشنا ظلم نہیں ہوتا ظلم وہ ہے کہ جس میں کسی کی حق تلفی ہو اور اس میں کسی کی حق تلفی نہیں ہاں بعض دفعہ گناہوں کا نہ بخشنا ظلم ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض توبہ کی قبولیت پر

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ کیا خدا تعالےٰ گناہوں کو پسند کرتا ہے کہ توبہ کو قبول کرتا ہے کیونکہ جب انسان کو یقین ہو جائے کہ میں جتنے گناہ بھی کروں اور کتنے قصور بھی مجھ سے سرزد ہو جائیں ایک توبہ سے سب پر پانی پھر جائے گا۔ اور میں پھر پاک و صاف ہو جاؤنگا اور کوئی وجہ اور وہ مجھکو نہ پہونچیگا اور کسی قسم کی سزا مجھکو نہ ملے گی تو اس صورت میں وہ گناہوں پر دلیر ہو جائیگا اور کہیگا کہ اب تو گناہ کرو پھر توبہ کر لیں گے اور امن کی کوئی صورت نہ باقی رہے گی اور گناہوں کی کثرت سے دنیا بھر جائے گی مگر یہ اعتراض گو کوتاہ چشموں کی نظروں میں کچھ وقعت رکھے مگر قرآن شریف اور قوانین نیچر کے دیکھنے والے اس کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ کہ محض بے حقیقت ہے

کیونکہ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں توبہ اصلاح کے لئے ہے نہ کہ فساد پھیلانے کے لئے اگر کوئی شخص توبہ کے مسئلہ کی آڑ میں گناہ پھیلانا چاہتا ہے تو وہ شریر اور فسادی ہے اور چونکہ معاملہ ایک علیم و خبیر ہستی سے ہے

اسلئے اس کی یہ بات چل نہیں سکتی۔ ایک انسان دوسرے انسان کا ارادہ نہیں جان سکتا۔ گو پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ عدالتوں میں اس بات پر بڑے زور سے بحث ہوتی ہے اور صحیح تحقیق ہوتی ہے کہ مجرم کا ارادہ کیا تھا اور چند قرائن سے ثابت کیا جاتا ہے کہ مجرم نے جو جرم کیا ہے اس کے سرزد ہوتے وقت اسکا ارادہ قتل کا تھا یا صلح کا اور دوسری بات یہ دیکھی جاتی ہے کہ آیا جس وقت مجرم نے یہ جرم کیا اسوقت وہ کسی اشتعال یا جوش میں تھا یا ٹھنڈے دل سے اور سوچ بوجھ کر اس سے وہ فعل شنیعہ سرزد ہوا تھا۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اُسنے وہ کام نیک نیتی سے یا کسی خاص جوش یا غیرت یا غضب کے ماتحت کیا ہے تو اُس کے جرم کو یا تو معاف کیا جاتا ہے۔ یا سزا میں بہت تخفیف کی جاتی ہے اور باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ جج کے پاس کوئی یقینی ثبوت اسبات کا نہیں ہوتا۔ کہ واقعی یہ فعل کس ارادہ سے ہوا تھا مگر جس ہستی کے ساتھ توبہ کا معاملہ پیش ہے اسلامی عقاید کی رُو سے وہ علیم و خبیر اور جبار (مصلح) ہے اور اسلام کا خدا نہیں بلکہ حقیقی خدا ذرہ ذرہ سی بات کو جانتا ہے اور کوئی چیز نہیں خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی جو اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو پھر اس سے کسی کا ارادہ کس طرح مخفی ہو سکتا ہے اور وہ بغیر ارادہ کا لحاظ کرنیکے کس طرح کسی مجرم کو سزا دے سکتا یا چھوڑ سکتا ہے۔ حالانکہ وہ رحم کرتا ہے۔ اور ظالم نہیں اور فساد نہیں بلکہ اصلاح چاہتا ہے۔ چنانچہ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے کہ لکن یرید لیطهر کم یعنے اللہ تعالے ارادہ کرتا ہے کہ تم کو پاک کرے۔ پس ایسا شخص تو گند پھیلاتا ہے اور توبہ کے بہانہ سے دنیا میں فساد چاہتا ہے۔ پس وہ کب اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس گندے ارادہ کیساتھ توبہ کے دروازہ میں داخل کیا جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ تو ایسے خبیث لوگوں کے لئے فرماتا ہے۔ کہ اُدْعُوا رَبَّكُمْ

تضرعًا وخفیۃً ۚ انہٗ لا یحب المعتدین ۝ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا وادعوہ خوفًا وطمعًا ۚ ان رحمۃ اللّٰہ قریبٌ من المحسنین ۝ یعنے خبردار خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنے میں شوخی اور شرارت سے کام نہ لو۔ بلکہ جب اُسے پکارو تو بڑی عاجزی اور تضرع سے پکارو اور علاوہ اسکے لوگوں سے بالکل الگ ہو کر بھی اُسے یاد کرتے رہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور یاد رکھو کہ وہ احکام جو بغرض اصلاح اُترے ان کے نزول کے بعد فساد پھیلانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو خوف وطمع سے یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین سے قریب ہے پس اس جگہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو احکام اصلاح کے لیئے اترے ہیں اگر تم باوجود ان کے اترنے کے فریبوں کے ساتھ شرارت اور فساد کی راہ تلاش کرو گے تو تمہارا انجام نیک نہ ہوگا"

پس جو شخص اس ارادہ سے گناہ کرتا ہے کہ توبہ کی آڑ میں میں سزا سے محفوظ رہونگا۔ وہ سخت دھوکے میں ہے اور سخت ٹھوکر کھائیگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ دھوکہ نہیں کھاتا۔ اور ایسا دھوکہ دینے والا انسان تو مومن ہی نہیں کیونکہ اسکو صفات الٰہیہ پر ایمان ہی نہیں کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ خدا تعالیٰ ان سب کمزوریوں سے پاک ہے پس اس قسم کے ارادہ والا انسان تو بجائے اس کے کہ توبہ سے کچھ فائدہ اٹھائے توبہ سے پہلے ہی ہلاک کیا جائے گا اور عذاب الٰہی اس پر نازل ہوگا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ایسا شخص سمجھتا ہے کہ وہ دھوکے میں آ جاتا ہے اور اس وجہ سے اُسے دھوکہ دینا چاہتا بھی ہے۔ دوسرے توبہ تو اُسے کہتے ہیں کہ ایک شخص یک لخت اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف آئے۔ اور اسکا دل غم کے مارے پگھل جائے اور وہ رنج و الم کے پہاڑوں کے

نیچے دب جائے مگر اس ارادہ سے گناہ کرنیوالا انسان کہ میں ایک مدت تک گناہ کرکے پھر چھوڑ دونگا تو پہلے سے ہی ایک سکیم تیار کرچکا تھا اس کی جھوٹی توبہ توبہ کہلا ہی کب سکتی ہے اور ایسے شخص کا دل تو ایسا ہو گا کہ اُسے توبہ کا موقعہ ہی نہ ملیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ واللہ لایھدی القوم الفاسقینؐ (مائدہ) ان اللہ لایھدی من ھو مسرف کذاب (مومن) واللہ لا یھدی القوم الظالمینؐ (بقرہ) پس پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسلام نے توبہ کا دروازہ کھول کر گویا گناہوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔

دوسرا جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ مخالف کا اعتراض ان کہ بھی توبہ گناہوں کی محرک تب ہو سکتی تھی کہ اگر انسان کو اس کی موت کا وقت بتا دیا جاتا کہ فلاں شخص فلاں وقت مریگا اور فلاں فلاں وقت مریگا۔ کیونکہ اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ بعض لوگ کہتے کہ مرنے سے پہلے توبہ کرلینگے لیکن خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے انّ اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفسٌ بایّ ارض تموت انّ اللہ علیمٌ خبیرٌ (سورۃ لقمان رکوع ۴) یعنی اللہ ہی جانتا ہے کسی کی مقررہ گھڑی کب آئیگی۔ اور وہی بارش نازل کرتا اور رحموں میں جو کچھ کہ ہے اُسے جانتا ہے اور نہ کوئی جانتا ہے کہ اُس نے کل کیا کچھ کمانا ہے اور نہ کوئی یہ جانتا ہو کہ اسکو کس مقام پر موت آنی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ تو بڑا جاننے والا اور خبردار ہے پس اس آیت میں خدا تعالیٰ زمانہ اور مکان دونوں کی نفی فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ نہ تو انسان یہ جانتا ہے کہ وہ کب مریگا کیوں کہ اس صورت میں وہ موت سے پہلے توبہ کرسکتا ہے اور نہ وہ یہ جانتا ہے کہ وہ کہاں مریگا

کیونکہ اس صورت میں شریر آدمی اُس مقام پر جاتے ہی نہ اور اگر جانا پڑتا تو وہاں رہنے کے زمانہ میں توبہ کرتے تب بیشک فساد کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ مگر انسان کو نہ اپنے مرنیکے ایام معلوم نہ مقام معلوم اور علاوہ اس کے فرماتا ہے کہ وہ یہ بھی تو نہیں جانتا ہے کہ کل اس کے حالات کیسے ہوں گے آیا توبہ کی توفیق ملیگی یا نہیں کیونکہ وہ ناواقف ہے کہ کل اس نے کیا کمانا ہے۔ پس اس آیت نے اس اعتراض کا کامل جواب دیدیا ہے کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ بوڑھے ہی نہیں بچہ بھی اور جوان بھی اور ادھیڑ بھی مرتے رہتے ہیں اور بیماریاں انسان پر ایسی اچانک آتی ہیں کہ ایک منٹ میں جان کا خاتمہ کر دیتی ہیں بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ انسان سوتے سوتے مر گیا۔ بعض دفعہ محفل دوستاں میں قہقہہ لگاتے لگاتے جان نکل گئی بیٹھے سے کھڑے ہوئے اور گر کر مر گئے کام کرتے ہوئے دل کو ایسا صدمہ پہنچا کہ دفعتًا نصف ہی رہ گیا اور مرغ روح قالب عنصری سے پرواز کر گیا۔ سیڑھیاں چڑھنے لگے کہ ایک پیر اوپر رکھا اور ایک نیچے کہ جان نکل گئی دیوالہ نکل گیا اور ساتھ ہی پیغام اجل بھی آگیا ایک دست آیا اور ختم تکسیر پھوٹی اور سرد ہو گئے ہیضہ ہوا اور چلدیا طاعون آئی اور گھر کا گھر برباد کر گئی۔ غرض ایک نہیں لاکھوں نظیریں ہر سال اس قسم کی پائی جاتی ہیں وبائیں اندرونی اور بیرونی بیماریاں رنج و غم و تشویش کے حملے لڑائیاں فساد بغاوتیں زلزلہ طوفان بجلیاں ہزاروں چیزیں ہیں کہ انسان کی جان کے درپے ہیں اس سے بچے تو اس میں جا پڑے اس سے نجات پائی تو تیسری درپیش ہے غرض کہ اس صورت میں ممکن ہی نہیں کہ انسان کہے کہ اب تو گناہ کر لو پھر توبہ کر لیں گے ممکن ہے کہ اس ارادہ کے دل میں آتے ہی جان نکل جائے۔ پس چونکہ موت کا نہ زمانہ نہ مکان نہ

کو بتایا گیا ہے اسلیئے توبہ پر یہ اعتراض نہیں آسکتا کہ اس طرح گناہوں پر دلیری ہو گی اور یہ اعتراض تو خود مسیحی صاحبان پر بھی پڑتا ہے کیونکہ جب کفارہ پر ایمان لانے سے انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے اگر توبہ گناہوں کی محرک ہو سکتی ہے تو کفارہ بدرجہ اولیٰ بدیوں کی ترغیب دلانیوالا ہے۔

توبہ کے مسئلہ پر اس قسم کے اعتراض کرنیوالوں کی عقلوں پر تو مجھکو سخت تعجب آتا ہے کیونکہ توبہ جن لوگوں کے لیئے ہے انکا ذکر تو خود قرآن شریف نے کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون ۝ اولٰئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم وجنٰت تجری من تحتھا الانھٰر ۝ خالدین فیھا ونعم اجر العاملین ۝ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ انہیں لوگوں کے لیئے ہے جو شرارت سے فساد پھیلانا نہیں چاہتے بلکہ غلطیوں یا غفلت کیوجہ سے گناہوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور پھر اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے پھر قرآن شریف میں ایک دوسری جگہ پر ہے واذا جاءک الذین یؤمنون باٰیٰتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوءً بجھالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم ۝ اس آیت سے علاوہ اسکے کہ خدا تعالیٰ کی رحیمیت ثابت ہوتی ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ توبہ انہی لوگوں کے لیئے ہے۔ جو مذہب ملک رسم و عادت نامناسب تعلیم ضد اور غفلت اور صحبت کی جہالتوں کیوجہ سے گناہ کرتے ہیں نہ کہ انکے لیئے جو شرعی احکام میں حیلہ جوئی کرتے اور اس طرح فساد کا راستہ تلاش کرتے ہیں پس توبہ کے مسئلہ پر کسی صورت

قابل قدر علمی فیاضی

[illegible]

رجسٹرڈ نمبر ۵۶۷

کلکتے کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مجرب دوائیں جو ۳۶ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہوری ہیں

کھانسی کی دوا

یہ دوا ہر طرح کے کیسی ہی کھانسی کف کی زیادتی ہو اسکو آرام کرتی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

درد سر و زکام کی دوا

[illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

نمبر ۸ — جلد ۷

یہ رسالہ ماہوار ہر انگریزی مہینے کی ۲۰ تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ [illegible]

رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان

بابت ماہ اگست — فہرست مضامین — مطابق ماہ شعبان

باہتمام چوہدری عبد السلام صاحب منیجر [illegible] قادیان سے شائع ہوا

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس اثنا میں بہت سے
لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نور الدین صاحب کے
مجوزہ نسخہ کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور اصلی ممیرا جو خود حضرت نے دیکھ کر اصلی ممیرا ہونے کی تصدیق
کی ہے ڈالا جاتا ہے۔ حضرت [illegible] اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ یہ امراض چشم کیلئے مفید ہے
اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کئی لاکھ افراد کا امام [illegible] حیثیت
اور تجربہ سے بھی طبی امام کہلانے کا حقدار ہے۔ [illegible] شہادت دیتا ہے کہ یہ سرمہ [illegible]
جالا پھولا [illegible] اور سرخی ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کیلئے بہت مفید ہے۔ قیمت سرمہ
قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible]۔ اصلی ممیرا قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible]
ترکیب استعمال: یہ ممیرا پتھر پر گھس کر یا سرمہ کی طرح پیس کر آنکھ میں ڈالا کریں [illegible] گرمی وغیرہ کے
موسم میں جو بیمار ہوتے ہیں۔ بہت مجرب ہے۔

ست سلاجیت

([illegible])

مقوی جمیع اعضاء [illegible] دافع [illegible] رنگ
[illegible]
[illegible]
[illegible] قیمت [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں [illegible] سفید [illegible]
[illegible] منگا سکتی ہیں

المشتہر احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

سید الطعام اللحم

رسالہ آریہ مسافر مئی سنہ ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون متعلق گوشت خوری ایک مسلمان مسمی فخر الدین ناطق کا نظر سے گذرا۔ بس یہ ضرور نہیں کہ ہم تحقیقات کریں کہ مضمون نویسندہ مسلمان ہے۔ یا کوئی پیچھے رستم چھپا شخص صاحب ہم صرف اس کے پیش کردہ خیالات باطلہ کا بطلان پبلک پر ظاہر کریں گے اور اس کی اس عقل کا اندازہ اور ناواقفیت اسلام کے راز گوشت از بام کرینگے جو اس کے اس ٹھوکر کا باعث ہوئے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اس احسن الخالقین اور ارحم الراحمین نے جب اپنے فرمان مبارک خلق لکم ما فی الارض جمیعا کے اس انسان ضعیف البنیان کی خاطر انواع و اقسام کی اشیا کیا روحانی اور کیا جسمانی کیا زمینی اور کیا سماوی سب اعلیٰ و ادنیٰ مہیا کر کے سب کو اس کی خدمت پر متعین کیا۔ اور اسکو سب پر مخدوم مقرر کیا پھر اس ناقص مخلوق کو محض اپنے فضل و کرم سے اور بمقتضائے اپنی رحمانی صفت کے اشرف المخلوقات کا تمغہ عطا فرمایا۔ عقلی و نقلی دلائل کے مطابق ہر مخلوق کی حد بھی مقرر کر دی۔ یعنی مخدوم کو مخدومیت کے جامے میں رکھا اور خادم کو خادمیت کے مرتبے پر۔

مبارک وہ جو اس حکیم و خبیر کی اس حکمت سے فائدہ اٹھا دیں۔ اور بدقسمت

ہے جو روح جونا بھی سے نزاد ھو اللہ عرش کا داغ پیشانی پر لے ۔"

گوشت خوری کے متعلق بار ہا اہل اسلام کی طرف سے طمانیت بخش جوابات دے چکے ہیں۔ مگر افسوس انکے سمجھنے کے لئے آگے ایسے خرد ماغ ہیں کہ بجائے تسلیم یا جواب الجواب دینے کے انہی اعتراضات کو بار بار دوہرایا جاتا ہے جو سراسر انکی حماقت پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی نئے اعتراض اپنے خلائے ذہن سے نکال کر پیش کریں۔ تو ہم بھی ٹھنڈے دل سے جواب دینے کو طیار ہیں۔ مگر جنکا صرف شرارت اور دوسروں کو دکھ دینا ہی مقصود ہو۔ تو بھلا اس کے لئے سوائے عمل جراحی کے اور کونسا علاج ہے۔ خیر سے یاں وہ نسخے نہیں جنہیں ترشی آڑے آئے۔ سنئے

اسلام کی تعلیم کے مطابق روحانی حفاظت اور پرورش کا انحصار جسمانی حفاظت پر ہے۔ یعنی اگر انسان بگا بھرے تو ضرور ہے کہ اسکی روح پر اسکا بد اثر پڑے اور اسکو بد تہذیب بنائے حیوانوں چار پایوں کی طرح اسکے افعال ہونگے۔ یا خوراک کلوا و اشربوا ولا تسرفوا کے حکم کے برخلاف کہائی جائے۔ تو ضرور اسکی روح بھی اعتدال سے گر جائے یعنی اگر انسان ہر وقت گوشت ہی کہاتا ہے۔ تو ایک دن آئیگا کہ وہ زمانہ قدیم کے مرہٹوں اور راجپوتوں سے بھی زیادہ وحشی الطبع اور جہل کا مرکب ہوگا۔ یا اگر انسان گھاس اور ہاتھی وغیرہ کی طرح صرف سبزی پر ہی زور دے۔ تو وہ ضرور آریہ ورت کے باشندوں کی طرح بزدل، زرد اور نحیف البدن ہو جائیگا۔ سو اس لئے قرآن کریم ہمیشہ فطرت کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ کہ کہاؤ اور پیو مگر اتنا نہ کہ گلے تک اپنے پیٹ کو بھر لو۔ بلکہ اعتدال کو محفوظ خاطر رکھو۔

مذکورہ بالا امثال سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ خوراک کا

اثر روح پر ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ خوراک کی اصل غرض اور علت غائی کیا ہے؟ سو اسلام کی رو سے خوراک اور پوشاک کا اصل منشا ایک تو عبادت الٰہی کا مکمل کرنا ہے۔ دوم جسم کی حفاظت ہے "تا انسان وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون پر عمل کرنے کے قابل رہ سکے۔

مشاہدہ ایک ایسی دلیل ہے جو ہر کس و ناکس کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ سو ہم مشاہدہ کی رو سے ہی اپنے پیارے مضمون کو نبھاتے ہیں۔ کہ جب ہم خوراک جسم کی تربیت اور اس کی طاقت بڑھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ تو ہم کو ضرور ایسی غذا استعمال کرنی پڑیگی جس سے ہمارے ہر دو اغراض پورے ہوں۔ سو اب ہم نے یہ دیکھنا ہے۔ کہ دنیا بھر میں سے کونسی اقوام زیادہ طاقتور اور شجاع اور مہذب ہیں۔ اور کیا خوراک وہ استعمال کرتے ہیں۔ اور کونسی زیادہ کمزور اور بزدل اور بد تہذیب ہیں۔ سو اس سوال کو حل کرنیکو ہم دور کیوں جائیں۔ اسی آریہ ورت کی

تواریخ کو ہم لیں۔ جہاں دنیا سے بڑھکر گھاس خوروں کی تعداد موجود ہے۔ تو اب ہمیں یہ مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو گیا ہے۔ کہ یہ ہمیشہ گوشت خوار اقوام سے مغلوب اور مفتوح ہی ہوتے رہے۔ اور ذلتیں اٹھاتے رہے۔ وہم محافظ کی طرح تعصب اور ضد سے بھی کام نہیں لیتے۔ بیشک ہم جانتے ہیں۔ کہ بلعکس قدیم ہندو راجہ فاتح بھی ہوتے رہے۔ جیسے راجہ رام چندر جی اور سری کرشن جی مہاراج جنکو شکار کا از حد شوق تھا۔ اور تیر و کمان اور تیغ و سنان ہر وقت ساتھ ہی رکھتے تھے۔ اور راون جیسے زبردست راجہ اور کورو جیسے قوی دشمن پر فتحیاب ہوئے۔ بلکہ بابا نانک جی جیسے بزرگ جنکا ثانی بھی جنکا نظیر اہل ہنود میں تا حال ملنا محال ہے۔ مچھلیوں کا شکار بڑے شوق سے کرتے

جنم ساکھی کا مسئلہ کے رو سے مچھلی بکری کو ذبح کر...

اور ان کو بھون کر کھاتے تھے۔

مجھے امید ہے۔ کہ اس مذکورہ بالا تمہیدی عبارت ایک سلیم الطبع روح کیلئے کافی تسلی بخش ہے۔ مگر اب ہم نمبروار بھی معترض جدید کے خیالات باطلہ کی تردید کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۱ اگر ایک آدمی چند کھلونے بنا دے اور دوسرا انکو توڑدے تو بنانے والے کو رنج ہوگا۔ الخ

جواب معترض کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اللہ تعالٰے نے تمام جانداروں کو مٹی کے کھلونوں کی طرح بنایا ہے۔ ان کے توڑنے سے اس تماشے کو رنج ہوگا۔ تو اس کے جواب میں یہ عرض ہے۔ کہ پہلے خداوند تعالٰے کی لطیف ذات کو جو لیس کمثلہٖ شئی ہے۔ ضعیف انسان سے تشبیہ دینا معترض صاحب کی عقل پر دال ہے۔ کیونکہ وہ احسن الخالقین ہے۔ اور اسکی ملکیت میں کسی طرح کوئی کمی کیونکر بھی نہیں ہوتی۔ معترض کو یہ سوچنا چاہئے تھا۔ کہ اگر سرسبز درختوں اور انکے پھلوں کو لینے اور گائے بھیس کا دودھ (جو بچھڑے اور گائے کو ناراض کرکے زبردستی چھینا جاتا ہے۔) لینے سے خدا ناراض نہیں ہوتا۔ تو ان تمام اشیا کا جنمیں سے ایک گوشت بھی ہے۔ ہمارے جائز طور پر استعمال کرنے سے کیوں ناراض ہونے لگا ہے۔ بلکہ وہ خوش ہوگا کہ ہم اس اپنے سے کمترین مخلوقات کو اپنی اشرف المخلوقات جسم کا جزو بنانا پسند کرتے ہیں۔

اللہ تعالٰے نے انسان کی فطرت بھی ایسی ہی رکھی ہے۔ کہ اندر رحم میں بھی خون اور نطفے سے ہی اسکی پرورش ہوتی ہے۔ اور انہی چیزوں کا گوشت مرکب ہوتا ہے۔ دودھ اور گوشت کا ایک ہی شیخ ہے۔ صرف ہیئت

کا فرق ہے۔ افسوس ہے۔ کہ معترض کو یہ دو کہا کیوں لگا۔ میں نے بچشم خود کئی ایک آریہ ایسے بھی دیکھے ہیں۔ جو اسی افراط رحم کی وجہ جیسا اب معترض کے دل میں جوش مارتا ہے۔ گھی دودھ اور جوتے وغیرہ سے بھی بالکل محروم ہیں اور تیل وغیرہ پر گذارہ کرتے ہیں۔ اب ایسے نادانوں کی پیروی کرنا خواہ نخواہ گڑھے میں ہی گرنا ہے۔

(۴) **سوال** آدمی کو جاندار کے ذبح کرنے وقت موت کا خیال نہیں آتا جس وقت وہ کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا ہے۔ اگر اسی کا نام اشرف المخلوقات ہے۔ تو اس سے بڑھکر اسفل الحیوانات کوئی اور نہیں ہے

الجواب۔ معترض کو معلوم نہیں کہ ہمیں مشاہدہ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چھوٹی چیز بڑی چیز پر قربان ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ بڑا ہی بیوقوف ہے وہ شخص جو اعلےٰ درجے کی چیز کے حصول کی خاطر ادنیٰ چیز کو قربان نہیں کرتا انبائے روزگار یعنی اہل ہنود کو خصوصاً زر و مال سے از حد پیار ہے۔ مگر بیماری وو دیگر مصائب نذکو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ کیا اسپر کوئی ہر توت اعتراض کرسکتا ہے؟ اسیطرح انسان کے لئے موت کو یاد کرنے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔ کہ ایسی جانکنی کے وقت کو اپنے سے ادنےٰ درجے کی چیز یعنی بکری وغیرہ کو ذبح کرکے یاد رکھے۔ اگر کوئی نادان یہاں پر یہ اعتراض کرے۔ کہ جاندار تمام یکساں ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ صرف انسان ہی ہے۔ جو اشرف المخلوقات ہے باقی اس کے بطور خادم کے ہیں۔

دوم اگر معترض کے خیال میں ہر جانداروں کو ذبح کرنا ہی اشرف المخلوقات ہونے کا منافی ہے۔ تو اسکو یقین کر لینا چاہیئے کہ دنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں۔ بلکہ کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس نے ہزاروں جانوں کو تلف نہ

کیا ہو خصوصاً ہند کی قدیم جنگیں مثلاً کورو و پانڈو اور رام چندر جی اور راون کی لڑائیاں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ اگر انہیں بھی گوشت خوری کے مخالفوں خاصکر ہمارے معترض کی طرح رحم کا مادہ ہوتا۔ تو وہ تمام تباہ ہی ہو چکے تھے۔ اور جونکوں اور سانپوں وغیرہ کی جانوں کو اگر تلف نہ کیا جائے تو یقیناً وہی رحم اپنے اوپر غضب کی صورت میں اٹھانا پڑیگا۔ ویدوں میں بھی اندر وغیرہ دیوتاؤں سے پرارتھنا کی گئی ہے کہ ہمارے مخالفین کو ہلاک کر۔ کیا اس وقت اپنی موت اور اپنے اہل وعیال و اقربا کا فراق میں لوحنا یاد نہیں آیا۔ مگر نہیں اسکا بندوبست بھی ویدنے ہی خود ہی کر دیا ہے۔ کہ وہاں ان دیچو سب کو مارنیکا حکم ہے۔ کیونکہ نہ کہ رونے والا باقی بچیگا۔ اور نہ جدائی کی مصیبت میں گرفتار ہوگا۔

سوال گوشت کھانا دماغ کو کمزور۔ کند اور آدمی کو کاہل وجود بناتا ہے اور حرارت کو تیز کرتا ہے۔ جو شہوت کا باعث ہے۔

الجواب۔ تمہیدی عبارت میں بیان کر چکا ہوں کہ از روئے قرآنی تعلیم کے گوشت خوری کی کثرت مضر رساں ہے گوشت ہی نہیں بلکہ تمام اعلے سے اعلے خوراک کی بے اعتدالی ان کمزوریوں اور بیماریوں کا موجب ہے۔ مگر اس کا اعتدال شجاعت ہمت اور استقلال اور قوائے جسمانی کو طاقت بخشتا ہے۔ اور دماغ کی کمزوری دور کرکے عقل کو بڑھاتا ہے۔ تواریخ ہند سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اہل اسلام جو گوشت خور اور فاتح قوم ہے) کے آنے سے پہلے کوئی باقاعدہ تواریخ اور سوانح نہیں تھی اور یہی تحریرات اور ایجادیں اعلے دماغ کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ ہم ہر ایک گوشت نہ کھانے والے سے پوچھتے ہیں۔ کہ وہ ایمان سے کہے۔ کہ مسلمانوں اور دیگر گوشت خوار اقوام

کی آمد سے پہلے ہندوستان ظلمت کدہ تھا۔ یا شمع علوم فنون۔ اگر کوئی نادان موجودہ ہند کی ترقیات کو جو محض گوشت خور قوموں کے دماغ کا نتیجہ ہیں۔ مد نظر رکھکر اسکو کہے کہ سنہ ۵ ء ہند تو یہی تھا کبھی دنیا کا استاد تو سخت جہالت ہوگی۔ ہزاروں یورپین ایجادیں اور فتوحات جو آجکل ہماری آنکھوں کے سامنے ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ شاید گوشت خور قوم کے کمزور اور کند دماغ کا نتیجہ ہیں۔ مگر نہیں دیانتداری کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ویدک تعلیم کے اثر کے نیچے ہیں۔ یعنی وید نے ہی اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر یعنی یورپ وغیرہ میں روشنی ڈالی۔ چہ عجب۔

اہل ہند کا دیس سے باہر قدم نہ رکھنا صریح ان کی بزدلی اور کاہلی پر دال ہے۔ اور عیسائیوں اور مسلمانوں کا اپنے پیارے وطنوں اور رشتوں کو خیرباد کہکر دوسرے ممالک پر شیر کی مانند حملہ آور ہونا ہی شجاعت اور استقلال پر دلالت کرتا ہے۔ تفصیل تمہید میں ملاحظہ ہو۔

اور مسلمانوں اور عیسائیوں وغیرہ نیوگ وغیرہ ناجائز طرائق کی ضرورت نہ پڑنا ان کے قوائے شہوانی کی قوت حقیقی پر خوب دال ہے۔ اور اہل ہنود کے ایسے شرمناک اور بے غیرت وسیلوں کا محتاج ہونا صاف دلالت کرتا ہے۔ کہ گھاس خوری سے انسان ناقص ہوتا ہے۔ میں دعوے کرتا ہوں کہ اگر عیسائی قوم گھاس خور ہی ہوتی تو انگلینڈ سے نکلکر اور اتنے دور دراز سمندروں کو طے کر کے ہند کی سلطنت کبھی نصیب نہ ہوتی۔

(۲) سوال قرآن شریف میں غالباً کسی جگہ اللہ تعالےٰ نے گوشت خوری کا جائز قرار نہیں دیا اور مکہ میں جوں کے مارنے کی بھی اجازت نہیں۔ حالانکہ وہ انسان کو کاٹتی اور دکھ دیتی ہے۔

(الجواب) معترض کا غالباً کا لفظ استعمال کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف سے معترض بالکل جاہل اور بے خبر ہے۔ اسکو یہ بھی خبر نہیں کہ قرآن شریف میں گوشت خوری جائز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی قانون کے ماتحت معترض بات کرنا نہیں چاہتا بلکہ اپنے خیالات فاسدہ سے زیر ہو کر جو دل میں آیا بلا سوچے سمجھے کہدیا۔

بچارے بمصداق مندرجہ ذیل آیات قرآنی پڑھو اور پھر ایسے مجہول اعتراضات کرنے سے توبہ کرو۔ اور آریوں کی قوم پر رحم کرو۔ جو پہلے بھی مذہبی میدان میں قدم رکھکر سخت ذلیل اور نادم ہو رہی ہے۔ ؎

جو آپ ہی مر رہا ہو اسکو مارا تو کیا مارا

سالمائدہ احلت لکم بھیمۃ الانعام۔ یعنی تمہارے لئے کھروالے جانور حلال کئے گئے۔

سالمائدہ احل لکم صید البحر۔ یعنی تمہارے لئے دریائی شکار حلال کیا گیا۔

النحل۔ وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحماً طریاً۔ یعنی وہ ذات پاک ہے۔ جس نے تمہارے لئے سمندروں کو مسخر کیا تاکہ تم تازہ گوشت کھاؤ۔

دوسرا یہ اعتراض کہ مکہ میں جوں مارنے کا بھی حکم نہیں۔

معترض نے اس حکم کو عام طور پر ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ حکم صرف حج کے وقت تک ہی محدود ہے۔ جسطرح روزہ رکھنے میں روٹی جو حلال طیب منع کی گئی ہے۔ اسطرح اس سے بھی کوئی بیوقوف یہ بھی کہ سکتا ہے۔ کہ روٹی چونکہ منع ہے۔ اس لئے حرام ہے۔ افسوس ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

حج کے وقت جوں نہ مارنا شکار نہ کرنا وغیرہ۔ ایسے ممنوعات ہیں۔ جیسا کہ ایک عاشق بیقرار مجنون وار اپنے محبوب کی تلاش میں پریشان اور سرگرداں دوڑتا ہے۔ اسکو تن من کی سدھ بدھ نہیں رہتی اور ایک ہی لگن میں مست رہتا ہے۔ سو یہ تو اللہ تعالےٰ نے ایک طریق سکھایا ہے۔ کہ جب تم محبوب مجازی کے لئے اسطرح دوڑ دھوپ کرتے ہو۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر میرے لئے بیقرار ہو۔ تاکہ میں بھی اذکرونی اذکرکم کے مطابق تمہارے ساتھ سلوک کروں۔

سوال قدرت بھی ہمیں اس امر کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ ہمارے دانت اور ناخن چیرنے پھاڑنے کے ڈہب کے نہیں ہیں۔ اگر ہم قدرتاً گوشت خور پیدا ہوتے۔ تو مذکور علامات مثل شیر چیتے بلی وغیرہ کے ہونی چاہئے تھیں۔

الجواب بالکل غلط ہے۔ قدرت نے چار دانت جس کو انگریزی میں Dog teeth بھی کہتے ہیں۔ بعض گوشت کے چیرنے پھاڑنے کیلئے بنائے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر گوشت کے کھانے کی طرز نکالنے کو عقل بھی عطا فرمائی ہے۔ گوشت کھانے میں دانت اور عقل لازم ملزوم ہیں۔ یعنی دانت اس قسم کے بنائے ہیں۔ جس قسم کا انسان عقل کے ذریعے تیار کر کے مہیا کر سکتا ہے۔ چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات بنانا مقصود تھا۔ اس لئے اس کی ہر ایک چیز اسی کی زینت اور خوبصورتی کے مطابق مزین کی۔ احمق ہے۔ جو خدا کی طرز خلقت پر بوجہ جہالت کے اعتراض کرے گھاس خور جانوروں کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کی گردن لمبی اور لٹکیں ہوتی ہے۔ تاکہ ان کو گھاس وغیرہ چرنے میں آسانی ہو

کیا کوئی بیوقوف یہاں یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ انسان کے اعضا کی طرز گوشت خوری کے موافق ہے۔

(۸) **سوال** اگر گوشت خوری روا ہے۔ تو لوگ اسکو کیا بدوں نمک مرچ لگائے کیوں نہیں کھاتے۔ ہاں ملک حبش میں ایسا کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ تہذیب سے بعید ہیں۔ ننگے پھرتے ہیں۔

الجواب اس خیال کے اظہار کرنے وقت معترض کچھ تذبذب میں پڑ گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کا اعتراض پہلے کرچکا ہے۔ اب کچھ مبہوت سا ہو گیا ہے۔ یعنی خود ہی سوال اٹھایا اور خود ہی بلکہ اس کی کانشنس نے اس کو جواب دیا کہ وہ حبشی بد تہذیب ہوتے ہیں۔ اس لئے بدوں نمک مرچ لگائے کھاتے ہیں۔ دروغ گو را حافظہ نباشد اس کا جواب میں نمبرہ سوال کے جواب میں دے چکا ہوں۔ پھر کہتا ہوں۔ کہ غیر مہذب عقل میں مانند چارپایوں کے ہوتا ہے۔ اور مہذب عقل سے کام لیتا ہے۔ اس لئے عاقل انسان اسکو طیب حلال بنا کر کھاتا ہے۔ اس پر اعتراض ہی کیا ہوا۔ شاید راقم مضمون نے کبھی روٹی پکا کر نہیں کھائی۔ بلکہ چھلکوں سمیت گیہوں کھاتا ہے۔ اور کچا ساگ بغیر نمک مرچ کے کھاتا ہے۔ اگر اسکو پکاتا ہے تو پھر گوشت کے پکانے پر اعتراض کیا ہے۔

(۹) **سوال** اہل اسلام گوشت خوری روا رکھتے ہیں۔ تو جھٹکا کیوں نہیں کھاتے۔ حلال شدہ میں کیا فرق ہے۔ جانور ہر دو صورتوں میں مردہ رہ جاتا ہے۔

الجواب۔ سوال مذکورہ سے معترض کا یہ مطلب حاصل ہوتا ہے۔ کہ

حلال کرنے میں یعنی خدا کا نام لیکر ذبح کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ انکو معلوم نہیں کہ اسلام انسان کو سکھلاتا ہے۔ کہ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین یعنی تمام جینا مرنا کھانا پینا عبادت کرنا سب خدا کے لئے ہی ہو۔ کسی اوتار یا بت یا سورج چاند وغیرہ کے لئے نہیں ہیں اسلئے منع فرمایا۔ کہ بتوں پر چڑھاوا نہ چڑھایا جائے۔ جو مرض کہ ہند میں کثرت سے پھیلا ہوا ہے۔ انہی کے آباؤ اجداد تھے جن کے لئے اللہ تعالے کو موسےٰ کی معرفت انکی معبود گائے ذبح کرانے کی ضرورت پڑی۔ یعنی اس کے ذبح کرانے سے خدا کا یہ مقصود تھا۔ کہ کسی طرح یہ شرک کو خود توڑیں اور اس عاجز معبود کو ذبح کر کے دیکھیں کہ یہ عاجز گائے معبود ہونے کے لائق نہیں۔

دوم معترض اگر کسی حکیم یا ڈاکٹر سے مردار اور خود حلال کئے ہوئے جانور کا فرق پوچھتا تو یہ اعتراض نہ کرتا۔ جانور کو اسلام کی ہدایت کے مطابق ذبح کرنے سے اس کا زہریلا خون جو سراسر نقصان دہ ہوتا ہے۔ شاہ رگ سے نکل جاتا ہے۔ اور اس طرح گوشت ان زہریلے مواد سے بالکل پاک وصاف ہو جاتا ہے۔

معترض صاحب کو یقین کر لینا چاہئے۔ کہ گوشت خوری کے برخلاف کوشش کرنے سے اس خالق مالک پر نعوذ باللہ سخت الزام ٹھرآتا ہے جس نے تمام دنیا کو سوائے چند معدودے گھاس خور جانور اور ہندوں کے گوشت خوری پر مائل بنایا۔ دنیا کا ۳/۴ حصہ پانی بیان کیا جاتا ہے۔ اور ۱/۴ حصہ خشکی اب آبی پیدائش تمام کی تمام گوشت خور پائی ہے۔ اور ۱/۴ حصہ میں سے صرف چند اہل ہنود جو آریہ کی گھاس پارٹی کہلاتے ہیں۔ تمام

گوشت خور ہیں افسوس. سخت افسوس سے
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائیگا خدا
والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔
(فخرالدین صادق ملتانی)

ریویوز

ذوالفقار علی برگزن یوثقی

یہ کتاب میر قاسم علی صاحب کی طرف سے حال ہی میں خواجہ کے جواب میں شائع ہوئی ہے۔ اسمیں میر صاحب موصوف نے غلام حیدر ترکیہ کی لاف گزاف کا اچھی طرح جواب دیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ انکے کل دعاوی بالکل غلط اور بے بنیاد ہیں اور یہ کہ انکی کوئی اصلیت نہیں اور خود انکی تحریر سے ثابت کیا ہے کہ اُس نے اپنی کتاب میں بہت کچھ جھوٹ سے کام لیا ہے چنانچہ واقعات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سفرنامہ اُس نے اپنا لکھا ہے اُس میں اُسکے بیان کے مطابق کم سے کم سترہ برس خرچ ہو جانے چاہئیں لیکن اُس نے سفر ۱۹۰۳ء میں شروع کیا ہے۔ تو گویا چھ برس کی مدت میں اپنا سترہ سال کا سفرنامہ پیش کر کے خود اپنی دروغ بیانی پر مہر لگا دی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ صرف بغداد میں میں دس سال رہا حالانکہ ۱۹۰۳ء سے ابھی تک کل چھ ہی برس گذرے ہیں۔ اور پھر اسکے دعاوی شرافت خاندانی اور دولت تبحر علمی پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔ اور مختلف سوالات کے حل کیلئے تین سو روپیہ کا انعام بھی مقرر کیا ہے کتاب واقعی قابل دید ہے جو صاحب دینی ہمدردی کیلئے اس کتاب کو خود خریدنا چاہیں میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق برانی سہول کی منڈی دہلی سے طلب کریں **بائبل کا پوچھنا**۔ یہ کتاب میاں رحیم بخش صاحب کی لکھی ہوئی ہے جو ایک عرصہ سے جوش سے تبلیغ کے کام میں مشغول ہیں اور چونکہ عیسائیت سے خوب واقف ہیں اس لئے انکی کتاب اس مذہب کے بیان میں ایک مفید کتاب ہے۔ قیمت ڈیڑھ آنہ مصنف سے قادیان کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

سے بھی یہ اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ کہ اس سے گناہوں کی تحریک ہوگی بلکہ یہ تو گناہوں کی بیخ کنی ہے اور دوسرے یہ بات بھی نظر انداز کرنیکے قابل نہیں کہ ساتھ ہی فرمایا ہے واصلحوا یعنی نہ صرف زبانی توبہ کرے بلکہ اس حد تک وہ توبہ بڑھ جائے کہ اس کا اثر آ کر بدن پر بھی پڑے۔ اور اس توبہ کرنیوالے کے اعمال بھی اسبات پر گواہی دیں کہ واقعی وہ صادق ہے۔ اور اپنے دعوے میں مفتری نہیں اور وہ کوشش کرے کہ اس نے جو کچھ کیا تھا۔ اس کی اصلاح ہوجاوے اور نیکی میں اس قدر غلو کرے کہ اس سے اسکے پچھلے اعمال بھی دھوئے جائیں مثلاً ایک شخص اگر بخیل تھا تو یہی نہیں کہ اپنا بخل چھوڑ دے بلکہ کامل توبہ تب ہوگی کہ وہ سخاوت بھی اختیار کرے۔ بلکہ اور کبھی اس طرف مائل کرے تب بیشک وہ اس قابل ہوگا۔ کہ اس کے پچھلے گناہوں پر چشم پوشی کی جائے۔ اب بتاؤ کہ کیا اس تعلیم سے گناہ پھیلتا ہے کہ رکتا ہے۔ آیا وہ شخص جو توبہ کی تعلیم کے ماتحت بخل سے اس قدر بچکر سخاوت کا محرک ہوا ہے گناہ کا پھیلانیوالا کہلائیگا یا دور کرنیوالا

قبولیت توبہ پر تیسرا اعتراض

ایک اور اعتراض توبہ کے قبولیت پر آریوں کی طرف سے یہ سنا جاتا ہے کہ جو ہو گیا وہ ان ہوا کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ جس شخص نے ایک گناہ کیا فرض کرو کہ کسی کے گھر چوری کی تو اگر وہ توبہ کرے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسکا وہ فعل رہے ہی نہ اور اسکا وجود ہی معدوم ہو جائے کیونکہ جو کچھ ہو چکا وہ اب واپس لوٹ نہیں سکتا۔ پھر توبہ کے قبول کرنیکے کیا معنے کیونکہ جب ایک گنہگار ایک کام کر چکا۔ تو اسے یہ کہنا کہ اسنے کیا ہی نہیں کیا غلط اور خلاف عقل طریق ہے

گو کہ یہ اعتراض آریوں کی طرف سے اکثر سنا گیا ہے مگر مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس دماغ سے نکلا ہے۔ قرآن شریف ہرگز کہیں نہیں کہتا کہ کسی شخص نے گناہ کیا اور اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ توبہ قبول ہو گئی تو اس شخص کا گناہ ایسا محو ہوا کہ یہ بات کہ اُس نے گناہ کیا تھا بلکہ یہ کہ اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہؤا۔ بلکہ قرآن شریف نے تو اُسکا نام ہی غفران رکھا ہے یعنے ڈھانپ دینا۔ اور بار بار فرمایا ہے کہ ان اللہ غفور رحیم۔ جس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ اُس گناہ کو ڈھانک دیتا ہے۔ چنانچہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے گناہ ہم بخشتے ہیں یہ نہیں کہ لکڑی سے یا چاقو سے انکے گناہ ہونے کو کھرچ دیتے ہیں بلکہ انکے گناہوں کے نتیجے سے انکو بچا لیتے ہیں۔ مثلاً ایک نوکر ہم کو ناراض کرے اور ہمارا کوئی کام خراب کر دے مگر پھر توبہ کرے اور اپنی غلطی کا اقرار کرے اور اپنی سچائی کو پوری طرح سے ظاہر کر دے اور ثابت کر دے کہ بیشک اب وہ سخت پشیمان ہے تو ہم اسکا کوئی اپریشن نہیں کرواتے نہ اسپر کوئی عمل جراحی کرتے ہیں کہ جس سے اسنے جو کچھ قصور کیا تھا وہ معدوم ہو جائے بلکہ یہ ہی کرتے ہیں کہ جو اس نے کیا تھا اسکے نتیجے سے اسکو بچا لیتے ہیں۔ اور سزا نہیں دیتے۔

خود لفظ توبہ کے معنے ہی رجوع کرنیکے یعنی جب انسان کچھ قصور کر کے تو پھر وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے اور اپنی پہلی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسوقت مالک بھی اپنی مہربانی کی طرف لوٹ آتا ہے اور پہلا سا سلوک کرنے لگتا ہے پس توبہ کے قبول ہونیکے یہی معنی ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ اس فعل کی جو انسان سے سرزد ہوا تھا سزا نہیں دیتا بلکہ اپنی پہلی مہربانی پر لوٹ آتا ہے پس اس سے تو قطعاً یہ نہیں پایا جاتا۔ کہ اس سے گناہ سرزد نہیں ہؤا۔ بلکہ یہ معلوم ہؤا کہ انسان نے گناہ کر کے پشیمانی ظاہر کی اور خدا تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی۔

اور سزا سے بچا لیا۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا لوگ ہمیشہ گناہ کرتے ہیں اور شریف اور محسن آقا اُنکے گناہ بخشا ہی کرتے ہیں۔ ابھی بادشاہ جارج پنجم کے تخت نشین ہونے پر پانچسو سال کی قید معاف کی گئی ہے کیا گورنمنٹ نے اُنکے قصور کسطرح مٹا دئے تھے یا کسی خاص اوزار سے چھیل دئے تھے اگر گورنمنٹ بغیر کسی دقت کے یہ کام کر سکتی ہے تو کیا اللہ تعالےٰ ہی لوگوں کو پچھلے گناہ معاف نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرے تو اسی صورت میں کر پہلے کسی ہتیار سے اُنکے گناہوں کو چھیل دے افسوس اور تعجب ہے اس قسم کے معترضین پر۔

چوتھا اعتراض توبہ کی قبولیت پر

توبہ کی قبولیت پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر توبہ واقعی قبول ہوتی ہے تو چاہئیے کہ ایک زانی جب توبہ کرے تو زنا کے سبب سے جو آتشک یا سوزاک اُسے ہوا تھا وہ دور ہو جائے اسی طرح دوسرے نتائج جو گناہ کی وجہ سے بھگت رہا ہے اُن سے نجات پاجائے مگر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ آتشک کا مریض ہزار توبہ کرنے پر پھر بھی اُسی مرض میں گرفتار رہتا ہے یا کسی اور گناہ کی وجہ سے اُسے کوئی صدمہ پہنچ گیا تھا تو وہ بھی موجود رہتا ہے دور نہیں ہوتا تو ہم کسطرح مان سکتے ہیں کہ توبہ کا کوئی اثر ہے اور واقعی اس سے انسان بدی کے نتائج سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم ہے اور ایک روح ہے اور دونوں کے الگ الگ کام ہیں اور الگ الگ طریق سے وہ اپنی غذائیں حاصل کر رہے ہیں ہر ایک کی بیماریاں الگ ہیں اور اُنکے علاج بھی پھر الگ الگ ہی ہیں ایک کسی بات سے عزت حاصل کرتا ہے تو دوسرا کسی

اور یہی بات ہے مگر باوجود اسکے چونکہ آپس میں دونوں کے تعلقات بہت ہیں اور مضبوط ہیں اسلیئے شدت فرح یا شدت غم میں ایکدوسرے پر اثر کرتے ہیں چنانچہ بعض لوگ کوئی خوشی کی خبر سن کر موٹے ہوجاتے ہیں یا غم کی خبر سن کر کمزور ہو جاتے ہیں اور ضعف محسوس کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو خالص روحانی ہیں۔ اور انکا اثر جسم پر آکر نہیں پڑتا۔ اور ایک گناہ وہ ہیں کہ جن میں روح اور جسم دونوں شریک ہوتے ہیں پس جن گناہوں میں کہ جسم و روح دونوں شریک ہوتے ہیں انمیں اکثر دونوں کو ہی سزا ملتی ہے پس جو شخص توبہ کرتا ہے اگر اسکو جو سزا ملنی تھی ہے صرف روحانی ہے تو اس کے لیئے اپنے اعتقاد کی درستی اور سچی توبہ کرنی ضروری ہے اور اگر یہ توبہ اپنی حد کو پہنچ جائیگی تو اسکا گناہ بخشا جائیگا۔ اور وہ اپنے دل میں ایک فرحت محسوس کرنے لگیگا لیکن اگر وہ گناہ جسم و روح دونوں سے مشترکہ سرزد ہوا ہے تو چاہیئے کہ دونوں ہی ملکر توبہ کریں اور اگر اس صورت میں توبہ کامل ہوگی تو دونوں سزا سے محفوظ ہوجائینگے اور اگر روحانی توبہ کامل اور جسمانی ناقص ہوگی تو روح تو بچ جائیگی لیکن جسم اپنی سزا بھگتتا رہیگا۔ مثلاً ایک شخص نے زنا کیا تھا ایک تو اسکی روح نے خدا تعالےٰ کا گناہ کیا اور ایک اسکے جسم نے کہ وہی روح کے شریک حال ہوا۔ پس ایک تو وہ خدا تعالےٰ کے حضور میں گنہگار ہوکر روحانی عذاب کا مستوجب ہوگا۔ خواہ وہ یہاں سے یا آخرت میں اور ایک سزا اسکے جسم کو ملے گی اور وہ آتشک یا سوزاک کی شکل میں ہوگی پس اگر ایسا شخص توبہ کرتا ہے تو اگر اس کی توبہ کامل ہے یعنے اس نے پورے طور سے اپنے گناہوں کی معافی بھی چاہی اور سچے دل سے علاج بھی کرایا تو ایسا شخص اس گناہ کی سزا کے بچ جائیگا اور اگر اس نے روحانی توبہ تو کی۔ مگر

علاج کروایا اور وہ اپنی حد کو پہنچ گیا تو اسکا جسم سزا سے بچ جائیگا یعنی آتشک سے وہ نجات پا جائیگا مگر اس کی روح اب بھی گنہگار رہیگی اور اگر روحانی توبہ کامل ہوگی اور علاج میں کسی وجہ سے نقص رہا۔ تو روح بچ جائیگی۔ مگر جسم سزا بھگتتا رہیگا۔

پس چونکہ جسم اور روح الگ الگ حصہ ہیں اور ان دونوں کے علاج الگ الگ ہیں اسلئے وانا انسان وہی ہے کہ جو توبہ کیوقت خیال رکھے کہ میں نے گناہ صرف روحانی کیا ہے یا اس میں میرا جسم اور روح دونوں شامل تھے اور میں جسمانی اور روحانی دونوں سزائیں بھگت رہا ہوں پس اگر وہ دونوں حصوں میں سزا محسوس کرتا ہے تو دونوں کا علاج الگ الگ طریق سے کرے اور وہ یہی ہے کہ روح کا علاج روحانی کرے اور توبہ و استغفار سے کام لے اور جسم کا جسمانی یعنے طبی علاج کرائے

پس جو شخص صرف توبہ و استغفار سے کام لیتا ہے اور اُس کے جسم نے جو گناہ کیا تھا اس کی تلافی نہیں کرتا تو ایسا شخص اگر اپنی جسمانی سزا سے نہیں بچا تو اسلام کے بتائے ہوئے توبہ کے مسئلہ پر کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا کیونکہ اس شخص کی توبہ تو کامل ہی نہیں ہوئی کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کو یعنے طبیؔ علاج کو ترک کیا اور اسے اختیار نہیں کیا۔ پس ضرور ہے کہ جس حصہ میں اسکی توبہ ناقص رہی ہے اس میں وہ سزا پائے۔

لیکن جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں چونکہ روح کا جسم سے کمال درجہ کا تعلق ہے اسلئے بعض وقت روح کا اثر آکر جسم پر بھی پڑ جاتا ہے اور کوئی بات روح پر کمال درجہ کا اثر کرے تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ جسم بھی اس سے متاثر

ہوجاتا ہے۔ ایسے جن لوگوں کی توبہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ روح شدت اثر سے تڑپ اٹھتی ہے اور وہ توبہ کی ضروری شرط عمل صالحہ سے بھی کام لیتے ہیں اور اپنی اصلاح کامل طور سے کر لیتے ہیں۔ اور انکے دل میں ایسی تڑپ پیدا ہوجاتی ہے کہ نہ صرف پچھلے گناہوں کی ہی تلافی ہوجاتی ہے بلکہ آیندہ کے لئے بھی انکے خدا تعالیٰ سے ایسے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں کہ وہ غیر منقطع ہوتے ہیں تو اُسصورت میں دیکھا جاتا ہے کہ روحانی توبہ ہی جسم پر آکر اثر کرتی ہے اور بغیر کسی جسمانی علاج کے وہ لوگ اپنے جسمانی دکھوں سے کبھی نجات حاصل کر لیتے ہیں چنانچہ اس کی مثالیں بزرگانِ اسلام کی الیف میں بکثرت ملتی ہیں بارہا ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کی توبہ جب کمال درجہ کو پہنچ گئی تو نہ صرف ان کی روح نے ہی نجات پائی بلکہ اس دنیا میں اسکا اثر نمودار ہوا۔ اور وہ دکھ جو انکے پچھلے گناہوں کی وجہ سے انکا جسم پا رہا تھا وہ بھی خودبخود دور ہو گئے۔ اور لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ واقعی اس شخص کی توبہ نے اپنا اثر کیا۔ ہمارے حضرت مرزا صاحب کی دعاؤں سے ہی ہم نے بہت دفعہ مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے لوگوں نے شفا حاصل کی اور روحانی بیماریوں کیساتھ جسمانی بیماریوں سے بھی نجات پائی پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ توبہ سے کبھی بھی جسمانی بیماریاں دور نہیں ہوتیں۔ بلکہ ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ توبہ خود اس درجہ کامل ہوجائے کہ وہ جسم پر بھی اثر کرے یا کسی کامل انسان کی دعا ساتھ مل جاوے کہ جو اسکے لئے رحمت کا باعث ہوجائے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں طب رہ گئی وہاں توبہ و دعا نے کام نکال دیا حضرت نوح علیہ السلام کے تذہی تھے کہ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

کہ جنہوں نے آدمیوں پر ہی نہیں بلکہ حیوانوں پر بھی اثر کر دکھلایا۔ مسیح کے پاس جب اندھوں اور کوڑھیوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ تو اُس نے انکو اچھا کیا کیا یہ جسم پر اثر نہ تھا رسول اللہ کے مخالفین نے جب قحط کا عذاب پایا۔ اور گھبرا کر توبہ کی تو بارش نازل ہوئی اور بارش سے تنگ آ گئے تو بند کی گئی یہ اجسام پر ہی اثر تھا یا کچھ اور ہمارے حضرت صاحب کے پاس کئی بیمار آئے اور آپ نے انکو بھی توبہ کرنیکے لیے کہا اور دعا بھی کی آخر وہ لوگ اپنے دکھوں سے بچ گئے پس کون کہہ سکتا ہے کہ توبہ سے جسمانی بیماریاں کیوں دور نہیں ہوتیں جب توبہ کامل ہوتی ہے تو ضرور ہوتی ہیں۔ مگر چونکہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے اسلئے اُسے عموماً چاہیئے کہ روح کی بیماریوں کے لیئے روحانی توبہ کرے اور جسم کی بیماریوں کے لیئے جسمانی [illegible] یعنی علاج اور یہی اصل اور سچا طریق ہے ہاں خدا تعالےٰ نے مخالفین کا منہ بند کرنیکے لیئے ایسی مثالیں بھی پیدا کر چھوڑی ہیں کہ صرف توبہ و دعا سے جسمانی بیماریاں بھی دور ہو جاتی ہیں اگر کوئی شپرہ چشم انکار کرے تو اور بات ہے

پانچواں اعتراض توبہ کی قبولیت پر

اگر توبہ کا مسئلہ ایسا ہی سچا اور پکا ہے۔ تو دنیاوی گورنمنٹیں کیوں مجرموں کو انکے توبہ کرنے پر چھوڑ نہیں دیتیں؟

یہ اعتراض بھی توبہ کے منکر بہت کیا کرتے ہیں۔ کہ کیوں دنیا میں لوگ ایکدوسرے کی توبہ قبول نہیں کر لیا کرتے۔ اور عدالتیں کیوں سزا دیتی ہیں کیوں نہیں مجرموں کے اقرار پر اور آئندہ احتیاط کے وعدہ پر انکو چھوڑ دیتیں یاد رہے کہ جیسا کہ پہلے میں لکھ آیا ہوں خدا تعالےٰ علیم و خبیر ہے اور

اور دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ اور سچے اور جھوٹے کو جانتا ہے ہر مخفیہ اور پوشیدہ اسرار اسپر ظاہر ہیں اور کوئی بات نہیں جو اس سے پوشیدہ ہو خواہ سمندروں کی تہ میں کوئی چیز بیٹھی ہوئی ہو یا پانیوں کی گہرائیوں میں خواہ مچھلی کے پیٹ میں خواہ عمیق کانوں میں خواہ پہاڑوں میں خواہ کوؤں میں خواہ ہواؤں میں ملی ہوئی ہو خواہ انسانی دماغ میں خیالات کے رنگ میں پوشیدہ ہو خواہ آسمان پر ہو خواہ زمین میں خواہ مادی ہو خواہ غیر مادی خواہ زمانہ ماضی کی ہو یا حال کی یا استقبال کی وہ ایسا علیم ہے۔ کہ کوئی معلوم اسکے احاطہ علم سے باہر نہیں پس اسکا توبہ کو قبول کرنا اور رنگ کا ہے۔ اور گورنمنٹ کا حال اور ہے گورنمنٹ کے جج مجسٹریٹ اور مدعا علیہ دونوں کا حال نہیں جانتے۔ انکو کیا معلوم کہ آیا اپنی غلطی پر پریشان و پشیمان ہونیوالا انسان واقعہ میں سچا اور یا شرارت کرتا اور سزا سے بچنا چاہتا ہے پس جس کو دوسرے کے ارادہ اور خیالات سے واقفیت ہی نہ ہو تو وہ کس طرح جرأت کر کے اُسے چھوڑ سکتا اور معاف کر سکتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مجرم جسے مجسٹریٹ چھوڑنے کی نیت رکھتا ہو اپنے دل میں یہ ارادہ کر رہا ہو کہ اب کے چھوٹے تو ضرور ایسی احتیاط سے جرم کروں کہ کسی کو علم ہو ہی نہ سکے مجسٹریٹ کی حالت تو بہت ہی خطرناک ہوتی ہے وہ بیچارہ تو بالکل اندھیرے میں ہوتا ہے۔ اور اصل حالات سے ناواقف اُسے تو خود ظالم و مظلوم میں بھی امتیاز نہیں ہوتا اور محض تاریکی میں پڑا ہوا اندازوں سے کام لیتا ہے اور حاطب اللیل کی طرح خطا و ثواب دونوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

لطیفہ۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ شہر کے قاضی مقرر کئے گئے تو ان کے دوست انکو ملنے گئے اور بڑی خوشی ظاہر کی اور مسرت کا اظہار کیا مگر جب اندر جانے لگے اور ان سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ بڑے زور سے رو رہے ہیں

اور کثرت گریہ وزاری سے ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں اور سانس اکھڑا ہوا ہے دوست
نے کہا حضرت اسوقت بیہودہ تانگے اور اس بے موسم کی برسات کے کیا معنے یہ
تو خوشی کا وقت تھا اور دعوتوں کا موقعہ آپ اسقدر گھبرا کیوں رہے ہیں اس بزرگ
نے جواب دیا کہ احمق تم نہیں جانتے کہ میں کیسی خطرناک حالت میں ہوں۔ میں
ایک نابینا ہوں جو دو بیناؤں کے فیصلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہوں اور ایک جاہل
ہوں جو دو عالموں کے فیصلہ کے لئے چنا گیا ہوں کیونکہ مدعی اور مدعا علیہ میرے
پاس آئیں گے اور وہ دونوں اپنا اپنا حال خوب جانتے ہونگے کہ سچے
ہیں یا جھوٹے ہیں مگر میں بالکل ناواقف اور جاہل انکا فیصلہ کرونگا۔ کیا یہ خوشی ہے
اور فرحت ظاہر کرنیکا موقعہ ہے یا رنج وغم میں گرنے کا۔

اس لطیفہ میں جج صاحب کی حالت بیان کی گئی ہے۔ واقعی ٹھیک
اور درست ہے۔ اور اس میں سر مو فرق نہیں پھر باوجود اسقدر عجز کے ن
یکی کر سکتا ہے۔ اور کس طرح ایک مجرم کو بخش سکتا ہے جبکہ وہ نہیں جانتا کہ
شخص شرارتی ہے یا سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے
کہ کسی کے دل میں کیا مخفی ہے وہ شرارتی اور سچے آدمی میں فرق کر سکتا ہے
اور دونوں کے ارادوں کو جانتا ہے۔ اسلئے وہ توبہ قبول کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ گورنمنٹ اور خدا تعالیٰ کے احکام کو آپس میں مقابلہ کرنا
ہی سخت غلطی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ تو مالک ہے اور ہر چیز اسکی اپنی بنائی ہوئی
ہے۔ اور اسکے قبضہ قدرت میں ہے برخلاف اس کے بادشاہوں اور گورنمنٹ
کے حالات اور ہیں کیونکہ وہ اپنی رعایا کے مالک نہیں ہوتے بلکہ انکے جھگڑوں
اور فسادات کے دور کرنیکے لئے ایک آلہ کی طرح ہوتی ہیں۔ اور خود ظاہر ہے کہ
گورنمنٹ دوسرے ملک کو بزور بازو ہی فتح کرے اور اپنا مال و دولت کو خرچ

کرکے اس پر قابو پائے لیکن اگر غور کیا جائے تو اسکا حال ایسا ہی ہے کہ جیسے چند آدمی ملکر ایک شخص کو مقرر کردیں کہ تم ہمارا فیصلہ کیا کرو۔ تاکہ ہم میں جھگڑے اور فساد نہ پڑیں پس جیسا کہ اس شخص کا کام نہیں کہ کسی کو کچھ دیدے یا جرم کو معاف کرے ایسا ہی گورنمنٹ کا بھی یہ کام نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی پر خاص رحم کرے کیونکہ وہ تو ایک ایجنٹ کی طرح ہے جسے پبلک نے اپنے کام نکالنے کے لئے مقرر کیا ہے اور پھر جو گورنمنٹ کی طرف سے جج مقرر ہوتے ہیں انکا تو بالکل کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ نہ صرف وہ لوگوں کے حقوق کے مالک ہی نہیں بلکہ وہ اس کے واسطے مقرر ہی اس کام پر کئے گئے ہیں کہ جیسے واقعات انکے سامنے پیش کئے گئے ہوں انکے مطابق فیصلہ کردیں اور گورنمنٹ نے انکا اختیار ہی اس حد تک رکھا ہے پس انکا مقابلہ خدا تعالے سے کرنا کیسا سفیہانہ فعل ہے کیونکہ یہ لوگ تو کوئی بھی اختیار نہیں رکھتے اور پبلک سے انکا کوئی تعلق وابستہ نہیں۔ انکی غرض منصبی یہی ہے اور وہ اس بات کی تنخواہ لیتے ہیں کہ فریقین کے حالات سن کر اپنے اختیارات کے اندر اندر کسی کو چھوڑ دیں۔ اور کسی کو سزا دیں لیکن خدا تعالیٰ تو کسی کا مقرر کردہ نہیں ہے اور نہ وہ انکی طرح بے اختیار ہے بلکہ چونکہ اس نے انسان کو پیدا کیا ہے اور بنایا ہے اور پھر اس کی زندگی کے قایم رکھنے کے لئے اور مختلف اشیاء کو بھی خلق کیا ہے اور اس کے آرام کے لئے طرح طرح کے سامان مہیا کئے ہیں اسلئے وہ انسان کا بلکہ ہر ایک چیز کا مالک ہے اور اسپر تصرف رکھتا ہے اور پھر بدلہ دینے کی قدرت رکھتا ہے پس اگر وہ کسی پر رحم کرے تو یہ اسکے شایان شان ہے لیکن اگر جج بلا اختیار کے کسی پر رحم کرے تو گویا امانت میں خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ وہ کام کرتا ہے جو اس کے سپرد نہ تھا اور اگر اسے اختیار ہوتا اور پھر کسی پر رحم کرتا۔ تو

اس میں کوئی حرج نہ تھا اور خدا تعالیٰ مالک ہے اسلئے اُسے رحم کرنے کا پورا اختیار ہے اور یہی وجہ ہے کہ جج عام طور پر رحم نہیں کرتا بلکہ عدل کرتا ہے اور خدا تعالیٰ عام طور پر رحم ہی نہیں بلکہ اُسکے ساتھ رحم بھی کرتا ہے پس ججوں یا گورنمنٹ کا مقابلہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کرنا بیوقوفی ہے۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے کہ گورنمنٹ رحم نہیں کرتی بلکہ گورنمنٹ کے رحم کثرت سے پائے جاتے ہیں دیگر گورنمنٹوں کو جانے دو ہندوستان کی گورنمنٹ کو ہی لیلو۔ کہ جہاں مجرموں کی سزاؤں کے لئے اور مختلف قوانین بنائے گئے ہیں۔ وہاں ساتھ ایک مد رحم کی بھی رکھی گئی ہے۔ چنانچہ صوبوں کے افسروں اور پھر وائسرائے کا اختیار ہے کہ کسی مجرم کو خاص حالات کے ماتحت معاف کردے چنانچہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص ہائیکورٹ تک سے مجرم قرار دیا گیا اور مستوجب سزا ہوا لیکن لفٹنٹ گورنر نے یا وائسرائے نے اسکے حالات پر غور کر کے قابل رحم سمجھا اور صاف معاف کر دیا۔ ابھی پچھلے لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ گورنمنٹ برطانیہ کی خاص مہربانی اور وزیر ہند کے حکم سے جلاوطنی کی سزا سے آزاد کئے گئے۔ پھر بنگال کے سربرآوردہ لوگ جو محسن کشی کے خطرناک جرم میں قید کئے گئے تھے معاف کر دیئے گئے۔ اور اپنے گھروں میں امن وامان سے زندگی بسر کر رہے ہیں بیسیوں قاتل چھوٹ چکے ہیں اور طرح طرح کے مجرم رحم سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں خاص خاص موقعوں مثلاً تاجپوشی، تخت نشینی، جشن وغیرہ پر بھی بہت سے قیدیوں کی سزا کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ پھر یہ کہنا کہ گورنمنٹ کیوں رحم نہیں کرتی کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔

جہاں تک مجھے علم تھا۔ کہ توبہ کے مسئلہ پر یہ اعتراض ہوا کرتے ہیں انکا جواب تو میں لکھ چکا ہوں۔ اب مختصراً یہ بتانا چاہتا ہوں (انشاء اللہ) کہ دیگر

مذاہب یعنی مسیحی اور آریہ اگر توبہ کے مسئلہ کو قبول نہیں کرتے تو وہ اسکی جگہ کیا تعلیم پیش کرتے ہیں۔ اور وہ کہاں تک درست ہے:

گناہوں کی معافی کے بارہ میں مسیحی تعلیم

پہلے میں مسیحی تعلیم کو دیکھتا ہوں کہ وہ انسان کے پچھلے گناہوں کی معافی کی نسبت کیا فتویٰ دیتی ہے اور وہ ہماری تسلی کے لئے کونسا طریق اختیار کرتی ہے۔

چنانچہ مسیحی کتب کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے گناہ سوائے اس کے کہ وہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے نہیں معاف ہو سکتے اور جبتک وہ یہ یقین نہ کرے کہ مریم کا بیٹا یسوع جو اصل میں خدا ہی کا بیٹا ہے کل انسان کے گناہ اپنے سر پر اٹھا کر مظلومیت کی حالت میں مصلوب ہوا۔ تب تک نجات غیر ممکن ہے لیکن اس میں بہت سی دقتیں ہیں اول تو کہ مسیحی صاحبان کے اس دعوے کے ثبوت کے لیے سخت مشکلات ہیں۔ سب سے اول جو مشکل پڑتی ہے وہ تثلیث کا ثبوت ہے۔ یعنے وہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ کفارہ تین میں اور کفارہ کے مسئلہ کے لئے سب سے پہلے انکو یہ بات ثابت کرنی ضروری ہے کیونکہ جبتک تین خدا ثابت نہ ہوں تو ایک خدا کا ان میں سے مصلوب ہونا باطل ٹھہرتا ہے اور گو محض مادی اشیا اور عقلی دلائل سے خدا تعالےٰ کا وجود بھی ثابت کرنا ایک حد تک مشکل ہے لیکن اسے مان کر بھی یہ سب کائنات

عالم اگر کسی پیدا کرنیوالے کو چاہتی ہے اور چونکہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں ہوتا۔ اسلئے کسی صانع عالم کے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی ہستی ایسی چاہیئے کہ جو اس عالم کی خالق ہو مگر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ایک سے زیادہ ہستیاں ہیں اور اگر بفرض محال مانا جائے کہ وہ ایک سے زیادہ ہیں تو کیوں دو نہ مانی جائیں یا چار تصور نہ کیجائیں تین کی کیا خصوصیت ہے پس مسیحی صاحبان کے لئے اول تو تثلیث کا ثابت کرنا ہی ناممکن ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ ثبوت دے سکتے ہیں وہ ایک خدا کو ثابت کرتا ہے زیادہ کو نہیں اور اگر ایک سے زیادہ خدا تصور کئے جا سکیں تو پھر ہر ایک کو حق ہے کہ وہ دو خدا مانے یا چار مانے یا پانچ مانے اس میں کوئی ہرج نہیں۔ پس نہ صرف تثلیث کا ثابت کرنا ہی مشکل ہے نہیں بلکہ اسکے لئے کوئی دلیل بھی پیش نہیں کیجا سکتی تو پھر مسیح کا کفارہ آپ ہی باطل ہو گیا اور اگر وہ مان بھی لیجائے تو اب یہ دقت ہے کہ ایک کو باپ اور ایک کو بیٹا کیوں مانا جائے یہ کس دلیل سے ثابت ہے۔ کہ ایک باپ ہونا چاہیئے۔ اور ایک بیٹا اور ایک روح القدس اور کیوں نہ کہا جائے کہ تینوں باپ ہی ہیں۔ یا تینوں بیٹے ہی ہیں یا تینوں روح القدس ہی ہیں اور یہ کیوں خیال کیا جائے کہ مسیح بیٹا تھا کیوں نہ اسکو باپ تصور کیا جائے۔ پس تثلیث کے مسئلہ کے بعد یہ بہت سے سوال ہیں جو حل کئے جانے ضروری ہیں اور پھر یہ سوال بھی حل کرنیکے قابل ہے کہ اگر تین ہی خدا ہیں اور بے بھی ایک بیٹا اور ایک باپ اور ایک روح القدس تو پھر مسیح ہی کو تیسرا خدا کیوں مانا جائے اور لوگ بھی ہیں جو کہ مسیح سے بہت زیادہ کامیاب ہوتے ہیں انکو کیوں نہ خدا خیال کیا جائے۔ اور اگر معجزوں اور تکلیفوں کے اٹھانے پر ہی خدا کا دارو مدار ہے تو ایسے لوگ بھی کم نہیں جو اپنے ملک کو ترقی دینے کے

لیئے بڑے بڑے عذاب برداشت کرکے مرگئے انکو اس مرتبہ سے کیوں محروم رکھا جانے اور اس کے علاوہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہوگا کہ آیا خود یسوع بھی اس کے لیئے تیار تھا کہ نہیں اور اُسے اسکی مرضی سے پھانسی پر لٹکایا گیا تھا یا زبردستی اور اگر یہ سوال بھی حل ہوجائے تو پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا یسوع پھر صلیب پر مرا بھی کہ نہیں کیونکہ اگر وہ پھانسی پر نہیں مرا تو سب کیا کرایا خاک میں مل جائیگا اور جب اتنے سوال حل ہوجائیں تو پھر کفارہ کے مسئلہ پر انسان گفتگو کرسکتا ہو اور تب صحیح موقعہ ہے کہ اس خلاف عقل مسئلہ پر توجہ کی جائے اور دیکھا جائے کہ آیا یہ واقعہ ہوا ہے یا ہوسکتا ہے

پس میں مختصراً انہی سوالوں پر روشنی ڈالتا ہوں اور اول اس بات کو دیکھتا ہوں کہ آیا ایک سے زیادہ خدا ہوسکتے ہیں اور چونکہ مخاطب میرے اسوقت مسیحی صاحبان ہیں اسلیئے سب سے پہلے بائبل کا حوالہ دیتا ہوں کہ حضرت موسیٰ اور انکے بعد کے نبیوں کی شریعت کی سچائی کے خود یسوع بھی معترف ہیں استثناء ۳۲ میں لکھا ہے" اب دیکھو کہ ہاں میں ہی وہ ہوں اور کوئی معبود میرے ساتھ نہیں میں ہی مارتا ہوں اور میں ہی جلاتا ہوں میں ہی زخمی کرتا ہوں اور میں ہی چنگا کرتا ہوں اور ایسا کوئی نہیں جو میرے ہاتھ سے چھڑا دے اور پھر یسعیاہ ۴۳ باب میں ہے یہ سب تجھ ہی کو دکھایا گیا کہ تو جانے کہ خداوند وہی خدا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی نہیں پھر یسعیاہ ۴۵ میں ہے میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں پھر یسعیاہ ۴۵ میں ہے" کیا میں خداوند ہی نے نہیں کہا کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے صادق القول اور نجات دینے والا خدا میرے سوا کوئی نہیں میری طرف رجوع لاؤ تاکہ تم نجات پاؤ۔ اے زمین کے کناروں کے سارے رہنے والو کہ میں خدا ہوں اور میرے سوا کوئی نہیں یہ آیات تو وہ ہیں کہ جو

پرانے عہدنامہ سے نقل کی گئی ہیں۔ اور جن سے تثلیث کا مردود ہونا بین و ظاہر ہے اب نئے عہدنامہ یعنی انجیل سے میں ایک آیت نقل کرتا ہوں کہ جس سے منکشف ہو جائیگا کہ خود مسیح بھی تثلیث کا منکر اور توحید کا قائل تھا چنانچہ مرقس [illegible] میں مرقوم ہے کہ کسی نے مسیح سے پوچھا کہ سب حکموں میں سے اول کونسا ہے۔ تو یسوع نے اسکے جواب میں کہا کہ سب حکموں میں سے اول یہ ہو کہ اے اسرائیل سن و[illegible]ند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند کو جو تیرا خدا [illegible]ے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے [illegible]ور اپنے سارے زور سے پیار کر اول حکم یہ ہے" پس باوجود اس حکم کے [illegible] کو دیتا ہے کہ سب سے پہلے تیرا فرض یہ ہے کہ تو خدا تعالےٰ کی توحید [illegible]ھنا کہ خدا تین ہیں کسقدر بعید از عقل ہے۔

یہ ثبوت تو وہ ہے [illegible] جو خود مسیحیوں کی کتب مقدسہ میں سے میرے دعوی کی تائید میں ملتا ہے اور [illegible] علاوہ اس کے خود مسیح بھی توحید کی ہی تعلیم دیتا ہو لیکن قطع نظر اس ثبوت کے عقل بھی تثلیث کی موید نہیں کیونکہ جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں اس عالم مادی کو دیکھکر بیشک انسان کو خیال آتا ہے کہ اسکا بنانے والا کوئی ہونا چاہیئے۔ لیکن عقل قطعاً اسبات پر گواہی نہیں دیتی کہ ایک سے زیادہ خالقوں نے اس عالم کو بنایا ہے۔ کیونکہ یا تو اس دنیا کو ایک ہی ہستی نے بنایا ہے یا بہت سی ہستیوں نے بنایا ہے۔ اور ہر ایک اُسکے ایک حصہ کے بنانے پر قادر تھی اور دوسرے پر نہیں یا یہ کہ ہر ایک ہستی اس دنیا کو پیدا کر سکتی تھی۔ لیکن اُسنے بنایا نہیں بلکہ سب نے ملکر بنایا ہے۔ سو پہلی صورت کو تو عقل تصور میں لاسکتی ہے اور دوسری دو صورتوں کو نہیں کیونکہ دوسری صورت میں تو خدا تعالےٰ ناقص ٹھہرتا ہے۔ اور تیسری

صورت کو عقل دریافت نہیں کرسکتی کیونکہ ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں کہ جس کے ذریعہ سے معلوم کرسکیں کہ یہ دنیا ایک نے بنائی ہے یا دو نے یا تین نے یا چار نے پس بہرحال یہی صورت اختیار کرنی پڑیگی کہ یہ سب عالم ایک ہی مقتدر خدا نے بنایا ہو اور اسی کی موید ہیں وہ آیتیں جو کہ میں نے خود مسیحیوں کی کتب مقد[illegible] سے نقل کی ہیں۔ پس جب خدا تعالیٰ کی توحید ثابت ہو گئی تو لوا[illegible] لئے ایک خدا کے مصلوب کر دینے کی گنجائش بھی باقی نہ رہی

اس کے بعد دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ اگر ایک [illegible] سے زیادہ ہستیاں قبول بھی کرلیجائیں تو پھر اسکا فیصلہ کون کریگا۔ کہ وہ دو ہیں یا تین ہیں یا چار میں کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہیں تو پھر یہ بات برابر ہے کہ [illegible] دو ہوں یا ہزاروں ہوں پس اسکا ثابت کرنا بھی مسیحیوں کے لئے وقت طلب [illegible] اور جبکہ مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق مصلوب ہونیوالا بیٹا چاہئے تو یہ [illegible] ثابت کرنا بھی مشکل ہوگا کہ آیا وہ خدا آپس میں والدیت کا تعلق رکھتے ہیں یا بھائی بھائی ہیں کیونکہ جب تک ان میں سے ایک بیٹا نہ ثابت ہوئے تو مسیح کا مصلوب ہونا بے فائدہ رہتا ہو

پھر یہ مان کر کہ تین خدا ہیں۔ اور ان میں سے دو کو تعلق آپس میں باپ بیٹے کا ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں مسیح کو ہی بیٹا تصور کیا جائے کیا وجہ ہو کہ جب اس سے بہتر آدمی دنیا میں موجود ہیں تو انہیں ابن اللہ کا کام دیا جائے کیونکہ خدا مخلوق سے بہرحال زیادہ طاقتور ہونا چاہئیے۔ پس مسیح کسی طرح خدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے زیادہ لائق اور زیادہ کامیاب آدمی دنیا میں موجود ہیں پس اگر ضرور کسی کو دنیا میں ابن اللہ بنانا ہے تو کیوں نہ انکو اسی خطاب سے پکارا جائے کیونکہ وہ اسکے زیادہ مستحق ہیں اور جب اس مقابلہ پر کوئی دوسرا شخص مسیح کو نیچا دکھا دے تو پھر مسیح کی ابنیت کیساتھ کفارہ کا مسئلہ بھی خود بخود رد ہو جائیگا

اور چونکہ اس موقعہ پر میں مسیحیت اور اسلام کا مقابلہ کرتا ہوں اسلیئے رسول اللہ اور مسیح کی زندگیوں کو نہایت مختصر الفاظ میں مقابلہ کرکے دکھلاتا ہوں کہ ان دونو میں سے کسکو دوسرے پر فضیلت ہے۔ مسیح کی پیدائش جس ملک میں ہوئی ہے وہ اپنے وقت میں امن و امان کے لیئے مشہور تھا لیکن اسکے برخلاف رسول اللہ جس ملک میں پیدا ہوئے ہیں وہ اپنے فسادوں اور جنگوں کے لیئے شہرہ آفاق تھا۔ اور ان دونوں باتوں کو مدنظر رکھکر ایک عقلمند انسان خوب سمجھ سکتا ہے کہ آپکو اس ملک کے درست کرنیکے لیئے کیا مشکلات پیش سکتی تھیں اور برخلاف اسکے مسیح کس امن و چین میں تھا کیونکہ یروشلم پر اسوقت رومیوں کی حکومت تھی جو کہ اپنے وقت میں قانون کی پابندی کے لیئے ایک خاص شہرت رکھتے تھے۔ اور انکے ملک میں کسی کی مجال نہ تھی۔ کہ کسی شخص پر بلا قانون کے حملہ کرسکے پس مسیح کا اس ملک میں پیدا ہونا اسکے لیئے بہت سی آسانیوں کا باعث تھا کیونکہ گو اس کے مخالف اسکی تعلیمات کے اور اس کی جان کے لیئے بھی مخالف ہوں لیکن جوش کے ماتحت اسپر حملہ نہیں کرسکتے تھے اور گو وہ غضب میں اندھے بھی ہوجاتے مگر انکے لیئے بغیر قانون کی آڑ کے اور کوئی وسیلہ نہ تھا جس سے مسیح کو سیدھا کرسکیں برخلاف اسکے رسول اللہ کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا وہ اپنے جوشوں کے پورا کرنیکے لیئے بالکل آزاد اور مختار تھی اور کوئی قانون نہ تھا جو ایسے سخت سے سخت ارادوں کی روک تھام کرسکے اور نہ ہی کوئی بنیادی سلطنت یا قانون ہی اسکو اپنی حدود میں نہ رکھ سکتا تھا۔ بلکہ کوئی شریعت بھی اس قوم کے پاس نہ تھی جو کہ اسکے دلپر حکومت کرتی ہو اور نہ ہی علوم سے انکو کچھ بہرہ تھا۔ کہ اخلاق کی رہنمائی سے ہی وہ بیجا جوشوں سے باز رہتی۔ پس اگر مسیح کی قوم قیدی تھی تو اسکے برخلاف آزاد تھی اور اگر وہ پابند تھی۔ تو یہ

ملتی تھی۔ اور اگر اسکے رستہ میں رکاوٹیں تھیں تو یہ بے روک ٹوک تھیں اور اگر
وہ اپنے جوشوں کے پورا کرنے سے قاصر تھی تو یہ قادر تھی اور وہ کسی شریعت کے
یا عذاب کے خوف کے نیچے تھی تو یہ ان دونوں باتوں سے بری۔ لس جو اختیار
کہ مسیح پر اُس کی قوم کو تھا۔ اس سے کہیں زیادہ رسول اللہ پر آپ کی قوم کو تھا
اور جو نقصان کہ مسیح کی قوم اسکو بسبب گونا گوں رکاوٹوں کے نہ پہنچا سکتی تھی وہ
رسول اللہ کی قوم اپنی آزادی کی وجہ سے پہنچا سکتی تھی۔ پھر مسیح قانون کی پناہ
میں ہونیکے علاوہ اپنے ماں باپ کی پناہ اور اپنے بھائیوں کی حمایت میں تھا
برخلاف اسکے رسول اللہ کے والدین اور دادا آپ کے بچپن میں ہی فوت ہوگئے
تھے۔ اور صرف ایک چچا کی مدد آپ کے ساتھ تھی۔ پھر مسیح کی تعلیم وہی تھی جو
کہ توریت و زبور وغیرہ کی ہے لیکن رسول اللہ کفار کے اپنے طرز عمل کو ہی برا؛
کہتے تھے بلکہ اُنکے معبودوں کو بھی حَصَبُ جَھَنَّم قرار دیتے تھے۔ جس سے
پتہ لگ سکتا ہے کہ مسیح کی قوم کو اُن سے کچھ زیادہ اختلاف نہ تھا مگر رسول اللہ کی
قوم میں اور آپ میں ایک اختلافات کا سمندر حائل تھا جو انکو آپکی مخالفت کے لئے
ہر دم ابھارتا تھا۔ پھر ہر شخص جو مسیح کی پیروی کرتا تھا اُسے سوائے گالیوں کے
اور کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا۔ یا زیادہ ہوا تو کہیں ان پیٹ پڑ جاتی تھی۔ لیکن رسول اللہ
کیساتھ تعلق پیدا کرنا نہ صرف عزیز و قرباء سے قطع تعلق کرلینا تھا بلکہ اپنی جان سے
بھی ناامید ہونا تھا چنانچہ حواریوں کا زیادہ سے زیادہ پیٹنا ثابت ہے اور صحابہ کا نہ
صرف مار کھانا بلکہ قتل ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور پھر قتل بھی معمولی نہیں۔
ایسے واقعات بھی ہیں کہ مرد کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے باندھ دی اور
دوسری دوسرے سے اور پھر دونوں کو مختلف سمتوں میں چلادیا اور پھر مسیح کے
ساتھ کی عورتوں کی نسبت تو گالی گلوچ بھی ثابت نہیں اور رسول اللہ کو

ماننے والی عورتوں میں سے بعض کو قتل اور ایسا قتل کر انکے فروج میں نیزہ
مار کر مار دیا گیا ثابت ہے۔ پھر مسیح شہروں اور بستیوں میں کھلم کھلا وعظ دیتا
پھرتا تھا اور رسول کریم کے مخالفین آپ کو اسقدر آزادی نہیں دیتے تھے
بلکہ آپکا دو تین آدمیوں میں تبلیغ کرنا بھی وہ لوگ ناپسند کرتے تھے۔ اور
جہاں آپ کو دیکھتے زدوکوب کرنے سے نہ ٹلتے تھے پھر اگر مسیح کہیں بھاگ
جاتا تو وہ لوگ ایسے ناراض نہ تھے کہ اسکا پیچھا کرتے۔ لیکن رسول اللہ نے
ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لیگئے تو آپکا پیچھا لوگوں نے وہاں تک
کیا۔ مسیح کے پکڑنے کا خیال انکے مخالفین کو ایسا نہ تھا۔ جتنا کہ آپ کے مخالفین
کو آپکے گرفتار اور قتل کرنیکا تھا۔ کیونکہ مسیح کے سر کو انکے دشمنوں نے تیس درم
انعام مقرر کیا لیکن رسول اللہ کے لیئے ایکسو اونٹ کا انعام اعلان کیا گیا پھر
مسیح کی جنگ یعنی زبانی بات چیت صرف یہودیوں سے تھی اور رسول اللہ نے
اپنی سچائی سے سب دنیا کو اپنے مقابل پر لاکھڑا کیا تھا۔ اور مسیح اپنی حکومت
کی پناہ میں تھا اور رسول اللہ کے مقابل پر نہ صرف آپکی اپنی قوم تھی بلکہ اسوقت
کی دونوں زبردست یعنی قیصر روما اور کسرے کے ایران کی حکومتیں بھی آپ کو
استیصال کا ارادہ رکھتی تھیں اور علاوہ انکے عرب کے مسیحی اور یہودی بھی آپکے
ساتھ بڑی پلی کا بیر رکھتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام مشکلات کے جو رسول اللہ کے
راستہ میں تھیں اور ان خطرات کے جو آپ کی ہلاکت کے لیئے اگر آپ نعوذباللہ
جھوٹے ہوتے کافی تھے آپ بڑھے اور پھولے اور پھلے اور دن رات آپ کا
قدم آگے بڑھا اور جو کوئی آپ کے مقابلہ میں آیا ہلاک ہوا۔ اور جو کوئی آپ پر
گیا ہلاک ہوا اور جسپر آپ گئے اسے ہلاک کر دیا۔ آپکے مخالفین کے گھر اُجڑ گئے
انکی بستیاں ویران ہو گئیں جس نے آپ پر تلوار چلائی قتل کیا گیا انکی بیویاں بیوہ

ہوگئیں اُسکے بچے یتیم ہوتے۔ اسپر رونیوالا بھی کوئی نہ ملا چیلیں اور کتے آپکے اعدا
کا گوشت کھا گئے۔ وہ دنیا و آخرت میں ذلیل کئے گئے اور کوئی نہ تھا جو انکو بچاتا وہ
برباد کردیئے گئے۔ اور کوئی نہ نکلا جو انکی مدد کو آتا جنہوں نے آپکو گمنام کرنا چاہا
تھا وہ خود گمنام ہوگئے اور آج تک انکے نام و نشان کا پتہ نہیں آج کوئی ہے جو
ابوجہل کی نسل ہونا اپنے لئے پسند کرے کیا کوئی ہے جو عتبہ و شیبہ کے نام اپنے
آبا میں لینا فخر سمجھے وہ صنادید عرب جو اپنے ملک کے باپ کہلاتے تھے۔ انکی
عمارتیں آپکے سامنے گر گئیں وہ آپکی اطاعت میں سر کے بل گرائے گئے۔
انکے ماتھے پر غلامی کا داغ لگایا گیا وہ بہادروں کا بہادر اور بادشاہوں کا بادشاہ
دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھ کر گیا اور وہ بت جو خدا کے مقابلہ
میں کھڑے کیے جاتے تھے اسی کے بندہ کے آگے سرنگوں کئے گئے۔ اور
اسکے زبردست ہاتھوں انکے ٹکڑے اڑا دیئے گئے زمین سے لیکر آسمان تک
اسکا نور چمکا اور خدا نے اسکے صدق پر شہادت دی اور اسکا رحیم کریم دل اپنے
مخالفین کیلئے پسیجا۔ اور لا تثریب علیکم الیوم کی کشش آور اثر نے نہ صرف آپکے
مخالفین کے جسموں کو ہی بچا لیا بلکہ انکی روحوں کو بھی ابدی دوزخ کے پھندوں
سے نجات دلا دی۔

لیکن یسوع باوجود اُن آسانیوں کے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں کہ نہ اسکی قوم
ہی خطرناک تھی اور نہ اسکو اس سے ویسی دشمنی ہی تھی روز بروز کمزور ہی ہوتا
گیا۔ اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ شخص اپنے حواریوں کو بارہ تختوں کا وعدہ دیتا
تھا اور ابن اللہ ہونیکا دعویٰ کرتا تھا۔ اور اپنے آپکو شہزادہ کہتا تھا جو یہودیوں کی حالت
کی پیشگوئیاں کرتا تھا اور رومی سلطنت کی بھی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا جسے اپنی ترقیوں
کی بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ اور جو آسمانی بادشاہت کے وعدے دیکر انہیں حواریوں

کے حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔ یہودیوں کے قبضہ میں پڑا اور کچھ ایسا پھنسا۔ کہ آخر نہایت کرب و اندوہ اٹھا کر سولی پر لٹکایا گیا۔ اور اسوقت اسکے دشمنوں نے اسکے منہ پر تھوکا اور کانٹوں کا تاج پہنایا اور پانی کی جگہ سرکہ پلایا۔ اور اس بے بسی و بیکسی کی حالت میں رو چیخا۔ اور ایلی ایلی لما سبقتانی کی دردناک اور مایوسی کی مجسم آواز اسکے منہ سے نکلی اور بقول مسیحیوں کے ہمیشہ کے لیئے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور ساتھ ہی ان تمام وعدوں پر جو اُسنے اپنی ذات کی نسبت اور حواریوں کے بارہ میں کئے تھے پانی پھر گیا اب تباؤ کہ کیا وہ شخص جو باوجود سخت سے سخت مصیبتوں کے اور دشمنوں کے حملے کے کامیاب ہو خدا کا بیٹا کہلانیکا مستحق ہے یا وہ جو مقابلۃً چین اور آرام سے زندگی بسر کر رہا تھا اور جس کے راستہ میں کوئی سخت روکیں نہیں تھیں۔ مگر باوجود اسکے ناکامی و نامرادی سے اس دنیا سے گذر گیا۔ (بقول مسیحی صاحبان کے)

یہ تو دنیاوی کامیابی ہوئی علاوہ ازیں اسکے کامل تعلیم سچے اور مخلص مرید اور پاک زندگی اور بے نظیر معجزات اور قدسی صفات کے لحاظ سے بھی رسول اللہ کو مسیح پر صدہا فضیلت تھی۔ پس کوئی رنگ بھی لے لو اور کسی طرح پر بھی آپ کو مسیح سے مقابلہ کرو۔ آپ کی فضیلت مسیح پر ثابت ہے۔ پس اگر کسی معنے میں کوئی خدا کا بیٹا کہلا سکتا ہے۔ تو وہ رسول اللہ ہیں نہ کہ مسیح۔ علاوہ ازیں مسیح نے اپنے آپکو خدا کا بیٹا کہا بھی نہیں بلکہ وہ تو ہمیشہ ابن آدم ہی کہلاتا رہا۔ ہاں اگر کہیں خدا کے بیٹے کا لفظ اپنے لیئے استعمال کیا بھی تو ان معنوں میں تو بہت سے آدمی خدا کے بیٹے ہیں۔ مثلاً کل یہودیوں کی نسبت توریت میں ہے کہ "تو فرعون کو یوں کہیو کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے۔ کہ اسرائیل میرا بیٹا بلکہ پلوٹھا ہے" خروج۔ سو اس آیت سے تو کل بنی اسرائیل ہی خدا کے بیٹے بلکہ پلوٹھے معلوم ہوتے ہیں

مسیح کی خصوصیت ہی کیا ہے۔

یسوع صلیب پر خوشی سے نہیں چڑھا

اس کے بعد جو بات کفارہ کے مسئلہ پر روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ آیا مسیح صلیب پر لٹکایا جانے کیلئے خوش بھی تھا یا نہیں اگر وہ ناراض تھا تو پھر کفارہ کا مسئلہ کسی طرح بھی صادق نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے لیے ہمکو دور جانیکی ضرورت نہیں خود مسیح کی اسوقت کی حالت کا بیان کافی ہوگا چنانچہ متی ۳۶-۲۶ میں لکھا ہے کہ پھر یسوع انکے ساتھ گتسمنی نام ایک مقام پر آیا اور شاگردوں سے کہا یہاں بیٹھو جب تک میں وہاں جاکر دعا مانگوں تب اس نے پطرس اور زبدی کے دو بیٹے ساتھ لیئے اور غمگین اور نہایت دلگیر ہونے لگا۔ تب اسنے ان سے کہا کہ میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو اور کچھ آگے بڑھ کر منہ کے بل گرا۔ اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے گزر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو پھر لوقا ۲۲-۳۹ میں ہے کہ اور وہ نکلکے اپنے دستور پر زیتون کے پہاڑ کی طرف چلا۔ اور اسکے شاگرد اس کے پیچھے ہو لیے اور اسجگہ پہنچکے اسنے ان سے کہا دعا مانگو تاکہ آزمائش میں نہ پڑو اور آپ ان سے تیر کے ایک ٹپے پر بڑھ کے گھٹنے ٹیک کے دعا مانگی۔ اور کہا کہ اے باپ اگر تو چاہے تو یہ پیالہ مجھ سے دور کر دے لیکن میری مرضی نہیں۔ بلکہ تیری مرضی کے موافق ہو اور آسمان سے ایک فرشتہ اسکو دکھائی دیا جو اُسے قوت دیتا تھا۔ اور وہ جانکنی میں پھنسکے بہت گڑگڑا کے دعا مانگتا تھا اور اس کا پسینہ لہو کی بوند کی مانند ہو کر زمین پر گرتا تھا۔ اور دعا سے اُٹھکر اپنے شاگردوں کے پاس آیا اور انہیں غم سے سوتے پایا۔ اور اُنسے کہا کہ تم کیوں سوتے ہو؟

اُنکو دعا مانگوتا کہ آزمائش میں نہ پڑو۔ اب ان دونوں حوالوں سے مندرجہ ذیل واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

اوّل تو یہ کہ اس واقعہ کی اطلاع سے مسیح پر ایسا غم طاری تھا کہ اسکی حالت موت کی طرح ہو گئی تھی۔ دوم یہ کہ اُسنے اپنے شاگردوں سے بڑے زور سے التجا کی کہ وہ اسکے لیئے دعا کریں تاکہ وہ اس مصیبت سے بچ جائے۔ سوم یہ کہ وہ خود بھی بہت گریہ وزاری سے اس تلخ پیالہ کے ٹلجانے کی دعا کرتا رہا۔ چہارم یہ کہ اسکی اپنی مرضی صلیب پر لٹکنے کی نہ تھی بلکہ مجبور تھا۔ اور خدا تعالےٰ کے حکم کے مقابلہ میں اُسکا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ پنجم یہ کہ اسکا درد یہانتک بڑھ گیا کہ خدا تعالیٰ کو تسلی دینے کے لیئے ایک فرشتہ نازل کرنا پڑا۔ ششم یہ کہ پھر بھی اسکی تسلی نہوئی بلکہ اُسنے دعا میں اسقدر زور لگایا کہ اسکا پسینہ خون کی طرح سُرخ ہو کر بہنے لگا۔

ان سب باتوں کو غور سے دیکھو تو خود بخود کھلجائیگا۔ کہ مسیح کا قطعاً منشا نہ تھا کہ وہ صلیب پر لٹکایا جائے بلکہ اس خبر کو سُنکر اسکے ہوش اُڑ گئے اور صبر کو اس ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور ہلاکت کا خوفناک نظارہ اسکی آنکھوں کے آگے پھر گیا۔ اور زمین پاؤں کے تلے سے نکل گئی اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ اور اس نے اس خیال سے کہ شاید اسکی نہیں تو اسکے مریدوں کی دعا ہی بارگاہ الٰہی میں سنی جائے ان سے التجا کی اور عاجزی سے درخواست کی کہ وہ اسکے لیئے دعا کریں۔ کہ شاید وہ ابتلا ٹلجائے۔ اور وہ مصیبت گزر جائے اور خود بھی اس حد تک دعا کی کہ شدت غم میں پسینہ کی جگہ خون بہنے لگا۔ تو جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ گھٹنوں کے بل گر گر کر اپنے بچائے جانیکی درخواست کرے اور گڑگڑائے اور روئے اور چلائے اور آسمان کو سر پر اٹھائے اسکی نسبت کون عقلمند کہہ سکتا ہے۔ کہ اسنے بنی نوع انسان کے گناہ اپنے سر پر اٹھا لیئے اور خوشی سے صلیب پر

چڑھ گیا۔ اگرچہ ہندو تو خوشی کے جتے ہیں۔ تو جیل خانوں میں سینکڑوں آدمی ہر سال اسی خوشی سے جانیں دیتے ہیں۔

تو تھا کہ یہ لکھتا کہ اس کی تسلی کے لیے فرشتہ بھیجا گیا۔ ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کا غم کمال تک پہنچ گیا تھا۔ ورنہ خدا تعالےٰ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ فرشتہ بھیجتا کہ جو اسکے دل کو آ کر سہارا دیتا۔ مگر عجب بات تو یہ ہے کہ باوجود فرشتہ کے تسلی دینے کے یسوع کا دل مطمئن نہ ہوا اور وہ برابر گھبراتا رہا۔ پس اگر وہ اپنی مرضی سے صلیب پر چڑھنے کیلئے اس دنیا میں آیا تھا تو یہ رنج اور یہ گھبراہٹ اور یہ گریہ وزاری کیونکر ہو سکتی تھی؟

پھر یسوع اپنی دعا میں یہ کہتا ہے کہ اے باپ جس طرح ہو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے۔ مگر وہی ہو جو تیری مرضی ہو نہ کہ میری۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یسوع کی مرضی تو یہی تھی کہ وہ صلیب پر نہ لٹکایا جائے۔ مگر حکم خداوندی کے آگے کچھ پیش نہ چلتی تھی تب ہی تو کہتا ہے کہ باوجود میری اس خواہش کے کہ میں صلیب سے بچ جاؤں میں تیری مرضی پر صابر ہوں۔ پس اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خود صلیب پر نہ چڑھنا چاہتا تھا۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا باپ نے نعوذ باللہ اسکو زبردستی صلیب پر لٹکایا اور اسکا ایسا کرنا صریحاً عدل کے خلاف تھا کیونکہ کسی معصوم اور بیگناہ کو زبردستی صلیب پر لٹکانا سخت ظلم ہے۔ پس جس طریقے سے مسیحی خدا کا عدل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی سے اسکا ظلم ثابت ہوتا ہے اور خدا کی طرف ظلم منسوب کرنا خود ایک بڑا ظلم ہے۔

مگر سب سے بڑھکر یسوع کے وہ کلمات ہیں جو کہ اسنے صلیب پر لٹکائے جانے کے وقت بار بار دہرائے۔ اور وہ یہ ہیں کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ یعنے اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ کلمات ایسے توحید سے پُر اور

مایوسی میں ڈوبے ہوتے ہیں کہ عقلمند انسان انکو سن کر کبھی گمان نہیں کر سکتا کہ یسوع بھی خدائی کا شریک ہو سکتا تھا۔ اور پھر اگر وہ خوشی سے صلیب پر لٹکنا چاہتا تھا تو وہ اس حد تک کیوں گھبراتا تھا۔ کہ خدا پر اپنے چھوڑ دینے کا الزام دیتا۔ اگر وہ مسیحی دنیا کے بچانے کے لئے ہی وہ دنیا میں آیا تھا۔ تو جس دن کہ سنتا تھا کہ مجھے صلیب پر لٹکانے لگے ہیں۔ اس دن اُسے بجائے غم کے خوشی ہونی چاہئے تھی اور چاہئے تھا کہ وہ اپنے کل مریدوں کو اکٹھا کر کے جشن کرتا۔ اور اپنی عادت کے مطابق وہ سب لوگ ملکر خوب شرابیں پیتے۔ اور ناچتے اور گاتے کہ وہ مبارک دن اور بابرکت گھڑی اب قریب آگئی ہے کہ جس کے شوق میں یسوع آسمان کو چھوڑ کر اس زمین پر آیا تھا۔ اور مصلوب ہوتے وقت بجائے یہ کہنے کے کہ اے میرے خدا اے میرے خدا۔ تو نے مجھ کو کیوں چھوڑ دیا اُسے یہ کہنا چاہئے تھا کہ اے میرے باپ۔ اے میرے باپ میں خوشی سے بنی نوع انسان کے لئے جان دیتا ہوں اور انکے گناہ اپنے سر پر اٹھاتا ہوں۔ مگر وہ گھبراہٹ وہ آہ وزاری ظاہر کرتی ہے کہ جس کفارہ کو مسیحی صاحبان نجات کا ایک ہی ذریعہ قرار دیتے ہیں خود یسوع بھی اس سے ناواقف تھا۔

یسوع صلیب پر نہیں مرا

ان سب باتوں کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ آیا یسوع صلیب پر فوت بھی ہوا تھا۔ کہ نہیں اور چونکہ مسیحیوں کو قائل کرنیکے لئے سب سے بہتر ذریعہ اناجیل ہی ہیں۔ اسلئے میں انہیں ہی سے روشنی ڈالتا ہوں۔ کہ یسوع کی صلیبی موت قطعاً ثابت نہیں بلکہ صلیب پر سے بچ جانا ثابت ہے متی باب میں ہے کہ جب یسوع حاکم کے سامنے لیجایا گیا تو اس نے اس سے بہت سے سوال کئے مگر اسنے کوئی جواب نہ دیا اور اسپر حاکم بہت متعجب ہوا۔ مگر اسکا دستور تھا کہ ہر عید پر ایک قیدی کو یہودیوں کی خاطر چھوڑ دیتا تھا۔ سو

اس نے یہودیوں سے پوچھا میں کس کو چھوڑوں برابا اس کو جو ایک مشہور چور تھا یا یسوع کو کیونکہ وہ سمجھ گیا تھا کہ یسوع حسد کی وجہ سے پکڑوایا گیا تھا۔ یہودیوں نے برابا اس کو چھوڑنے کی درخواست کی۔ اتنے میں حاکم کی بیوی نے آدمی بھیجا کہ خبردار اس نیک آدمی کو کچھ نہ کہنا کیونکہ میں نے آج رات کو اسکی وجہ سے بڑی تکلیف اٹھائی ہے اسلئے پلاطوس نے پھر یسوع کو بچانے کیلئے کوشش کی مگر یہودیوں نے نہ مانا تو اس نے ان سے پوچھا۔ کہ کیوں اس نے کیا بدی کی کہ میں اسے صلیب پر لٹکاؤں انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور یہی شور مچایا۔ کہ نہیں اسے صلیب دو۔ تب اس نے سب یہودیوں کے سامنے ہاتھ دھوئے اور کہا کہ تم جو چاہو کرو۔ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں اور اسے یہودیوں کے سپرد کر دیا جنہوں نے اسے جمعہ کے دن شام کے وقت صلیب پر لٹکا دیا اور ابھی تین گھنٹہ نہ گزرنے پائے تھے کہ ایک بڑا زلزلہ آیا اور اندھیرا چھا گیا اور چونکہ یہودی سبت کے دن کسی کو صلیب پر نہ رکھ سکتے تھے۔ اسلئے انہوں نے سب کو اتار لیا اور یوحنا کے بیان کے مطابق اسکے ساتھ جو دو چور صلیب پر لٹکائے گئے تھے انکی ہڈیاں توڑی گئیں۔ مگر مسیح کی کوئی ہڈی نہ توڑی۔ اور ایک شخص نے جب اسکے پہلو کو چھیدا تو اس میں سے خون نکلا جیسا کہ متی لکھتا ہے۔ یوسف آرمتیا یسوع کا ایک شاگرد پیلاطوس کے پاس گیا۔ اور اس سے اسکی لاش مانگی۔ مگر پلاطوس نے بموجب بیان مرقس کے متعجب ہو کر شبہ کیا۔ کہ کیا وہ ایسی جلدی مر گیا۔ اور اسے اسکے سپرد کر دیا اس نے اسے ایک مکان میں جا کر ڈال دیا۔ اور مریم مگدلینی وغیرہ دروازہ پر بیٹھی رہیں پھر یہودیوں کو شبہ ہوا۔ کہ ایسا نہ ہو کہ مسیح کے شاگرد اسے چرا کر لیجائیں۔ اور کہیں کہ وہ زندہ ہو گیا اسلئے اپنے پہرہ دار مقرر کئے۔ مگر جب وہ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر قبر پر

سے ڈھانکا تھا۔ اور ایک آدمی نے مریم مگدلینی وغیرہ سے جو وہاں یسوع کو دیکھنے کو آئی تھیں کہا کہ یسوع تو اب یہاں نہیں ہے بلکہ چلا گیا ہے تم جا کر اس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ جلیل میں تم کو ملیگا۔ غرض وہ وہاں گئیں اور جلیل میں سب شاگرد اکٹھے ہوئے اور یسوع بھی چھپتا ہوا وہاں پہنچا مگر اُسکے شاگردوں نے شک کیا کہ شاید یہ اُسکی روح ہے مگر بقول یوحنا کے اسنے تھوما سے کہا کہ وہ اسکے زخموں میں انگلیاں ڈال کر دیکھے کیونکہ روح میں ہڈی نہیں ہوتی۔ اور پھر ان کے ساتھ بیٹھکر مچھلی اور روٹی اور شہد کھایا۔

اب ان تمام واقعات کو غور کر کے دیکھو کہ کیا ان سے یسوع کی وفات ثابت ہوتی ہے یا اسکا بچ جانا ثابت ہے۔ حاکم وقت اسکو بچانا چاہتا تھا۔ اور اس کی بیوی نے خواب دیکھا تھا۔ کہ اگر اسکو تکلیف پہنچی تو تمہاری خیر نہیں۔ اسکو یقین تھا کہ یسوع بیگناہ ہے۔ پھر جب وہ صلیب پر لٹکایا گیا ہے۔ تو جمعہ کا دن تھا اور شام کا وقت ہو رہا تھا اور سکے اندھیری آگئی۔ اور یہودی ڈرتے کہ کہیں شام نہ پڑ جاوے کیونکہ انکے مذہب کے رو سے ہفتے کے روز کسی کا صلیب پر لٹکانا عذاب کا محرک تھا پس انہوں نے اُسے بموجب مختلف روایات کے ڈھائی گھنٹے سے پانچ گھنٹہ تک رکھا۔ حالانکہ صلیب پر آدمی تین دن تک لٹک کر بھی زندہ رہتے تھے اور ہڈیاں توڑے جانے پر مرتے تھے پھر مسیح دو تین گھنٹوں میں کیونکر مر گیا۔ پھر اسکے دو ساتھیوں کی تو ہڈیاں توڑی گئیں۔ اُسکی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں اور اس کا پہلو چھیدنے پر خون نکلا۔ جو زندگی کی علامت ہے پھر اسکے شاگرد یوسف نے جھٹ پٹ اس کی لاش حاصل کرنیکی کوشش کی اور خود حاکم وقت کو شبہ ہوا کہ اتنی جلدی یسوع کیونکر مر گیا۔ لاش حاصل کر کے یسوع کو کسی تنگ قبر میں نہیں۔ بلکہ ایک کمرہ میں رکھی تاکہ ہوا کا گزر رہے پھر یسوع ہوش آنے پر چھپ کر نکلا۔ اور

جلیل گیا اور خفیہ خفیہ ہی شاگردوں سے[1] ملا اگر وہ مرکر زندہ ہوا تھا۔ اور اب پھر خدا ہو گیا تھا تو اسے چھپنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر خود یہودیوں کو شبہ تھا کہ وہ زندہ ہے تبھی انہوں نے پہرہ مقرر کیا۔ غرض یسوع پر مسیحیوں کی طرح حواریوں نے بھی شبہ کیا۔ کہ شاید یہ کوئی روح ہے۔ مگر اس نے انہیں اپنے زخم دکھائے۔ اور ان کے ساتھ مچھلی کھانا کھایا۔ اب ان سب واقعات کو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ بلکہ ثابت ہے کہ وہ زندہ تھا۔ اور علاوہ اس واقعات کے تاریخی شہادت بھی ہے۔ کہ یہودیوں نے اس کی تلاش کی اور وہ ان سے چھپا ہوا کشمیر میں آیا۔ اور یہاں ایکسو بیس برس کی عمر پا کر فوت ہو گیا۔ اور خانیار محلہ میں اُس کی قبر ہے اور میں نے خود دیکھی ہے چنانچہ میں نے اس کی نگہبان بڑھیا سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے تو اس نے کہا کہ عیسیٰ نبی کی ہے جو کسی اور ملک سے آیا تھا۔ پھر میں نے جب اُس سے سوال کیا۔ کہ مولوی تو کہتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ چلا گیا۔ تو کیونکر کہتی ہے کہ وہ مر گیا تو اس نے کہا کہ وہ تو بڑے ہوتے ہیں میں اُن کے مقابلہ میں کیا کہہ سکتی ہوں مگر بڑوں سے یونہی روایت آئی ہے۔ پھر خود مسیح کا کہنا کہ میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لئے آیا ہوں ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کشمیر اور افغانستان میں آنا ضروری تھا۔ چنانچہ کشمیر میں ابتک بابل اور ہاروت ماروت کی قبریں موجود ہیں جو ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کا بقیہ ہے۔ اور خود لفظ کشمیر جو اصل میں کسیر ہے اسبات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل ہی سے ہیں کشمیریوں سے پوچھکر دیکھو کہ وہ کون ہیں۔ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ کاشر یعنی کشمیر کے رہنے والے جس کے معنے ہیں کہ شیر یعنے وہ ملک یروشلم کی مانند ہیں چنانچہ یروشلم کا علاقہ شیرہ یا سیرہ کہلاتا تھا پس لفظاً بھی اور نقلاً بھی یسوع کا وہاں آنا ثابت ہے

[1] سیرہ یا لفظ سوری سے نکلا ہے جس کے معنے ہیں جھول [illegible] کے [illegible] ہو وہ زمین جو خوبصورت پھولوں والی ہو۔ کشمیر تو سیر اور کی [illegible] بنی اسرائیل نے [illegible] کی یاد میں کسیر رکھا [illegible] اس شعر کی تائید کی ہے جو کہتا ہے کہ اگر فردوس بر روئے زمین است۔ ہمین است و ہمین است و ہمین است۔

قابل قدر علمی فیاضی

[illegible]

[illegible] حالات [illegible] افسوس نہ ہوگا

پیارے نبی کے پیارے حالات ۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

[illegible] ریاست حبیب [illegible]

[illegible]

جامع التواریخ [illegible]

[illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

[illegible]

[illegible]

المشتہر [illegible]

[illegible]

نمبر ۹ — یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے — جلد ۵

[illegible]

ایڈیٹر
صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ [illegible]

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء

فہرست مضامین

مطابق ماہ رمضان ۱۳۲۸ھ

حافظ روشن علی
مرزا [illegible]
ایڈیٹر
مینیجر

باہتمام [illegible] قادیان [illegible]

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سُرمہ

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصہ سے شائع ہو رہا ہے اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب کے مجربہ نسخہ کے موافق تیار کیا گیا ہے اور اصلی ممیرا بھی خود حضرت نے دیکھ کر اصلی ممیرا ہونیکی تصدیق کی [illegible] حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ "بڑے امراض چشم بیمار کیلئے مفید ثابت" اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کئی لاکھ افراد کا امام [illegible] حیثیت [illegible] نبی امام کہلاتا [illegible] ہے۔ اسکے مفید ہونیکی شہادت دیتا ہو

یہ سرمہ [illegible] جالا پھولا [illegible] تل اور سرخی ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کیلئے بہت مفید ہو قیمت سرمہ قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible] اصلی ممیرا قسم اول [illegible] ترکیب استعمال [illegible] ممیرا [illegible] سرمہ کی سلائی [illegible] آنکھوں میں ڈالا کریں [illegible] سرمہ [illegible] اس کی [illegible] کے موسم میں [illegible] بہت مجرب ہے

ست سلاجیت

([illegible])

مقوی [illegible] مفید [illegible] [illegible] رنگ [illegible] [illegible] استعمال کریں قیمت [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری [illegible] سیاہ سفید آتشی ریشمی اور سوتی [illegible] اور [illegible] ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی [illegible] قیمت کی ملتی ہیں

المشتہر۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کے اعتراضات کا جواب

ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح نے لوگوں پر شفقت کرکے کہ لوگ طریق ضلالت سے بچیں۔ اس امر کی طرف ہدایت فرمائی جس امر کو قرآن شریف میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منوانے کے لیے بیان کیا ہے قل ما کنت بدعًا من الرسل یعنی کہو کہ میں کوئی نیا رسول نہیں۔ اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کسی نہ کسی رسول کو مانتے ہیں یا کم سے کم کسی کو راستباز مانتے ہیں اسی ذریعہ سے مرزا صاحب کی راستی پر اور راستبازی پر وہ غور کریں۔ کیونکہ وہ طریق ستھا ہے۔ جس پر چل کر مقصود کو پہنچنا آسان ہے نئے راستہ میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے اور بہت سے اندیشوں کا سامنا ہوتا ہے مثلاً جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ پنجابی یا اردو میں فہم و تفہیم کرتا ہے۔ تو اسکو عربی میں یا انگریزی میں بہت دقت ہوگی۔ بلکہ وہ اپنے مقصود کو نہیں پہنچیگا۔ تو اسی طرح جس دلیل سے کسی نے کسی رسول کو مانا ہے اور

واقعی اس دلیل سے ماناہے اور اس میں کوئی بناوٹ نہیں تو وہی دلیل حضرت مرزا پر لگا کر دیکھیں۔ تو بہت آسانی سے انکے دعوے کو سمجھ جائیں گے۔ یہ کیسا پاک راہ تھا۔ جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے نہایت رحم سے لوگوں کے آگے پیش کیا۔ لیکن بعض معاندین جو کہ ہمیشہ سے تصدیق رسل سے محروم ہوتے رہے ہیں انہوں نے اس پاک قول کو ایسے برے پیرایہ پر ڈھالا ہے کہ ہرچہ گیرد علتی علت شود کا مصداق ہوا ہے۔ یعنی ایسے ایسے معیار پیش کرنے شروع کئے جو کہ پہلے رسولوں کی تصدیق کے وقت ان کے وہم میں نہیں آئے تھے اور نہ انہوں نے اسکو معیار ٹھہرایا تھا۔ بعض نے کہا کہ مرزا صاحب آگ پر چل کے دکھائیں تو ہم مانتے ہیں۔ کسی نے کہا میدان میں ایک خالی کاغذ رکھتے ہیں غائب سے مرزا صاحب کی اسپر تصدیق لکھی جائے غرض یہ ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ چنانچہ فاضل ثناء اللہ امرتسری نے یہ معیار پیش کیا کہ میں پیشگوئیوں کے ذریعے سے تصدیق کیا کرتا ہوں حالانکہ یہ انکی بناوٹ ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذریعہ سے شناخت نہیں کیا۔ ورنہ جہاں پر انھوں نے مقدمہ تفسیر ثنائی میں چار معیار لکھے ہیں کہیں ٹوٹی قلم سے اسکو بھی لکھ جاتے مگر اسکا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اسکے نہ ذکر کرنے کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اسوقت معیار انکو معلوم نہ تھا۔ پس معلوم ہوا کہ اس معیار سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت نہیں کیا یا یہ کہ اسوقت تک شناخت ہی نہیں کیا تھا۔ گلے پڑا ڈھول بجایا کرتے تھے۔ دوسری یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ یہ معیار انکو معلوم بھی تھا۔ اسی کے ذریعے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت بھی کیا تھا لیکن پبلک کی نظر میں اس معیار کو ایسا پورا پایا

کہ ذکر کے قابل نہ سمجھا کیوں نہو ناقص سے ایسی فضول باتیں نکلنی چاہئیں۔ مگر آپ ہی وہ حضرت ہیں جن کے دکھانے کے دانت اور ہیں اور کھانے کے دانت اور ... مطلب تو یہ تھا کہ جس معیار سے تم نے شناخت کیا ہے اور دوسرے کو کرا سکتے ہو وہ پیش کرو یہ نہ تھا کہ کسی کاتب کے خوشنویس ہونے کی یہ دلیل پوچھی جائے کہ وہ الکڑیاں اچھی طرح پھیر سکے اسی طرح مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے کچھ معیار لکھے ہیں جن معیاروں سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہو سکتے جس کے جواب دینے کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔ اللہ توفیق دے۔ سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

اعتراضات کا جواب

مولوی ابراہیم سیالکوٹی سے کہ اُنکے دوست نے معیار صادق پوچھے ہیں۔ تین معیار انہوں نے قائم کئے ہیں۔ اظہار معجزہ تعلیم حق صدق وعدہ وبس۔ معلوم نہیں کہ لفظ معجزہ انہوں نے کہاں سے نکالا ہے تمام شریعت کی کتابوں میں یعنی قال اللہ و قال الرسول صلعم میں لفظ معجزہ کا نہیں آیا پھر معجزہ کی تعریف نہیں فرمائی معجزہ کسے کہتے ہیں۔ دلیل میں جس آیت کو پیش کیا ہے اس میں کہیں لفظ معجزہ کا نہیں۔ پھر صدق وعدہ کو کھول کر بیان نہیں کیا کہ آیا ہر وعدہ جو خدا نے کسی رسول سے کر دے پورا ہوتا ہے وعدہ کہ اسی مفہوم کے مطابق پورا ہوتا ہے جو کہ رسول سمجھے ہیں پھر کیا اسی تفہ

معیار رسول کریم نے بیان کئے ہیں۔ پھر آگے رفیق طریق یا دلالکم فاضل ثناء اللہ امرتسری نے جو معیار مقدمہ تفسیر ثنائی میں لکھے ہیں ان میں اس نے معجزہ کو کہیں ذکر نہیں کیا اور باقی معیار جو اس نے لکھے ہیں۔ مولوی ابراہیم صاحب نے انکا ذکر نہیں کیا۔ شاید انکی نگاہ میں غلط ہوں اور انکو قابل بیان نہ سمجھتے ہوں تحسبہم جمیعًا وقلوبہم شتّٰی وہ تفسیر ثنائی کے مقدمہ کے صفحہ ۱ میں لکھتے ہیں کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ قتل کیا جاتا ہے اور یہ قانون الٰہی ہے یہ معیار جسکو فاضل امرتسری نے لکھا ہے۔ اس معیار پر قرآن شریف میں بھی بار بار زور دیا گیا ہے اور اسی کو پیش کیا گیا ہے۔ دیکھئے قرآن شریف کے متعدد مقامات میں فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبًا او کذب بایٰتہ انہ لا یفلح الظّٰلمون ؕ و قولہ تعالیٰ ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین ؕ فاضل امرتسری پر تعجب ہے کہ ثنائی کے مقدمہ میں کاذب کا قتل ہوجانا قانون الٰہی سمجھتا ہے اور تورات سے اسکا استدلال کرتا ہے لیکن اس آیت شریف سے جس سے بھی وہ قانون بعینہٖ ثابت ہوتا ہے تو چونکہ مسیح موعود نے اس سے استدلال کیا ہے اسلئے اس پر اعتراض کرتا ہے اور تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں لکھتا ہے کہ یہ قضیہ شرطیہ ہے وہ نہیں سمجھتا کہ قرآن شریف نے آنحضرت صلعم کی صداقت کے لئے جو دلیل بیان کی تھی وہ کس طرح صحیح رہ سکتی ہے پھر قضیہ شرطیہ وہ ہوتا ہے جسکا موضوع جزئی حقیقی ہو اور یہاں پر کسی جزئی حقیقی کا ذکر نہیں آپنے اتنا نہیں سوچا کہ اگر اس آیت کے یہ معنے لئے جائیں کہ یہ محمد رسول اللہ بعد اس کے کہ اسکی رسالت ثابت ہے اگر وہ افترا کرے تو اس کی قطع وتین ہو۔ اس معنے کی رو سے یہ دلیل نہیں رہتی مصادرہ علی المطلوب بنتا ہے

اور توقف الشئ علی نفسہٖ لازم آتا ہے معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ اگر
کوئی مدعی کاذب ہم پر افترا کرے تو ہم اسکی قطع وتین کریں تقول کا فاعل حذف
کیا گیا ہے تاکہ عموم پر دلالت کرے جیسا کہ یہ قاعدہ اہل بلاغت ہے کہ حذف
المعمول یوذن بالعمومیۃ للعامل۔ اس میں فاعل کا حذف اس طرح پر ہے
جیسے سورہ واقعہ کے اس آیت میں فلولا اذا بلغت الحلقوم وانتم
حینئذ تنظرون ۔ اور سورہ قیامت میں کلا اذا بلغت التراقی
وقیل من راق اور مفتری کی سزا قتل سیپارہ نو کے رکوع نو میں خود
بتاتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ان الذین اتخذوا العجل سینالہم غضب
من ربہم وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا وکذلک نجزی المفترین ذلت اور
غضب کے معنے قتل لکھے ہوئے دیکھو تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن تعجب کہ تعصب
نے ملکو یہانتک اندھا کر دیا کہ توراۃ تو ایک دلیل کو لیکر پیش کیا جاتا ہے اور
وہی دلیل جب قرآن شریف سے پیش کیجاوے تو انکار کیا جاتا ہے۔ اسپر طرہ یہ
کہ اس توراۃ کے قول کو تو قانون الٰہی ٹھیراتا ہے۔ اور قرآن کو قضیہ شخصیہ کہہ کر
ٹالتا ہے۔ خلاصہ معیار مولوی ابراہیم فاضل یہ ہے کہ صادق کے لئے معجزہ و تعلیم
حق وزہاد اور غضب اور ذلت سے یعنی قتل سے بچنا اور بتدریج ترقی کرنا ہاں
مولوی ابراہیم صاحب نے ایک معیار صدق وعدہ قرار دیا ہے اس کے متعلق
کسی قدر تحقیق ضروری ہے اولاً مولوی ابراہیم صاحب نے کوئی آیت ایسی
نہیں پڑھی جس میں یہ دکھلایا ہو کہ سب کے سب وعدہ اور وعید پورے ہو
جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی نہیں ٹلتا۔ آیت صرف ایک پڑھی ہے۔
ثم صدقناھم الوعد فانجیناھم ومن نشاء جس کے معنے لفظی یہ ہیں۔ کہ
پھر ہمنے انکو ایک وعدہ سچا کر دیا۔ پس ہم نے انکو نجات دی اور جنکو ہمنے چاہا

اور خطاکاروں کو جنہے ہلاک کیا اس میں یہ کہیں ذکر نہیں کیا گیا۔ کہ صدق وعدہ انکا سچا
ہے۔ اور ہر وعدہ جو ان سے کیا جاتا ہے وہ پورا ہوتا ہے پھر یہ کہ وہ وعدہ جس کے
سچ ہونیکا ذکر کیا ہے۔ کیا وہ وعدہ تھا۔ اور مولوی صاحب نے یہ نہیں ثابت کیا کہ
ایک وعدہ کے پورا ہونے سے سب کا پورا ہونا لازم آتا ہے اب میں وہ آیت
پڑھتا ہوں جس میں کہ وعدہ کو بطور معیار بیان کیا گیا ہے۔ وقال رجل مومن من
ال فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاءکم
بالبینٰت من ربکم وان یک کاذبا فعلیه کذبه وان یک صادقا یصبکم
بعض الذی یعدکم ان الله لا یهدی من هو مسرف کذاب ط
اس آیت شریفہ میں وعدہ کو بطور معیار بیان کیا گیا ہے کہ اگر مدعی کاذب
ہے تو وبال کذب اسپر پڑیگا۔ اور اگر سچا ہے تو پہنچیگا تمکو کچھ حصہ اس کا
جو تم کو وعدہ دیتا ہے یہاں بنظرِ انصاف غور کرو کہ صادق کے لئے بعض
وعدہ کا پورا ہونا ضروری رکھا گیا ہے کیا اللہ تعالےٰ کے بیان سے تمہارا
بیان مصفّٰی ہے یا اس کے بیان کردہ معیار سے تمہارا معیار اعلےٰ ہے آیت
دیگر وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن الله لکل اجل کتاب
یمحوا الله ما یشاء ویثبت وعنده ام الکتاب وامّا نرینک بعض الذی
نعدهم او نتوفینک فانما علیک البلاغ وعلینا الحساب ط کوئی رسول
کسی نشان کو بغیر پروانگی الٰہی نہیں لا سکتا۔ ہر ایک وقت کے لئے ایک حکم لکھا
ہوا ہوتا ہے ایسا کہ مٹا دیتا ہے اللہ تعالےٰ جو چاہے اور ثابت کر دیتا ہے۔ اور
اسکے پاس ام الکتاب ہے اور اے رسول یا تو ہم دکھا دینگے تجھکو بعض اسکا جو
ہم وعدہ دے رہے ہیں یا تجھے وفات دے دیں گے۔ پس تیرے اوپر صرف پہنچانا
ہے۔ اور ہم پر حساب ہے۔ اب غور کرنیوالا غور کرے اور حق کا طالب شوق سے اسکو

بجے وہ فرماتا ہے۔ کہ کوئی بھی نشان جن میں اوّلاً و بالذات شان وعدہ ہے کوئی
رسول بدوں پیدائشگی آبھی نہیں لاسکتا۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک امر کو ایک وقت کے
ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ پھر اسکو بھی چاہے تو مٹاوے اور چاہے تو ثابت رکھے
اسی قاعدہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ اگر چاہیں تو جو وعدے
ہم نے کئے ہیں ان میں کچھ دکھا دیں چاہیں تو بدوں دکھائے کے فوت کرلیں
جب سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان صداقت میں
بعض وعدوں کا دکھلانا بدوں دکھلائے وفات دیدینا قرآن شریف نے جائز کیا
ہے تو پھر اوروں کا کیا ٹھکانا۔ اب معلوم نہیں کہ مولوی ابراہیم صاحب کسی مصدق
وعدہ کو معیار قرار دیکر اسکے کیا معنے رکھتے ہیں۔ اگر وہ معنے رکھتے ہیں کہ سب کے
سب وعدے جو مامور سے کئے جائیں وہ پورے ہونے لازم ہیں۔ تو یہ ان کا
بیان نصوص قرآنیہ کے بالکل برخلاف ہے۔ کوئی آیت انہوں نے پیش نہیں
کی جس میں یہ ذکر ہو کہ سب وعدے پورے ہوتے ہیں جو پیش کی ہے۔ اسمیں
صرف ایک وعدہ کا ذکر ہے۔ سب وعدوں کے متعلق جو کلیۃً قاعدہ قرآن کریم نے
پیش کیا ہے۔ وہ میں نے پیش ناظرین کردیا ہے یعنی بعض وعدے پورے ہوتے ہیں
اور بدوں وعدوں کے پورا ہونیکے بھی صادق نبی کی وفات جائز رکھی ہے۔ قرآن
شریف کے بعد اب ہدایت کے لئے اور کس چیز کی ضرورت ہے۔ وضاحت بیان
کے لئے چند سطریں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فتوح الغیب
سے نقل کرتا ہوں۔ سید عبد القادر جیلانی ایسا مرد ہے کہ ایک عالم نے ان سے
نور حاصل کیا۔ اور خدا تعالیٰ نے عام قبولیت انکو عطا فرمائی تاکہ عام لوگوں کو
فائدہ ہو اور وہ سطریں یہ ہیں۔

اذا کنت ضعیف الایمان والیقین ووعدت بوعد وفی بوعدک

ولا یخلف لان لا زوال ایمانک ویذھب یقینک. یعنی جب تیرا ایمان میں
کمزور ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے تجھے کوئی وعدہ دیا جائے تو وہ پورا ہو جائیگا
تاکہ تیرا ایمان نہ ضائع ہو اور یقین نہ چلا جاوے۔ الغرض وعدہ کا پورا ہونا ضروری
طور پر ضعیف الایمان کیلئے ہے اور کامل انسان کے متعلق یوں فرماتے ہیں
"توصل بوعد فاذا اطمانتت الیہ ووجدت فیک اشارۃ ارادۃ ما تعلقت
عن ذلک الوعد الی ما ھو اعلیٰ منہ وصرفت الی اشرف منہ فاذا
المحققت ارادتک لذلک الشیء ازیل الشیء وعدم وصرفت عنہ
فلم تعطہ فی الدنیا وعوضت عنہ فی الاخری ما یزیدک قربۃ و
زلفی الی العلی الاعلیٰ وما تقربہ عینک" (دیکھو فتوح الغیب) مولوی ابراہیم
نے تین معیار پیش کئے تھے جن میں سے ایک صدق وعدہ تھا جس کی تحقیق
و تنقید سن چکے ہو۔ اب دوسرا معیار اظہار معجزہ ہے اس میں جو مولوی صاحب
نے آیت پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے عصا
کا معجزہ دکھلایا۔ افسوس کہ مولوی صاحب نے یہاں پر وہ آیت نہ بتائی جس میں
بطور قاعدہ بیان کیا گیا کہ معیار صادق اظہار معجزہ ہے قرآن شریف میں تو کہیں
معجزہ کا لفظ ہی نہیں۔ پھر انہوں نے معجزہ کی تعریف نہیں کی کہ معجزہ کیا چیز ہے۔ پھر یہ
کہ کیا معجزہ کیلئے ضروری ہے کہ ہر مخالف اور موافق اس کو مانے اور گواہی دے
کہ بیشک یہ دلیل صدق مدعی ہے پھر یہ کہ معجزات سے کبھی لوگوں نے مانا ہے
یعنے لوگ جب معجزہ دیکھیں مان لیتے ہیں۔ کیا سحر مستمر کہکر نہیں ٹال دیتے
اگر معجزہ سے مولوی صاحب کا یہ منشا ہے کہ اس کے ظہور کے وقت ہر ایک
مخالف معاند گواہی دیتا ہے کہ یہ معجزہ ہے خواہ وہ نہ مانے اور ہر ایک متکبر معجزہ
دیکھکر سرنگوں ہو جاتا ہے اب سنیئے اس کی تحقیق جو کہ کتاب اللہ سے ظاہر

ہوتی ہے جس آیت سے مولوی صاحب نے استدلال کیا ہے اس میں لفظ آیت
کا ہے فأت بآیۃ ان کنت من الصادقین تو آیت کے معنے مولوی صاحب
نے معجزہ کئے ہیں۔ اب آیت کے متعلق سنیئے سپارہ ۹ رکوع ۲ میں ساصرف
عن ایاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق وان یروا کل ایۃ لا
یومنوا بھا وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا۔ ترجمہ۔ میں ضرور منہ
پھیر دونگا اپنے آیات کے دیکھنے سے انکا جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق اگر
سارے ہی آیات انکے سامنے ہوں تو ایک کو بھی نہ مانیں۔ ہدایت کو راستہ
دیکھیں تو کبھی اسکو اپنے لئے راہ نہ بنائیں مولویصاحب پردہ تعصب دکبر دورکر
کر آیات کا اتنا تمہیں نصیب ہو سوچو کہ نبی کے خواہ اگر معجزے ہوں جو تشکیک
کے لئے معجزہ معیار صداقت کیونکر ہوگا۔ آیت دوم واقسموا باللہ جھد ایمانھم
لئن جاءتھم ایۃ لیومنن بھا قل انما الایات عند اللہ وما یشعر
کم انھا اذا جاءت لا یومنون ونقلب افئدتھم وابصارھم کما لم
یومنوا بہ اول مرۃ ونذرھم فی طغیانھم یعمھون ولو اننا نزلنا الیھم
الملٰئکۃ وکلمھم الموتیٰ وحشرنا علیھم کل شیء قبلا ما کانوا لیومنوا
ترجمہ منکر قسم کھاتے ہیں بڑے زور کی قسمیں اگر ہمیں ایک بھی نشان دکھلایا
جاوے۔ تو ہم ضرور ضرور اسکو مان لیں کہو نشانات تو ضرور اللہ کے پاس ہیں
تمہیں کسطرح پتہ لگے کہ نشان آنیکے وقت یہ قسمیں کھانیوالے نہیں مانیں گے
ہمارا قانون ہے ہم پلٹ دیتے ہیں۔ انکے دلونکو اور انکی آنکھوں کو کیونکہ انہوں
نے اس سے پہلے نہیں مانا اور ہم انکو انکی سرکشی میں اندھے چھوڑیں گے
اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان پر فرشتوں کو بھی نازل کریں اور مردے بھی ان کو
باتیں کریں۔ اور ہر ایک چیز انکے سامنے اکٹھی کردیں پھر بھی نہ مانیں سوچو کہ جبا للہ

کے مامور کا پہلے سے انکار کر دیتے ہیں وہ خواہ ہمیں بھی کہا لیں کہ ہم ایک ہی
نشان چاہتے ہیں تو پھر ہم مان لیں گے تو ان لوگوں کے حق میں یہ فتویٰ
ہے کہ خواہ سارے ہی نشان دیکھیں کبھی نہ مانیں گے کیونکہ پہلا انکار انکا اسبات
کا سبب کر آئندہ اللہ تعالیٰ انکے دلوں کو اور آنکھوں کو نشانوں سے پھیرے
اور انکو انکی سرکشی میں ہی رکھے۔ الا ان یشاء اللہ۔ پس پہلی آیت میں تکبر نشانوں
سے محروم رکھنے کا سبب ہے دوسری آیت میں مامور کے آتے ہی انکار۔ پس اگر
مولوی ابراہیم صاحب کا اظہار معجزہ سے یہ منشا ہے کہ معجزہ معیار مقبول عامہ ہے
تو یہ منشا انکا نصوص قرآنیہ کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ آیات مذکورہ سے
ظاہر ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ معیار اگر مقبول عامہ ہے تو پھر لوگ استدراج
کے بھی قائل ہیں جیسا کہ دجال کے متعلق پیشگوئی اور معیار چاہیئے جو ظاہر کرے
کہ یہ معجزہ ہے۔ اور یہ استدراج ہے۔ اگر یہ کہو کہ دعویٰ نبوت مع التحدی معجزہ
ہے۔ تو یہ بعینہٖ دجال میں پایا جاتا ہے۔ افسوس کہ مولوی ابراہیم صاحب نے ایسا
معیار پیش کیا ہے جس کیواسطے کسی اور معیار کی ضرورت ہے۔ پھر اگر معیار سے
یہی پتہ لگجاوے تو یہ معجزہ بالکل صحیح ہے۔ اور یہ نشان صادق ہے۔ پھر جو
فتور فی دماغ رکھتا ہے۔ اسکا کیا علاج نشان بین دیکھکر ساحر کہا اور ساحروں کو
دیکھکر یہ کہا کہ یہ تمہارا بڑا ہے تم آپس میں ملے ہوئے ہو کبھی بھلا منکروں نے
یہ مانا بھی ہے کہ کسی نے کبھی معجزہ دکھلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
منکرین بھی کہتے رہے۔ لولا یاتینا بآیۃ من ربہ۔ ہمارے پاس کیوں کوئی
نشان نہیں آتا۔ اگر ہم مرزا صاحب کے یا کسی اور اللہ کے رسول کے بیشمار
معجزے بھی گن جائیں مخالف یہی کہیگا کہ اس میں سحر ہے ٹھگبازی ہے اس میں
کیا شک ہے۔ خلاصہ کلام مولویصاحب نے جو معجزہ معیار صداقت قرار دیا ہے یہ تو

آیت سے ثابت کرسکتے ہیں۔ نہ کوئی ایسی تعریف کرسکے ہیں کہ استدراج سے اسکو الگ کردیں مطلق یہ کہدینا کہ معجزہ معیار ہوتا ہے یہ کیا معنی رکھتا ہے۔

تیسرا معیار مولوی ابراہیم صاحب نے تعلیم حق پیش کیا ہے اسکی بھی تفصیل نہیں کی کہ تعلیم حق سے انکی یہ مراد ہے کہ عام عرف اسکو مانتا ہو یا یہ کہ **قرآن کے وہ مطابق** ہو یا یہ کہ وہ خود **مولت کے خیال کے مطابق** ہو یا کسی اور مولوی صاحب کا قول معیار ہے تعلیم الحق والباطل ہے اگر معیار عرف ہے تو عرف میں کسی ایک فقرہ پر اتفاق نہیں اور اگر قرآن ہے تو کیا یہ معیار جو مولوی صاحب نے بیان کیا ہے صرف مرزا صاحب کے پرکھنے کے لیئے ہے۔ یا سب انبیاء اسی سے پرکھے جاتے ہیں تو پھر قرآن جب منکر قرآن کے سامنے پیش کرو۔ تو پھر کس معیار کے ساتھ وہ پرکھے کہ یہ تعلیم تعلیم حق ہے اور اگر آپکا خیال معیار ہے یا کسی اور مولوی کا تو فیر پر حجت نہیں ما نیا تو قرآن منکر قرآن کے سامنے معیار کے رنگ میں آپ پیش نہیں کرسکتے۔ لیکن احمدیوں کے سامنے تو پیش کرسکتے ہیں کیونکہ یہ تو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اسپر بھی اتنا باقی ہے کہ قرآن معیار آپکے فہم کے مطابق ہوگا یا ہمارے فہم کے مطابق یا اور کوئی ثالث بالخیر ہوگا۔ اسی معیار تعلیم کے متعلق بھی مولوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ قرآن کا یہ دعوےٰ ہے۔ مگر افسوس کہ کوئی آیت نہ پڑھی پس مولوی صاحب کے تینوں معیاروں کا خاکہ ہم نے کھینچکر دکھایا ہے۔ اور یہ بھی دکھایا ہے کہ قرآن شریف میں جو معیار کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے اس کی طرف مولوی صاحب نے توجہ ہی نہیں کی اور جو انکے دوست نے مقدمہ ثنائی میں معیار بیان کئے ہیں وہ فاضل سمجھکر چھوڑ دیئے ہونگے۔ پھر سیالکوٹی نے ان تین معیار کے جو کہ اوپر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ ادھورے اور کچے ہیں حضرت مرزا صاحب کے دعوی کو

پر لکھا ہے۔ پہلے تو معیار ہی کچے تھے۔ پھر پرکھنا بھی نہیں آیا۔ گویا لکڑی کی تلوار لیکر ایک حنث لڈا شیر کو شکار کرنے آیا۔ کہتا ہے کہ چونکہ پہلا معیار اظہار معجزہ تھا تو مرزا صاحب نے کوئی معجزہ نہیں دکھلایا اسلئے پہلے معیار کی رو سے مرزا صاحب صادق نہیں ٹھہر سکتے گویا کہ نہیں دیتا اس نے اپنے آپکو اس قوم کے مثل بنایا جنکا ذکر سورہ ھود میں ہے قالوا یاھود ماجئتنا ببینۃ ومانحن بتارکی الھتنا عن قولک ومانحن لک بمؤمنین اے ہود تو تو ہمارے پاس ایک بھی نشان نہ لایا ہم اپنے معبودوں کو صرف باتوں پر ہی چھوڑ دیں یاد رہے کہ ہم تجھے کبھی نہ مانیں گے مولوی صاحب خدا تعالیٰ ہی پردہ تعصب کو آپکی آنکھوں سے اٹھادے۔ کیا اعجاز المسیح سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھکر تحدی کے ساتھ تم کو عاجز نہیں کیا۔ اگر معجزہ کے معنے عاجز کرنیوالے نشان کے ہیں۔ تو کیا اس نشان سے تمکو عاجز نہیں کیا اگر تم کہو کہ وہ کیا معجزہ ہے ہم ایسا خود کر سکتے تھے تو یہ کہنا تمہارا کوئی اچھا نہیں تمہارے بزرگوں نے تو لو نشاء لقلنا مثل ھذا پہلے سے کہدیا ہے۔ تم رگ واقع میں عاجز ہوئے جس کا انکار کوئی موافق اور مخالف نہیں کرسکتا۔ دو جلد شہادت القرآن اور دیگر رسائل اور اخبار وں کے کئی کالم مرزا صاحب کے مقابلہ پر تمنے سیاہ کئے اور کئی اشتہاروں کو اپنڈول کی سیاہی سے رنگا۔ لیکن جس مقابلہ کے لیئے مرزا صاحب نے تمہیں بلایا اس میں تم کیوں عاجز ہوئے اور کیوں پیٹھ دی؟

جب کہ اعجاز احمدی کے قصیدہ پر دس ہزار روپیہ تمہیں ملتا تھا۔ سیر الخلافہ کے مقابلہ پر تمہیں بلایا گیا۔ حجت اللہ کی نظیر لانے پر تمہیں بلایا گیا اور نور الحق کے نظیر لانیکے لیے تمہارے بھائی مخالف نصاریٰ کو بلایا گیا۔ کرامات الصادقین کے مقابلہ میں تمہیں للکارا گیا علم اور بلاغت کے میدان اور تفسیر قرآن چالیس آیت

بقول انڈرزی کے میدان میں تم لوگوں نے پاؤں بھی نہ رکھا۔ اور اس کی طرف رُخ بھی نہیں کیا۔ تمہارا سارا بارود اس میدان میں گیلا ہو گیا۔ اور بارود کی بجائے سرسوں جھڑنے لگے پھر چار دن کی شفایابی کے لئے دعا کرنے پر تمہیں آمادہ کیا گیا لیکن اس میدان کا بھی تم نے نام نہ لیا کیا یہ معجزے نہیں ہیں نمونہ کے لئے یہ آٹھ معجزے پیش کرتا ہوں جو کہ تحقیق سے نہیں تمہیں عاجز کرنیوالے ہیں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معجزات کا انکار بالکل نہیں کیا۔ بلکہ یہ ان کی عملی کارروائی ہے۔ کہ انہوں نے خود معجزے دکھلائے ہیں جبکو تم خود معجزوں کا انکار سمجھ رہے ہو۔ وہ تمہاری خود نادانی ہے وہ تو مرزا صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ جس طرح تم لوگ معجزات کے قائل ہو اس طرح پر نہیں بلکہ جس طرح ہم قائل ہیں لسول کی کتابوں کو دیکھو کر منقول پر کوئی اخذ نہیں ہوتا۔

دوم معیار تعلیم حق مولوی ابراہیم صاحب نے بیان کیا ہے کہ اس معیار سے بھی مرزا صاحب صادق نہیں ٹھہر سکتے۔ کیونکہ انہوں نے تعلیم باطل کی ہے ایک یہ کہ دعویٰ رسالت کیا ہے۔ اور یہ خاتم النبیین کے خلاف ہے اور بخاری مسلم کی حدیثوں میں آیا ہے کہ جو اپنے آپکو میرے بعد رسول کہیگا وہ دجال ہے اور دجال ہونیکی یہی دلیل ہے۔ دوسری یہ کہ مسیح علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے سے انکار کیا ہے اور یہ مسیح کا صلیب پر چڑھنا مانتے ہیں اور اپنی نبوت کے ثبوت کی دلیل ٹھہراتے ہیں تیسری یہ کہ نزول ملائکہ اور انکے جناح کا انکار کیا ہے۔ تعجب ہے۔ کہ مولوی صاحب نے مسیح کی حیات کا مسئلہ یہاں ذکر نہیں کیا کہ اسکا خلاف بھی تعلیم باطل ہے حالانکہ شہادت القرآن میں یہ بحث نمودیا ہے شاید آج اس سے رجوع کر لیا ہو یا قرآن اور حدیث سے انکے حیات کے لئے کوئی دلیل نہ ملی ہو۔ اب نمبر وار مولوی صاحب کی غلط بیانی کا جواب

دیا جاتا ہے۔ اللہ الموفق والمعین ۔

اول یہ کہ مرزا صاحب نے دعویٰ رسالت کیا ہے اور وہ باطل ہے اور دلیلیں جو بیان کی ہیں اور یزعم انی رسول اللہ۔ دلیل اول کے متعلق اولاً یہ عرض ہے کہ یہ کہاں سے پتہ لگا کہ تمام ہی نبیوں کے خاتم ہیں کیا النبیین کے الف لام سے وہ کہ استغراق کا ہے۔ یہ تو منقوض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے ساتھ ویقتلون النبیین بغیر الحق کیا یہود کی تلوار سارے ہی نبی کے مقابلے میں چلی تھی ثانیاً خاتم یا تو بمعنی اسم فاعل ہے یا بمعنی اسم مفعول۔ اسم فاعل کے رو سے آپکا استدلال ہے یا اسم مفعول کی رُو سے اگر اسم فاعل کی رو سے ہے تو اسکے معنے یہ ہوئے۔ کہ مہر کرنیوالا ہے نبیوں پر یعنی مصدق ہے۔ اگر بمعنے مختوم ہے تو معنی یہ ہوئے کہ مہر کیا ہے اسپر نبیوں نے یعنی انبیاء اس کے مصدق ہیں۔ ثالثاً اسکے معنے آخر کے کرتے ہیں کہ نبیوں کے آخر تو یہ معنی ہی غلط ہیں۔ اس حدیث کی رو سے انا اولھا وعیسیٰ آخرھا ورنہ یا یہ کہتے ہو کہ اسم ظرف مہر کے معنے کرتے ہیں۔ نہ اسم فاعل نہ اسم مفعول نہ بمعنے آخر تو پھر اسکا حمل رسول اللہ صلعم پر کس لحاظ سے آیا ہے آیا تشبیہا تو وجہ شبہ کیا ہے اور غرض کیا ہے یا محل بالمرادات ہے اس آیت سے دعویٰ رسالت کو باطل ٹھہرانا سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آیت کے مولوی صاحب کیا معنے کرتے ہیں اور کس طرح سے دلیل پکڑتے ہیں ایک دعویٰ کرتے ہیں اور ایک آیت پڑھ دیتے ہیں اور یہ نہیں بتاتے کہ اس آیت کا اس دعوے کیساتھ کیا تعلق ہو اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ مسیح زندہ ہے اور دلیل میں ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل پڑھ دے اور دوسری دلیل کے متعلق اولاً یہ عرض ہے کہ اگر رسول اللہ کے بعد جو نبوت کا اثبات اپنے

لے کرے وہ دجال ہے اور اس سے کوئی بھی استثنا نہیں تو مسیح علیہ السلام نازل ہو کر کیا کہیں گے۔ کیا مسلم میں رسول اللہ صلعم کا یہ قول ینزل نبی اللہ عیسیٰ تمہارے نزدیک غلط ہے۔ پس یہ دلیل بھی کسی طور سے صحیح نہیں ہوئی۔ اس سے تمسک پکڑنا غلط ہوا اور ثانیاً حضرت معین الدین اجمیری رح کے متعلق آپ کی غلط فہمی ہے جب انہوں نے یہ کہا

دمبدم روح القدس اندر معین می دمد
من نمی گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

جب مولوی صاحب کی دو نوں دلیلیں جو کہ خلاف دعویٰ رسالت تھیں باطل ہو گئیں تو دعویٰ رسالت ثابت ہوا۔

دوئم یہ کہ مسیح ناصری کے صلیب پر چڑھنے کا قرآن صریح انکار کرتا ہے۔ اور مرزا صاحب مانتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے اثبات دعویٰ کیلئے کوئی آیت نہیں پڑھی جس میں یہ لکھا ہو کہ ما حملوہ علی الصلیب و رفعوہ علیہا اور یقیناً قرآن میں ایسا کہیں نہیں آیا۔ اور نہ مولوی صاحب اب بنا کر قرآن میں ڈال سکتے ہیں شاید کوئی عالم ایسی نادانی نہیں کر سکتا۔ مولوی سیالکوٹی نے اس آیت سے استدلال کیا ہو و ما قتلوہ و ما صلبوہ اور ما صلبوا کے معنے یہ کئے ہوں جو کہ لغت کے بالکل خلاف ہیں نہیں صلیب پر چڑھایا انھوں نے لغت کی رو سے اسکے معنے ہیں۔ ما قتلوہ بالصلیب کہ صلیب کے ساتھ انہوں نے قتل نہیں کیا۔ دیکھو لسان العرب الصلب القتلۃ المعروفۃ یعنے صلیب کے معنے ایک مشہور طرح سے مارنا ہے پھر یہاں چڑھانے کی کوئی نفی نہیں بلکہ ولکن شبہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ صلیب پر مارا تو نہیں گیا۔ لیکن مرے ہوؤں جیسا ہوا۔ پھر کہاں سے ثابت ہوا کہ صلیب پر مسیح کا چڑھنا بعد فوت ہو چکنے کے ہو

باطل ہے شہادۃ القرآن میں سیالکوٹی نے اپنے معنے موہوم کے ثابت کرنے کو
یہ آیت بھی تائیداً پیش کی ہے۔ واذ کففت بنی اسرائیل عنک۔ جس کے معنے
یہ کئے گئے ہیں کہ بنی اسرائیل کو تجھ سے دور ہٹائے رکھا۔ اور تیرے قریب بھی نہ
آنے دیا۔ حالانکہ اس سے بھی انکے مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ اور کففت
اذ جئتھم کیا تہ مقید ہے۔ جس سے دوام نہیں ثابت ہوتا۔ یعنے تیرے آنے
کے وقت انکو تجھ سے روکا۔ اس سے ہمیشگی کہاں ثابت ہوتی ہے وثانیاً رسول
صلعم کے متعلق اور مومنین کے متعلق یہی لفظ بعینہٖ موجود ہیں گو یہ لفظ سیالکوٹی
والے وہاں بالکل نہیں بتے حالانکہ دلیل جمیع مقدماتہ جاری ہے اور عین تخلف
ہے (سورہ فتح رکوع ۳) وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونھا فعجل لکم
ھذہ وکف ایدی الناس عنکم ولتکون آیۃ للمؤمنین۔
اسنے لوگوں کے ہاتھ تم سے ہٹائے رکھے کہ کسی صحابی پر لوگوں کے ہاتھ
نہ چلے۔ لوگوں کے ہاتھوں نے رسول اللہ صلعم کو بھی ایذا سے سلامت نہیں رکھا
سوم یہ کہ نزول ملائکہ اور انکے پروں کا انکار کیا ہے۔ الجواب۔ ملائکہ کے نزول
سے تو انکار نہیں کیا۔ آپکے موہومی اور خیالی نزول کا انکار کیا ہے جس طرح پر
قرآن اور حدیث میں ملائکہ کا نزول تمثیل لکھا ہے وہ مانا ہے۔ آپ کی طرح جسمانی
نزول اور چیلوں اور گدھوں کی طرح پر نہیں مانتے آپکا حال یہودیوں کی طرح جسم
پروری میں ایسا ہو گیا ہے کہ آپکو سوائے عالم جسمانی کے اور کچھ نظر ہی نہیں
آتا اسلئے آپ ہر چیز کو امر جسمانی سے متجاوز نہیں ہونے دیتے آپ ذالے
حضرت ہیں کہ اگر آپکے سامنے یہ حدیث پڑھی جاوے ینزل ربنا تبارک
وتعالی فی اخر کل لیلۃ الی السماء الدنیا۔ یعنی ہر ایک رات میں جبکہ
اسکا ثلث باقی رہتا ہے تو ہمارا رب پہلے آسمان پر اترتا ہے۔ اس کے بھی

آپ یہی معنے کریں گے کہ عرش کو چھوڑ دیتا ہے اور پہلے آسمان پر آ بیٹھتا ہے صبح
ہوتے ہی پھر عرش کو تشریف لیجاتا ہے اگر کوئی مخالف اسلام یہ کہے کہ اگر
کہ زمین کی گولائی کے سبب ثلث لیل تو ہر وقت موجود رہتا ہے تو پھر
باریتعالیٰ ہر وقت پہلے ہی آسمان پہ اترا رہتا ہے۔ پھر رات کے آخری حصے
کے ساتھ اس کے نزول کو کیا تعلق ہوا۔ پھر آپ ایسے سائل کو کافر لعنتی اور آدمی
بائیں بتا کر جاتے گے بیٹھے۔ افسوس! خیر وہ جو کچھ ہوا۔ افسوس یہ بات ہے
کہ آپ نے مرزا صاحب کے نزول ذکریہ کے عقیدہ کو ایسا بگاڑ کر پیش کیا ہے کہ اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ جھوٹ آپ کے نزدیک شیر مادر سے بھی غالباً زیادہ
حلال ہے کیونکہ شیر مادر تو دو سال سے زیادہ پینا جائز نہیں لیکن غیر کذب ساری
عمر بھی آپ چھوڑ نہیں سکتے۔ کیا مرزا صاحب کا قول آپ کو یاد نہیں کہ لیکھرام
کے قتل کی خبر دینے کے لیے میرے پاس فرشتہ آیا جس کے ہاتھ میں چھرا
تھا۔ ابراہیم نے تین معیار وضع کئے تھے جن میں سے تو دو معیار تو مرزا صاحب
پر صادق آ گئے اظہار معجزہ اور تعلیم حق معیار قیصر الصدق وعدہ مولوی صاحب
نے بیان کیا ہے جس معیار کی پوری تنقید تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں قولہٗ ایسے
قادیانی منہاج نبوت کے رو سے ظاہر ہے کہ اس نے جو جو پیشگوئی انذار الہام
سب کی وہ غلط تھی اور ان میں کوئی بھی پوری نہ ہوئی بقول اولیا پیشگوئی
کا سچا نکلنا ضروری ہے قرآن میں بعض الذی یعدکم وعزیزا ہے بعض
الذی نعدھم لکھا ہے پس یہ قول درست نہیں کہ ساری پیشگوئیاں پوری
ہونی ضروری ہیں۔ بلکہ یہ قول قرآن کے خلاف ہے۔ وثانیاً یہ کہنا کہ کوئی
بھی پیشگوئی سچی نہ ہوئی صریح غلط ہے۔ دیکھو میں نمونے کے طور پر پیشگوئیوں کا ذکر
کرتا ہوں جس کو مولوی صاحب نے سیاہ جھوٹ ظاہر کیا ہے۔ اول پیشگوئی تو یہ ہے

ہو کر ایسے وقت میں کہ مرزا صاحب کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس گاؤں کی کوئی ہستی نہ تھی
باہر کیا گاؤں میں بھی کم ہی لوگ جانتے تھے جس زمانہ میں براہین احمدیہ لکھی گئی اسوقت میں
مرزا صاحب کی اور اسد تعالےٰ کے نام سے شائع کی یعنی یاتیک من کل فج عمیق
کہ دور دور سے تیرے پاس تحائف آئینگے۔ ویاتون من کل فج عمیق۔ کہ دور دور
سے لوگ تیرے پاس آئیں گے ولا تصعر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ تیرے
پاس بہت مخلوق آئیگی تم ان سے اپنا پہلو نہ پھیرنا اور ملول نہ ہونا ینصرک اللہ من
عندہ ینصرک رجال نوحی الیہم من السماء یعنے خدا اپنی طرف سے تیری
مدد کریگا۔ تیری وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں میں ہم اپنی طرف سے الہام کرینگے
آئی لو یو۔ آئی شیل گو یو۔ لارج پارٹی آف اسلام۔ یعنی میں تم سے محبت کرتا
ہوں میں تجھ سے ضرور ضرور ایک جماعت اسلام کی عطا کرونگا۔ الامراض
تشاع والنفوس تضاع مرضیں پھیلیں گی جانیں ضائع ہونگی۔ شاتان تذبحان
دو آدمی تمہاری جماعت کے قتل کیے جائیں گے عنایۃ اللہ حافظک اللہ
کی مہربانی تیری حفاظت کریگی وان لم یعصمک الناس یعصمک اللہ من
عندہ۔ اگرچہ لوگ تجھ کو بچانا نہیں چاہیں گے۔ لیکن تیرا خدا تجھ کو بچائیگا۔ فحان
ان تعان وتعرف بین الناس۔ بس قریب ہے کہ تیری مدد کیجائے اور لوگوں میں
تیری شہرت کیجاوے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق
ایدیہم۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کرینگے وہ اللہ سے بیعت کرینگے۔ اللہ کا ہاتھ انکے
اوپر ہے اور اردو میں یہ الہام ہے میں اپنی چمکار دکھاؤنگا اپنی قدرت نمائی سے
تجھکو اٹھاؤنگا۔ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسکو قبول
کریگا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کریگا۔ انی مھین من اراد
اہانتک۔ میں تیری ذلت چاہنے والوں کو ذلیل کرونگا۔ انی احافظ کل من فی الدار

جو لوگ تیری جار دیواری میں ہیں ان کی طاعون سے حفاظت کروں گا۔ اصحاب الصفہ وما ادراك ما اصحاب الصفہ۔ یعنی تیرے ارد گرد نیک لوگ بسیں گے۔ ان سب امور پر غور کرو اور دیکھو کہ کس بیکسی کے زمانہ میں یہ خدا تعالی کے الہام شایع کئے گئے ہیں پھر کیسے پورے ہوئے اب شک وہی کر سکتا ہے جو نصف النہار میں وجود شمس سے انکار کر سکتا ہے۔ اور ایسے آدمی کا وجود شمس سے انکار کر سکتا ہے۔ اور ایسے آدمی وجود دنیا میں محال نہیں۔ سوفسطائی دنیا میں موجود ہیں پھر دیکھو کہ طاعون کے دورے سے پہلے طاعون کی خبر دینی اور خاص خاص مقامات میں اس کے پودوں کا بیان کرنا لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی اور یہ پیشگوئی کہ اعجاز المسیح کے جواب سے کوئی نہیں کھڑا ہو گا کیسی کیسی اپنے وقت میں پوری ہوئیں کوئی ایسا اعتراض ان پیشگوئیوں پر جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر نہ چلتا ہو نہیں ہو سکتا۔

اگر سارا ہی سلسلہ نبیوں کا عام فہم ہوتا اور ہر ایک انسان اس کے سب حقائق کو پہنچ جاتا تو قرآن شریف میں اس آیت کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی ھو الذی انزل علیك الكتاب منه ایات محکمات ھن ام الکتاب و اخر متشابھات فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله۔ یعنی خدا تعالیٰ کی کتاب نازل کردہ کے دو حصے ہیں۔ ایک محکمات دوسری متشابہات کجی والے لوگ متشابہات کے پیچھے پڑیں گے۔ تا کہ لوگوں میں فتنہ ڈالیں اور اسکی تاویل ڈھونڈیں۔ حالانکہ اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔ یہی تمہارا حال ہے کہ جو پیشگوئیاں ایسے کھلے طور پر پوری ہوئی ہیں کہ ان میں شک کی گنجائش نہیں اور معیار جو کہ صحیح ہیں انکی طرف تم نہیں آتے متشابہات اور ادھورے معیاروں کے اوپر گرتے ہو

فی الحال مرزا صاحب نے منہاج نبوت کے معنی پیشگوئیوں کی وقت پر سمجھانے کے بتائے
ہیں ہم بھی اعلان کرتے ہیں کہ کسی نبی کی پیشگوئی اس کے وقت معینہ سے نہیں
ٹلی انتہا۔ قوله: مرزا صاحب نے کس کتاب میں منہاج نبوت کے یہ معنی
فرمائے ہیں کہ منہاج نبوت کو موضوع بنایا ہو اور ابراہیم والے معنے کو بطور
قول شارح کے اسکا محمول بنایا ہو افسوس ہے کہ یہ لوگ مرزا صاحب کو تو مسیح موعود
ایسے نہیں مانتے کہ انکو جھوٹا سمجھتے ہیں لیکن خود جھوٹ سے اتنا پیار کرتے
ہیں کہ گویا انکا یار غمگسار ہے۔ اگر مرزا صاحب سے عداوت انکے جھوٹا ہونے کے
سبب تھی تو خود جھوٹ سے پرہیزگاری چاہیئے تھی۔ یہ بھی نظیر قرآن شریف
سے بھی اور حدیث شریف سے بھی لقوله ادخلوا الارض المقدسة التی کتب
الله لکم۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اے قوم ملک شام میں داخل
ہو جاؤ یہ تو خدا نے تمہارے واسطے لکھدی کیا موسیٰ کے مخاطب اس ارض مقدسہ میں داخل
ہوئے یا وہ اس سے محروم کئے گئے یقیناً وہ اس سے محروم کئے گئے۔ اور وہ
اس میں ہرگز داخل نہیں ہوئے۔ مگر انکی نسلیں داخل ہوئیں جو کہ موسیٰ کے
مخاطب نہ تھے جیسے اس آیت شریف سے ظاہر ہوتا ہے قال فانها محرمة
علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض فلا تاس علی القوم الفاسقین
جب قوم نے ادخلوا کا حکم سنا اور موسیٰ کو گستاخی سے یہ کہا کہ جا تو اور تیرا خدا
لڑے ہم بیٹھے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے وہ زمین ان پر حرام کر دی کہ یہ
اس زمین میں ہلاک ہو جائیں گے ان فاسقوں پر کوئی افسوس نہ کر کیا جو لکھا
کے مخاطب تھے جن کے لیے خدا تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔ کہ وہ ارض شام کے
مالک ہیں وہ اس میں رہیں۔ دوسری نظیر حدیث شریف کی لو۔ قال رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم انا والساعة کہاتین۔ میری وفات اور روز قیامت

دو انگشتوں کی طرح جڑی ہوئی ہیں کیا رسول اللہ صلعم کی وفات کو تیرہ سو برس نہیں ہوا
اگر ہوا ہے تو وقوع قیامت کہاں ہے جیسکو آپ نے مفصل فرمایا۔ (۱) انما بقاؤکم
فی من کان قبلکم من الامم کما بین وقت العصر الی غروب الشمس الخ
کہ تم لوگ بمقابلہ یہود و نصاریٰ کے اتنا رہو گے جتنا کہ عصر اور غروب کے درمیان
کا وقت ہے پھر اس کی تفصیل اس طرح پر فرمائی کہ خدا تعالےٰ نے یہود کو نصف النہار
تک اپنی خدمت میں لگایا۔ پھر نصاریٰ کو ظہر سے عصر تک ان دونوں قوموں کو
ایک ایک مزدوری عطا کی۔ پھر ہمیں عصر سے لیکر مغرب تک لگایا۔
ہمیں دو دو قیراط مزدوری دی۔ ہمارا کام تھوڑا ہے اور مزدوری بہت دی۔
امام محمد نے موطا میں اس حدیث سے تاخیر عصر ثابت کرنیکے لیے دلیل پکڑی
ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر اور عصر کے درمیان
کا وقت لمبا ہوتا ہے بہ نسبت اسوقت کے جو درمیان عصر اور مغرب کے ہے۔
تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا کام تھوڑا اور مزدوری زیادہ ہے صحابیوں کا وقت
صرف چھ سو برس تھا ہمارا وقت اب تیرہ سو برس سے متجاوز ہے چوتھی نظیر
رسول اللہ صلعم نے ایک شب کو نماز عشاء کے بعد فرمایا کہ کوئی بھی جاندار چیز
روئے زمین پر نہیں ہے مگر وہ سو برس کے اندر اندر فنا ہو جائیگی۔ یہ پیشگوئی
بقول علماء مخالفین صریح غلط نکلی ہے۔ کیونکہ وہ دجال جو کہ جزیرہ میں مقید ہے وہ تو
اس صدی میں نہیں مرا۔ بلکہ آجتک مرنیکی کوئی امید نہیں (۵) قال عسیٰ
ربکم ان یہلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض ۔ ترجمہ جب موسیٰ علیہ السلام
سے بنی اسرائیل نے فرعون کی سختیوں کی شکایت کی تو موسیٰ علیہ السلام نے
فرمایا کہ عنقریب تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کریگا۔ اور اسکے بعد تمہیں
اس زمین میں جانشین بنائیگا ۔

کیا ابراہیم یہ بتلا سکتا ہے کہ فرعون کے بعد آجتک بنی اسرائیل ارض مصر کے وارث ہوئے کس قرآنی آیت سے کس دنیا کی تاریخ سے یا وہ اس آیت کے کیا معنی کرتا ہے جب استخلاف کے معنے کلی طور پر جانشین کرنا ہے نظریں اور بھی بہت سی ہیں لیکن ان چار نظیروں پر اسلیئے اکتفا کیا گیا ہے۔ کہ شریعت نے بندے سے بڑی گواہی چار ہی رکھی ہے (باقی آیندہ)

اعلان

یہ چٹھی انجناب سیکرٹری صاحب میموریل فنڈ میں موصول ہوئی جو بعینہٖ ہم یہاں درج کرتے ہیں امید ہے کہ تعلیم کی دلچسپی لیجزرے ایس طرف متوجہ ہونگے۔ (ایڈیٹر)

سر سید میموریل فنڈ دفتر ریلیف فنڈ ایم۔ اے او کالج علیگڑھ

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

حضرت ہم مسلمان ہر روز قرآن کریم میں پڑھتے ہیں کہ خدا کسی قوم کیحالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت آپ نہ بدلے اور خدا وند تعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں اسلامی یونیورسٹی کی جس قدر اشد ضرورت فی زمانا ہندوستان کے مسلمانوں کو ہے وہ ایک عرصہ دراز سے بذریعہ تحریروں تقریروں اخباروں رسالوں اور بالخصوص آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس مسلمانوں کے سامنے پیش کیجاتی ہے اسی ضمن میں بعض شناسان قوم نے سنہ بعنوان فنڈ میں قائم کی تھیں بالخصوص خاص بیگمات صاحب نے اپنی حیثیت پر کچھ الحمد للہ اسمیں کچھ بہت کچھ کامیابی ہوئی اور جو ہی ہو وہ شکر

لیکن جب تک سب کی سب یکجا اسلامی اس قومی کام میں شامل نہ ہو منزل مقصود تک پہنچنا ناممکن ہے اسلیئے سر سید میموریل فنڈ کمیٹی نے بمصداق حافظ علیہ الرحمۃ

مدرسۃ دینی اور دو نوں قسم کی رسید ہمیں ہیں جو حسب مطلوب طلبہ کو طلب قریش اور اس کے ہم نام

عقدہ لاینحل کا حل

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت
وھو علیٰ کل شیء قدیر و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ۔ اما بعد فاعوذ باللہ
من الشیطٰن الرجیم۔ و انہ لکتٰب عزیز لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من
خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ ہزار ہزار شکر رب العالمین کا جو ہر ایک ذرہ
ذرہ کو پیدا کرتا ہے اور پھر تدریجاً ہر ایک کو ترقی دیکر درجہ کمال تک پہنچاتا ہے
اسی نے اپنے خاص فضل سے انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی۔ علمی اخلاقی
اور روحانی ترقیات کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا۔ ایک ایسا دل عطا فرمایا کہ
جس میں محبت الٰہی کا چشمہ مخفی ہے اور جو کہ انوار و برکات الٰہیہ کے نزول کا مقام ہے
پھر اس محبت کے چشمہ کے پھوٹنے اور انوار و برکات کے نزول کے واسطے
ہدایت نامے بھیجے اور نامور مصلح اور کامل نمونے اور کرکے دکھانے والے
استاد بھیجے۔ بالآخر جب دنیا نے جسمانی رنگ میں ترقی کرکے کمال حاصل کیا۔
تو اس کے لئے ایک کامل کتاب ایک کامل اور مقدس مظہر انسان کے ذریعہ
دنیا میں بھیجی۔ نہ کوئی عیب اس پر لگایا جا سکتا ہے۔ نہ ہی کوئی باطل اس کی طرف
منسوب کیا جا سکتا ہے بلکہ ہر ایک ترقی کی راہ ہر ایک سچائی کا راز اس سے وابستہ
ہے۔ کوئی باطل اس کے سامنے ایک لحظہ بھر نہیں ٹھہر سکتا۔ جس طرح آفتاب کے سامنے
تمام تاریکیاں معاً کافور ہو جاتی ہیں۔ کوئی حکمت کوئی خوبی اس سے باہر نہیں کیونکہ

یہ کلام پاک حمید و حکیم کی طرف سے ہے اور اس ذات پاک نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے یہ وہ سورج ہے کہ اس کے سامنے باقی مذاہب کی شمعیں ہیچ ہیں۔

اب دنیا میں روح کی پیاس بجھانیوالی۔ کامیابیوں کے مدارج دکھانیوالی ترقیات کے نقطۂ کمال تک پہنچانیوالی بلکہ منزل مقصود پر پہنچانیوالی الغرض اس محبوب و معبود حقیقی سے ملانیوالی اگر کوئی کتاب ہے۔ تو بس یہی ایک کتاب قرآن مجید فرقان حمید ہے۔ کیونکہ پیشتر کی تمام کتابیں (۱) مختص الزمان (۲) مختص القوم تھیں پھر اس پر یہ مصیبت کہ انکی اصلی صورت نہیں رہی انسانی دسترس نے بہت سی کمی بیشی کر کے مفر نہیں خطرناک بنا دیا ہے کوئی کتاب ایسی ہو کہ اسکو ہر ایک انسان سیکھنے کو جاوے ہی نہیں۔ پھر کامل طور پر سکھانیوالے ہی سرے سے معدوم ہیں۔

غرض اسوقت بجز قرآن کریم کے دستور العمل بننے کے لائق اور کوئی کتاب ہی نہیں مبارک ہیں وہ لوگ جو اس آفتاب کی روشنی کو مستفید ہونے کیلئے اپنے دروازوں کو کھولتے ہیں اور اس کی اتباع کے لئے کامل طور پر کوشاں ہیں دنیا میں بہت سے شپرہ صفت خفاش لوگ ہیں جو خود اس آفتاب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ ہی وہ پسند کرتے ہیں کہ دوسرا کوئی اس سے متمتع ہو کر اپنے منزل مقصود کو پہنچے۔ بلکہ ظلمت اور تاریکی کی غاروں میں پڑے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اس آفتاب صداقت کو خواہ نخواہ برا بھلا کہتے ہیں نہ انکو خوف خدا و عاقبت کا فکر نادانوں کچھ عقل سے کام لو۔ حد تعصب کی تاریکی و ظلمت سے نکلو تا تم اس نور سے بہرہ ور ہو۔ خدا کے خوف کو دلوں میں جگہ دو۔ تاکہ تم کو حق نصیب ہو جس حکیم و حمید نے یہ کتاب پاک نازل فرمائی ہے۔ وہ غیور بھی بیٹھا ہے وہ کہیں گزشتہ شریروں کی طرح تمہارا بھی انجام برا ہو ہر ایک انسان کو انجام کیلئے غیرت ہوتی ہے یہ اس شہنشاہ عالمین کی کلام ہے۔ اس کی

گرفت بہت سخت ہے اسکا عذاب بہت خطرناک ہے دنیا میں ذلیل اور خوار کرتا
اور ناکامی کی موت دیتا ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر آخرۃ میں سخت شدید
عذاب کی وعید ہے پس ڈرو اور پرہیز کرو گستاخیوں اور شوخیوں سے باز آجاؤ۔

ناظرین آپنے دیکھا ہوگا کہ "مسافر آگرہ" نام ایک اخبار آگرہ سے نکلتا ہے
اس کے مضامین مسلمانوں کے دلوں کو بہت دکھ دینے والے ہوتے ہیں بہت
گندہ دہنی سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کی گندہ دہنی اور بیہودگی کو دیکھکر آدمی برداشت
نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجھکو تو اس اخبار اور نیز ایسی ہی طرز کے رسالہ کے
پڑھنے سے سخت نفرت ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۲۲ فروری کے سوال کا جواب
ستمبر میں لکھتا ہوں وہ بھی میرے ایک مکرم معظم دوست نے کہیں ورق گردانی
کرتے دیکھا کہ ایک درخواست ہے جو کہ بظاہر نرمی اور تہذیب سے لکھی گئی ہے اور
علمائے اسلام سے التجا کی ہے کہ ضرور اس بات کا جواب دیویں اسپر مجھکو جواب
دینے کیلئے ارشاد فرمایا۔

ناظرین! ایڈیٹر صاحب نے ایک بہت ہی معمولی سوال کو دانستہ یا نادانستہ
بہت ہی اہم پیچیدہ سمجھکر حتی کہ عقدۂ لاینحل کے عنوان سے پیش کیا ہے اور وہ
یہ ہے کہ "قرآن میں سورہ رعد شریف کے آخیر رکوع میں یہ آیت شریف وارد ہے
ولقد ارسلنا رسلا من قبلك وجعلنا لهم ازواجا و ذرية ۔ ترجمہ۔ البتہ
تحقیق بھیجے ہم نے رسول پہلے تجھ سے اور دیں ہم نے انکو بیبیاں اور اولاد۔
"برعکس اس کے تمام اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و
حضرت یحییٰ علیہ السلام ہر دو مجرد تھے"
"اور دفاتر اسلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر
(دیکھے*) ہر دو صاحب نہ صرف مجرد ہی تھے بلکہ دوسروں کو بھی تعلیم دیتے تھے کہ مجرد رہنا ہی بہتر ہے

* یہ اخبار فی الحال [illegible] کی ضمانت دینے کے باعث بند ہوگیا ہے۔ ایڈیٹر

یعنی حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ کا مجرد رہنا اور مجرد رہنے کی تعلیم دینا مذکورہ بالا آیت شریفہ کے متضاد ہو۔ ایڈیٹر صاحب اس کی تطبیق یا حل جو کچھ چاہتے ہیں۔ معزز ناظرین! میں عرض کر چکا ہوں کہ بہت ہی معمولی بات کو لاینحل بنایا گیا ہے۔ سو اب انشاء اللہ العزیز بفضلہٖ و بعونہٖ اسکو واضح کرتا ہوں۔

اول تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ ہر دو صاحبان مجرد تھے اور یہ اسلامی عقیدہ ہے اور مسلّم امر ہے (بقول ایڈیٹر صاحب) اب تعجب کا مقام ہے کہ اس میں دقت کیا ہے۔ جہاں ایک دفعہ بیان کیا کہ سب نبی صاحب ازواج و اولاد تھے وہاں یہ استثناء کر دی کہ یہ دو نبی مجرد تھے۔ اور یہ عام قاعدہ ہے ہر ایک ملک ہر ایک زبان میں استثناء کا طریق مروج ہے اور قریباً ہر ایک شخص ایسے کلام کرتا ہے جس میں استثناء کو استعمال کرتا ہے پھر اگر قرآن کریم بیان کرے تو کیا تعجب ہے۔ اور کونسی مشکل ہے صرف تعصب کی پٹی آنکھوں پہ ہوتی تو ذرا تامل اسکے سمجھنے میں ہوتا۔

(۲) اس سے بڑھکر تعجب کا مقام ہے کہ سائل نے ہر دو حضرات کے مجرد رہنے اور مجرد رہنے کی تعلیم دینے کا کوئی حوالہ اپنے مضمون میں نہیں دیا۔ کہ فلاں سورۃ شریف میں ہے۔ یا فلاں حدیث صحیح میں درج ہے وغیرہ۔ مزید براں جب خط کے ذریعہ حوالہ طلب کیا گیا تو جواب میں فرماتے ہیں۔

کہ مجھ پر اسی قدر قطعاً ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یحییٰؑ قرآن کریم میں سیدؑ و حصوراً کے لقب سے ملقب فرمائے گئے ہیں اور اسکا مفہوم صرف مجرد سے بچنا ہی ہے۔ اگر آپکو شک ہو تو کسی عالم اسلام سے دریافت فرمائیں کہ آیا حضرت عیسیٰؑ و حضرت یحییٰؑ شادی شدہ تھے یا نہیں مجھ امید ہے کہ کوئی بھی اسکا منکر نہ ہوگا۔ کہ یہ ہر دو صاحب مجرد تھے۔ اور رہا یہ کہ انہوں نے منع بھی

کیا یا نہیں تو اسکا جواب اگر بنظر انصاف دیکھنا چاہو تو قرآن کے مأخذ یعنی **انجیل** سے دیکھ سکتے ہو۔"

معزز ناظرین آپنے دیکھ لیا کہ اول مضمون میں حوالہ نہیں دیا۔ اور فلک بینی پیوں لیا کہ علمائے اسلام سے دیانت کرسکتے ہو آپ دعویٰ ہیں اور مطالبہ کے دعویٰ کا ثبوت مانگتے ہیں اور "قرآن کے مأخذ انجیل سے دیکھو۔"

ہم نے تو کبھی نہیں سنا اور شاید آپنے بھی کبھی نہ سنا ہوگا کہ وفات اسلام سے مراد انجیل ہوتی ہے بھلا اس سے بڑھکر دھوکہ کی مثال اور کیا ہوگی کہ بیچارے کہ وفات اسلام کا لفظ بولکر اس سے مراد انجیل لی جاتی ہے اور اسی کو عین انصاف کہا جاتا ہے بہت معقول۔

اب عرض یہ ہے کہ ساری بنیاد آپکے "عقدہ لاینحل" کی اسی پر قائم تھی کہ ہر دو حضرات مجبور تھے۔ مگر اسکا ثبوت سائل نے نہ دیا۔ اور نہ دیگا اور نہ ہی انشاءاللہ العزیز دے سکیگا۔ لفظ "حصور" سے معترض نے ناحق سہارا لینا چاہا ہے۔ سو بفضل خدا انشاءاللہ تعالیٰ اس کی طرف سے بھی اطمینان ہو جائیگا۔ اب چونکہ یہ بات ہی نہ تھی جسکا کوئی اصل نہیں تو اعتراض ہی کیا رہا۔ اب اس آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں کہ سب نبی صاحب ازواج و اولاد تھے۔ یہ بات علام الغیوب کہتا ہے۔ اور بالکل سچی بات ہو۔ ناظرین کیسی سچی اور آسان بات تھی کہ جس کو کچھ تو نادانی اور کچھ دھوکا دہی سے "عقدہ لاینحل" بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

اب دو باتوں کے متعلق کچھ بیان کرکے مضمون کو انشاءاللہ ختم کرونگا۔

اول قرآن شریف کا مأخذ انجیل۔ دوم لفظ حصور جیسا سائل نے کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔

اگر انجیل کی تعلیم پر واقعی عمل ہو کہ حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ ہوتو

رہنے کی تعلیم دی ہے۔ تو اگر اس سے بڑھکر صریح ظلم کیا ہوگا کہ قرآن شریف تو بڑے زور سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ:۔

رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم کہ رہبانیت (ترک دنیا) کی تعلیم خدائی تعلیم نہیں یہ اُن عیسائیوں نے اپنی طرف سے بنالی ہے ہم نے ہرگز تعلیم نہیں دی کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر دنیا سے منہ پھیر کر جنگل میں الگ تھلگ جا بیٹھو* اور انجیل میں بقول سائل ہردو حضرات . . . . . . سو یہ تعلیم ثابت ہوتی ہے۔ پھر بھی انجیل کو ماخذ ٹھہرانا کیسا ظلم صریح ہے قرآن کیا ہو کہتا ہے کہ مجرد رہنا ٹھیک نہیں اور تم پہلے انبیاء کا نام لیکر جھوٹ بولتے ہو کہ انہوں نے یہ تعلیم دی اور ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآن کا ماخذ انجیل ہے۔ اور اس میں سے ثابت ہو کہ بھی کہ انہوں اہر دو حضرات نے مجرد رہنے کی تعلیم دی پس ثابت ہوا کہ قرآن کی بھی تعلیم یہی ہے۔ بہت عمدہ طرز ہے ماخذ بتانیکی اور جواب دینے کی۔

* حاشیہ:۔ اسلام کے رو سے مجرد رہنا تو نیکی نہیں بلکہ یہ نقص ہے ایک خلاف مضمون کے چند شعر سنانا ہوں

سے کاملاں کز شوق دلبر می روند / یاد و صد بار سے سبکتر می روند

ایں کمال آمد کہ با فرزند و زن / از ہمہ فرزند و زن یکسو شدن

در جہان و از جہان بیروں از ہمہ / بس ہمیں آمد نشان کاملاں

چوں شترے زیر بار افتد بسر / در تہی رفتن سریع و تیز تر

لیک بیں اسپے کہ آید بکار / تا بجا راست ایں روا بار نش ملار

اسپ آں اسپ است کو بار گراں / میکشد ہم میرود بس خوش عناں

کاشکے گر زن بیار و صد ہزار / صد کند کہ صد ہزاراں کار و بار

پس گرافتد در حضور او فتور / نیست آں کامل ز قربت ہست دور

نیست آں کامل نہ مرد زندہ جاں / گر بزور مندی زمردانش مخوان

کل کو یہ بھی کہہ دینا کہ وید میں تناسخ اور نیوگ کی تعلیم ہے اور وید کی رو سے خدا خالق ارواح و مادہ وغیرہ نہیں یا رحیم کریم نہیں وغیرہ اور چونکہ وید ماخذ قرآن ہے پس میں منصف ہو کر یہ کہہ دوں گا کہ تمام مذکورہ باتیں قرآن کی ہی تعلیم ہیں۔ ناظرین نے یہ بھی خیال کیا ہو گا کہ انجیل کو بھی کوئی مقام نہیں بتایا۔ مجھے گمان نہیں بلکہ یقین ہے کہ سائل صاحب کہیں سے یہ حوالہ نہیں دے سکتے کہ حضرت عیسیٰ یا حضرت یحییٰ نے مجرد رہنے کی تعلیم دی ہے۔ ہاں اگر ایڈیٹر صاحب (رسائل) کو معلوم ہے۔ تو ضرور مطلع فرمائیں مگر یہ یاد رکھیں۔ کہ کہیں کسی حواری کی تعلیم کو حضرت عیسیٰ یا حضرت یحییٰ کی تعلیم سمجھ کر پیش نہ کر دیں۔ بلکہ آپ نے خود اس امر کا دینا ہے کہ یہ مرد صاحب مجرد رہنے کی تعلیم دیتے تھے۔

نیز یہ کہ آپ نے ماخذ کو لفظاً بہت جلدی سے کہہ دیا۔ لہذا یہ بھی تحریر کر دیں کہ انجیل کیونکر ماخذ قرآن بن سکتی ہو۔ ذرا ہوش میں آ کر جواب دینا۔ ایسا نہ ہو جس طرح حوالہ کا جواب دیا ہے اسی طرح کا جواب یہ بھی ہو۔ پھر بھی تاکید کرتا ہوں۔

اب لفظ "حصور" کے متعلق بھی کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں سائل نے یا معترض نے حصور کے معنے یا مفہوم "عورتوں سے بچنا" بتائے ہیں۔ جس کا مطلب یہ کہ شادی نہ کرنی اور مجرد رہنا بہت اچھا تھوڑی دیر کے لئے اسی مفہوم مطلب کو صحیح تصور کر لیتا ہوں۔ تو اس کی دو صورتیں ہوئیں (۱) اول یہ کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام مخنث تھے (۲) یا وہ طاقت رجولیت کے ہوتے مجرد رہنا پسند کیا یا مجبوراً مجرد رہے

اب ذرا لفظ "حصور" کے سیاق سباق پر نظر کریں کیونکہ بغیر سیاق سباق کے دیکھنے کے ترجمہ کرنا سخت نادانی ہے۔ سو دیکھو سورہ آل عمران رکوع ۴ کی طرف توجہ دلاتا ہوں جہاں حضرت زکریا دعا کرتے ہیں۔ رب ھب لی

من لدنک ذریۃ طیبۃ انک سمیع الدعاء۔ اے میرے رب عطا کر مجھکو اپنی حضور سے اولاد طیب تو ہی دعا سننے اور قبول کرنیوالا ہے۔

طیب کہتے ہیں پاکیزہ۔ پسندیدہ چیز کو یعنی حضرت زکریا اولاد کے واسطے دعا فرماتے ہیں مگر وہ اولاد کیسی چاہتے ہیں جو پاکیزہ ہو عیب دار نہ ہو نہ جسمانی عیب ہو نہ اخلاقی و روحانی پھر اپنے پسندیدہ بھی ہو۔ اب اللہ جل شانہ نے بھی کیسی قبولیت فرمائی ہے۔ ان اللہ یبشرک بیحیی مصدقاً بکلمۃ من اللہ وسیدا وحصوراً ونبیاً من الصالحین یعنی فرمایا کہ اے زکریا ہم تجھکو خوشی کی خبر سناتے ہیں کہ تم کو ایک لڑکا جسکا نام یحیی عطا کرینگے جو ایک پیشگوئی کا مصدق ہوگا وہ سردار ہوگا۔ وہ حصور ہوگا۔ وہ نبی ہوگا صالحین میں سے۔

اب آپ نے سیاق وسباق کو دیکھا سو قد محل پہچانا کہ حضرت زکریا پاکیزہ و پسندیدہ اولاد کی دعا کرتے ہیں۔ اور اللہ جل شانہ نے قبولیت فرمائی اور بڑی خوشخبری سنائی۔ اب بیلا سائل کے منشے کی پہلی صورت کہ نامرد ہوگا ذرا چسپاں کرکے تو دکھاؤ کیا ناقص الخلقت مخنث کو بے نقص کر سکتے ہیں؟ اور کیا خوشخبری کے ماتحت یہ لفظ بول سکتے ہیں۔ کہ تیرا بیٹا نامرد و ناقص الخلقت ہوگا؟ ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں افسوس یہ لوگ اعتراض کرتے وقت آگا پیچھا نہیں دیکھتے درمیان سے ایک لفظ پکڑ لیا اعتراض کرنا ہے وہ کسی طرح سے ہی کیوں نہ ضرور کردینگے گویا کہ اس کے ماقبل و مابعد کچھ لکھا ہی نہیں۔ اور دوسری صورت کہ باوجود طاقت رجولیت کے اس طاقت سے کام بالکل نہ لیئے تم کو بھی شادی نہ کرینگے اس کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ فطرت انسانی کے خلاف کام کرنا سخت غلطی ہے جب یہ طاقت بقائے نسل کے لیئے ہے اور اسی ... لئے دی گئی ہے۔ تو پھر اس سے کام نہ لینا

جائز طریق سے فطرتِ سلیم کے تقاضا کے خلاف قدم مارنا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جب
ایک طاقت دی ہے تو اس سے کام نہ لینا اس نعمت کا کفران ہے اور گویا یہ ایک فضول
اور لغو کام تھا۔ جو کہ نعوذ باللہ اللہ جل شانہ نے کیا کہ ایک ایسی قوت عطا کی جسکے استعمال کی
قطعاً ضرورت نہ تھی۔ پھر روزانہ تجربہ و مشاہدہ میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہو کہ جب کسی
قوت کا استعمال ترک کیا جاتا ہو تو کچھ عرصہ کے بعد وہ طاقت ایسی مفقود ہو جاتی ہے
گویا کہ تھی ہی نہیں مثلاً بہت سے سادھو وغیرہ ہاتھوں کو اونچا رکھتے ہیں اور ان سے
کسی قسم کی حرکت نہیں کرتے پس وہ کچھ مدت بعد اسی جگہ پر کھڑے کے کھڑے
خشک ہو جاتے ہیں یا اگر کسی مضبوط جفاکش کاشتکار کو یا دوسرے پیشہ ور مثلاً لوہار
بڑھئی وغیرہ کو اس کے اپنے پیشہ سے ہٹا کر بیکار رکھکر عمدہ خوراک پوشاک دیکر
دیئے جائیں تو کچھ عرصہ کے بعد اس کی پہلی قوتیں مضبوطی جفاکشی وغیرہ بالکل مفقود
ہو جائیں گی اس قسم کی بہت سی مثالیں دنیا میں موجود ہیں کہ جس طاقت سے کام نہ
لیا جاوے وہ آہستہ آہستہ مفقود ہو جاتی ہے یہی حال رجولیت کا ہے۔ کہ اگر اس سے
کام نہ لیا جاوے تو کچھ عرصہ کے بعد یہ بھی جواب دے جاتی ہے لہذا اگر حضرت یحییٰ
پیدائشی نامرد نہ تھے تو مجرد رہنے سے کچھ عرصہ بعد بھی اسکا نتیجہ بھی بالآخر یہی ہے کہ نامرد
ہو جائے تو اب پھر وہی سوال ہے کہ وہ بات کس طرح خوشی کا موجب یا خوشخبری ہو
سکتی ہے جبکہ لازمی نتیجہ اولاد کا نامرد ہونا ہے۔ جس کو پیشتر ذکر کر آیا ہوں پھر یہ
کہ ایک انسان اپنے اخلاق میں کمال حاصل نہیں کر سکتا جب تک بیوی بچے نہ ہوں
تو اس لحاظ سے جسمانی نقص تو رہا کنارہ اخلاقی نقص بھی لازم تھا میرا اتنا ہی سوال
ہو کہ کیونکر خوشی کا مقام یا خوشخبری ہو سکتی ہے کہ وہ بیٹا اخلاق میں ناقص ہوگا۔ ہرگز نہیں
اور ہرگز نہیں۔ کسی باپ کے لیے ناقص خلقت یا نامرد یا ناقص اخلاق والا بیٹا خوشخبری
نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی اس خبر سے خوش نہیں ہوگا۔

ایک بات اور بھی ہے کہ نبی یا رسول بطور استاد کے ہوتے ہیں وہ اپنی جماعت کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور اس پر عمل بھی کر کے دکھاتے ہیں کیونکہ صرف تعلیم دینا اور بغیر اس پر عمل کر کے نہ دکھانے سے فائدہ نہیں ہوتا دیکھا ہوگا۔ کہ کئی پنڈت پادری یا عالم لیکچر دیتے ہیں مگر خود ان پر عمل نہیں کرتے تو ان کے ساتھ والے کوئی عمل نمونہ نہیں دیکھ سکتے کیونکہ استاد نے کر کے نہیں دکھایا۔ سائنس کو دیکھو بلکہ دیگر امور دنیا پر نظر ڈال کر دیکھو کہ خود استاد کر کے دکھاتے ہیں۔ تبھی شاگرد سیکھتے ہیں انبیاء کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ تعلیم سکھلائیں۔ مگر اپنا نمونہ دکھا کر پس اگر حضرت یحییٰ کے بیوی بچے نہ تھے اور انہوں نے اپنی قوم کو کوئی نمونہ ہی نہیں دکھایا کہ کس طرح لوگ بیوی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ اور کس طرح اولاد کی تربیت کرنی چاہیئے۔ وہ خود تو بیچارے سوکھی تعلیم سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے تھے بلکہ اس کا نتیجہ لازمی یہی ہوتا کہ وہ لوگ بھی دیکھا دیکھی مجرد رہنا اختیار کرتے البتہ یہ نمونہ ان کے لیے حجت ہوتا مگر قرآن کریم نے اس کا رد کر دیا ہے جیسا کہ پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ مجرد رہنا بدعت ہے کسی رسول کی نہ یہ تعلیم ہے اور نہ کسی رسول کا اس پر عمل ہے اب یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ حصور کے معنے عورتوں سے بچنا کرنے غلط ہیں اور یہ کسی صورت سے صحیح نہیں ٹھہر سکتے۔

ہاں اگر آپ کو اس کا مطلب یا مفہوم سمجھنا تھا تو سورہ مریم کا پہلا رکوع بھی دیکھ لیا ہوتا جس جگہ دعا اور قبولیت یا بشارت ذرا تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ دیکھو حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ جلشانہ نے اپنی **رحمت** کا ذکر فرمایا ہے۔ اس تمام رکوع کو غور سے پڑھو کہ حضرت زکریا علیہ السلام ایک ولی کی درخواست کرتے ہیں کہ جو ان کا اور آل یعقوب کا وارث ہو اور طیبہ ہو لفظ رضیا سے حل کیا اور حصور کو اس طرح سے سمجھا دیا۔ وحنانا من لدنا و زکوۃ وکان تقیا و برا بوالدیہ و لم یکن جبارا عصیا۔

ہم نے اسکو اپنے فضل سے رحم کرنیوالا - مہربانی کرنیوالا بنایا۔ اسکو بزرگی بخش عطا فرمایا۔ وہ ہر ایک بدی سے بچنے والا تہا۔ زمرکار عورت سے بچتا ہو یا کچھ اسکی وہ متقی تہا۔ یہ سب باتیں لوگوں کے دکہانیکے لیے نہیں۔ بلکہ خدا کے خوف وخشیت سے تہیں۔ وہ والدین سے حسن سلوک کرنیوالا تہا۔ سرکشی اور نافرمانی سے بچتا تہا۔

تو حصور کے کیا معنی ہوئے کہ اے زکریا تیرا بیٹا بدیوں کے ارتکاب سے محفوظ ہوگا نیک اور فرمانبردار ہوگا۔ یہ وہ معنی ہیں جو قرآن کریم نے خوبیاں فرما دیکر کیا یہ معنی موقع ومحل کے مطابق اور صحیح ہیں کہ سائل کے (مجرد رہنا)؟

اب بیل کامقصد "وحیل" بفضل خدا نہایت عمدگی سے حل ہو گیا حضرت یحییٰ کی نسبت لفظ حصور کا حوالہ دیا تہا۔ سو اسکو حتی الامکان اچھی طرح سے صاف کر دیا حضرت عیسیٰ کی نسبت کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اسلیئے خود ہی اس کی تردید ہو گئی اب اس علام الغیوب کی کتاب پر جو اعتراض کیا تہا وہ بالکل ردی اور لغو ثابت ہو گیا اور محض ضد اور تعصب کی تاریکی یا نادانی کیوجہ سے پیدا شدہ ثابت ہوا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

یاد رکہیں کہ اس کتاب پاک پر کوئی صحیح اعتراض نہیں آسکتا۔ اور ہرگز نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس کے بہیجنے والا علیم وحکیم خدا ہے۔ اب دوبارہ تاکید سو کہتا ہوں کہ انجیل سو حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کے قول تلاش کریں کہ کہاں انہوں نے مجرد رہنے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی ایک چیز کو کسی دوسری چیز کا ماخذ ٹہرانے کے لیئے کیا کیا شرایط ہیں۔ ذرا سوچ سمجھکر جواب دیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ انجیل قرآن شریف کا ماخذ کس طرح بن سکتی ہے۔

اب میں اس مضمون کو ختم کر چکا ہوں اور سایل کو خیرخواہی کے طور پر کہتا ہوں

کہ اپنی زبان کی اصلاح کرے بلکہ اپنی تمام عادات و اخلاق کی اصلاح کی کوشش کرے وہ باتیں خدا کے خوف و خشیت سے اور اس کی محبت سے پیدا ہوتی ہیں خدا کے خوف کو دل میں جگہ دو اور اس کی عظمت کو نگاہ رکھو لوگوں کو اگر خوش نہیں کرتے اور سکھ نہیں پہنچا سکتے۔ تو کم سے کم دکھ تو نہ دو۔

مقدس رہنماؤں کو برا بھلا کہنے سے اور مقدس کتابوں کی توہین سے زبان کو روک لو۔ مبادا اس دنیا میں کسی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ کیونکہ سنت اللہ یہی چلی آتی ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

(برکت علی احمدی عفا اللہ عنہ)

پنجاب ریویو

یہ ماہوار رسالہ مولوی ظفر علی صاحب بی۔ اے کی زیر ایڈیٹری نکلنا شروع ہوا ہے اس وقت اردو زبان کی ترقی کیلئے رسالہ اور اردو پبلک کی دلچسپی کے لئے عمدہ اور مفید مضامین کی ضرورت تھی اور اس لحاظ سے ہر ایک شخص جو زبان اردو سے دلچسپی رکھتا ہو کسی نئے رسالہ کو دیکھ کر اس کے دعویٰ پر ورسالہ جو بات کہ [illegible] ان میں آجاتا ہو لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے بعد سب امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اور وہ پودہ جس پر آئندہ زمانہ میں تازہ اور شیریں ثمر آنے کی امید تھی پانی سے بھی محروم نظر آتا ہے بڑے بڑے وعدے کئے جاتے اور خوشنما [illegible] نقشہ پیش کئے جاتے ہیں مگر وقت آنے پر وہ وعدے مواعید عرقوب اور وہ نقشہ ایک پیاسے کے لئے سراب ثابت ہوتے اگر ایک ایک رسالہ میں ایک ایک مفید بات ہو کہ جو نفع رساں ہو سکتے ہیں مگر وہاں تو الٹے ایسے سین نظر آتے ہیں کہ پہلی پہلی [illegible]

والوں کو بھی آنکھیں بند کرنی پڑتی ہیں۔ اور اسوجہ سے اکثر رسالہ بجائے ہنسائی بڑھانے کے رسوائی بڑھانیکے باعث ہوجاتے ہیں اور سب وقتیہ ایک ہی سبب ہے جس کر جن کو خدا نے سمجھ دی ہی اور عقل دی ہو اور ہر ساتھ اسکے لکھنے کی لیاقت بخشی ہے وہ اس میدان میں آنے سے گریز کرتے ہیں اور ہندوستان کے رسالہ اڈیٹروں کا اکھاڑا بنے ہوئے ہیں پہلے رسالہ میں بیشک چند لائق آدمیوں کے آرٹیکل ہوتے ہیں مگر دوسرے یا تیسرے نمبر میں ختم ہوجاتا ہے اور سب جوش و خروش دلدہی کے ابال کی طرح بیٹھ جاتا ہے اول تو ہم میں نہ توجہ نہیں کرتے۔ اگر کرے بھی تو اکیلا انسان کیا کرے جب تک نامہ نگاروں کی کثرت اور پوری امداد نامہ نگاروں کی کثرت نہ ہوگی ہندوستانی رسالہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاسکتے خدا نے ہر ایک کام کے لئے الگ الگ آدمی پیدا کئے ہیں۔ جبتک ہر ایک فن کا شائق اپنے علم کی آگاہی ہمکو نہ دے ہم خاک فائدہ اٹھا سکتے ہیں بہت تعجب آیا کرتا ہے جبکہ اردو کے اخباروں میں اکثر چین و جاپان یا ایران و روس یا امریکہ اور روس یا جرمن و فرانس یا آسٹریلیا اور اٹلی یا انگلینڈ اور ایجپٹ کے تعلقات پر بحث ہوتی ہے اور ان آرٹیکلوں کے لکھنے والے اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ملک چھوڑ کر اپنے صوبہ تک کے حالات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اور ان ممالک کی طاقتوں ان کی قومی روایتوں اور انکے پولٹیکل دعووں سے محض جاہل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں کچھ بھی واقفیت رکھنے والا انسان ان اخبارات کو کیونکر پڑھے جو لوگ واقف ہیں وہ خاموش رہیں اور آخر کار خبر شد خبر شد باز نیامد کے مصداق بن رہے ہیں غرض ایسی صورت میں کسی نئے رسالہ کا نکلنا بھی خود ان ملک کے لئے کسی بڑی خوشی کا باعث نہیں ہوسکتا ہاں اگر ایک سال کامل گزر جائے اور پھر بھی اس رسالہ بجائے تنزل کے ترقی ہی نظر آئے تو وہ رسالہ بیشک اس قابل ہے کہ اپنے منہ سے اپنے ایڈیٹر کی تعریف بھی کروائے۔ اور دوسروں سے کروائے یہ جو کچھ لکھا گیا اسکا اصل محرک خود اس رسالہ کی طرف سے (ایڈیٹر)

رسالہ نے اسے انگریزی میگزینوں کی طرز پر چلانیکا ارادہ کیا ہے۔ جو بڑا وقت طلب امر ہے
لیکن بحیثیت کامیابی کے قابل شکریہ بھی ہے پہلے نمبر میں جو مضامین درج کئے گئے ہیں وہ تو کچھ قابل قدر
نہیں ہاں مضامین میں کرسمس پر لیکچر محررہ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے سیکرٹری
مسلم لیگ عربی زبان محررہ مولوی اسلم صاحب جیراجپوری۔ اسلام کی برکتیں محررہ ایڈیٹر
صاحب رسالہ۔ سیرت محررہ کرمی منشی مرزا سلطان احمد صاحب تحصیلدار بہاولپور
یہ چار مضامین عمدہ ہیں اور اگر ان مضامین پر ترقی کا قدم بڑھایا گیا تو امید کامیابی ہے
انشاء اللہ تعالیٰ مگر ان مضامین میں انگریزی زبان کی نسبت میرے خیال میں کسی قدر حد سے
زیادہ فراخدلی سے کام لیا گیا ہے اور جس شخص نے اسلام کو سخت نقصان پہنچانے کی کوشش
کی ہو اسکا ہم ہرگز تیار نہیں کہ اسکا کوئی احسان قبول کریں ایڈیٹر صاحب نے بھی اپنے مضمون
میں ایک عجیب بات لکھی ہے یعنی حضرت مسیح شہید ہوئے بات خود تو کیا چھپنے کی بات ہے۔ لیکن
نقاش کے نقش قدم پر ہو کچھ جب تک نظر آتی نہیں اسکے کیوں خلاف ضرور ہیں بہر حال رسالہ
قابل قدر ہے ہم امید کرتے ہیں .... کہ باستطاعت احباب کی مدد میں کمی نہ
کرینگے مگر ایڈیٹر صاحب کو نامہ نگاران کے پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہئے رسالہ کی
قیمت خاص للعہ ہے اور عام ہے مقام اشاعت کرم آباد ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب سے درخواست
کرنے پر ملسکتا ہے

ویدکے ظہور میں فتور

یہ چھوٹا سا پمفلٹ منشی ظہیر الدین صاحب نے لکھا ہے اور مولوی محمد امین صاحب حکیم دروازہ
دیا سنگھ کے پتہ سے ۲ کی قیمت پر ملسکتا ہے اس مختصر سے رسالہ میں منشی صاحب نے بعض آریہ
عقاید کی عمدگی سے تردید کی ہے اگر مذاق خاص کی طرف منسوب نہ کیا جاوے تو میں نے اس
رسالہ کو پڑھ کر بہت پسند کیا اور امید کرتا ہوں کہ دوسروں کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔ انشاءاللہ
آریوں کی سرکوب کوشش کے مقابل میں اگر مسلمان بھی اس قسم کے رسالوں کو خرید کر تقسیم کریں تو

اور اُس کا صلیب سے بچ رہنا یقینی پس جب ثابت ہوگیا کہ یسوع صلیب سے زندہ اُتر آیا تھا۔ اور مرا نہ تھا تو کفارہ خود باطل ہوگیا۔

کفارہ پر دیگر اعتراضات

جسقدر ثبوت ہمنے کفارہ کے ابطال کے دیئے ہیں اُن سے کافی طور سے ثابت ہوگیا ہے کہ کفارہ کا مسئلہ من گھڑت ہے اور بائبل سے اسکا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ کیونکہ اوّل تو خدا تعالیٰ کی توحید ثابت ہے اور تثلیث بے ثبوت ہے پھر یہ ثابت نہیں کہ ایک سے زیادہ خدا اگر مان لیئے جائیں تو وہ باپ بیٹا ہیں اور پھر اگر باپ بیٹا بھی ہیں تو مسیح ہی وہ بیٹا ہے کیونکہ اگر بیٹا ہونا ضروری ہو تو اور آدمی سرور ہیں کہ جو ہر طرح فضیلت کے یسوع سے زیادہ حقدار ہیں اور اگر یسوع کو بیٹا مان بھی لیا جائے تو یہ ثابت نہیں کہ اسنے خوشی سے صلیب پر لٹکایا جانا پسند بھی کیا تھا تو اسکا صلیب پر مرنا ثابت نہیں بلکہ صلیب سے صاف بچکر کشمیر کی طرف جلا جانا ثابت ہے لیکن اب ہیں کفارہ کے متعلق اور چند اعتراضات پیش کرتا ہوں جن سے کفارہ کے خیال کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ بائبل ہی سے کہ جو کاٹھ یعنے صلیب پر لٹکایا جائیگا وہ لعنتی موت مریگا۔ اور خدا اسے دور ہوگا۔ پس کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص کی نسبت جو خدا کا بیٹا بھی مانا جائے یہ بات کہی جائے کہ ایکوقت اسپر ایسا آیا تھا کہ وہ خدا سے دور ہو گیا تھا کیونکہ خدا سے دور ہونا دل سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جب ایک شخص خدا تعالیٰ سے غافل ہوجائے اور اس سے نفرت کرنے لگے۔ تو کہا جاتا ہے کہ وہ خدا سے دور ہے یا لعنتی ہے پس یسوع کی نسبت کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ کسی وقت اُسے خدا سے نفرت ہو گئی تھی اور وہ اس سے دور ہو گیا تھا حالانکہ جھوٹے نبیوں کی نسبت پیشگوئی تھی کہ وہ تو کاٹھ پر لٹکائے جائیں گے

گمراہوں کی ساتھ ایسا سلوک کبھی نہ ہوگا۔ پس اگر یسوع کاٹھ پر مرگیا تھا تو کفارہ تو کفارہ
خود یسوع کی نبوت تک ثابت نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ کفارہ کو مان کر بھی خدا تعالیٰ کی عدالت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ ظلم کی بات ہے کہ اگر ایک کمزور مخلوق یعنی انسان گناہ کرے تو اسے ابدالآباد کے لئے جہنم میں ڈالا جاتا ہے اور اپنے بیٹے کو باوجود اس کے کہ اُس کے سر پر کروڑوں گناہ ہیں صرف تین دن کے لئے دوزخ میں رکھا جاتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ خدا تھا اور غیر محدود تھا۔ اس لئے اُسے تین دن کی سزا کافی تھی۔ تو اس پر یہ الزام آتا ہے۔ کہ یہ خدا محدود ہو جاتا ہے۔ کیونکہ غیر محدود کو ساتھ محدود کو کوئی نسبت نہیں ہو سکتی اور جب دو چیزوں میں نسبت ہوگی۔ تو وہ ضرور محدود ہونگی۔ کبھی کسی نے حساب میں یہ سوال نہ دیکھا ہوگا کہ اگر کسی محدود چیز کو اسقدر کام کے بدلہ میں اتنا بدلہ دیا جائے۔ تو غیر محدود ہستی کو اپنے ہی کام کے بدلہ میں کتنا دیا جائیگا۔ پس اس صورت میں یسوع کو تین دن کیا ایک سیکنڈ کی بھی سزا نہیں مل سکتی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ گو نسبت تو کوئی نہیں بنتی مگر جس حساب سے سزا دی گئی تھی تو یہ ظلم ہے کہ یسوع کو تین دن تک سزا کا ملنا ممکن ہی نہیں اگر ممکن ہو تبھی تو ظلم ہوا

سوم یہ کہ یسوع کو جو تین دن تک دوزخ کی سزا ملی تو یہ خدا بیٹے کو سزا ملی تھی یا یسوع انسان کو۔ اگر بیٹے کو سزا ملی تھی تو خدا میں تقسیم لازم آتی ہے۔ یعنی اگر تین خدا نہیں تو ان دونوں میں ٹکڑے ہو گئے تھے اور اگر ایک نہیں تو اسکا کچھ حصہ رہ گیا تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ وہ سزا یسوع انسان کو ملی تھی تو پھر وہی اعتراض پڑتا ہے کہ اس صورت میں اسے صرف تین دن کی سزا دینا مسیحیوں کے اعتقاد کے مطابق ظلم تھا۔ اور دوسرے ایک دھوکہ تھا کیونکہ جب واقعہ میں خدا بیٹا خدا باپ کے پاس موجود تھا۔ تو پھر اس نے ایک خاک کا پتلا بنا کر اسکا نام اپنا بیٹا

رکھدیا اور اُسے صلیب دیکر اپنے عدل کو قایم رکھنے کی کوشش کی۔ یہ صیح دیکھو
چہارم کفارہ کا عقیدہ خلاف عقل ہے کیونکہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ زید کے
پیٹ میں درد ہو اور عمر اپنی پسلی میں چھری مار لے۔ اور زید اچھا ہو جائے۔

پنجم اگر کفارہ سچا ہے تو پہلے نبیوں کا کیا حشر ہوگا کہ جو توحید کے قائل تھے
اور انہیں المسیح کے کفارہ پر ایمان لانیکا موقعہ نہیں ملا اگر وہ کفارہ پر ایمان لائے
بغیر نجات پا سکتے تھے تو ہم کیوں نہیں پا سکتے اور کیا نئی ضرورت پیدا ہوئی تھی
کہ یسوع کو صلیب پر لٹکانا پڑا۔ پہلے نبی بڑے زور سے توحید باری کے قائل تھے
پس وہ کفارہ کے قائل کس طرح ہو سکتے تھے اور حضرت یوسف سے جب اُنکے
بھائیوں نے کہا کہ بنیامین کے بدلے میں انکو قید کرے تو اس نے انکار کیا اور
کہا کہ یہ تو ظلم ہے اگر کفارہ درست تھا تو انہوں نے کیوں نہ بدلہ منظور کر لیا۔

ششم۔ اسوقت کی مسیحی سلطنتیں کیوں کفارہ پر عمل کر کے ایک کے بدلے میں دوسرے
آدمی کو پھانسی نہیں دیدیتیں کیونکہ اگر وہ اس کو جائز رکھیں تو ہزاروں آدمی پیسہ کے
زور سے اپنے قائم مقام دیدیں اور خود کو سزا سے بچالیں۔

ہفتم۔ کیا وجہ ہے کہ مسیحی گورنمنٹیں مسیحیوں کو سزا دیتی ہیں کیونکہ جب ان کے
گناہ معاف ہو چکے ہیں تو اب وہ جو چاہیں کریں انپر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر
باوجود کفارہ پر ایمان لانے کے انسان کے لیے گناہوں سے بچنا لازمی ہے
تو کفارہ کا فائدہ کیا ہوا پھر تو کفارہ بالکل بے سود ہے اور دوسرے کفارہ کے
مسئلہ کی ضرورت تو تب پڑی جبکہ مان لیا گیا کہ انسان گناہوں سے نہیں
بچ سکتا اسلئے اس کی نجات کے لیے یسوع صلیب پر لٹکایا گیا۔ پس اگر
کفارہ کیساتھ نیک اعمال کی شرط لگی ہوئی ہے تو نجات محال ہے کیونکہ مسیحی
عقیدہ کے رو سے انسان گناہوں سے بچ ہی نہیں سکتا۔ پس جب انسان نے

ضرور گناہ کرتے ہیں اور کفارہ نے اسوقت تک کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جب تک
اعمال نیک نہ ہوں تو نجات ناممکن ہوگئی اور اگر کہا جائے کہ کفارہ پر ایمان لانے سے
کلی معاف ہوجاتے ہیں تو پھر مسیحی مجرم کو سزا دینا ناجائز ہوا۔ بلکہ اگر وہ گندہ سو
گندہ فعل ہی کرے تو اسے تسلی دینی چاہیئے کہ تو نے بہت عمدہ کیا تیرے سب
گناہ یسوع نے اٹھائے ہیں تو اب ناجی ہے اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ جب انسان
کفارہ پر ایمان لاتا ہو تو وہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے تو یہ بالکل جھوٹ ہے
کیونکہ مسیحی ممالک کے حالات اظہر من الشمس ہیں۔ اور یوروپین تہذیب کے
واقف خوب جانتے ہیں۔ دوسرے بفرض محال اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ
مسیحیوں نے کبھی گناہ نہیں کیا تو یہ اعتراض پڑتا ہے کہ جب مسیحی گناہ کرتے ہی
نہیں تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مسیح نے ہمارے گناہ اٹھا لیے جب گناہ ہی
نہ ہوتے تو پھر اٹھایا کیا۔

غرض کہ کوئی پہلو ہی لیلو کفارہ کا مسئلہ غلط ہی ثابت ہوتا اور عقل سے
باور نہیں بلکہ اس کے خلاف ہے۔ پس جو طریق کہ مسیحی مذہب نے گناہوں سے
نجات حاصل کرنیکا بتایا ہے۔ بالکل باطل اور بیہودہ ہے اور کوئی ذی عقل
اس طریق سے اپنے گناہوں کی معافی کا امیدوار نہیں ہوسکتا۔

بقیہ رسیدات زر ماہ فروری سنہ ۱۹۱۰

حکیم نور محمد صاحب عہ	محمد ابراہیم صاحب عہ	بابو محمد اسمٰعیل صاحب عہ
شیخ فتح الدین صاحب عہ	میاں عنایت اللہ صاحب عہ	چوہدری مرزا خان صاحب ذیلدار عہ
میاں حیات محمد صاحب عہ	ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب عہ	چوہدری حکم الدین صاحب عہ
میاں نبی بخش صاحب عہ	میاں رحمت اللہ صاحب عہ	منشی سلطان عالم خان صاحب عہ
ملک غلام محمد صاحب عہ	مرزا امیر اللہ صاحب عہ	ماسٹر قمر الدین صاحب عہ
نواب خان صاحب عہ	محمد رمضان صاحب عہ	میاں اسد اللہ صاحب عہ
منشی دولت خان صاحب عہ	سید ولایت صاحب عہ	میاں دین محمد صاحب عہ
حکیم محمد اکرم صاحب عہ	بابو برکت علی صاحب عہ	بابو عطا محمد صاحب عہ
محمد وزیر خان صاحب عہ	میاں محمد ابراہیم صاحب عہ	منشی غلام محمد صاحب عہ
شیخ محمد حسین صاحب عہ	منشی نواب خان صاحب عہ	بابو محمد ولایت خان صاحب عہ
پیشوا منشی اکمل صاحب عہ	میاں صدر الدین صاحب عہ	سید صادق حسین صاحب عہ
میاں جلال الدین صاحب عہ	میاں مسعود احمد صاحب عہ	چوہدری گوہر علی صاحب عہ
بابو روشن الدین صاحب عہ	بابو برکت علی صاحب عہ	منشی امیر الدین صاحب عہ
شیخ نیاز محمد صاحب عہ	میاں رحمت اللہ صاحب عہ	ڈاکٹر رحیم بخش صاحب عہ
عبد اللہ صاحب عہ	میاں محمد کریم الدین صاحب عہ	میاں عبد العزیز صاحب عہ
مرزا سلطان احمد صاحب عہ	حاجی امیر الدین صاحب عہ	میاں محمد افضل صاحب عہ
میاں غلام رسول صاحب عہ	ملک اللہ داد خان صاحب عہ	منشی غلام حیدر صاحب عہ
قاضی بدر الدین صاحب عہ	بابو غلام الٰہی صاحب عہ	منشی ظہور احمد صاحب عہ
ماسٹر غلام محمد صاحب عہ	بی بی غلام علی صاحب عہ	منشی محمد حسین صاحب عہ
حکیم محمد قاسم صاحب عہ	چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب عہ	میاں بشیر احمد صاحب عہ

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۶۳

ڈاکٹر برمن کا بنایا ہوا

اصلی عرق کافور

اکیس سال سے تمام ہندوستان میں جاری ہے

ڈاکٹر، بید، اور حکیم سبھی یہ مانتے ہیں کہ ہیضہ کی بیماری میں ہیضہ کے شروع ہوتے ہی عرق کافور پلانے سے یہ اپنا فائدہ دکھاتا ہے۔ دست قے تھوڑی ہی دیر میں بند ہو جاتی ہے۔ جگر کی رنجش مٹ جاتی ہے ہاتھ پیروں میں گرمی آتی ہے۔ اور مریض کو نیند آ جاتی ہے۔ کلوروڈائن وغیرہ کی قسم ہیضہ کی دوسری دوائیوں کے مانند جنہیں افیون ملی ہوتی ہے۔ اس عرق کا اثر کبھی خراب نہیں ہوتا۔ ہیضہ کو بند کر دینے والی دوا سوائے عرق کافور کے دوسری نہیں ہے۔ کسی مقام میں ہیضہ پھیلا ہو تو روزانہ دو تین قطروں کا استعمال کرو تو پھر اس بیماری کے ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ یہ ہیضہ کے زہر کو بیکار کر دیتا ہے۔ وقت پر ہیضہ سے بچنے کیلئے خاص عرق کافور ہی ہے۔ اگر یہ عرق ہیضہ شروع ہوتے ہی دیا جاوے تو سو میں نوے آدمیوں کی جان بچ جاتی ہے۔ ہیضہ میں یہ ایک خصوصیت ہے کہ وہ پردیس میں رات کے پچھلے پہر … اس لئے دوا کا دستیاب ہونا غیر ممکن ہوتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کو خاصکر مسافروں کو یہ لازم ہے۔ کہ وہ عرق کافور کی ایک شیشی ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھیں۔

ہیضہ کے سوائے گرمی کے دست پیٹ کے درد اور بدہضمی میں بھی عرق کافور بہت مفید ہوتا ہے۔ نقلی عرقوں سے بچو۔ ڈاکٹر ایس کے برمن کا اصل عرق کافور ہمیشہ شیشی میں بھر کر چھپے کاغذ کے بکس میں بند رہتا ہے۔ اور ان بکسوں پر ٹریڈ مارک چھپا رہتا ہے۔

قیمت فی شیشی چار آنہ محصول ڈاک ایک سے چار شیشی تک کیواسطے (۵)

المشتہر

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن نمبر ۶۲ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

باہتمام منشی مظفر الدین اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپا۔

نمبر ۱۰ — یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے — جلد

[illegible]

ایڈیٹر

صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ عوام سے عہ اور طلباء سے [illegible] اور غیر ممالک والوں سے [illegible]

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ اکتوبر — مطابق ماہ شوال

فہرست مضامین

باہتمام چوہدری عبد السلام صاحب مینیجر [illegible] قادیان [illegible] شائع ہوا

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان جو کہ شائع ہو رہا ہے اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نورالدین صاحب مدظلہ العالی کے مجوزہ نسخہ کے موافق تیار کیا جاتا ہے اور اصلی ممیرا جس کو خود حضرت نے اصلی ممیرا ہونیکی تصدیق کی اس میں ڈالا جاتا ہے حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ یہ امراض چشم کیلئے مفید ہے اس شہادت کے بعد ہمکو کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی لائق آدمی کا ادنیٰ طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی [illegible] کہا جائز [illegible] اسکے مفید ہونے کی شہادت دینا ہے۔ یہ سرمہ دھند جالا پھولا پڑوال [illegible] اور سرخی ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کے لیے بہت مفید ہے قیمت سرمہ قسم اول فی تولہ [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible] اصلی ممیرا قسم اول [illegible] دوم [illegible] ترکیب استعمال۔ یہ ممیرا [illegible] آنکھوں میں [illegible] یہ سرمہ [illegible] گرمی وغیرہ کے موسم میں جو بیماریاں ہوتی ہیں بہت مفید ہے۔

ست سلاجیت

[illegible]

مقوی جمیع اعضا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] بہت مفید ہے [illegible] استعمال [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں [illegible] اور [illegible] اور پشاوری ٹوپیاں [illegible] ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں۔

المشتہر۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

تشحیذ الاذہان کا آئندہ رنگ

تشحیذ الاذہان کو جاری کئے ہوئے پانچواں سال ہو رہا ہے پانچویں سال کا بھی یہ دوسرا نمبر ہے۔ تشحیذ کے اجرا کی غرض نوجوان مسلمانوں میں مذہبی مذاق پیدا کرنا اور ان میں اسلام اور اہل اسلام کی علمی **خدمتگذاری** کا سچا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ پانچ سال کے اندر تشحیذ اپنے اس مقصد میں محض اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم سے جس حد تک کامیاب ہوا ہے۔ وہ اسکے شاندار ہونے کا حوصلہ افزا ثبوت ہے۔

تشحیذ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری قاعدہ رکھا گیا تھا کہ تشحیذ میں ممبران انجمن تشحیذ مضامین لکھا کریں اس وقت تک بعض نے اس طرف توجہ کی اور اکثر نے کسی وجہ سے غفلت جو افسوسناک امر ہے

سلسلہ کے نوجوانوں کا یہ اپنا رسالہ ہے اسکے متعلق انکے دو فرض ہیں اول رسالہ کو دلچسپ اور مفید بنانے میں وہ عملی حصہ لیں دوم اسکی اشاعت کے لئے دوسروں کو توجہ دلائیں۔

اس سہو میں ہر ممبر انجمن تشحیذ الاذہان نے جو کام کیا ہے وہ بجائے خود اس پر غور کرے

اور اگر اپنا فرض ادا نہیں کیا تو **تلافی مافات کرے۔**

اسکے بعد اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تشحیذ الاذہان کی **مجلس ناظم** اسے آئندہ زیادہ مفید بنانے کیلئے ہر طرح کوشش کر رہی ہے اور آئندہ وہ تجویز اس کے سامنے ہو کہ ممبران انجمن کو مضامین حاصل کرنیکی پوری کوشش کیجائے انجمن کی غرض … نوجوانان قوم میں علمی اور عملی مذاق پیدا کرنیکے اصل پر مبنی ہے۔

اسلئے ممبران انجمن کو مناسب ہے کہ وہ اپنے اس **فرض** کو شناخت کریں رسالہ کی ترتیب کے متعلق آئندہ خاص تبدیلیوں کی ضرورت محسوس کیجا رہی ہے اور اس مقصد کے لئے اسکے حجم میں اضافہ کرنیکا خیال بھی مدنظر ہے۔ رسالہ کی ترتیب میں جو تبدیلی ہوگی اسکی کسیقدر **جھلک** ناظرین اس نمبر میں مشاہدہ کرینگے۔ اور اسی پر وہ اسکے آئندہ اسے رنگ کو قیاس کر سکینگے۔

خدا کے فضل پر بھروسہ کرکے ایسی کوشش جاری ہو کہ رسالہ کے مضامین ایسے ہوں جو مختلف مذاق کا نمونہ ہوں مسلسل مضمون **حضرت صاحبزادہ** صاحب کا جو مسئلہ **نجات** پر جاری ہے۔ اسکے متعلق بھی غور کیا جا رہا ہے کہ وہ الگ کتاب کی صورت میں شایع کر دیا جاوے یا اسے اسی طرح جاری رکھا جاوے۔ اسکے متعلق ناظرین رسالہ کی رائے کا انتظار ہوگا۔ بہر حال یہ رسالہ ان تبدیلیوں کا نمونہ ہے جو آئندہ ملحوظ ہیں۔ رسالہ کے حجم میں بھی کسی قدر اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں رسالہ کی دلچسپی کے لئے اختیار کی گئی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اللہ ہی کے فضل سے ہوگا۔ وباللہ التوفیق

مختصر نوٹ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ؕ لاریب اللہ متقین کیساتھ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ لاریب اللہ محسنوں کیساتھ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ؕ لاریب اللہ صابرین کے ساتھ ہو یعنی اللہ مومنین محسنین صابرین کا رفیق غمگسار اور یار وفادار بنجاتا ہو ہر حال قال میں انکے ساتھ رہتا شریروں کی شرارت اور نفس کی خباثت سے انکو بچاتا دکھ اور درد کیوقت میں اطمینان دیکر غم غلط کرتا اور ہر غلطی اور خطا کیوقت انکو طرح طرح سے آگاہ کر دیتا اور انکو اخلاقی اور روحانی معاملات میں عجیب استقامت ہمت اور شجاعت عطا فرماتا ہو الغرض جب اللہ ساتھ ہے تو سمجھ لو کر کیا کچھ اس کے ہاتھ ہے۔ اس لیے کہو

خدا داری چہ غم داری؟

تقویٰ کے معنے ہیں خوف الٰہی کا طالب ہونا اور اسی سے ڈرکر اسکی رضا کے موافق عمل کرنا۔ نہ تکبر رعونت اور خود نمائی کے طریقوں کے مطابق نہ دنیاداری رسم پرستی اور ہوا و ہوس یا کسی شہوت کے مطابق غرض ہر حال اور قال میں اللہ ہی کی رضا کا طالب ہونا اور اسی سے ڈرتے رہنا اور حق پر استقامت رکھنا یہ تقویٰ عجیب نور ہے اور اسی پر تمام ترک دنیا و ترک شہوات منحصر ہے اور یہی تمام نیک اعمال اور خدا پرستی کی بنیاد ہے۔ پس جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی خلاصی کا راستہ خود پیدا کردیتا ہے یعنی اگر کسی وقت حق گوئی اور خدا ترسی کی وجہ سے شریر لوگ اسکے دشمن بنکر اسکو تکلیف دینا اور ذلیل و خوار کرنا چاہیں تو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ خود بخود خلاصی کی صورتیں پیدا کردیتا ہے اور اسکی مشکل اور وبال بنکر نئے نئے طریق سو

اسکو رزق پہنچاتا ہے یعنی گر دنیا پرست اور بد معاش لوگ اس کو رزق سے تنگ کرنا چاہیں اور جو جو ظاہرا صورتیں اسکے معاش کی ہوں اسکو بند کردیں تو اللہ تعالیٰ خود کسی نئے طرق سے رزق پہنچانا شروع کردیتا ہے؛

یہ تو تقویٰ کے نتائج ہیں مختصر الفاظ میں سب۔ تقویٰ نام ہے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کا

محسن کے معنے ہیں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والا یا اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اپنے آپکو یقین کرنیوالا۔ پہلا حصہ تو اعلیٰ درجہ کا ایمان اور معرفت سے پیدا ہوتا ہے اور دوسرا حصہ ادنیٰ درجہ کا ہے۔ یہ ایمان بھی اگر انسان کے اندر پیدا ہوجائے۔ تو وہ گناہوں سے بچ سکتا ہے بلکہ بچ جاتا ہے اور پھر ترقی کرتے کرتے وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتا ہے۔

محسن کے معنے قرآن کریم میں ایک جگہ پر یوں بتائے ہیں بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن۔ یعنی محسن وہ ہوتا ہے جو اعتقادی اور عملی رنگ میں خدا ہی کا ہو جاوے محسن اور مسلم کو ہم بلحاظ مفہوم مترادف کہہ سکتے ہیں اور اس طرح اسکے معنے ہونگے کہ محسن وہ ہوتا ہے جو اپنے وجود کو ایسی شے سمجھے کہ جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اسکے عشق و محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنیکے لیے بنائی گئی ہے اور عملی طور پر تمام نیکیاں بجا لاوے مگر ایسے ذوق و شوق اور حضور سے گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں وہ اپنے محبوب حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔ یہ ہے حقیقت احسان کی۔

صبر کے معنے ہیں تلخ و رالت عزیمیہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلقات کو مضبوط رکھنا اور بلاؤں اور مصائب میں رضا بالقضا کا عملی نمونہ دکھانا۔ ایسا ہی نیکیوں پر

استقلال اور ثبات قدم کو کبھی ہاتھ سے نہ دیں۔ ابتلاؤں سے توبہ کرکے اپنی ثابت قدم رہنا ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت کا جو طرز ہوتا ہے اسکا ذکر اسی آیت میں ہے علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ واولٰئک ھم المھتدون یعنی اور صابرین کی بھی حالت اس طرح بتائی ہے کہ مصائب کے وقت رضا بالقضا کا یوں ثبوت دیتے ہیں قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون یعنی جب انکی یہ حالت ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص فیوض اور التفاتات اور رحمت کے مورد بن جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رہبری اور ہدایت ان کے شامل حال ہو جاتی ہے:

حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی نے ایمان کے حصول کے پانچ ذرائع بتلائے ہیں جو جواہر خمسہ ہیں۔

اول۔ صبر کرے صبر کے معنے ہیں مصائب کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرے۔ شہوت کے مقابلہ میں عفت عقت ہے۔ مقابلہ میں حلم مصائب کے مقابلہ میں حکمت غرض ہر بدی کو ترک کرنا اور ہر نیکی کو لیکر اس پر ثبت رہنا:

دوم اگر کسی بدی کا موقعہ آیا ہے تو اس بدی کو کسی احسن تدبیر سے ہٹا دینا اور اس بدی اور اس کے شر سے بچ جانا!

سوم جو کچھ خدا تعالیٰ نے دیا ہوا ہے اس سے خواہ جسمانی طاقت ہو خواہ مال کی طاقت ہو آنکھ سے ہو کے زبان سے ہو کے قلم سے ہو غرض جس طرح بن پڑے اور جس چیز کی ضرورت ہو خرچ کرے مگر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیواسطے

چہارم وہ افعال و اقوال جن سے حق اللہ اور حق العباد کا کوئی حصہ نہیں نکلتا انکو ترک کر دیں اسکا نام اعراض عن اللغو ہے:

پنجم۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور خود بھی عمل ہونا۔

حقایق القرآن

{آیندہ کیلئے سہولت تجویز ہے کہ اگر کوئی دوست واقف ہو اور اللہ تعالیٰ کی توفیق رفیق حال ہو تو اس عنوان کے نیچے قرآن مجید کی کسی ایک آیت کی تفسیر صفحہ کا ہو تو بہتر}

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

یعنی آج ہم نے قرآن کریم کے نزول سے جو تئیس برس سے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کر لیا۔ یہ آیت قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے روشن دلائل میں سے ایک زبردست دلیل ہے اور نہ صرف آپ کی نبوت کی بلکہ آپ **ختم نبوت** اور قرآن کریم کے خاتم الکتب ہونے کی بھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کو قرآن مجید نے دو بڑے حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ اول یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تشریف فرما ہوئے جبکہ دنیا کے تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ اور ہر قسم کی بدیاں اور بدکاریاں دنیا میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اہل عالم روحانی طور پر مر چکے تھے۔ اس امر کو قرآن مجید نے کہیں ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے رنگ میں بیان کیا ہے۔ اور کہیں كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ کہکر عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ غرض اول یہ ثابت کیا ہے کہ فی الواقعہ دنیا کی حالت بگڑ چکی تھی اور بالطبع زمانہ تقاضا کرتا تھا۔ کہ کوئی عظیم الشان مصلح ربانی آکر اور اس بگڑی ہوئی حالت کو درست کرے۔ اسی لیے دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ

دوسرا پہلو آپ کی رسالت ونبوت کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت دنیا سے **رفیق اعلیٰ** کی طرف بلائے گئے جبکہ پورے طور پر اس مقصد کی تکمیل ہوگئی۔ اسی پہلو کا ذکر اس آیت میں ہے جو اوپر بیان درج کی گئی ہے۔ اس آیت میں پہلا **نکتہ معرفت** تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مقام پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کیا ہے کیونکہ اوّلاً بالذات وہی مخاطب تھے۔ کہ میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تمہاری نعمت کو پورا کیا اس میں یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آج قرآن کریم کو کامل کیا اس میں حکمت یہ ہے کہ تا ظاہر ہو کہ صرف قرآن کریم کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ انکی تکمیل بھی ہوگئی جنکو قرآن کریم پہنچایا گیا۔ اور رسالت کی غرض غائی **کمال** تک پہنچ گئی

اس آیت کی **تصدیق** اور **تائید** قرآن مجید کی ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں صحابہ کرام کے متعلق فرمایا ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اور یہاں فرمایا **رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا** پہلی آیت میں تو یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام کی تکمیل اور تزکیہ نفس ایسے مقام پر پہنچ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ رضا **بالقضاء** کا عملی نمونہ تھے انسان کی روحانی تکمیل بجز ان دو صورتوں کے ممکن ہی نہیں جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بھی راضی نہ ہو جائے۔ اور اس کے قلب کے کسی گوشہ میں کوئی شکوہ یا شکایت جناب باری سے نہ ہو انسان پر مختلف قسم کے ابتلاء اور مشکلات آتے ہیں انہیں ثابت قدم رہنا اور راضی برضا رہنا آسان امر نہیں ہوتا مگر صحابہ کرام یہ تمام شرطیں طے کر چکے تھے۔ اور یہ ایک اور ثبوت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی **صداقت** کا کیونکہ قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی آپ تزکیہ نفس فرماتے ہیں۔ اور ایک مزکی ہیں۔ یہ آپ کی نبوت کا **عملی ثبوت** ہے:

غرض یہ آیت جو اوپر لکھی گئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی کامل دلیل ہے کیونکہ آپ نے کوچ نہیں کیا جب تک دین اسلام کو تنزیل **قرآن** اور تکمیل حسن سے کامل نہ کر لیا۔ اور یہی ایک خاص علامت منجانب اللہ ہونے کی ہے۔ کہ جو **کاذب** ہرگز نہیں دیجاتی۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس قسم کا **کامل نشان** کسی نے بھی نہیں دکھایا کہ ایک طرف کتاب اللہ بھی اکمل اور احسن کیساتھ پوری ہو جاوے اور دوسری طرف تکمیل **نفوس** بھی ہو جاوے اور ہمہ کفر کو ہر ایک پہلو سے **فتح** [illegible] تائید قرآن مجید کی دوسری آیات سے ہوتی ہے جن میں سے ایک یہ ہے۔

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

یعنی حق آگیا اور باطل اپنی ذریتوں کو لیکر بھاگ گیا۔ اور باطل بھاگنے والا ہی تھا۔

پھر دوسرا **نکتہ معرفت** یہ ہے کہ اس آیت میں آنحضرت کی دو **تجلیوں** کا ذکر ہے یعنی تکمیل دو قسم کی ہوگی ایک **تکمیل ہدایت** دوم تکمیل **اشاعت ہدایت**۔

تکمیل ہدایت کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تجلی کا تھا۔ اور تکمیل اشاعت ہدایت کے لیے اللہ تعالی نے وہ زمانہ مقدر کیا تھا۔ جو احادیث صحیحہ میں مہدی کے زمانے سے موسوم ہوا۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مہدی میرے نام پر آئیگا۔ اس میں سر یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ آخری **تجلی** ہوگی اور اسی کا ذکر سورہ جمعہ کی اس آیت میں ہے۔ **واخرين منهم لما يلحقوا بهم**

اس زمانہ میں **تکمیل اشاعت ہدایت** کے تمام سامان پورے ہو گئے ہیں اور اس طرح پر آج بھی اس آیت کی **صداقت** ظاہر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت ملتا ہے۔ وللہ الحمد

نامۂ عبید

ذیل میں اس خط وکتابت کو درج کیا جاتا ہے جو نامۂ عید کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح ظلہ العالی اور حلقۃ المشائخ دہلی کے بانی حسن نظامی کے درمیان ہوئی خواجہ حسن نظامی کی غرض اپنے رسالہ نظام المشائخ کے عید نمبر کے لئے میٹریل بہم پہنچانا تھا حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی نے جو جواب دیا ہے وہ نہایت ہی غور کے قابل ہو حلقۃ المشائخ کے رسالہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کا جو خط چھپا ہے افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض حصے درج نہیں ہوئے جو گو اصل خط کی روح تھے سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں ان حصوں کے میگزین کے اڈیٹر نے غیر ضروری سمجھا اور کس قسم کی تحریف سے انہیں کیا حاصل تھا۔ اسلئے جس حصہ کو انھوں نے نہیں چھاپا ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ اس حصہ کو خط کشیدہ کر دیا جاوے۔ ناظرین غور کریں گے کہ صوفی منش خواجہ حسن نظامی نے حضرت خلیفۃ المسیح کے **نامۂ عید** کیساتھ کیسا **ظلم** کیا ہے۔ اور پھر ایک اور عجائبات ہے کہ اڈیٹر رسالہ نظام المشائخ نے ایک طرف تو پورا خط درج نہیں کیا۔ دوسری طرف اسی خط پر مبارک کرتے ہوتے لکھا ہے کہ "حکیم صاحب اور ہم مشن کے عقاید سے ہکو قلبی اختلاف ہے" اگر وہ اس خط کو جو حضرت خلیفۃ المسیح نے انہیں لکھا تھا پورا درج کر دیتے اور پھر یہ لکھتے تو انکی دیانت اور امانت کی اور بھی حقیقت کھلتی مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس اصل خط میں حضرت مسیح موعود و مغفور کا یہ ارشاد سنکر بھی

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

پھر احمدی عقاید سے قلبی اختلاف کو اظہار میں نہیں سمجھتا کہ کیا وقعت رکھتا ہے
نظام المشائخ کی حقیقت سے میں ناواقف نہیں ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس پر
مزید روشنی ڈالوں مگر تصوف کے مدعی گروہ کا یہ حال قابل لحاظ ضرور ہے۔

تقویٰ اور رضا رسی کا یہ طریق نہ تھا کہ اس طرح پر محض علم ہمدردی کو حاصل کرنے کے
لیے ایک محض غلط بات بیان کر دی جاتی۔ مگر احمدی عقاید سے قلبی اختلاف سے
تو دوسرے الفاظ میں اسکے یہ معنی ہیں کہ انہیں اسلام سے نفرت ہے "نظام المشائخ"
نے یہی لکھا ہے کہ گویا احمدی عقاید کو "تصوف" سے بہت کم سروکار ہے:" انکی بڑی
مہربانی ہوگی اگر اپنے رسالہ میں" اس کی تشریح کریں۔ کہ تصوف کا وہ کونسا حصہ ہے
جس کو احمدی عقاید کو سروکار نہیں اگر حق گوئی اور حق جوئی ہمارے زعم اور گروہ کا
شیوہ ہونا چاہیئے۔ تو وہ اس کی تشریح کے لیے تیار ہو نگے۔ مگر مجھے شبہ گزرتا ہے کہ وہ اس
خصوص میں زبان نہیں کھول سکتے۔ ورنہ انہیں سخت مشکلات کا سامنا ہوگا بہرحال
ایک لمبی تمہید کے بعد اس "نامۂ عید" کو درج کیا جاتا ہے اور اتنا اظہار میں
اضافہ کرتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ عید کے روز نماز سے پیشتر دودھ
میں چھوہارے ڈال کر خود بھی اور اپنے احباب کو بھی کھلایا کرتے ہیں
اور صرف ادائے سنت کے لئے۔ ایسا ہی حضرت خلیفۃ المسیح کا یہ بھی معمول ہے کہ آپ
خصوصیت سے صدقۃ الفطر کے علاوہ دو چار خیرات بھی کرتے ہیں آپ مساکین کے ہاں
ہم پہنچا دیتے ہیں یوم العید کی صبح سے نماز کو جاتے وقت تک خیرات کا ایک خاص
سلسلہ رکھتے ہیں۔ اور راستہ میں دعاؤں میں خصوصیت سے مصروف رہتے ہیں۔"

اتنا اور لکھ رہا ہوں کہ ان ایام میں یہ خط بغرض جواب آیا ہے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ
کی طبیعت سخت ناساز تھی اور ضعف بہت تھا۔ اسی لیے جواب میں آپ نے مختصر لکھوایا کہ
مجھے افاقہ ہے۔ گویا ذرا افاقہ ہی تو آپ نے وہ خط لکھوایا۔

حلقۃ المشائخ کا سوال جناب میرزا صاحب عید کے روز نماز کیونکر پڑھتے تھے بعد نماز گلے ملنے کی رسم اُس وقت بھی پائی جاتی تھی یا نہیں؟ اظہار مسرت کے لیے اور کیا طریقہ استعمال فرماتے تھے۔ احباب و اقارب سے اس دن کیونکر ملتے تھے۔ سیر و تفریح میں اس روز کوئی جداگانہ خصوصیت ہوتی تھی؟ عید کے دن کچھ خاص اعمال یا اشغال بھی کرتے تھے؟ خود آپ کا کیا معمول ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح کا جواب جناب کا استفسار پڑھ کر دیر تک میں متعجب رہا اور دنیوی عجائبات کا مطالعہ کرنے کے قریب تھا کہ میری حالت وجد میں آ جاوے بلکہ ایک قسم کا وجد رہا۔ اس وقت مجھے افاقہ ہے۔

مولانا فقہائے کرام نے جس قدر قیاس اور استحسان سے مسائل اور حوادثات پر باریک بینیوں سے کام لیا ہے اسکو اگر ایک کتاب میں لکھا جاوے اور صوفیائے کرام کی تحقیقات اور مکاشفات اور حالات وجد کو ساتھ ملائیں اور ایک پلڑے میں رکھیں اور ڈیڑھ سو آیت قرآنی جو اصل اور سرمایہ احکام فقہیہ ہے اور ڈیڑھ سو صحیح حدیث جو مدار احکام فقیہہ علاوہ قرآن کریم کے ہے ایکطرف رکھا جاوے، تو ان لوگوں کے انصاف پر جو مرزا صاحب کے دعاوی کی نسبت فتاوی تیار کر رہے ہیں، کیا اعتماد ہو سکتا ہے کہ نہیں۔

مرزا صاحب کے تعلق میں جناب کو ایک شعر سناتا ہوں جو میں نے انکی زبان سے علی رؤس الاشہاد سنا ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولکن میفزائے بر مصطفیٰ

اس شعر کے بعد جناب کا جواب کافی سے زیادہ ہو سکتا ہے مگر پاس خاطر سے عرض ہے کہ عید کے دن مرزا صاحب غسل فرماتے اور جدید لباس کرتے اور خوشبو لگا کر مع احباب کے عیدگاہ میں تشریف لیجاتے تھے اور گاہے اسی جامع مسجد میں جہاں ہم لوگ جمعہ پڑھتے

ہیں وہاں بھی عید پڑھ لیتے تھے۔

عید کا خطبہ ہمیشہ یہ خاکسار پڑھ دیتا تھا یا مولوی عبدالکریم واپسی میں دوسرے رستے سے گھر میں تشریف لاتے تھے۔ صدقۃ الفطر پہلے جمع کیا جاتا تھا۔ اور قربانی کی عید میں بعد نماز کے معاً قربانی کرتے تھے۔

میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی کے گلے ملے ہوں۔ یا کسی کو پان دیا ہو۔ گو میں ہی نئے آئے ہوئے دوست مصافحہ کر لیتے تھے۔ سیر و تفریح کے لئے کہیں نہیں جاتے تھے۔ کوئی خصوصیت نہ تھی۔ اقارب سے بھی کوئی خصوصیت کی ملاقات اسلئے نہیں کرتے تھے راستہ میں لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ پڑھنے کی عادت تھی مگر آہستہ اور بعض لوگ بلند آواز سے پڑھتے تو رد کرتے نہ تھے۔ والعید میں تنبیہ کر دوں ہے کہ معانقہ عام طور پر قطعاً آپکی عادت میں نہ تھا۔ والسلام (نورالدین)

ثبوت نبوت وجدانی طریق ہے؟

از حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ تعالیٰ

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً الذی لہ ملک السمٰوٰت والارض یعنی اے نبی لوگوں سے کہدو کہ میں تم سب کی طرف ایسے بادشاہ کی جانب سے رسول آیا ہوں جو آسمان اور زمین کا مالک ہے۔ انسان کی عادت میں یہ بات رکھی گئی ہے۔ کہ وہ بادشاہوں اور نوابوں کے قاصدوں اور ایلچیوں کی طرف عظمت کی نگاہ سے دیکھتا اور انکی رسالت کا واجب احترام کرتا ہے۔ اور انکی پیروی اطاعت اور تعظیم بہ تفاوت مراتب ہر بادشاہ اور نواب کی وسعت ملک اور اسکی عظمت و جلالت پر موقوف ہوتی ہے۔ اسی معتاد و متعارف دستور کے موافق جناب نبی کامل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے آشنا

بڑا جلیل الشان موعود کی کہ میں کل دنیا کے انسانوں کی طرف رسول بنکر آیا ہوں کسی چھوٹی سی بستی کے لوگوں کی طرف بھیجا ہوا رسول نہیں ہوں وہ لااختیار بادشاہ کی طرف سے نہیں بلکہ اسکی جانب سے کہ جو زمین آسمان کا مالک شہنشاہ ہے۔ پھر فرمایا۔ فاتقوا اللّٰہ یا اولی الالباب الذین اٰمنوا قد انزل اللّٰہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم اٰیات اللّٰہ مبینٰت لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من الظلمٰت الی النور۔ یعنی اے دانشمندو جن میں ایمان کا بیج ہے اللہ سے ڈرو اسنے تمہاری طرف تمہیں بھولی بسری ہوئی تعلیم حق یاد دلانے والا رسول بھیجا ہے جو اللہ تعالیٰ کی واضح آئتیں اور حق کی کھلی کھلی تعلیم تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔ یعنی انسان پرست نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث و کفارہ کی طرح ناقابل فہم اور عقل پر بوجھ کوئی بات نہیں۔ بلکہ سچائی صفائی اور وضاحت میں یہ تعلیم اپنی صداقت کی آپ گواہ ہے۔ اور اس تعلیم کی علت غائی یہ ہے کہ راستباز اور نیکوکار مومنوں کو ہر طرح کی شک و تردد اور خلاف حق عقائد کی تاریکیوں سے نکال کر اس حقیقی نور کی راہ دکھاؤ جو تمام نوروں کا سرچشمہ اور تمام راحتوں اور لذتوں کا منبع ہے پھر فرمایا یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللّٰہ باذنہ وسراجا منیرا۔ یعنی اے نبی ہمنے تجھے بھیجا ہے دنیا کے لیئے ایک گواہ اور بشارت دینے والا اور آئندہ کے خطرے سے ڈرانیوالا۔ اور اللہ کیطرف اسی کی مرضی سے دعوت کرنیوالا اور روشن چراغ جو خود بھی روشن ہے اور دوسرے بھی اس سے ایمان کے چراغوں کو روشن کر سکیں۔

وہ لوگ جن کے اندر رشد و ہدایت کا مادہ ہوتا اور سعادت انکی مددگار رہتی ہے۔ ان دعووں کو سنکر خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بااغرض مفتری یا بے حقیقت مدعی کی یہ بساط نہیں ہو سکتی کہ ایسی طمانینت و وقار اور دلی جرأت سے بھرا ہوا دعویٰ کرے اور جب یہ دیکھا جائے کہ کس استقامت اور استقلال سے برابر تیئیس برس دعویٰ کرنیوالے نے اس بلند دعوے کو نبھایا۔ کسقدر خطرات مصائب تلاطل اور زہرہ گداز آفتیں اسکے سامنے آئیں۔ کس قدر

کسقدر تحریکات اور ترغیبات دلفریب صورتوں اور ہوش ربا بھیسوں میں اس کے روبرو جلوہ نما ہوئیں کہ وہ اس دعوی سے دست بردار ہو جائے مگر اسنے نہ تو ترہیب کی پرواہ کی اور نہ ترغیب کی طرف التفات کیا۔ اور برابر اپنے دعوی پر قائم رہا۔ ان حالات کو دیکھکر سلیم عقل اور خدا ترس دل کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ کہ ایسے دعوے کرنیوالے کی نسبت خفیف حقیر رائے قائم کرے بہت سے دل کے کچے اپنی اندرونی امید سے واقف اور باشعور کاذب بھی کبھی کبھی بلند دعوی کر بیٹھتے ہیں مگر جلد یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ مختلف تحریکوں ترغیبوں اور تہدیدوں کے زور آور صدمہ کے مقابل انکے پاؤں بہت دیر تک جم نہیں سکتے ادنی ادنی سے تحریک سے انکے ارادوں میں فرق آجاتا ہے اور خفیف سی جانستان دھمکی انکے بہروپ کا تارو پود ادھیڑ کر رکھدیتی ہے۔ نہایت حیرت انگیز امر ہے کہ ایک شخص چالیس برس کی عمر میں اتنے بڑے دعاوی کو شروع کرتا ہے اور تریسٹھ برس کی عمر تک باوجود ہزار ہا انقلاب اور صدمات کے پیش آنیکے اسے پوری طرح نبھاتا ہے اسکی زندگی اعلی درجہ متضاد باتوں اور نہایت متناقض حالتوں کا سچا اور صحیح نمونہ ہے۔ ایک عرصہ دراز تک وہ بےبس مظلوم اور قوم کے دست ظلم و شر کا ہدف بنا رہا اور چند برسوں میں بیکس صحابہ و درویش ہے اور دوسرے وقت میں ایک زبردست جری اور جانثار قوم کا مالک الرقاب مقتدر مطلق بادشاہ ہے۔ مگر ان دونوں حالتوں میں تمام گفتار حرکات سکنات اور ہر طرح کے معاملات میں کامل انسانیت فوق العادت مروت و فتوت اور اعلی اخلاق و خصائل کا قابل تقلید نمونہ ہو نہ تو ظلم اور فتن کی مہیب صورت نے اسے اولو العزم کا کچھ بے صبر اور جزع فزع کرنیوالا اور اپنے امر مفوضہ سے دست بردار ہو جانیوالا ثابت کیا۔ نہ کامیابی کی فوق الفوق خوشی اور شہنشاہی اور اقتدار مطلق کے سنہری تاج نے اسے اسبات کے دکھانے کا موقع پایا۔ کہ وہ متکبر اترانے والا تھا یا بجائے دشمنوں سے انتقام لینے والا اور ایسا مغلوب الغضب انسان ہے بلکہ دونو حالتوں میں درویشی نفس کشی تواضع حلم رعایت حقوق عباد اور ایثار کی صفت

اس کے پاک وجود میں کس طرح پائی جاتی ہیں۔ نبوت سے پہلی حالت جس میں وہ عام سوسائٹی کا بظاہر شریک تھا اور ہر شخص جائز طور پر جانچ پڑتال اسکے متعارف وجود اور نام کو لیا سے معلوم کر سکتا تھا۔ اسکی نسبت وہ کس وثوق سے دعویٰ کرتا ہے فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ۔ یعنی میں اس دعویٰ نبوت کے پہلے عمر کا بہت بڑا حصہ تم میں بسر کر چکا ہوں تم میں کوئی ہے کہ مجھ میں کوئی افترا اور جھوٹ کی صفت خیانت اور بددیانتی کی صفت بداخلاقی اور بدمعاملگی کی صفت ثابت کر سکے۔ سیرت کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ دشمنوں کے سر اس تحدی آمیز دعویٰ کے سامنے نیچے ہو گئے۔ وہ جرات نہ کر سکے کہ اس ماہ جبین کی صفائی پر کوئی دھبہ لگا سکیں کیونکہ وہ بہت مدت اس سے پہلے اس صادق ذی عزم کو **الامین و المامون** تسلیم کر چکے ہیں۔ اور درحقیقت کس کا حوصلہ تھا کہ وہ جس کا نام عرش عظیم پر **محمد** رکھا گیا ہے اسکا نام مذمم رکھتے۔

الغرض جناب ہادی کامل (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاک زندگی ایسا زبردست معجزہ ہے جو تنہا آپ ہی کا حصہ ہے۔ اور بغیر فرق اور ہر زمانہ میں کام آنیوالا کامل معجزہ آغاز آفرینش سے کسی نبی کو بھی نہیں دیا گیا۔ آپ نے جس قسم کا دعویٰ کیا خود اسکا غیر متبدل پاک نمونہ دیا۔ اور اپنے پُر اثر نمونہ سے ایک عظیم و کثیر قوم ایسی تیار کر دی جو تمام قوموں اور مذہبوں کے لیے کامل نمونہ اور گروہ کے ٹھہر گئی۔ اور انھوں نے اپنی مقدس زندگیوں سے ثابت کر دیا کہ کامل استاد کے ہوشیار شاگرد ایسے ہوتے ہیں۔ وہ کس مپرسی لوگ جو یہودیوں اور عیسائیوں کی نگاہ میں حقیر یہود و نصاریٰ کے نزدیک ذلیل تھے اس رسول کی پیروی سے جس نے شہنشاہ زمین و آسمان کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کیا۔ دنیا کی قوموں اور ملکوں کے مقتدر مالک اور متصرف بن گئے۔ اور اس **نور اللہ** اور **سراج منیر** کی تائید سے وہ ادھر کفر اور گمراہی کی ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکل کر شہرت عام اور بقائے دوام کے نورانی میدان میں آ گئے۔ **اللّٰھم صل** علیٰ علیہ وآلہ الاف الاف تحیات وصلوات۔ آمین۔

دُعا کے متعلق کچھ

دُعا تمام مشکلات اور مقصودوں کی کلید ہے۔ مگر یہ امر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اوّل تو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سرے سے دعا ہی کے منکر ہیں اور جو منکر نہیں ہیں۔ انہیں بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو آداب الدعا سے محض ناواقف ہیں ایسا ہی وہ لوگ جو اپنے آپکو دعا کرنیوالے ٹھہراتے ہیں وہ ان طریقوں سے ناواقف ہیں جو قبولیت دعا کے ہوتے ہیں۔

جو لوگ دعا کے منکر تو نہیں ہیں مگر چونکہ انکی دعائیں آداب الدعا کی ناواقفیت کی وجہ سے قبول نہیں ہوتی ہیں۔ وہ منکرینِ دعا سے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں ایسے لوگ بعض اوقات دہریت تک جا پہونچتے ہیں۔

دُعا کے لیے سب سے اول ضروری امر یہ ہے۔ کہ دعا کرنیوالا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ پر کبھی سوءظن نہ کرے بعض اوقات دعاؤں کی قبولیت میں ایک لمبا عرصہ صرف ہوتا ہے۔

جو لوگ تھک کر رہجاتے ہیں اور استقلال کو ہاتھ سے دیدیتے ہیں۔ وہ سخت غلطی کرتے ہیں اور اپنے مقاصد میں نامراد رہتے ہیں۔

دعا کی مثال زمیندار کے بیج بونے کی سی ہے۔ اسکے لیے جیسے ایک وقت پہل لانیکا ہوتا ہے۔ ویسے ہی دُعا کے واسطے بھی۔

چاہیے دعا کرنیوالا تہوّر اور عجلت سے کام نہ لے۔ بلکہ صبر اور حوصلہ سے دعا ہی میں لگا رہے کیونکہ یہ ضروری امر ہے۔ کہ اس کی قبولیت کے لیے دعا کو اس قسم تک

پہونچایا جاوے جہاں پہونچکر وہ تحریر خیز ثابت ہوتی ہے جس طرح آتشی شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعاعیں اس شیشہ پر آکر جمع ہو جاتی ہیں اور انکی حرارت وہ اُس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلادے۔

اسی طرح ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہونچے جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جائے کہ **نامرادیوں** کو جلادے اور **مقصد مراد** کو پیدا کرنیوالی ثابت ہو

پھر یہ ضروری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی **قدرت و طاقت** پر کامل ایمان ہو اور سے ہر وقت اپنے قریب یقین کرے اور ایمان ہو کہ وہ ہر پکار کو سنتا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے رد ہونیکا یہی سر ہوتا ہے۔ کہ دعا کرنیوالا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو رد کرالیتا ہے۔

پس ان امور کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ کامل دعا کی شناخت کا نشان یہ ہے کہ اسمیں تین باتیں ہوں۔ اول اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا جو اس کی شان کے شایان اور سزاوار ہو اور پھر وہ مدح و ثنا ایسی ہو کہ عبودیت کیساتھ اسکا کامل تعلق ہو جو کچھ انسان نے سے نکلے وہ ایسے **الفاظ** ہوں کہ کہنے والے کے دل پر بھی اثر ڈالنے والے ہوں اور ایسا گہرا نقش پیدا کریں کہ اسوقت وہ نئی پیدائش کا موجب ہو سکیں۔

دوسرا مقصد کامل دعا کا یہ ہے۔ کہ اس میں تمام منافع اور فوائد کی چیزوں کو مانگا گیا ہو۔ اور **سوم** اس دعا میں تمام مضرتوں سے بچنے کی التجا ہو جو دنیا اور آخرت میں پہنچ سکتی ہیں؛

اس اصول پر **سورۃ فاتحہ** کامل دعا ہے جس میں ان تینوں باتوں کو جمع کر دیا ہے الحمد سے لیکر مالک یوم الدین تک کامل حمد و ثنا ہے۔ پھر اہدنا الصراط المستقیم سے لیکر انعمت علیہم تک وہ راہ مانگی ہے جو ہر قسم کی بھلائیوں اور فوائد کی راہ ہے اور آخری حصہ وہ ہے جس میں تمام مضرتوں سے پناہ چاہی ہے۔

اس لیے یہ اکسیر ہے۔ مبارک وہ جو اس سے فائدہ اٹھاوے؛

۹۔ رتن

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور آپ کی نبوت کے ثبوت میں آپ کی تعلیم آیات بینات کا حکم رکھتی ہے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو پڑھتے ہیں اور پھر اس پر غور کرتے ہیں وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ

لاریب آپؐ خاتم الانبیاء ہیں؟

تعجب اور افسوس ہے ان لوگوں پر جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نہیں پڑھتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر غور کئے بدوں اعتراض کر دیتے ہیں آج ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ طیبات میں سے ایک **حدیث** پیش کرتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ اس میں نَو باتوں کا ذکر ہے اسکا عنوان **نَو رتن** تجویز کرتے ہیں۔ وھو ھذا۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ربی بتسع خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ وکلمۃ العدل فی الغضب والرضا والقصد فی الفقر والغنا وان اصل من قطعنی واعطی من حرمنی واعفو عمن ظلمنی وان یکون صمتی فکرا ونطقی ذکرا ونظری عبرۃ۔

مندرجہ بالا حدیث میں جو نو امور پیش کئے گئے ہیں اس سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تعلیم کا پتہ لگتا ہے۔ وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کس قسم کی پاک اور اعلیٰ زندگی بسر کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے متعلق اللہ نے فرمایا۔

انک لعلی خلق عظیم۔

حدیث مذکورہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

اول۔ خدا کا خوف خلوت و جلوت میں

دوم۔ انصاف کی بات ہر حالت میں کہو۔ خواہ حالت غضب ہو۔ یا حالت خوشی۔

سوم۔ اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ دو خواہ حالت فقر ہو خواہ حالت غنا۔

چہارم۔ جو شخص تجھ سے قطع تعلق کرے تو اس سے قطع تعلق نہ کر بلکہ اس سے مل

پنجم۔ جو تجھے محروم رکھنا چاہے تو اسکو عطا کر۔

ششم۔ جو تجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر۔

ہفتم۔ اگر تو خاموش رہے تو فکر سے دل خالی نہ ہو

ہشتم۔ اگر بولے۔ تو ذکر الٰہی زبان پر ہو۔

نہم۔ اگر کسی طرف نگاہ کرے تو نظر عبرت سے دیکھ۔

ان نو باتوں پر غور کرو کہ کس قدر عظیم الشان مکارم اخلاق پر مبنی ہیں۔

اول ایسی بات رکھی ہے جس سے انسان گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے یعنی خدا کا خوف۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ **"خدا کا خوف حکمت کا شروع ہے"**۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلیم میں یہ مدنظر رکھا ہے کہ یہ خوف آنی ہی نہ یا ظاہری رنگ ہی نہ رکھتا ہو بلکہ خلوت و جلوت میں ہر حالت اور ہر وقت خوف الٰہی سے سینہ معمور اور لبریز رہے۔ ایک شخص ظاہر میں خدا تعالیٰ کے خوف کی باتیں کر سکتا ہے۔ اور دوسروں کو یقین دلا سکتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہے مگر جب وہ تنہا ہو تو اسکے مقابلہ میں ان باتوں سے خالی ہو اور ایسے طور سے وہ اپنی تنہائی کی گھڑیوں کو پورا کرے گویا!

اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود ہی نہیں

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی وہ نہایت اخلاص اور صدق پر مبنی ہے کہ

انسان خواہ خلوت میں ہو یا جلوت میں خدا کا خوف اس کے دل پر ہو اس سے اس کے تمام افعال اور اقوال میں **صداقت** اور **استقامت** پیدا ہو جائیگی - اور وہ تمام گناہوں سے بچ جائیگا - کیونکہ گناہ کا صدور ایسی حالت میں ہوتا ہے جبکہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات پر پورا ایمان نہیں لاتا - یہ امر **حق اللہ** کے متعلق تھا - پھر نمبر دوم میں ایک ایسی عجیب تعلیم دی ہے جو انسان کو **کامل** انسان بنا دیتی ہے جب انسان حالت غضب و جوش میں ہوتا ہو اسکی عقل تیرہ و تار ہوتی ہے اور وہ نشیب و فراز سے ناواقف ہوتا ہے اسوقت وہ عواقب سے خبردار نہیں ہوتا اور نہ سوچ سکتا ہے پس ایسی حالت میں جبکہ وہ جوش سے سراشفتہ ہو رہا ہے حق اور انصاف کی بات کہنا **کمال** ہے اور یہ اسوقت ہو سکتا ہے جب کہ انسان اپنے قویٰ پر **پوری حکومت رکھتا ہو**

ایسا انسان جب مسرت کی حالت میں ہوتا ہے اسوقت بھی ایک جوش اس کے قلب پر احاطہ کئے بیٹھا ہوتا ہے - مگر قربان جائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جوش اور رضا دونوں حالتوں میں انسان کو عدل و انصاف کی تعلیم دیتے ہیں اس سے پتہ لگتا ہے کہ آپ فطرت انسانی کے صحیح تقاضوں سے خوب واقف اور اپنے قویٰ پر پوری حکومت رکھتے تھے **تیسری ہدایت** اس سے بھی بڑھکر ہے انسان جب فارغ البال اور آسودہ حال ہوتا ہے - اسوقت وہ بڑا دلیر اور فراخ ہو جاتا ہے پھر کہ ایسی حالت ایسی ہوتی ہے اسلئے فضولیوں میں روپیہ خرچ کرتے ہوئے کوئی بوجھ معلوم نہیں ہوتا - اور جب عسر ہوتا ہے اور ہر قسم کی تنگی ہوتی ہے - اسوقت پھر بخل سے کام لیتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں حالتوں میں افراط و تفریط سے بچکر راہ مستقیم پکڑا کر دیا - اور **اقتصاد کا حکم** دیا ہے - یہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی کمال کا اظہار ہے انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے کہ جو شخص اس سے ایکبار قطع کرے وہ اس سے دس بار الگ ہونے کو آمادہ رہتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسی پاک اور اعلیٰ فطرت رکھتے ہیں اور حکم

انسان کیسی شفقت رکھتے ہیں کہ جو آپ سے قطع کرے آپ اس سے قطع نہیں کرتے بلکہ اسکو پھر ملانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے ملتے ہیں۔۔۔۔ آپ ان سے سلوک کرتے ہیں جو آپ سے بدسلوکی کرے اسے دیتے ہیں جو آپ کو محروم کرتا ہے۔ اور جو ظلم کرتا ہے اسے معاف کرتے ہیں۔ اس تعلیم پر عمل رنگ میں نمونہ بننا ہر شخص کا کام نہیں مگر سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسکا لانظیر نمونہ ہے کہ دوالوں نے آپ کے اور آپ کی جماعت کیساتھ جو سلوک کیا ہے۔ وہ نہایت دردناک داستان اور آپ کی زندگی میں خون سے لکھا ہوا ورق ہے مگر جب آپ کو موقعہ اور مقدرت ملی تو آپ نے

لاتثریب علیکم الیوم

کہکر سب کو معاف کر دیا۔ یہ کیسی بلند ہمتی اور ایثار و عفو کی نظیر ہے کہ دنیا کی تاریخ اسکے پیش کرنے سے عاجز ہے

اس طرح پر ساتویں آٹھویں اور نویں تعلیم بھی اپنے اندر بہت خوبیاں رکھتی ہے اور ان میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ اس پر مبسوط تفصیل لکھے جاویں تاہم ان سب پر یکجائی طور پر غور کرنے سے ایک دشمن سے دشمن کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑیگا کہ فی الواقعہ یہ رؤف الرحیم نبی ہے اور یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور ایسا ہی آپ کا مزکّی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ غرض یہ نو باتیں جو پیش کی گئی ہیں۔

۹- رتن ہیں ٭

قطب شمالی اور آریہ مذہب

کچھ عرصہ گزرا ہے کہ آریہ سماجی معترض اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ جو لوگ قطب شمالی میں رہتے ہیں وہ روزے کس طرح رکھتے ہونگے؟ نمازیں کس طرح پڑھتے ہونگے ایسے اعتراضات کے جواب انہیں اپنے وقت پر اسلام کی طرف سے دیئے گئے جن پر انہیں کچھ کہنے کا حوصلہ اور جرأت نہیں ہوئی مگر اب آریہ صاحبوں کو خود ایک مصیبت پیش آئی ہے۔ آریوں میں غیر قوموں کے ساتھ کھانے پینے کا سوال بہت زور شور سے چل رہا ہے۔ ایک جماعت اس آواز کو اٹھانا چاہتی ہے۔ اسی سلسلہ میں رسالہ اندر میں ایک عجیب استفسار شائع ہوا ہے جس کا جواب آریوں کو عجیب مشکلات میں ڈالدیگا۔ اس سوال کو رسالہ اندر سے ذیل میں درج کر دیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر!

شمالی قطب کے ارد گرد جہاں جہاں زمین انسانی آبادی کے قابل ہے وہاں وہاں ہی ایک نامعلوم عرصہ سے انسان کی نسل آباد چلی آتی ہے ان لوگوں کو اسکیمو کہتے ہیں۔ لیبرڈار کے اسکیمو ۹ مہینے برف میں گزارتے ہیں وہاں پر تو اناج ہوتا ہے نہ پھل نہ پھول وہ لوگ صرف مچھلی پر گزارہ کرتے ہیں۔ انکے حالات بڑے عجیب و غریب ہیں۔ اسکیمو شہرت اور نمود سے پرے ہے۔ وہ اپنی زندگی کا مقصد اسی بات کو سمجھتا ہے۔ کہ اسکو پہننے کے لیے سیل کا چمڑا اور کھانے کے لیے سیل کا گوشت مل جائے۔ یا اسکا پوست اس کے ہاتھ آجائے جس سے کہ وہ اپنا خیمہ بنا سکے۔ جب یہ چیزیں اس کو مل جاتی ہیں۔ تو وہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑھکر کوئی شخص خوش نہیں ہے۔ اسکیمو لوگ ایک برفانی طبقہ میں رہتے ہیں اسلیئے وہ نہانے کا موقع کم پاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر انکے ہاں سردی کے موسم میں بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو مہینوں تک نہوئے

کے لیے پانی نہیں ملتا۔ اسکیمو تمام عمر نہ نہا کر جانوروں کی طرح زبان سے چاٹ کر صاف
کرتی ہے۔ اسکیمو ایک خانہ بدوش قوم ہے وہ زیادہ تر اس جگہ رہتے ہیں جہاں سیل یا سمن
مچھلی زیادہ ہو۔ سردی کے موسم میں جبکہ برف جم جاتی ہے وہ اپنا ڈیرا اٹھا لیتے ہیں۔
اور جہاں کہیں سیل یا مچھلی کا ذخیرہ ہو وہاں چلے جاتے ہیں۔ وہ ہرن کا شکار بھی
کرتے ہیں۔ انکی خوراک سوائے سیل یا مچھلی یا ہرن کے اور کچھ نہیں وہ بعض اوقات
سیل یا مچھلی کا ذخیرہ اپنے برف کے گھر میں جمع رکھتے ہیں جو کہ قحط کے دنوں میں
یا فاقہ بندی کی حالت میں کام آتا ہے۔ گوشت کے ٹکڑے یا مچھلی کے ڈھیر ہی ان کی
جائداد ہے اور یہی انکے گھر کی پونجی سمجھی جاتی ہے عیسائی مشنریوں کے جانے سے پہلے
وہ کپڑے کا نام تک بھی نہیں جانتے تھے لیکن اب مشنری لوگ وہاں پر کپڑے بھی لے
گئے ہیں اور اسکیمو کے بہت سے ممبر عیسائی ہو چکے ہیں کرسچن ذرا نئے نظر آتے
ہیں۔ عیسائی مشنری ان میں بڑی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ اور اکثر مہذب بنا رہے
ہیں۔ مشنریوں کی اس کوشش کا حال پڑھ کر کئی دفعہ ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہم جو
ویدک دھرم کو منش ماتر کے لیے مانتے ہیں کیا ممکن ہے کہ کبھی ان اسکیمو کے اندر بھی ویدک
دھرم کی روشنی پہنچ سکے اور ویدک مشنری وہاں جا کر کام کر سکیں اس سوال کے اٹھنے
کے ساتھ ہی کئی دوسرے سوال سامنے آجاتے ہیں اسکیمو لوگ گوشت خور ہیں سوائے
مچھلی سیل ہرن کے وہاں اور کوئی چیز پیٹ بھرنے کے لیے نہیں ملتی ویدک دھرم
اوپدیش دیتا ہے کہ ہنسا مت کرو۔ اگر ہم اسکیمو کو اہنسا کا اوپدیش کرتے ہیں تو وہ پھر
پیٹ کس چیز سے بھریں۔ وہاں نہ اناج ہے نہ پھل پھول نہ کند مول پھر خیال آتا ہے
کہ ہمارے مشنری جو وہاں جانے کے لیے تیار ہوں وہ نہ صرف اپنے لیے اناج پھل
پھول ساتھ لیجائیں۔ بلکہ ان لوگوں کو جنہوں نے دھرم کا اوپدیش دینا ہے۔ اور اہنسک
بنانا ہے۔ انکے لیے بھی اناج کا ذخیرہ ساتھ لیجائیں مگر یہ نا ممکن ہے پھر ہم ان میں

دھرم کا اپدیش کیسے کریں ایک دوسرا نریش شخص یہ صلاح دیگا کہ انکو قطب شمالی سے اٹھا کر ہندوستان میں لے آنا چاہیئے کیونکہ یہاں اناج بہت کثرت سے ہے مگر یہ سوال کہ قطب شمالی کے باشندے ہندوستان کی گرم ہوا میں آکر زندہ رہ سکینگے یا نہیں ایک پیچیدہ سا سوال ہے دوسرے انکو وہاں سے یہاں تک لانیکے اخراجات کون برداشت کریگا۔ مہاراک متحدہ کا ایک برہمن سوال اٹھیگا۔ کہ ویدوں کی بانی ہمارے لیئے ہی ہے کیونکہ یہی برہم ورش ہے پرماتما نے اسی ملک کے لیئے ویدوں کو پرکاش کیا ہے۔ جب قطب شمالی انسانوں کے رہنے کی جگہ ہی نہیں ہے تو جو لوگ وہاں جا کر آباد ہوں وہ مورکھ ہیں۔ انکو دھرم کا اپدیش دینا ہی فضول ہے یہ سب ہی کچھ سن لیا مگر بس سوال ہمارے سامنے یہ ہے کہ آیا ہم اسکیمو کو ہنسک کہ سکتے ہیں یا نہیں آیا اسکیمو کا سیل مچھلی وغیرہ کھانا ہنسا میں شامل ہے یا نہیں اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ جن حالات میں اسکیمو رہتے ہیں خصوصاً اس صورت میں جبکہ وہاں پر نہ اناج ہو۔ نہ پھل پھول نہ قند مول اور سیل مچھلی وغیرہ وہ کسی لذت کے لیئے یا کسی عیش و عشرت کے لیئے نہ کھاتے ہوں بلکہ ان کی زندگی کا مول ادھار یہی چیزیں ہوں تو کیا اس صورت میں ہم انکو ہنسک کہ سکینگے۔ یا نہیں اگر انکا یہ طرز زندگی ہنسا میں شامل نہیں ہے۔ تو ہم کھلے ماتھوں ان میں ویدوں کا پرچار کرسکتے ہیں لیکن اگر ہم انکے اس طرز زندگی کو ہنسا میں شامل کرتے ہیں تو وہ اسوقت تک ویدک دھرم سے قطعی محروم رہینگے جب تک کہ قطب شمالی کی تمام برف کو ہٹا کر وہاں پر اناج وغیرہ پیدا کرنیکا سامان نہ کیا جائے تاہم بذریعہ ریل یا جہازوں کے وہاں پر اس قدر اناج نہ پہنچا دیں کہ جس کے ہوتے ہوئے ان کو سیل مچھلی وغیرہ کی ضرورت نہ رہے کیا کوئی ویچار وان پرش اسکیمو کی زندگی کو ہنسا یا اہنسا یکت سدھ کرنے کے لیئے یکتی سے اتر دینے کے لیئے آگے آئیگا۔

الاخوۃ

انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم ۔ الآیۃ مومن آپس میں بھائی ہیں آپس بھائی بھائی ان بنیں ۔

قبل از بعثت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی جو حالت تھی۔ وہ اہل تاریخ سے پوشیدہ نہیں عرب کے باہم تباغض وتحاسد کا کون اندازہ کرسکتا ہے انکی دشمنی کی مثال کہاں مل سکتی ہے۔ ان کی خانہ جنگیوں سے کون واقف نہیں۔ اگر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے کسی بات پر خواہ وہ کیسی ہی خفیف کیوں نہ ہو اڑ بیٹھتا تو صدیوں تک دشمنی کی آگ فرو نہ ہوتی۔ ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا رہتا۔ دوسرے پر طعن وتشنیع۔ نوک جھونک۔ انکا ایک دلی شغل کا کام تھا۔ حسد بغض کینہ ان کی پسندیدہ عادات تھیں۔ غرض ان کے اخلاق ایسے بُرے اور گھناؤنے تھے کہ جن کے خیال سے بھی بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔

دوسرے ملکوں کی حالت بھی سخت تاریک تھی۔ ہر ایک قوم تنزل کے گڑھے میں اُتری ہوئی تھی نصارٰی یہود مجوس ہندو تمام کینہ عادات اور فضول رسموں میں جکڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنی کتابوں اور شریعتوں سے بیگانہ اور دور پڑے تھے۔ قرآن کریم نے ظہر الفساد فی البر والبحر کے بین فقرہ سے تمام دنیا کی حالت کا نقشہ کھینچدیا ہے ایسے تاریک زمانہ میں اخوت جیسی

گراں بہا چیز دُنیا سے مفقود ہو چکی تھی۔ لڑائی دنگا ہے برپا۔ تمدنی برکات معدوم
اور نامعلوم تھیں ایسے وقت میں آسمان سے ایک نور اُترا۔ اس نور نے علاوہ
انسانیت سکھانے کے تمام دنیا کو یہ آواز دی۔ کہ قولوا للناس حُسناً یعنے
بنی نوع انسان کیساتھ مکالمہ اور مخاطبہ میں نیکی کا پہلو اختیار کرو۔ اور اس کی
زندہ مثال اس پاک جماعت میں جسکو قرآن کریم نے مومن کے لفظ سے
تعبیر کیا ہے قائم کر کے دنیا میں ایک نمونہ پیش کیا۔ اور ان عرب کے جاہلوں میں
جن کی جہالت ضرب المثل تھی۔ الاخوۃ کا رشتہ جوڑا۔ اور ان کے تعلق کو ایسا بنایا
کہ اس کی نظیر کسی پیغامبر کے حالات میں نہیں ملتی۔ یہ تعلیم دیکر مدتوں کے کینوں کو جلا
دیا اور دیرینہ بغضوں اور حسدوں کو اٹھا دیا اور خانہ زادی اور قدیمی دشمنیوں اور لڑائیوں
کو صلح اور امن سے بدل دیا۔ قرآن شریف خود اس کی نسبت فرماتا ہے فاذکروا
نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖ
اخواناً یعنے اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ پہلے تم ایکدوسرے کے دشمن
تھے پھر اس نے تم پر یہ احسان کیا کہ تالیف قلوب کی اور اب تم بھائی بھائی بن گئے۔
پس وہ نبی لاکھوں صلوٰۃ کا مستحق ہے جس نے حیوان سیرت انسانوں کو با اخلاق اور
باخدا انسان بنا دیا۔

عزیزان! ہم مسلمانوں کو اس نعمت عظمیٰ یعنی اخوت کی دل سے قدر کرنی
چاہیئے۔ اور اس تعلیم پر کاربند رہنا چاہیئے جس کی تاکید قرآن شریف نے اور پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو صلح اور آشتی کا نمونہ دنیا میں بنا کے چھوڑا ہے
اور قرآن شریف نے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کا تمغہ ہمارے زیب تن کیا
ہے۔ پس اسلام میں پہلا اصول جو ہمیں مد نظر رکھنا چاہیئے وہ یہی ہے کہ ہم تمام
دنیا کے ساتھ اخلاق کیساتھ پیش آویں اور خصوصیت کیساتھ ہم مومنین کو اپنا

بھائی بنیں اور بغض اور رشک کے جذبات کو چھوڑ کر رحمت اور شفقت کا اپنا طریق بنائیں تاکہ ہم حسب ارشاد خداوندی محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو رہ سکیں اور ہم حقیقی طور پر محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھی کہلائیں۔ ہم کسی سے حسد نہ رکھیں کیونکہ حسد جیسا کہ حدیث میں ہے انسان کے اعمال کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسا کہ لکڑی کو آگ۔ ہم سب ایک خدا کے پرستار ایک نبی کے پیرو اور ایک ہی کتاب کے حامل ہیں پس کیا یہ کم تعلق ہے کیا یہ تھوڑا رشتہ ہے جو ہم میں ہے۔

عزیزان! ہماری کامیابی ہماری دین و دنیا کی بہتری اسی امر میں مرکوز ہے کہ ہم آپس کے سلوک ایسے رکھیں جو حقیقی طور پر برادرانہ سلوک کہلا سکیں جس طرح ایک کنبہ کے ممبر آپس میں ہمدردی رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہوا خواہی کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے کا ہمدرد اور ہوا خواہ بننا چاہیے۔ اگر ہم ایسا کریں گے اور قرآن شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم اخوت کو برقرار رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کے بہت بہت فضل ہم پر ہوں گے۔

عزیزان! وہ کونسی چیز تھی جس نے صحابہ کرام کو دنیا کا آفتاب بنا دیا۔ وہ کونسی طاقت تھی جس نے اسلام کے دشمنوں کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا وہ کونسی قوت تھی جس نے اسلام کو دنیا کا فاتح بنا دیا وہ یہی اخوت تھی کہ حضرت معاویہ رض کو باوجود اس کے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دنیاوی امور میں کچھ گونہ اختلاف تھا مگر جب ایک غیر مسلم دشمن نے انکے ساتھ حضرت علی کے خلاف سازش کرنی چاہی تو حضرت معاویہ نے صاف کہہ دیا کہ او دشمن مجھکو اور حضرت علیؓ کو دو نہ سمجھ اگر تو علیؓ کے خلاف حملہ آور ہوگا تو پہلا جرنیل جو حضرت علی رض کی طرف سے نکلے گا وہ معاویہ ہی ہوگا سبحان اللہ! کیا غیرت تھی اور کس قدر احساس تھا۔ (الاخوۃ)

ایک اور ارشاد خداوندی کو سنو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر پکڑے رہو اور تفرقہ اندازی مت کرو وہ اللہ کی رسی کیا ہے؟ وہ الاخوت ہی ہے جس پر کاربند رہکر اسلام ایک مدت تک ایسی سرعت سے سرسبز ہوا۔ کہ دوسری اقوام میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہو گی مگر افسوس جیسا کہ مقدر تھا اسلام میں پھر تفرقہ پڑنا شروع ہوا۔ جسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ آپس میں حسد اور دشمنی پیدا ہو گئی۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر اور قابل قتل بتلانے لگا۔ آہ! وہ اخوت والوں سے ایسی پھوٹ کہ گویا کبھی سنی ہی نہیں تھی۔ آہ! وحدت کی جگہ پھوٹ نے سلی اخوت کی جگہ کینہ اور بغض اور حسد اور دشمنی نے لی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوت گھٹتے گھٹتے ضعیف ہو گئی۔ اور وحدت کی روح نکل گئی۔ مسلمانوں کی طاقت آپس میں ہی حملہ کرنے میں صرف ہونے لگی۔ الغرض نا اتفاقی اور اخوت کے عدم احساس نے اسلامی طاقت کو کمزور کر دیا۔ اور دشمن نے کمزور دیکھکر اپنا وار شروع کر دیا۔ آہ! وہ جمعیت مذہبی وہ وحدت مذہبی دشمن کا انتفاع کیونکر ہو سکے

اگر ہوتے ہم نہ قول پیغمبر ✦ کرہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور ✦ معین اسکا ہو خود خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنی تباہی ✦ فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

قرآن کریم کا وعدہ تھا کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ذکر سے مراد خواہ قرآن کریم ہو خواہ اسلام ایک ہی بات ہے پھر فرمایا لیستخلفنھم فی الارض یعنی مومنوں کو جو ذکر آیات میں ہو اپنا خلیفہ کرتے رہیں گے پس ان خلفاء کے ذریعے اس ذکر کی حفاظت عمل میں آتی رہی مگر اخیر زمانہ جسکو دجالی زمانہ یا شیطانی زمانہ کہنا چاہیئے اس کی خبر بھی قرآن کریم اور احادیث میں مذکور تھی یہ وہی زمانہ ہے کہ جس میں پھر نئے سرے سے وہی تباغض اور تحاسد ہر ایک قوم میں اور وہی دشمنی اور اختلاف

زور کے ساتھ موجزن ہوگئے اور مسلمانوں میں بھی الاخوۃ کا رشتہ کٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ پس خداوند کریم نے اپنے وعدہ حفاظت کو مدنظر رکھکر ہم میں ایک خلیفہ بھیجا اور اس نے اس رسی اخوت کو نئے سرے سے گانٹھا یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوۃ والسلام کو ایسے پرآفت زمانہ میں مبعوث فرمایا جس کی بعثت سے ہمیں وہی زمانہ یاد آگیا کہ کس طرح عرب کی سرزمین کے دشمن آپس میں بھائی بھائی بنگئے اس امام کو سکار نے اخوت کی جڑ کو پھر مضبوط کیا۔ شیعہ سنی۔ مقلد۔ غیر مقلد خارجی علاحتی وغیرہ تمام فرقوں کو ایک دین کی طرف دعوت فرمائی وہ انکے تفرقات مٹا کر سب کو ایک جھنڈے کے ماتحت کھڑا کر لیا۔ اور ان میں اخوۃ کی وہ روح پھونکی اور ان میں ایسا قومی اتفاق پیدا کر دیا۔ اور آپس میں ایسی محبت سکھائی کہ جس کی دنیا گواہ ہے اور اپنی وفات کے بعد بھی اس بات کا ثبوت دیدیا کہ وہ پاک وجود دنیا میں وحدت لیکر آیا تھا۔ اور اسلئے انکے ایک خلیفہ پر تمام جماعت متفق ہوگئی ؛

ہمیں ان بد اندیش مخالفین پر افسوس آتا ہے جو باوجود اس بات کے ہونیکے کہ اس نور انسان کے اٹھائے جانیکے بعد بھی اسکی جماعت میں اسی طرح الاخوت کا رشتہ قائم رہا جس طرح کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ میں قائم رہا پھر بھی وہ اس پاک انسان کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور سوال کرتے ہیں کہ اس نے دنیا میں آکر کونسا اہم کام پورا کیا۔ ہم انکو انکار کرسکتے ہیں کہ اس نے الاخوۃ کو جو دنیا میں اور خصوصاً مسلمانوں میں گم ہو چکی تھی۔ از سر نو قائم کر دیا۔ وہ کونسی چیز ہے جس نے چار لاکھ انسانوں کی نظروں کو نورالدین (خلیفہ اول رضی) کے قدموں پر جھکا دیا۔ وہ کس کی تعلیم ہے کہ باوجود اپنی عدم موجودگی کے اپنے متبعین میں وہ جوش پیدا کر دیا کہ وہ قادیان کی آواز کے سامنے اپنے دور و دراز دیار و امصار میں انکے سروں کو جھکا دیتے ہیں ایک بی کا سٹوڈنٹ اپنے پرنسپل کی

ایک کلرک اپنے افسر کی اور ایک محکوم اپنے حاکم کی بلحاظ اس واسطے فرمانبرداری کرتا ہے کہ اسکو قادیان کے خلیفۃ اللہ خلیفۃ المسیح نے اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دے رکھا ہے اس جماعت میں کیا عجیب جذبہ ہے کہ وہ اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات کو محض خدا کے لیے خلیفہ برحق کے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔ پس جو لوگ تفرقہ اندازی کا الزام اس پاک وجود پر رکھتے ہیں۔ وہ تلاش کریں اخوت ہے یا تفرقہ۔ یہ جمعیت ہے یا پریشانی یہ اسلام ہے یا کفر یہ نور ہے یا تاریکی ہے

او لوگو کہیں نہ خدا پاؤ گے ٭ تمہیں طریق کا بتایا ہم نے

اگر تفرقہ ہے تو دنیا میں کوئی نبی یا رسول یا امام بتاؤ جس نے ایسا تفرقہ نہ ڈالا ہو۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلام میں آگئے اور اس اخوت کو قائم رکھا۔ بدنصیب ہیں وہ جو الگ رہے ہم خدا کے فضلوں کے امیدوار ہیں ضرور ہے کہ قوم سمجھے کہ اس اخوت میں کیا میٹھے پھل لگتے ہیں۔ اور کیسی کیسی سعید روحیں اس سلسلہ میں منسلک ہونگی انشاء اللہ تعالیٰ فقط

محمد مرتضیٰ خاں عفی عنہ پٹیالہ

حضرت فاروق اعظم کے اقوال

۱۔ طمع فقر ہے اور قناعت غنی ہے

۲۔ جو کلمہ تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے نکلے جب تک تو اسکا اچھا محمل نکال سکتا ہو اسکو شرارت نہ خیال کر

۳۔ برے آدمیوں کے ملنے سے ہجرت کرنے میں آرام ہے۔

۴۔ میں پسند کرتا ہوں کہ ایک آدمی اپنے کنبہ میں بچہ کی طرح ہو اور جب کاروبار میں ہو تو مرد کی طرح۔

۵۔ اے لوگو علم کو حاصل کرو کیونکہ یہ ایک چادر ہے جو خدا طالب علم کو اڑھاتا ہے

۶۔ اس شخص پر خدا رحمت کرے جو اپنے بھائی کو اس کے عیبوں سے مطلع کرتا ہے

۷۔ جو شخص طمع اور حرص اور غضب سے بچا اسنے نجات پائی۔

۸۔ احمق کی دوستی سے بچو جو نفع کے ارادہ سے نقصان کر بیٹھتا ہے۔

۹۔ قوت فی العمل یہ ہو کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑا جائے۔ امانت یہ ہے کہ ظاہر باطن کے خلاف نہ ہو۔

۱۰۔ ہر چیز کا آدمی کے پیچھے [illegible] ہے۔ جو شخص اپنے [illegible] ہے۔ اللہ اسے بچا لیتا ہے۔

ماہِ رواں کے اہم واقعات

انقلاب پرتگال

اس مہینے کے اہم واقعات میں سے پرتگال کا انقلاب ہے جہاں بدون کسی خونریزی کے بجائے شخصی سلطنت کے جمہوری سلطنت قائم ہوگئی ہے۔ ۵ اکتوبر کو لزبن پایہ تخت پرتگال میں جمہوری سلطنت کا جھنڈا لہرانے لگا۔ فساد کی ابتدا جمہوری سلطنت کا مطالبہ کرنے والی پارٹی کے ایک ممبر کے قتل سے ہوئی۔ اس قتل کو بادشاہ کی تحریک اور سازش کا نتیجہ قرار دیکر آتش فساد مشتعل کر دی گئی۔ اور بالآخر کشت و خون تک نوبت پہنچی اور بادشاہ کو محل چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ الغرض پرتگال میں جمہوری سلطنت کا آغاز شروع ہوا۔ سینر براگا پہلا پریذیڈنٹ جمہوریت کا منتخب ہوا۔ پرتگال کی سرزمین وقتاً فوقتاً خون کی ندیوں سے سیراب ہوئی ہے۔ ۷۱۱ء میں مسلمانوں نے اس پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد چار سو برس تک مسلمان اس پر حکمران رہے۔ انکے عہد کی ترقیوں کا ذکر اب بعض فسانہ ہوگیا ہے۔ پھر ۱۰۹۵ء میں الفنسو اول نے مسلمانوں سے فتح کیا۔ اور پرتگیزوں کو دیا۔ ۱۱۴۷ء میں [illegible] فوج نے اسے جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ ۱۵۸۰ء میں [illegible] فوج نے محاصرہ کیا۔ ۱۶۴۰ء میں موجودہ خاندان کے بانی کے قبضہ میں آیا۔ اب تک بہت سے انقلابات ہوئے مگر ۵ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو جمہوریت کا پھریرا لہرانے لگا۔ سچ تو یہ ہے کہ بقا صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ باقی تمام اشیاء زوال کے زبردست ہاتھ کے نیچے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے حکومت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ چودھویں صدی کے لیے یہ صدی انقلاب کی صدی ہے۔ ایران کو دیکھو روم میں جو انقلاب ہو چکا ہے اسے لوگ بھولے نہیں۔ کوریا کا الحاق ابھی ہوا ہے۔ چین میں بھی دستوری حکومت کے آثار نظر آرہے ہیں۔ افغانستان کی سازش کا راز فاش ہوگیا۔ غرض ہر طرف **انقلاب** کی آوازیں ہیں۔ خدا رحم کرے۔ (آمین)

ہندو کانفرنس کا اجلاس

ہندو کانفرنس کا اجلاس سہرو کے زیر اہتمام میں بمقام ملتان ہوا جس سے ہندو قوم کی بیداری کا پتہ لگتا ہے ہزاروں وکلاء قوم شریک ہوئے اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی تقریریں اور تجویزیں ہوئیں پریزیڈنٹ سکھ قوم کا ایک مشہور لیڈر تھا اگرچہ بعض سکھوں نے اسکو ناپسند کیا۔ کانفرنس میں بہت سے ریزولیوشن پاس ہوئے جن میں قومی اتحاد، صنعت و حرفت کے سوال کے علاوہ سنسکرت، ہندی اور پنجابی کی ترقی اور ہندو تہواروں میں دلچسپی پیدا کرنے کے ریزولیوشن خاص اہمیت رکھتے ہیں اور ہندو شاستروں کی کتھاؤں کا سلسلہ بھی جاری کرنا مقصود ہے ہم ان تجاویز پر کوئی رائے زنی کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ صرف مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ کہ کیا وہ بھی اپنی مذہبی اور قومی زبان عربی کی ترقی کے لیے کوئی قدم اٹھائیں گے؟ مسلمانوں میں اتحاد اور ان میں صنعت و حرفت کا مذاق پیدا کرنے کی کوشش کرینگے؟

کانپور مدرسہ الٰہیات کا سالانہ جلسہ

کانپور کے مدرسہ الٰہیات کا سالانہ جلسہ دینی ہوا جس میں سے قابل تذکرہ تقریب یہ ہے۔ سات خارج التحصیل طلباء کو سندات دی گئیں۔ سات ہزار چندہ ہوا۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خان کی صدارت میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ کا لیکچر ہوا۔ جس نے احمدی سلسلہ کو کانپور میں اپنے کام کے لحاظ سے معروف کرا دیا۔ ایسے تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت ہے جو خدمت دین کے لیے اپنے قلم اور زبان سے کام لیں۔ اور ایسے مدرسوں کی حاجت ہے جہاں سے ایسے لوگ تیار کئے جاویں جو خدمت دین کرنے کے لیے نکلیں۔ مدرسہ احمدیہ قادیان پر قوم کی نظر ہے۔ اور وہ امید کرتی ہے کہ خدا کے فضل سے ایسے لوگ یہاں سے نکلیں گے۔

انجمن تشحیذ الاذہان کی ماہوار رپورٹ

اس سے پہلے یہ التزام نہیں تھا کہ انجمن کی ماہوار رپورٹ رسالہ میں شایع ہوا کرے گر آیندہ کے لیے مجلس ناظم کے پیش نظر یہ معاملہ ہے کہ انجمن کے متعلق نوجوانوں میں عام دلچسپی اور مذاق پیدا کرنے کے واسطے ماہوار رپورٹ شایع ہوتی رہے۔

اسی خیال سے یہ رپورٹ پیش کیجاتی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ ناظرین رسالہ اپنی راؤں سے آگاہ کرینگے۔ عام طور پر انجمنوں اور سوسائیٹیوں کے کام میں ایک نقص یہ پیدا ہو رہا ہے کہ انجمنیں اپنے نقائص اور کمزوریوں کی پردہ پوشی کی کوشش کرتی ہیں۔ اور بیرونی دنیا کو ایک حد تک تاریکی میں رکھتی ہیں۔ انجمن تشحیذ اس مسلک کے قطعاً اختیار کرنیکے لیے تیار نہیں۔ اسلیئے اس کی ماہوار رپورٹ اگر دلچسپ اور شاندار نہ ہو تو وہ اس کی پرواہ نہ کریگی۔ بلکہ اس کی جو کچھ بھی حالت ہو وہ اسے پبلک کرنے کے لیے ہر وقت آمادہ ہے پس ہمارے ناظرین بجائے اسکے کہ ہم شاندار اور فوق العادت الفاظ میں محض نام کے لیے شایع کریں اسکو غنیمت سمجھینگے کہ ہمیں کام مطلوب ہے۔ بیہودگی اور خود نمائی کی ضرورت نہیں۔

عام حالت انجمن تشحیذ الاذہان حضرت مسیح موعود مغفور کے حکم دیجانے کے ماتحت اور حضرت خلیفۃ المسیح مدظلہ العالی کی سرپرستی کے نیچے قائم ہو کر اپنا کام خاموشی سے کر رہی ہے۔ جیسا کہ علی العموم انجمنوں کے ابتدا میں جوش ہوتا ہے اس کے بانی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ اللہ الاحد میں تو وہ جوش اسی طرح قائم ہے۔ مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ممبروں میں وہ جوش باقی نہیں رہا جو کہنا چاہیئے کہ تشحیذ الاذہان

کے ممبر اسوقت حالت جمود میں ہیں ۔ جو افسوسناک امر ہے ۔ باوجودیکہ ان میں تازہ خون ہے
اور وہ نوجوان ہیں مگر انجمن کے کاموں میں انکی عدم دلچسپی قابل اعتراض ہے ۔ انجمن
نوجوانوں میں احساس اور بیداری پیدا کرنا چاہتی ہے ۔ خود اس کے اپنے ممبر جب
مست خواب گراں ہوں تو پھر وہی بات ہوگی خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
جدید ممبروں کی درخواستیں آ رہی ہیں اس مہینے میں بھی چند نوجوان شامل ہوئے ہیں
گر ضرورت ہے ۔ **کام کرنیوالے لوگوں کی**
پس انجمن کی عام حالت جہانتک ممبروں کی دلچسپی سے وابستہ ہے حالت جمود کا
حکم رکھتی ہے ۔

ایسا ہی ممبران انجمن چندہ دینے میں بھی سست ہیں انجمن کی ماہوار رپورٹیں
خدا کے فضل سے انکو بیدار کرنے کا ذریعہ ہو سکیں تو کیا عجب ہے

کتب خانہ انجمن کے متعلق ایک کتبخانہ ہے قادیان سلسلہ عالیہ احمدیہ کا مرکز ہے ۔ اور اس
جگہ ایک ایسے کتبخانہ یا لائبریری کی ضرورت ہے ۔ جہاں حضرت مسیح موعود و خلفائے کرام کی تصنیفات
اور دوسری مذہبی اور علمی کتابیں جمع رہیں ۔ اور واردین و صادرین ان سے فائدہ اٹھاتے رہیں
اسی مقصد کو مد نظر رکھکر یہ کتب خانہ قائم کیا گیا ہے اس کتبخانہ کی سرپرستی عملی
رنگ میں حضرت خلیفۃ المسیح خلد اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور اپنے کتبخانہ کا بہت بڑا حصہ آپ
نے اس کتبخانہ کو عطا فرمایا ۔ اور آپکے تتبع پر حضرت حکیم فضل دین مرحوم نے بھی بہت سی
کتابیں دیں اور بھی بعض احباب نے کتابیں تو عنایت کر دی ہیں ۔ مگر سچ یہ ہے ۔ کہ
کتبخانہ کی حالت بھی ہنوز روز اول ہے ۔ جب تک خانصاحب محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی
جو افسر کتبخانہ تھے شہر میں رہے وہ کتبخانہ ہی میں رہتے اور کتابوں کی ترتیب و اصلاح
کے کام میں لگے رہتے مگر اب ہر روز کچھ نہ کچھ حصہ باہر چلا گیا ہے ۔ کتبخانہ کی حالت
قابل توجہ ہو رہی ہے اور وہ ایسے نوجوانوں کی خدمات چاہتا ہے ۔ جو اس سے پوری

دلچسپی ہے۔ کتبخانہ میں بہت سے اخبارات آتے ہیں مگر ہنوز یہ تغیر و تبدل کے ساتھ
ان کی اصلاح اور ترتیب بھی محتاج اصلاح ہے۔

رسالہ ۔ رسالہ کے خریداروں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور مجلس ناظم اس کی
بہتری اور دلچسپی بڑھانے کی فکر میں ہے۔ رسالہ کے لیے مستقل طور پر ایک سب ایڈیٹر
کی تلاش درپیش ہے اس رسالہ کی ایڈیٹری کا کام آنریری ہو سکتا ہے بشرطیکہ اہل قلم
نوجوان توجہ کریں۔ انجمن تشحیذ کے ممبروں میں قابل گریجویٹ انڈر گریجویٹ مدرس اور
طالب علم ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ اور تعجب ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ دو ڈھائی
جزو کے ماہوار رسالہ کے لیے مضمون بہم پہونچانے میں دقت ہوتی ہے ممبران انجمن
اگر توجہ کریں اور وہ اپنے فرض کو شناخت کریں تو رسالہ نہایت قابلیت سے ایڈٹ ہو
سکتا ہے۔ اس مذاق کو پیدا کرنے کے لیے خاکسار ایڈیٹر الحکم نے اس رسالہ کو ترتیب دیا
ہے اسلیے کہ وہ بھی اس انجمن کا ممبر ہے اور اسکا بھی فرض ہے کہ وہ عملی رنگ میں حصہ
لے بہرحال اگر رسالہ کو مفید اور دلچسپ بنانے کے لیے ممبران انجمن رسالہ میں مضامین
لکھیں تو یہ رسالہ سکولوں اور کالجوں میں مفید اور مقبول ہو سکتا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔
رسالہ کی اشاعت ۷۰۰ کے قریب ہے۔ اور کوشش ہونی چاہیے۔ کہ اس سال کا آخری نمبر کم از
کم ایک ہزار شائع ہو۔ ایک ہزار طبع ہوتا ہے۔

مجلس ناظم ۔ انتظامی امور کے لیے ایک مجلس ناظم مقامی ممبروں کی تجویز ہوئی ہے اس
کے قواعد عنقریب شائع کر دیے جائیں گے اور اس طرح پر انجمن کی کانسٹیٹیوشن میں
یہ تغیر کیا گیا ہے۔ کہ ایک کونسل ٹرسٹیاں رہے گی اور ایک اس کے ماتحت مجلس ناظم
یا کارکن کمیٹی۔

عہدہ داران میں بھی مناسب تغیر و تبدل ہوا ہے آیندہ سیکرٹری **میر محمد اسحاق**
صاحب مقرر ہوئے ہیں اور نائب شیخ محمد تیمور صاحب ایم۔ اے اور ناظر ماسٹر محمد دین صاحب بی اے

ایسا ہی انجمن کے حسابات کی پڑتال کے لیے صدر انجمن احمدیہ کے سپرنٹنڈنٹ دفاتر ماسٹر فقیر اللہ صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ تشحیذ کے دفاتر کی بھی پڑتال کیا کریں جو انھوں نے منظور کر لیا ہے؛

ممبران انجمن کو اطلاع

بالآخر ممبران انجمن کی خدمت میں التماس ہے کہ اخیر دسمبر ۱۹۱۰ء تک جس جس قدر چندہ ممبری کسی کے ذمہ باقی ہے اس کے لیے نومبر ۱۹۱۰ء کا پرچہ انکے نام وی۔پی کیا جائیگا اور آئندہ جنوری کا پہلا پرچہ چندہ ممبری کے لیے بھیجا جایا کریگا۔ تاکہ بقایا کا جھگڑا نہ رہے بقایا ایسا جھگڑا ہے جس سے دفتر میں ایسا کام بڑھتا ہے جو دوسرے ضروری اور مفید کاموں سے روک دیتا ہے،

ممبران انجمن کے متعلق

مذاہب غیر کی تنقید و تحقیق تشحیذ الاذہان کے مقاصد میں یہ امر داخل ہے کہ جہاں وہ اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کرے وہاں ان اعتراضات کا بھی جواب دے جو اسلام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یا قرآن کریم پر یا سلسلہ عالیہ احمدیہ پر کیے جاتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً دوسرے مذاہب باطلہ پر تنقیدی نوٹ یا ایسے سوالات اور اعتراضات اس میں شائع ہوتے رہیں جن سے پڑھنے والوں کو دوسرے مذاہب کی حقیقت اور کمزوری کا علم ہو جاوے اسی ضمن میں ایسے مضامین بھی آ سکتے ہیں جو اسلام اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ پر مشتمل ہوں۔ رسالہ تشحیذ الاذہان بڑی خوشی سے اس قسم کے مضامین کو چھاپنے کے لیے تیار ہے۔ مگر لکھنے والوں کے لیے مندرجہ ذیل ہدایات کا دیا جانا ضروری ہے۔

اول ایسے تمام مضامین معقولیت اور متانت سے لکھے جاویں۔

دوم۔ طرز تحریر سادہ اور ایسی ہو کہ مشکل سے مشکل مسائل کو عام فہم بنانے کی کوشش کی جاوے اور کوئی درشتی اور ناسزا کلمہ بالخصوص کسی مذہب کے ہادی یا بزرگ کے متعلق استعمال نہ کیا جاوے۔

سوم۔ اس قسم کے مضامین حاشیہ چھوڑ کر لکھے جاویں تاکہ اگر ایڈیٹران میں کسی اصلاح اور ترمیم کی ضرورت سمجھے تو آسانی سے کر سکے۔ اور اسے اختیار ہوگا کہ ایسا کرے

چہارم۔ کوئی مضمون رسالہ کے آٹھ صفحے سے زیادہ نہیں کیونکہ اس مقصد کے لئے رسالہ کے زیادہ سے زیادہ آٹھ صفحے مختص ہو سکتے ہیں۔

پنجم۔ ایسے تمام مضامین کے لفافہ پر موٹی قلم سے **تنقید و تحقیق** لکھ دینا چاہئے۔

امید ہے ممبران تشحیذ الاذہان اپنے معلومات کے وسیع کرنے کے لئے اس دلچسپ باب میں حصہ لیں گے۔

اسی سلسلہ میں اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ممبران انجمن تشحیذ توجہ کریں اور پسند کریں تو انجمن تشحیذ الاذہان کے متعلق ایک شعبہ تصنیفات و تالیفات کا بھی ہو سکتا ہے اور ایسے قابل بزرگوں کی تصانیف جو حقائق الاسلام یا تردید مذاہب باطلہ کے متعلق چھپی ہوں اور خود شعبہ چھپوا کر شائع کیا جاویں جس میں وقتاً فوقتاً چھوٹے چھوٹے ٹریکٹ اور اشتہارات بھی شائع کریں جیسا کہ اس سے پہلے بعض پمفلٹ مثلاً **رسالہ نجات** یا اشتہارات وغیرہ شائع ہوئے ہیں ایسے اشتہارات اور رسالہ جات کی اشاعت نوجوانوں میں مذہبی ذوق پیدا کرنے والی ہوگی۔ اور انجمن اور رسالہ تشحیذ الاذہان کا موجودہ حالت سے زیادہ وسیع ہو سکے گا۔ یہ ترقی ضروری ہیں اور بعض سلسلہ میں چاہیئے ہے یہ غرض نہیں کہ ابھی سلسلہ ابھی شروع ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ ایک ضرورت ہے۔ جو ممبران انجمن کے سامنے پیش کی گئی ہے اگر ممبران انجمن اسکو مفید اور ضروری سمجھیں تو وہ اپنی راؤں سے اطلاع دیویں تاکہ باقاعدہ بعد اس تحریک کو انجمن میں پیش کیا جاوے۔

اگر اسے غیر مفید قرار دیا جاوے تو اسے چھوڑ دیا جاوے۔ یا ملتوی کیا جاوے کسی امر کو ضروری قرار دینے کے بعد دوسرا سوال اس کی عملی صورت اختیار کرنے کے متعلق ہوتا ہے۔ پس پہلے ہی اس کے مشکلات کا اندازہ کرنا غلط راہ ہے۔ جو علی العموم کسی امر کے فیصلہ میں اختیار کیجاتی ہے کیونکہ اس میں یہ اور وہ مشکلات ہیں لہذا اس کا چھوڑ دینا چاہئیے یہ کم ہمتی اور ضعف حوصلہ کا نشان ہے۔ اصل سوال جو ہر امر کے متعلق سب سے اول طے ہونا چاہئیے۔ وہ یہ ہے کہ کیا یہ **ضرورت ہے یا نہیں؟** اگر **ضرورت** ہے فیصلہ ہو تو پھر اس کے پورا کرنے کی کوشش شروع ہوتی ہے پس ان ہر دو امور کے متعلق ممبران انجمن اپنی اپنی رائیں سے اطلاع دیں تاکہ بعد غور انہیں کسی مناسب صورت میں انجمن کے سامنے رکھا جاوے۔

انجمن تشحیذ کا سالانہ جلسہ

سالانہ جلسہ انجمن کا ہمیشہ سالانہ اجتماع کے موقعہ پر ہوا کرتا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا غیر ضروری ہے۔ البتہ ایک امر قابل غور ہے کہ اگر انتظامی امور کے لیے ایک جلسہ ممبران انجمن کا جو آئندہ گویا کونسل مرسیان کے ممبر ہونگے اس سالانہ اجتماع سے پیشتر کسی موقعہ پر ہو کر بحث وغیرہ ضروری امور پر بحث ہو جایا کرے تو شاید زیادہ مفید ہو سکے۔ ابھی تک سالانہ جلسہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ کہ کب ہو اگر سال گذشتہ کی طرح ایسٹر کی تعطیلات میں ہوا تو کرسمس کی تعطیلات میں انجمن تشحیذ اپنے مالی اور انتظامی حالات پر غور کرنے کے لیے موقعہ نکال سکتی ہے اور اگر دسمبر ہی میں جلسہ ہو تو پھر آئندہ اس سوال پر غور کرنا ہوگا۔

اقتباس

فرمودہ امیر المومنین

للفقراء۔ محتاج جس کے پاس ضرورت صحیحہ کے لیے کچھ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے ریل کا ٹکٹ لینا ہے۔ مگر اتفاق سے اس کے پاس چند پیسے کم ہیں۔ اور وہ اس کے بغیر جہاں جانا چاہے نہیں جا سکتا۔

المساکین۔ جو کما تو سکتا ہے۔ مگر اس کے پاس سامان نہیں مثلاً کوئی جلد ساز ہے وہ سب اسباب نہیں رکھتا جس سے اپنی دکان کھول سکے۔

والعاملین علیہا۔ صدقات کے انتظام و وصولی کے لیے جو محکمہ ہو اس کے ملازموں کی تنخواہ۔

والمؤلفۃ قلوبھم۔ اس مد کو بعض علماء نے غلطی سے اڑا دیا ہے۔ حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ مثلاً کوئی آریہ یا عیسائی تحقیق دین کے لیے آتا ہے۔ اب اس کے لیے مکان خوراک وغیرہ کی ضرورت ہے۔ یا کوئی نو مسلم ہے ابھی وجہ معاش کے لیے کچھ نہیں رکھتا ہیں وہ اسی مد سے خرچ کیا جاویگا۔

وفی الرقاب۔ غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے کوئی مذہب سوائے اسلام کے نہیں جس نے غلاموں کی آزادی کے لیے باضابطہ طور پر ایک حصہ رکھا ہو میں نے اب بھی کچھ روپیہ اس مد کے لیے بھیجا ہے اور اس آیت پر عمل کیا ہے۔

والغارمین۔ اس کا ترجمہ قرضدار غلط ہے ان لوگوں سے مراد ہے جن پر کوئی تاوان پڑ گیا ہو مثلاً کسی نیک و شریف کی ضمانت دی تھی وہ بھاگ گیا یا کسی پر جرمانہ عدالت میں ہو گیا ہو اور وہ اس کی ادا کے بغیر قید ہو جائیگا۔

وفی سبیل اللہ۔ دینی کاموں میں جو امام کی مصلحت کے مطابق ہوں۔ [illegible]

میں تو قرآن شریف نہایت خوشخط اعلیٰ کاغذ پر چھپوائے جائیں۔ قرآن شریف کا ایک مدرسہ ہو جس میں نابینا بالخصوص آکر قرآن مجید یاد کریں۔

حدیث کی کتابیں صحیح صحیح چھپوائی جاویں۔ ان کی اشاعت ہو۔ اس کی تعلیم پر خرچ ہو۔ انشاء اللہ مسلمانوں پر نیک بیج ہو بنائے جاویں۔ جو لوگ بہت صالح ہوں اور باعمل۔ واعظ ہوں اور متکلم ہوں۔

ابن السبیل۔ جاویں جو خرچ ہو۔ وہ اس مد سے ہو جائیں بنا کر دے دیں کریں۔ بعض علماء کے نزدیک ادارہ کی عمارتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اگر کسی کو توفیق ہو تو ریلوے سٹیشن پر مسجدیں بنوائے تاکہ مسافروں کو نماز پڑھنے میں دقت نہ ہو۔

ایک اور بحث اس کے متعلق ہے کہ ان آٹھوں میں سے کسی ایک کو زکوٰۃ دی جاوے تو بھی جائز ہے۔ یا نہیں رہا ہر ایک کو ضرور دی جاوے اور پھر ہر ایک مد کے کم از کم تین آدمی ہوں کیونکہ جمع کا صیغہ ہے یا خواہ ایک ہی ہو پھر سب کو ایک وقت میں دی جاوے یہ بات اختلافی مسائل میں سے ہے اور ہم اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں دیکھتے۔

مسلمانوں نے تو زکوٰۃ کو ادا کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ اور بحث مصارف کے متعلق چھیڑ رکھی ہے۔

حضرت ابن عباس سے کسی نے پوچھا کہ اگر مکھی بلا وجہ ماری جاوے تو اس کا کیا کفارہ ہے آپ نے سوچ سوچ کر کہا کہ تم کوفہ کے رہنے والے ہو اس نے کہا۔ ہاں کسی نے عرض کیا یہ سوال بتانا آپ نے کیوں فرمایا۔ اور کس طرح سے معلوم کر لیا۔ فرمایا ایسے سوال انہی لوگوں سے امید ہو سکتی ہے جب امام حسین کو شہید کر دیا تب مجھ سے یہ مسئلہ نہ پوچھا اور اب مکھی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ اللہ رحم کرے۔ (باقی)

اطلاع

خریداران اور ممبران جن کے نام رسالہ تشحیذ الاذہان کا بقایا ہے وہ اپنا بقایا بہت جلد ارسال فرماویں اور اس رسالے کے لیے خریدار پیدا کریں اور جو انجمن تشحیذ الاذہان کے ممبر ہیں وہ اپنی قیمت رسالہ مبلغ دو روپے فی کس اور ایک روپیہ چندہ ممبری ارسال فرماویں روپے کی بڑی ضرورت ہے۔ امید ہے کہ خریداران رسالہ اور ممبران اپنا اپنا بقایا بہت جلد ارسال فرماوینگے۔

مینیجر

گوشوارہ آمد و خرچ رسالہ تشحیذ الاذہان بابت [illegible]

چندہ ممبری	از قیمت رسالہ	میزان	کیفیت
.	[illegible]	[illegible]	

سامان دفتر	محرر	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	میزان	[illegible]
.	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	.	[illegible]	[illegible]

بقایا گذشتہ تاریخ [illegible] اگست [illegible] — [illegible]

آمد — [illegible]

میزان — [illegible]

خرچ ماہ ستمبر [illegible] — [illegible]

بقایا تاریخ [illegible] ستمبر [illegible] — [illegible]

رجسٹرڈ [illegible]

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی شافی مجرب
دوائیں جو ۲۶ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

کھانسی کی دوا

یہ دوا ہر قسم کی کھانسی [illegible] کی بیماری [illegible]

[illegible]

[illegible]

اس دوا [illegible] کی رائے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

درد سر و ریاح کی دوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تارا چند دت سٹریٹ کلکتہ

نمبر ۱۱ — یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے — جلد ۵

[illegible]

قیمت سالانہ عوام سے [illegible] اور طلباء سے [illegible] اور غیر ممالک والوں سے [illegible]

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ نومبر [illegible] — فہرست مضامین — مطابق [illegible]

باہتمام [illegible] قادیان سے شائع ہوا [illegible] پریس [illegible]

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصے سے شائع ہو رہا ہے اس اشتہار سے بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح [illegible] حکیم نور الدین صاحب [illegible] کے مجوزہ نسخہ کے مطابق لکھا [illegible] حضرت نے اس سرمہ کے متعلق [illegible] امراض چشم کیلیے مفید ہے۔ اس شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی لکھ اور کا امام طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی طبی امام کہلانیکا حقدار ہے اسکے مفید ہونیکی شہادت دیتا ہے۔ یہ سرمہ دھند جالا پھولا پڑبال ضعف اور سرخی اور ابتدائی موتیابند وغیرہ امراض چشم کے لیے بہت مفید ہے قیمت سرمہ قسم اول فی تولہ [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible]۔ اصلی ممیرا قسم اول [illegible] دوم [illegible]۔

ترکیب استعمال۔ یہ ممیرا پتھر پر گھس کر آنکھوں میں لگاویں اور سرمہ خاص کر گرمی والوں کے موسم تمام بیماریوں [illegible] ہوتے ہیں۔ بہت مفید ہے۔

ست سلاجیت

[illegible]

مقوی جمیع اعضا [illegible] [illegible] [illegible] رنگ [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] وغیرہ [illegible] استعمال [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

[illegible] کی لنگیاں [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible]

اور [illegible] اور [illegible] کی [illegible] [illegible]

المشتہر [illegible] محمد [illegible] سوداگر [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

نشان آسمانی

وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیہا وھم عنہا معرضون
اور کس قدر نشانیاں زمین و آسمان میں ہیں کہ لوگ اُنپر سے گزرتے ہیں اور پھر بھی اُن سے اعراض کرتے ہیں۔

گو دنیا میں اس قسم کے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں آیات اللہ کو دیکھکر پھر بھی اعراض ہی کرتے ہیں۔ بلکہ اُنپر ٹھٹھا ہنسی کرتے اور تمسخر اڑاتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ایسے وجود بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں جو کہ سچائی کے طالب اور راستی کے شیدا ہوتے ہیں اور ہر وقت اُن کی طبیعتیں اس بات پر مستعد ہوتی ہیں کہ اِدھر آواز کو سنتے ہی اُس کی طرف دیوانہ وار دوڑتے ہیں اُن کے دل خشیت اللہ سے پُر اور سینہ نور الٰہی سے معمور ہوتے ہیں اور وہ ایسے ہی کہ کسی امر کی سچائی اُنپر منکشف ہو جائے وہ اُسے قبول کر لیتے ہیں اور کسی قسم کا نقصان یا گھاٹا اُن کو اس فعل سے روک نہیں سکتا۔ میں اس موقعہ پر ایسے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی غیر محدود طاقتوں اور بے شمار قدرتوں کو مد نظر رکھکر دیکھیں کہ کیا یہ اُس کی شان کے بعید معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کی نازک حالت اور مسلمانوں کی ذلت و ادبار کے ایام میں رسول کریم کی اُمت میں سے ایک شخص کو چنکر اپنے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف کرے اور اُس کی معرفت دنیا پر اپنا چہرہ روشن کرے اگر یہ خدا تعالیٰ کی شان سے بعید نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے تو پھر ہزاروں نشانوں کے دیکھنے کے بعد حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ماموریت سے کیوں انکار کیا جاتا ہے؟

زمانہ کی حالت شاہد ہے۔ مسلمانوں کا ادبار گواہی دے رہا ہے۔ وقت پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس وقت رسول کریم کی پاک روح ایسے شخص خدمات کا روشن کرنے والا اور قرآن شریف کی بے عیب تعلیم کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے اور اس کی روشنی کو ان کے گھروں میں پہنچانے والا انسان پیدا ہونا چاہیے۔ غیر تو غیر خود مسلمانوں میں بے دینی کے خیالات پھیل رہے ہیں اور یورپ کے فلسفے دیکھ کر لاکھوں کروڑوں مسلمان ہیں کہ اسلام کے بہت سے پاک مسائل کو ترک کرتے جاتے ہیں اور وہ برباد خیالات ان کے دلوں میں جاگزیں ہو رہے ہیں ان کو اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ قرآن و حدیث کیا کہتے ہیں بلکہ وہ ہر ایک مسئلہ کو یورپ کے فلسفہ کے ماتحت لانا چاہتے ہیں چنانچہ کوئی تو قدم روح کا قائل ہو رہا ہے تو کوئی فرشتوں کا انکار کر رہا ہے اور کوئی کل انبیاء کے متفقہ مسئلہ دعا کا منکر ہے پس ایسی صورت میں خصوصاً جبکہ خدا تعالیٰ نے رسول اللہ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدد پیدا ہوگا اور اب چودھویں صدی کے بھی اٹھائیس سال گذر گئے ہیں ضروری تھا کہ کوئی مجدد آتا بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا تباہ ہو چکی مگر خدا تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے اور اس نے اس وقت پر اپنے فضل سے ایک عظیم الشان مجدد بھیجا

ط مجدد دنیا میں اس لئے آتے ہیں کہ زمانہ موجودہ میں جو جو گندے خیالات پھیل رہے ہوں ان کا علاج بذریعہ وحی سے ان کا استیصال کریں اور اس کے مطابق زمانہ میں اپنی پاک صحبت سے ایک ایسی جماعت قائم کر جائیں جو ... یہاں تک کہ شستہ اور ... گویا پھر سے ایک نئی جماعت قائم ہو جاتی ہے تو وہ اپنے محبوب حقیقی کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور ان کے بعد ان کے متبعین اپنا اصل مقصد تک اشاعت دین کا کام کرتے رہتے ہیں اور دنیا کی ہدایت کا باعث ہوتے ہیں اور مجدد کی بعثت سے یہ گمان کرنا کہ سب دنیا بالکل نیک و پاک ہو جائے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ قلیل من عبادی الشکور۔ اور ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ اور پھر فرمایا وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کی جماعت تھوڑی ہی (رہتی ہے)

اور بڑے بڑے نشانات اُن کے ہاتھ پر دکھائے۔ مگر بہت ہیں جو اب تک اس کی پہچان
میں مستور ہیں۔ بعض تو غلط فہمی کی وجہ سے اور بعض شرارت سے۔ میں اہل اللہ گروہ
کو ایک تازہ نشان کی طرف توجہ دلاتا ہوں جو کہ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد خاص
طور سے نہایت صفائی کے ساتھ پورا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا ظاہر
کرنیوالا ہے۔ عرصہ قریباً پانچسال یا اس سے زیادہ عرصہ گذرا کہ حضرت صاحب نے اپنا
ایک خواب شائع کیا تھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب گھوڑے پر سے گرے ہیں جو
کہ ۱۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو بعینہٖ پوری ہوگئی۔ جمعہ کی نماز پڑھکر حضرت مولوی صاحب نواب
محمد علی خانصاحب کے مکان پر ملاقات کے لئے تشریف لے گئے واپس لوٹتے
ہوئے جب گھوڑے پر آپ سوار تھے اور ایک گلی کے موڑ پر آپ پہنچے
گر گئے اور ایک پتھر کی ضرب سے ماتھے پر سخت چوٹ آئی اور اس کی وجہ سے کئی
دن سے بڑی تکلیف ہے یہ ایک ایسا نشان ہے جس پر مخالف خواہ کسی قدر ہی زور طبع خرچ
کرے کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔ خواب کیسا صاف اور کھلا ہے کہ حضرت مولوی صاحب
گھوڑے پر سے گرے اور کسی قسم کا ابہام نہیں ہے۔ پانچ برس گذر جاتے ہیں
یہاں تک کہ لوگوں کو اس خواب کا خیال تک بھی نہیں رہتا خود حضرت مسیح موعود اس
عرصہ میں فوت ہو جاتے ہیں اور پھر کس صفائی اور جلالی قسم کے پردہ کے ساتھ پیشگوئی
پوری ہوتی ہے کیا کسی انسان کی یہ طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد کی

(بقیہ صفحہ ۹) خاتمہ بالخیر مقصود ہی ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی ایسے وقت میں جبکہ حضرت رسول اللہ تک
کو سب دنیا نے رد کیا ایسی ہی سنت کے مطابق تو حضرت مسیح کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو
لیکن آپ ایک ایسی جماعت تیار کر گئے ہیں کہ جو انشاءاللہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے کل دنیا کو
نور سے بھر دیگی۔

ایک خبر پانچسال پہلے کھول کر سُنادے اور پھر اُسی طرح واقع بھی ہوجاوے۔ اگر یہ قدرت انسان کو ہے اور جھوٹا آدمی بھی ایسا کر سکتا ہے تو سچوں اور جھوٹوں میں کیا فرق رہیگا خداتعالیٰ تو سچے نبی سے قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول ۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک مفتری علی اللہ پانچسال پہلے ایک خبر دے اور پھر وہ اُسی طرح اُس کی وفات کے بعد بلا کم و کاست پوری ہوجاوے

حضرت مسیح موعود کی تائید میں خداتعالیٰ نے ہزاروں نشان دکھلانے میں اور آجتک دکھا رہا ہے لیکن یہ تازہ واقعہ عظیم الشان نشانوں میں سے ہے کیونکہ یہ ایک ایسے خلاف معمول طور پر پورا ہوا ہے کہ دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے

جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی اور الحکم میں اعلان شائع کی گئی تھی اُس وقت مولوی صاحب کے گھر میں کوئی گھوڑا نہ تھا آپ ایک مدت سے سواری ترک کر چکے تھے اور ایک ایسی بستی میں رہتے تھے جہاں کے باشندے گھوڑے کی سواری کے کچھ ایسے شائق نہ تھے اگر ایسا ہوتا تو دشمن اعتراض کر سکتا تھا کہ ایسے گاؤں کے رہنے والے انسان کی نسبت جس کے باشندوں کو گھوڑے کی سواری جزو زندگی ہے اور جو خود بھی ہاتھ ایک کام میں مشغول رہتا ہے یہ پیشگوئی کرنا کہ وہ گھوڑے سے گر جائیگا چنداں مشکل نہیں لیکن اس جگہ پر واقعہ بالکل برعکس ہے کیونکہ یہ خواب اُس وقت کی ہے جبکہ حضرت مولوی صاحب سواری بالکل ترک کر چکے تھے اور آپ کے پاس کیا قادیان کے رہنے والے احمدیوں میں سے کسی کے پاس بھی گھوڑا نہ تھا اور نہ یہ جگہ ہی ایسی ہے کہ یہاں کے باشندے کثرت سے اس شغل میں لگے رہتے ہوں پس ایک ایسے انسان کی نسبت جو نہ تو اس بستی میں رہتا ہو جس کے باشندے گھوڑے کی سواری کا خاص شوق رکھتے ہوں نہ وہ ان دنوں میں خود ہی سواری کا شائق ہو نہ اُس کے پاس گھوڑا ہو نہ اُس کے دوستوں کے پاس ہو جو گھوڑے کی سواری کئی سالوں سے ترک کر چکا ہو جس کی عمر ستر کے قریب ہو

کہیں میں انسان جسمانی کمزوری کی وجہ سے باوجود شوق رکھنے کے بھی ان کاموں کو چھوڑ دیتا ہے ایک شخص کا یہ پیشگوئی کرنا کہ مجھکو خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ کبھی گھوڑے کی سواری کرتے ہوئے گر پڑیگا اور پھر اس کے قول کے مطابق ہو بھی جانا ایک ایسی عجیب بات ہے کہ ہر ایک وہ شخص جو ذرہ بھی دیانت داری سے کام لے اور تعصب کے پردوں کو آنکھوں سے دور کر کے اُسپر نظر کرے تو کبھی بھی شک نہیں کر سکتا کہ ضرور بالضرور یہ خدا ہی کی طرف سے تھی اور اُسکی بتائی ہوئی تھی ورنہ انسان میں یہ طاقت نہیں ہو سکتی اور کبھی نہیں ہو سکتی کہ کسی واقعہ سے پانچ سال پہلے اُس کی خبر دے اور ایسے وقت میں دے کہ اُس کے لئے کوئی قرینہ موجود نہ ہو اور پھر وہ اُسی طرح بلا کم و کاست پوری بھی ہو جاوے۔

اس خواب نے اپنے وقت پر پوری ہو کر حضرت مسیح موعود کے دعوے پر تصدیق کی اور ایک مہر لگا دی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو اپنے اندر ایمان رکھتے ہیں اور خشیت خدا ان میں باقی ہے اور دنیا کے بغضوں اور کینوں کی کچھ پروا نہ رکھتے ہوئے سچائی کے قبول کرنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں راستہ صاف کر دیا ہے۔ اب جو کوئی اپنے سینہ میں قلب سلیم رکھتا ہے اسپر غور کرے اور اپنے وقت کو ضائع ہونے نہ دے اور پیشتر اس کے کہ موت اسپر توبہ کا دروازہ بند کر دے اپنے وقت کے مامور کو قبول کرے تاکہ ضلالت کی موت سے محفوظ رہے کیونکہ یہ پیشگوئی جیسا کہ میں اوپر تفصیل سے بیان کر آیا ہوں حضرت مسیح موعود کے صدق دعوے پر ایک بیّن دلیل ہے۔ اور اپنے اندر ایک خاص شان رکھتی ہے اور انسانی دست برد سے بالکل پاک ہے اور جس قدر انسان اس پر غور کرتا ہے اس کی سچائی کا زیادہ قائل ہوتا جاتا ہے مثلاً جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں یہ خواب حضرت مسیح صاحب نے اپنی زندگی میں آج سے پانچسال پہلے دیکھا تھا اور اس وقت کوئی گھوڑی یہاں موجود نہ تھی نہ آپ کی سواری کی عادت ہی تھی پس حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد اس کا اس طرح نکلتے ہوئے پورا ہونا آپ کی سچائی کی ایک بڑی بیّن دلیل ہے لیکن ان ہی

دشمنات پر ہی بس نہیں اس پیشگوئی کے پورا ہونے میں اور بھی ایسے واقعات ہیں کہ جو
اس کی عظمت کو بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ گھوڑی عزیزم عبدالحی سلمہ اللہ تعالیٰ کو کسی جماعت
نے ہدیۃً دی تھی اگر وہ مول لی جاتی تو جب بھی عظمت نہ ہوتی جو اس صورت میں ہے کہ اس
گھوڑی کے آنے میں بھی کوئی انسانی منصوبہ کا دخل نہ تھا بلکہ گھوڑی پہلے گرنے کی خبر
دینے والے خدا نے خود ہی ایک شخص کے دل میں تحریک کی کہ وہ عزیزم عبدالحی سلمہ اللہ تعالیٰ
کو ایک گھوڑا بطور ہدیہ کے پیش کرے۔ پھر آپ نواب محمد علی خان صاحب کے ہاں اس
لئے تشریف لے گئے تھے کہ نواب صاحب اپنے وطن مالیر کوٹلہ سے چند مہینوں کے
بعد تشریف لائے تھے اور آپ چاہتے تھے کہ بموجب سنت اُن کے گھر پر تشریف
لے جائیں۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور نواب صاحب مع اپنے کل خاندان کے خاص قصبہ
قادیان میں تشریف لائے ہوئے تھے اور بعد نماز جمعہ کے جب آپ جانے کا ارادہ کر رہے
تھے خود ہی آپ سے ملنے کے لئے آگئے تھے اور اس صورت میں کوئی ضرورت نہ تھی
کہ آپ پھر اُن کے مکان پر جو قادیان سے قریباً ایک میل پر واقع ہے تشریف لیجاتے
لیکن جب خدا تعالیٰ کو منشا پورا ہونا تھا تو یہ کیونکر ممکن تھا۔ آپ باوجود نواب محمد علی خان
صاحب کے آنے کے پھر بھی اُن کے ساتھ اُن کے مکان پر تشریف لے گئے
اور یہ ایک ایسی غیر معمولی بات تھی کہ میں نے بعض دوستوں سے اُس وقت کہا بھی کہ
جب نواب صاحب خود ہی تشریف لے آئے تھے تو آپ حضرت کا وہاں جانا غیر
معمولی بات ہے۔ مگر مجھے کیا علم تھا کہ یہ سب کچھ ایک خاص پیشگوئی کو پورا کرنے کے
لئے خدا تعالیٰ کروا رہا ہے۔ واپسی کے وقت جس گھوڑے پر آپ سوار ہوئے ہیں
اس کی رکابیں بہت چھوٹی تھیں کیونکہ بچوں کی سواری کے لئے تھیں ایک شخص نے
عرض کیا کہ رکابیں لمبی کروا دی جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ نہیں بچوں کو بعد میں دقت ہوگی حالانکہ
رکابوں کو چھوٹا بڑا کرنا کوئی بڑا کام نہیں پھر چھوٹی ہو سکتی تھیں مگر یہی اُسی تقدیر خدا کی ایک

حکمت تھی پھر جس وقت آپ وہاں سے چلے ہیں تو بہت سے احباب ساتھ چلنا
چاہتے تھے مگر آپ نے روک دیا کہ نہیں پیچھے آہستہ آہستہ چلے آؤ یہ بھی
ایک الٰہی فعل تھا صرف دو آدمی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر گھوڑی کے بدک کر تیز ہو جانے
کی وجہ سے وہ پیچھے رہ گئے اور اس طرح گویا اس واقعہ کے پیش آنے کے موقعہ پر کوئی بھی ساتھ
والا بھی نہ تھا جو کسی خطرناک موقعہ پر گھوڑی کو پکڑ سکے یا روک سکے آپ کے مکان کی طرف
دو راستے آتے ہیں ایک بازار سے دوسرا تنگ گلی میں سے جو کہ اس خیال سے کہ بازار
کا راستہ زیادہ صاف ہے اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے زیادہ محفوظ ہے پہلے آپ
اُسی طرف چلے لیکن عین وہاں پہنچ کر دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ یہاں عورتیں اور بچے ہونگے
ایسا نہ ہو کہ کسی کو تکلیف ہو آپ وہاں سے واپس لوٹ کر دوسرے راستہ کی طرف چل پڑے
جو کہ نسبتاً بہت زیادہ خطرناک تھا گھوڑی ازنگ کے ہی تیز ہو رہی تھی اس راستہ میں
دوڑ پڑی اور طرح چل کر ایک موڑ کے قریب آپ اُس پر سے گر گئے اور عجیب قدرت الٰہی
یہ ہے کہ گلی کے اس حصہ میں پتھر کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے مگر اس خاص
موقعہ پر جہاں آپ گرے ہیں ایک دو پتھر پڑے ہیں جن پر گر کر آپ کے ماتھے پر چوٹ
ضرب آئی اور ضرب کا سخت ہونا پیشگوئی سے ظاہر تھا کیونکہ جو خدا تعالیٰ نے ایک امر
من اللہ کی معرفت اُس کی وفات کے بعد کے ایک واقعہ کی نسبت جو اس کے خلیفہ کے
ساتھ پیش آنا تھی دی تھی کوئی چھوٹی سی تو نہیں ہو سکتی تھی ضرور تھا کہ وہ سخت اور
تکلیف دہ ہوتی پس یہ بھی قدرت الٰہی ہے کہ آپ خاص اس جگہ پر گرے کہ جہاں پتھر
تھے حالانکہ اس حصہ میں پتھر صرف اسی جگہ پہ تھے ورنہ گز نصف گز بھی اِدھر اُدھر گرتے
تو چوٹ کچھ بھی نہ آتی اور اس طرح پانچ سال پہلے اس خبر کے بتانے کی کچھ ضرورت
نہ ہوتی اب ان تمام واقعات پر غور کر کے دیکھو اور اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچو
کہ اس تمام واقعات کے سلسلہ میں کہیں بھی انسانی بناوٹ یا منصوبہ پایا جاتا ہے کہ

کسی جگہ بھی انسانی دست برد کا دخل ہے۔ کیا انسان کی طاقت ہے کہ اس طرح ان اتفاقات کو اکٹھا کر دے۔

پیشگوئی کا ایسے وقت میں ہونا جب آپ کے پاس کیا قادیان کے احمدیوں میں سے کسی کے پاس بھی گھوڑا نہ تھا پھر اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود کا فوت بھی ہو جانا اور اس پیشگوئی کا بالکل فراموش ہونا پھر کسی شخص کا عزیزم عبدالحی سلمہ اللہ تعالیٰ کو گھوڑا ہدیۃً پیش کرنا اور خریدا ہوا ہونا نواب صاحب کے خود گھر ملنے کے باوجود حضرت مولوی صاحب کا وہاں تشریف لے جانا۔ کاٹھی کا چھوٹا ہونا اور باوجود کہنے کے آپ کا بچوں کی تکلیف کے خیال سے ان کے بے کرنے سے منع کرنا احباب کا ساتھ چلنے کی خواہش کرنا آپ کا روک دینا گھوڑے کا یکایک کر تیز ہو جانا اور دونوں ساتھیوں کا پیچھے رہ جانا اور پھر آپ کا خاص اس جگہ پر گرنا جہاں پتھر تھے ایسے عجیب واقعات ہیں کہ سوائے اس کے کہ یقین کیا جائے کہ خدا تعالیٰ کے خاص ارادے کے ماتحت حضرت صاحب کی پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے ہوئے ہیں اور کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

پس میں پھر ان لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ جن کو حق کی طلب ہے کہ اس عظیم الشان نشان کے پورا ہونے کے بعد بھی سستی سے کام نہ لیں اور خدا کا خوف کریں اور اس دن سے ڈریں کہ لا خلة فیھا ولا شفاعة خدا تعالیٰ جہاں بڑا رحم کرتا ہے وہاں اپنے الہامات و آیات کے مکذبین کے لئے شدید العقاب بھی ہے پس چاہئے کہ وقت کے ہاتھ سے نکل جانے کے پہلے توبہ کریں تا عذاب الٰہی سے محفوظ رہیں میں نہیں سمجھتا کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اس قدر آیات کے دیکھنے کے بعد بھی مامورین اللہ کی تکذیب کئے جاتے ہیں۔ خدا کے لئے کچھ تو غور کرو کیا زمانہ کسی مامور من اللہ کو چاہتا ہے کہ نہیں کیا رسول اللہ نے وعدہ نہیں کیا کہ ہر ایک صدی کے سر پر امت میں سے مجدد بھیجے جائینگے کیا صدی کا سر چھوڑ کر دوسری صدی کے بھی اٹھائیس سال نہیں گذر گئے کیا رسول اللہ

نے فرمایا تھا کہ جب مسیحیت کا زور ہوگا تو تم میں سے تمہارا امام مسیح کے رنگ میں رنگین ہو کر دجالی فتنہ کو پاش پاش کر دیگا کیا حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ نے سینکڑوں نشانات نہیں دکھلائے کیا سب سے تازہ نشان ایک عظیم الشان نشان نہیں یہ سب کچھ درست ہے اور آپکی صداقت اظہر من الشمس ہے گو خود حضرت مسیح موعود ہم میں موجود نہیں مگر آپکے خلیفہ موجود ہیں اور ابھی بہت سے لوگ باقی ہیں کہ جو صحبت یافتہ ہیں۔ وقت کو ہاتھ سے مت گنواؤ پیشتر اس کے کہ توبہ کا دروازہ بند ہو توبہ کرو وما علینا الا البلاغ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(مرزا محمود احمد)

یہودی صفت مسلمان

مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے سنہ [illegible] جولائی کے مضمون میں ثابت کیا ہے کہ قرآن شریف میں جو صفات یہودیوں کی مذکور ہیں وہی بعینہ بموجب حدیث رسول اللہ اس وقت کے مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ مضمون عیسائیوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا ہو گا مگر مسلمانوں کو بھی چاہیئے دیکھنا چاہئے کہ کہیں وہ ٹھوکر نہ کھائیں۔ خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے مضمون کیسا مفصل ہوتا تو بہتر تھا ابھی اس میں بہت سی زیادتی ہو سکتی ہے مگر میں شکر کرتا ہوں کہ انھوں نے اپنے قومی اخباروں اور رسالوں کا ہاتھ لیا مجھے خیال آ گیا۔ بہت سے دوست ہیں جو [illegible] مستقلات کے تو نہیں کرتے [illegible] انشاء اللہ [illegible]

شہ سب احباب کو چاہئے کہ اس نشان کی قدر کریں اور مخالفین [illegible] میں عام طور پر [illegible] شائع کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور [illegible] کے مستحق ٹھہریں۔

ہو جائیں ۔ (خاکسار ایڈیٹر)

اھدنا الصراط المستقیم ۔ صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝

ہر ایک نماز گذار مسلمان دن رات میں کم از کم تیس چالیس دفعہ اللہ تعالیٰ سے مندرجہ بالا دعا مانگتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں کی راہ دکھا جنہوں نے چل کر سابقین نے قسم قسم کے انعام پائے نہ راہ اُن لوگوں کی جو انعام پانے کے بعد مورد غضب الٰہی بن گئے ۔ اور نہ اُن کی جو گمراہ ہو گئے ۔ اس دعا کے الفاظ میں صریح پیش گوئی اس بات کی پائی جاتی ہے کہ جہاں اُمت محمدیہ مرحومہ کے افراد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دکھائے ہوئے صراط مستقیم پر چلنے سے نعمائے الٰہی سے متمتع ہونگے ۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج ترقی پر پہنچینگے وہاں ان ہی میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہونگے جو اللہ اور رسول کے احکام کی مخالفت یا عدم تعمیل کی وجہ سے مغضوب علیہم یا ضالین کے مصداق بنینگے کیونکہ اگر اُمت مرحومہ کو یہ خطرہ درپیش نہ تھا تو پھر اس دعا کے مانگنے کا حکم عبث ٹھہرتا اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صادق کی شان کے خلاف ہوتا ۔

حضرت نبی کریم نے بھی حدیث مبارک میں فرمایا ہے کہ میری اُمت میں بھی ایک وقت میں یہودی صفت لوگ پیدا ہونگے ۔ ہم اس مضمون میں انشاء اللہ دکھائینگے کہ یہ پیشگوئی جو مغضوب علیہم کے تحت میں آتی ہے موجودہ زمانہ میں کیسی صفائی اور وضاحت کے ساتھ پوری ہو رہی ہے کہ بے اختیار درود شریف اس ذات جامع صفات کے لئے زبان پر جاری ہوتا ہے ۔ اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وبارک وسلم انک حمید مجید

اس مضمون میں میں چند آیات قرآنی بیان کرونگا جن میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے مخاطب یہود کے صفات کا ذکر ہے۔ منصف ناظرین خود قیاس کریں کہ کس طرح ایک کثیر حصہ مخلوق کا اسوقت یہود ملعون کے قدم بقدم چل رہا ہے

(۱) قالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ تلک امانیھم قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین پ۱ع۱۳ ترجمہ۔ یہود کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا یہ سب خیالی باتیں ہیں۔ کہہ اگر سچے ہو تو دلیل لاؤ آج مسلمانوں کے مختلف فرقے یہی دعویٰ کر رہے ہیں کہ اسلام کے ۷۳ فرقوں میں سے ہمارا فرقہ ہی نجات پانے والا ہے باقی سب جہنمی ہیں جب اُن کو پوچھا جائے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس فرقے کے پابند تھے تو بہوت ہو جاتے ہیں اور پوچھنے والے کو بے اختیار یااھل الکتاب لم تحاجون فی ابراھیم[۱] وما انزلت التوراۃ والانجیل الا من بعدہٖ اور ماکان ابراھیم[۲] یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔ یاد آجاتی ہیں اور مخالف پر اتمام حجت ہو جاتا ہے کہ صرف حنفی۔ وہابی یا شیعہ کہلانا فائدہ نہیں دیتا اصل مدار نجات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی جائے۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے کہ

[۳] بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں یہ آیت چاہتی تھی کہ یہودی اور دوسرے لوگ آنحضرت صلعم پر ایمان لائیں۔ اسی طرح آج اس آیت کا تقاضا ہے

---

۱ ۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو تورات اور انجیل تو اس کے بعد نازل ہوئیں۔

۲ ۔ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی وہ تو پکے مسلمان تھے۔

۳ ۔ جو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنگیا۔ اور وہ نیکی کرنیوالا بھی ہو تو اس کا اجر اپنے رب کے پاس ہے ایسے لوگوں پر کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

کہ دنیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کرے اور احمدی جماعت نجات کو اپنے ساتھ مخصوص نہیں کرتی اور ایمان رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخشے۔ ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مامورں کو مان لینا اس کی فرمانبرداری کی ایک شاخ ہے اور جو اس سے اعراض کرے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوگا

(۲) قالت الیہود والنصاریٰ نحن ابناء اللّٰہ واحباءہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم ع (ترجمہ) یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پیارے ہیں کہہ کہ پھر وہ تمکو تمہارے گناہوں کی عوض سزا کیوں دیتا ہے!

(۳) وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ ع
(ترجمہ) کہتے ہیں کہ سوائے گنتی کے چند روز کے دوزخ کی آگ ہمکو نہ چھوئیگی۔
یہ اس مضمون کا وعظ بڑی کثرت کے ساتھ ہوتا سنتا ہے اور یہاں بھی یہ مسئلہ نہایت خلاف ہوا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روز قیامت کو سجدے میں گر کر اس اصرار سے شفاعت کرینگے کہ جب تک آپ کی امت کا ایک فرد بھی دوزخ میں باقی رہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سر نہ اٹھائینگے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسوں میں تو ایک صاحب نے اس مضمون کا بیان کرنا بالالتزام اپنے ذمہ لے رکھا ہے اور یوں بھی اس خاص رنگ میں شفاعت کا بیان کرنا لوگوں کے خوش کرنے کا ایک ذریعہ ہے واعظین بھی اسی رنگ کو اختیار کر کے لوگوں کی جیبیں کاٹتے ہیں۔ اس قسم کے وعظوں سے عام طور پر مسلمانوں میں اس قدر بیباکی اور بدعملی پھیلتی ہے کہ جسکا بیان نہیں ہو سکتا۔ زمانہ کی حالت انذار کو چاہتی ہے یہ لوگ بشارت کا پہلو اختیار کر کے اور اس میں غلو کر کے لوگوں کو سخت گمراہ کر رہے ہیں۔

(۴) ان الذین یکتمون ما انزل اللّٰہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولٰئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار ع
(ترجمہ) جو لوگ خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے دنیاوی منافع

لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں۔

(۵) من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ۔ ثم

(ترجمہ) یہود میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو الفاظ کو ان کے اصل معنوں سے پھیرتے ہیں
کئی مسائل ایسے ہیں کہ ہر قسم کا فتویٰ مسلمانوں کے علماء کرام سے مل سکتا ہے وہ کسکو
معلوم نہیں۔ ہمارے علم میں ایک مولوی نے جس نے پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری
کر رکھا ہے۔ عام اعلان کیا ہوا ہے کہ جو شخص کسی منکوحہ عورت سے نکاح کرنا چاہے مجھے
دس روپے دے میں نکاح پڑھ دونگا۔ عدالتوں میں بھی کثرت سے ایسے مقدمات پیش
ہوتے ہیں جن میں ایک عورت کا نکاح دو مردوں سے پڑھا ہوا ثابت کیا جاتا ہے

(۶) ومنھم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون

(ترجمہ) ان میں ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے بڑ بڑ کرنے کے۔
صرف ٹکل بازی سے کام لیتے ہیں۔ ایسے وجود اسلام میں کثرت سے ملتے ہیں جو پیشوایان
دین بنے بیٹھے ہیں کتاب و سنت کا ذرا بھی علم نہیں رکھتے۔ یہ مدعیان علم کا حال ہے
عوام الناس کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہودی امت کے پاس توریت کے نسخے کثرت سے
موجود نہ تھے۔ ہمارے زمانہ میں باوجودیکہ قرآن مجید نہایت ارزاں قیمت پر کثرت سے ملسکتا ہے
اور اکثر مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہوتا ہے۔ مگر اہل خانہ بالعموم اس کے مطالب سے
ایسے ہی ناواقف ہوتے ہیں جیسے یہودی اپنی کتاب سے ہوا کرتے تھے۔

(۷) قال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ثم

(ت) منکر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو اگر سنانے لگیں تو بیچ میں شور مچادیا کرو
شاید اس تدبیر سے تم غالب آجاؤ۔

حضرت مسیح موعود کی تبلیغ تو بہت دور دور تک پہنچ چکی ہے۔ پیشتر کئی سال ہوئے
احباب کے حلقہ میں تجویز پیش کی کہ حضرت کے دعاوی کے متعلق قادیان چلکر تحقیق

کرنی اور حالات دیکھنے چاہئیں کیونکہ بغیر تحقیق کے اعراض یا تکذیب کرنا درست نہیں تو مباحثے ہی صلاح دی کہ جانا مناسب نہیں کیونکہ ہوجاتا ہے دین کا بن جاتا ہے اس کے علاوہ ہم دیکھتے اور سنتے ہیں کہ مولوی لوگ اپنے اتباع کو احمدیوں کی باتیں سننے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو تقریریں کرنے کی ایسی مشق ہے کہ سننے والے کے دل پر اثر ڈال دیتے ہیں۔ نادان یہ نہیں سوچتے کہ حق کے اوپر باطل کس طرح غالب آسکتا ہے یا اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔

(۸) قالوا قلوبنا غلف پ۱ (ترجمہ) کہتے ہیں کہ ہمارے دل بھرے ہیں

ایک مولوی کی موجودگی میں ہم نے شکایت کی کہ تم ہماری تقریروں کو سننے کے لئے بھی نہیں آتے باوجودیکہ ہم اس قدر محبت اور شوق سے سنانا چاہتے ہیں آگے ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔ اس پر مولوی صاحب موصوف نے بہت زور سے کہا کہ ہم کو ہرگز نہیں سننا چاہئے ہاں تم ہمیں سناؤ۔ اللہ اکبر کس طرح ہمارے قلب نے گواہی دی کہ یہ شخص قلوبنا غلف کا قائل ہورہا ہے۔

(۹) الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب ... یقولون للذین کفروا ھؤلاء اھدی من الذین آمنوا سبیلا پ۵ (ترجمہ) کیا تو نے نہیں دیکھے وہ لوگ جن کو کتاب آسمانی سے حصہ دیا گیا ہے ... کہتے ہیں مشرکین کی نسبت کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ رو براہ ہیں

ہمارے مکذبین باقی سب مذاہب کے لوگوں کے ساتھ خلا ملا رکھتے ہیں مگر اجتناب کرتے ہیں تو ایک ہم احمدیوں سے۔ اور باوجودیکہ ہم تمام اصول مذہب میں ان کے ساتھ متفق ہیں ان کو دیگر مذاہب والوں کی نسبت برا کہتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جب ہمارا اور ان کا خدا ایک رسول ایک کتاب ایک۔ قبلہ ایک اور امر و نواہی ایک تو اس تھوڑے سے اختلاف کے متعلق جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے غور کرتے اور سوچتے کہ کون سا فریق حق بجانب ہے

برخلاف اس کے باوجودیکہ ہم خدا اور رسول کے ماننے والے ہیں۔ کتابوں اور ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ آخرت اور جزا سزا پر ہمارا یقین ہے اور علمائے بھی بحمد اللہ بحیثیت مجموعی ان سے بہتر ہیں ہم کو کافر بتایا جاتا ہے اور برعکس اس کے خود تاکریں شراب پئیں۔ رشوتیں لیں۔ جھوٹ بولیں۔ ناجائز مال کھا جائیں۔ پکے مسلمان بنے رہتے ہیں ؛

(۱۰) قالت الیهود عزیر ابن الله وقالت النصاری المسیح ابن الله پ ۱۰ ع

(ترجمہ) یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے تھے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں

آج بھی فرقہائے اسلام ایسے پائے جاتے ہیں جو حضرت نبی کریم کو خدائے مجسّم مانتے ہیں

(۱۱) قالت طائفة من اهل الكتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجه النهار واکفروا آخره لعلهم یرجعون پ ۳ ع

(ترجمہ) کہتے ہیں اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہ ایمان لے آؤ دن کے اول حصہ میں اس چیز پر جو نازل ہوئی ہے مسلمانوں پر اور منکر ہو جاؤ اس سے دن کے آخری حصہ میں تاکہ شاید لوگ اس طرح دین سے پھر جائیں

ہمارے مشاہدے میں یہ بات آچکی ہے کہ مصنوعی احمدیوں کو جماعت میں پیش کرکے یا ان سے توبہ کرائی گئی یا توبہ کرانے کے منصوبے بنائے گئے مگر کاوٹ پیدا ہوگئی

(۱۲) اذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ پ ۴ ع

(ترجمہ) جب تم سے اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصہ کے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں

ہر ایک احمدی کا ذاتی تجربہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ اگر سرکار انگریزی کا تسلط نہ ہو تو شاید مخالفین ہمارا اس ملک میں رہنا مشکل کر دیں

ناظرین دیکھیں کہ یہ تمام آیتیں کس طرح اس وقت کے مسلمانوں پر چسپاں ہو رہی ہیں تمام

غرض یہ کہ جب اس طرح زور سے یہودیت مسلمانوں پر مسلط ہو رہی ہے تو کیا ابھی وقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت کے لئے مسیح کو بھیجے اور کیا مسلمانوں کی غیرت اس بات کے ماننے کی اجازت دیتی ہے کہ ان میں سے یہودی صفت لوگ پیدا ہو جائیں مگر جس طرح بنی اسرائیل یہود کی اصلاح کے لئے ان میں کا ہی ایک مسیح آیا تھا۔ ان مسلمان یہودیوں کو دوبارہ کرنے کے لئے ایک غیر امت کے مسیح کا آنا لازم رکھا جائے؟۔

(فرزند علی عفی اللہ عنہ ہیڈ کلرک گلوریگز بن فیروز پور حال وارد قادیان دارالامان)

استخارہ

۔ یہ طریق استخارہ منشی فرزند علی صاحب کا لکھا ہوا ہے اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہے امید ہے کہ احباب اس سے فائدہ اٹھاویں گے۔ ایڈیٹر ؎

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ ہمارے احباب تمام غیر معمولی کاموں کے متعلق استخارہ کرنے کی عادت ڈالیں اہم کاموں میں مثلاً کسی کو دوکان یا کاروبار میں شریک بنانے میں۔ رشتے ناطے قائم کرنے میں۔ دوستی لگانے میں کسی کو ہم سفر یا طالب علم بنانے میں ساتھ دعا استخارہ کر لیا کریں۔ چونکہ استخارہ کا طریق عام طور پر معلوم نہیں اس لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

۔ سوائے ان اوقات کے جن میں نوافل کا پڑھنا منع ہے مثلاً صبح صادق کے پھٹنے سے طلوع آفتاب تک یا نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک غرض معلوم کو مد نظر رکھ کر کسی وقت دو رکعت نماز نفل پڑھی جائے اس کے بعد دعائے مندرجہ ذیل بعد فراغت از نماز با التزام شکر پڑھ لیجائے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ

وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ۔ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ۔

(ترجمہ) یا الٰہی میں تیرے علم سے خیر مانگتا ہوں۔ تیری قدرت میں سے طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم میں سے فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو سب طاقتوں والا ہے میں بیکس ہوں تو علیم ہے۔ میں جاہل ہوں تو غیب کا جاننے والا ہے۔ اگر تیرے علم میں یہ کام ہے۔ میرے دین و دُنیا اور عاقبت کے لئے اچھا ہو تو اسے میرے لئے مقدر کر دے۔ اور میرے لئے آسان کر دے۔ پھر مجھے اس میں برکت عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین و دُنیا اور عاقبت کے لئے برا ہو تو اس کام کو مجھ سے روک دے۔ اور مجھے اس سے پھیر دے اور جیسے بھی یہ کام ہو مجھے اس میں خیر دے اور مجھے اس سے راضی کر دے۔

استخارہ کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا مشیر بنا لیتا ہے۔ استخارہ کے معنے ہیں خیر و برکت طلب کرنا۔ اس کا نتیجہ یہ ضروری نہیں ہوتا جیسا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے کرنے کی توفیق دے تو اس میں سہولت و برکت رکھ دے۔ یا اگر کام مفید نہ ہو تو اس سے روک دے۔

پس مناسب ہے کہ جو احباب کسی بڑے کام کو شروع کرنے لگیں صدق دل سے ایک دن سے لیکر سات دن تک استخارہ کر لیا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ جب

ایک معمولی آدمی سے مشورہ لیا جاوے تو سوچ بچار کر دیتا ہے تو اگر خدا تعالیٰ کو اپنا سب کام سونپ دیا جاوے تو وہ کیوں نہ ٹھیک راہ پر چلائیگا۔

نزول المسیح

(ترجمانی ماخوذ از انگلش ٹریکٹ)

عیسائیوں کے لئے مسیح کا فیصلہ کن قیاس یوحنا کی رو سے وقت میں آگیا ایسا مستحکم فیصلہ ہے کہ وہ اب مسیح کے جیتے نزول کے مدعی نہیں ہو سکتے۔

ملاکی نبی کی کتاب میں دو پیشگوئیاں ان الفاظ میں ہیں۔ ملاکی باب ۳۔ آیت ۱۔ دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجونگا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کریگا۔ اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو ہاں عہد کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئیگا اور یقیناً آئیگا۔

پھر باب ۴۔ آیت ۵ سے پڑھو۔ دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا اور وہ باپ دادوں کے دلوں کو بیٹوں کی طرف اور بیٹوں کے دلوں کو ان کے باپ دادوں کی طرف مائل کریگا۔

اب ان پیشگوئیوں کو پورا ہونے عہد نامہ جدید میں تلاش کرتے ہیں آؤ پہلے متی باب ۱۱۔ آیت ۷ سے پڑھنا شروع کریں۔ یسوع یوحنا کی بابت جماعتوں سے کہنے لگا۔ ۔۔ پھر تم کیا دیکھنے کو گئے کیا ایک نبی ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑا کیونکہ یہ وہ ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھو میں اپنا رسول تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیرے آگے تیری راہ درست کریگا۔ (ان خط کشیدہ الفاظ کو پیشگوئی نمبر ۱ باب ۳۔ درس ۱ سے ملاؤ) اور

(اور غور کرو) میں تم سے سچ کہتا ہوں ان میں سے جو عورتوں سے پیدا ہوئے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا × × × × سب نبی اور توریت نے یوحنا کے وقت تک نبوت کی خبر دی۔ اور الیاس جو آنیوالا تھا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو جس کسی کے کان سننے کے ہوں سُنے دیکھئے کیا صاف فیصلہ ہے اسکو ملاکی کی پیشگوئی سے ملاکر پڑھو۔

اب متی باب ۱۷۔ ورس ۱۰ سے پڑھنا شروع کرو۔

اور اس کے شاگردوں نے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضرور ہے (اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملاکی کی پیشگوئی کے ظہور کا سب کو انتظار تھا) یسوع نے انہیں جواب دیا کہ الیاس البتہ پہلے آئیگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ (یعنی یہ بات ٹھیک ہے کہ الیاس پہلے آئیگا) پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا لیکن انھوں نے اس کو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابن آدم بھی ان سے دکھ اٹھائیگا۔ تب شاگردوں نے سمجھا کہ اس نے ان سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا (کہ وہی الیاس ہے)

انجیل مرقس باب ۹۔ ورس ۱۱ سے ۱۳ تک بھی یہی مضمون ہے کہ پھر انھوں نے اس سے کہا اور پوچھا فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضرور ہے۔ اس نے جواب میں انہیں کہا الیاس تو پہلے آتا ہے اور سب کچھ بحال کرتا ہے × × × × لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آچکا ہے اور جیسا کہ اس کے حق میں لکھا گیا تھا انھوں نے جو کچھ چاہا اس کے ساتھ کیا۔ یہ وہی یوحنا ہے جس کی بابت پہلے ہی زکریا کو خبر دی گئی تھی۔ انجیل لوقا باب ۱ ورس ۱۳۔ فرشتے نے اس سے کہا اے زکریا مت ڈر کہ تیری دعا سنی گئی اور تیری جورو الیسبات تیرے لئے ایک بیٹا جنیگی تو اس کا نام یوحنا رکھنا × × × بہت لوگ بھی اس کی پیدائش سے خوش ہونگے۔ لیکن وہ خدا کے حضور بزرگ ہوگا۔ × × × اور بنی اسرائیل

میں سے بہتوں کو ان کے خداوند خدا کی طرف پھیریگا۔ اور وہ اس کے آگے الیاس کی طبیعت
اور قوت کے ساتھ چلے گا۔ کہ باپ دادوں کے دل لڑکوں کی طرف اور نافرمانبرداروں کو راست
بازوں کی دانائی کی طرف پھیرے۔ خداوند کے لئے ایک مستعد قوم طیار کرے
(خط کشیدہ الفاظ کو پیشگوئی ملاکی باب ۴۔ درس ۵ سے ملاکر پڑھو) پس ثابت ہو گیا کہ ملاکی کے
نبی کی پیشگوئی یوحنا میں بروز سے پوری ہوئی کہ اس کی روح اور قوت میں آیا۔
باقی رہی یہ بات کہ یوحنا نے الیاس ہونے سے کیوں انکار کیا۔ جیسا کہ یوحنا باب ۱ درس ۱۹
- ۲۳ سے پایا جاتا ہے کہ جب شخصوں نے اس سے پوچھا کہ تو اور کون ہے۔ کیا تو الیاس ہے
اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یوحنا نے یہ جتانے کے لئے انکار کیا
کہ "میں اصلی الیاس نہیں ہوں" ہاں بروزی رنگ میں ہوں چنانچہ اس کو ان الفاظ
میں ظاہر کیا کہ۔ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا بیابان میں ایک پکارنے والے
کی آواز ہوں۔ کہ تم خداوند کی راہ کو درست کرو۔ تو اب یسعیاہ نبی کی پیشگوئی پڑھیں وہاں لکھا
ہے (۴۰ باب درس ۳) یسعیاہ بیابان میں ایک منادی کرنیوالے کی آواز۔ تم خداوند کی راہ
درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کے لئے ایک سیدھی شاہراہ تیار کرو۔ (خط کشیدہ الفاظ کو
جب ملاکی کی پیشگوئی "میرے آگے میری راہ کو درست کریگا" سے ملاکر پڑھیں تو صاف
ظاہر ہے کہ یہ وہی ہے جو مسیح سے پہلے آنیوالا ہے چنانچہ خود یوحنا بھی یہی کہتا ہے
کہ میں ہی اس سے پہلے آنے والا ہوں۔ جیسا کہ یوحنا باب ۱ درس ۱۵-۱۶ میں لکھا
ہے یوحنا نے اس کی بابت گواہی دی اور پکار کے کہا کہ یہ وہی ہے جس کا ذکر میں کرتا تھا۔
وہ جو میرے پیچھے آنے والا ہے (یعنی) میں اس سے پہلے آنے والا ہوں۔ اب غور کیجئے
کہ یسوع مسیح سے پہلے اس کی خبر دینے والے کا آنا ضروری ہے۔ اور یوحنا کا اقرار ہے
کہ وہ میں ہی ہوں اور دوسری پیشگوئیوں سے ثابت ہے کہ آنے والا آگیا تھا تو پھر کیا وجہ
ہے کہ ہم یوحنا ہی کو ایلیاہ نہ کہیں۔ ہاں اس سے یہ جتانے کے لئے کہ کوئی شخص مر کر پھر دنیا میں

نہیں آ سکتا۔ اگر وہ ہو تو یوحنا کے رنگ میں پُورا ہو تا ہے اپنے تئیں اس کی آواز سے مشابہت
دی یعنی میں اس کی خو بو اور طبیعت پر ہوں پس ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض نہیں
نیز ممکن ہے کہ یوحنا کو اس مسئلہ سے ابھی آگاہی نہ ہو اور مسیح نے اس کا فیصلہ جب کیا
ہو تو سب آگاہ ہوئے ہوں۔

یہ اعتراض ہے کہ جب یہود ایلیا کو اقرار ہے تو پھر یہود ایلیا پر بھی ایمان لاؤ۔ اس کا جواب
یہ ہے کہ جو واقعہ خلاف قرآن کریم ہو ہم اسے کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہم اصول
بائبل سے کسی واقعہ کی تردید نہیں کرتے وہ بائبل کو قرآن کریم پر مقدم کرتے ہیں۔ بلکہ
قرآن کو کل باتوں کا حکم قرار دیتے ہیں۔ جب اس میں یہ سنت اللہ کے خلاف معلوم ہوتا
ہے تو کیونکر تسلیم کریں۔ دوم کتاب سلاطین کی عبارت پڑھنے سے صاف ظاہر ہے کہ
یہ رتھ وہ حادثہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ خداوند آج تیرے آقا کو تیرے سر پر سے
اٹھا لیا جائیگا۔ کسی کے سر پر سے اٹھا لینے کے معنے ہمیشہ مرنا ہی ہوا کرتے ہیں۔ اور اگر
تسلیم بھی کریں کہ ایلیا آسمان پر چڑھ گیا اور جیسا ہی یسوع بھی آسمان پر چڑھ گیا اور ایسا ہی ادب ہے کہ
دونوں کا دوبارہ آنا ایک ہی طرح سے ہوا جیسا مسیح کی آمد کی پیشگوئی میں ہے کہ ابن آدم آئیگا
ایسا ہی ایلیاہ کا صاف نام مذکور ہے۔ پس ایلیا کی بجائے تو مثیل ایلیا آئے اور مسیح بعینہ
یہ کیوں؟ کیا ایسا کہ وہ اپنے تئیں خود ہی نہ جتلائیگا۔ اور یہود بھی کہینگے کہ جب ایک
شخص بعینہ واپس آ سکتا ہے (جیسے کہ تم آسمان سے آنے کا کیا در ہے ایلیاہ دوبارہ
خود ہی نہ آتا۔ یوحنا۔ باپ وہیں اور میں ہیں جو آسمان سے آیا ہے سب کے اوپر ہے
اب یہ امر مسلم ہے کہ یہ "وہ" مسیح آسمان سے بجسدہ نہیں اترا تھا

ایک اور اعتراض انا نبشرک بغلام اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ من قبل سمیا
کے معنی مثیل کے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یحییٰ کا کوئی مثیل نہیں ہوا
اس کا جواب یہ ہے کہ سمی کے معنی ہمنام کے ہیں اور لغات الناس حضرت ابن عباس نے بھی

یہاں پر بنام کے معنی کئے ہیں۔ لسان العرب میں ہے کہ سمّی المسمّٰی باسمہ ہو سمّی فلان اذا وافق اسمہ اسمہ کما تقول ھو کنیّہ۔ وفی التنزیل لم نجعل لہ من قبل سمیا۔ قال ابن عباس لم یسم قبلہ احد یحیٰی۔ وقیل معنی لم نجعل لہ من قبل سمیا نظیرا او مثلا۔ پس ایسے معنی سے جو کہ حقیقی ہیں اور بصیغہ تمریض (قیل) بیان کئے گئے ہیں امام ہمام حکم علیہ السلام کا یہ قول رد نہیں ہو سکتا کہ یحییٰ مثیل الیاس تھے خاص کر جب کہ اس کی موید نہیں بھی ہے الغرض جب تک معترض یہ ثابت نہ کرے کہ ابن عباس نے جو تفسیر حقیقی معنوں سے مطابق کی ہے وہ یقیناً مردود اور غلط ہے اور صحیح معنی مثیل ہی کے ہیں تب تک وہ حضرت اقدس کے قول کی تردید نہیں کر سکتا نیز اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ سمی کے معنی یہاں پر بجز مثیل کے اور کچھ نہیں تو بھی حضرت اقدس کے ارشاد پر اعتراض نہیں پڑتا اس لئے کہ تثلیث کی کل نفی تو ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تخلیق۔ ترحم۔ تولد۔ انسان۔ اکل۔ شرب۔ تالم وغیرہ صفات انسانیہ ہیں اور نیز مامور من اللہ۔ مومن وغیرہ ہونے میں ان کی تثلیث منفی نہیں ورنہ نفی کل سے وہ خدا وحدہ لاشریک کی مثل نہیں کہ لاشی ہو کر علاوہ صفت مختصہ باری میں شریک ہونے کے مثل باری ٹھہرینگے۔ اور پھر بھی تثلیث کی نفی کلی ہو گی پس ثابت ہوا کہ ایک خاص امر میں ان کی کوئی مثل نہ ہوا اور دو امور میں ان کی نظائر مثلیں ہوں تو اب معترض کو اول یہ ثابت کرنا چاہئے کہ سمی سے یہاں پر بجز مثیل کے اور کچھ مراد نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ یہ نفی کلی ہے یا یہ نفی خاص ہے۔ اگر خاص ہے تو پھر یہ ثابت کرے کہ جس خاص کی نفی ہے سیدنا المولود نے اسی خاص کا اشتباہ کیا ہے اور بجز ان دو امروں کے ہرگز اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ یہ بھی یاد رہے کہ اسم ذات پیدا الست کرتا ہے جس سے باری تعالیٰ کو تناسخ کا رد مقصود ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ الیاس کی ذات یحییٰ میں آگئی تھی نہیں بلکہ صرف اس کی خو اور قوت میں آیا تھا یہ بھی زیر نظر رہے کہ حضرت احمد قادیانی پر عیسیٰ کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اب یہ ضرور نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر بھی احمد قادیانی

کا اطلاق ہو سکے۔

دُنیا میں مُصیبتیں

اس مضمون میں مکرمی قاضی اکمل صاحب ایک خاص رنگ میں رنگین معلوم ہوتے ہیں۔ ناظرین پڑھ کر لذت اُٹھا سکتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

اس مختصر مضمون میں اس بات پر بحث کی جاتی ہے کہ دُنیا میں مصیبتوں سے خالی نہ تو امیر ہے نہ فقیر۔ نہ مرید نہ پیر نہ پیغمبر نہ کافر نہ مومن نہ فاسق۔ پس مابہ الامتیاز کیا ہے۔ یعنی جب ہر دو فریق کو دکھوں سے نجات نہیں تو پھر بقول بعض نادانوں کے کفر و اسلام کوئی بات نہیں۔

سو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکوں کے لئے مصیبتیں ان کی ترقی کا موجب ہوتی ہیں اور بدوں کے واسطے وہی دکھ ان کی تباہی کا سبب بنجاتے ہیں ایک نیکوکار خدا کا فرمانبردار کیسی مصیبت میں آرام اور ایک طرح کی لذت پاتا ہے وہاں ایک بداطوار نافرمان پر گنہگار اسی دکھ میں اپنے اندر عذاب اور سوزش محسوس کرتا ہے۔

میں ان دونوں باتوں کو مثالوں سے واضح کرونگا۔

دُنیا میں کئی لوگ جیلخانے بھیجے جاتے ہیں اور وہ حکومت قاہرہ کے دباؤ سے قید ہوتے ہیں اسی طرح حضرت یوسف بھی قید کئے گئے لیکن جہاں دوسرے قیدیوں کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور انجام کار تباہ ہوتے ہیں وہاں ایک قیدی ایسا بھی تھا جس کی قید کا انجام بادشاہی ہوا اور خدا نے اپنے فضلوں سے اسی سرزمین کا حاکم بنایا جس میں اسے باندھا گیا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ دُنیا میں ایسے لوگ ہیں جو جلاوطن کئے جاتے ہیں اور پھر اپنے وطن میں واپس نہیں آ سکتے۔ بلکہ غریب الوطنی ہی میں رنجیدہ و طرح بہ طرح خراب و خستہ

حال نہیں ہر سوا ہو کر مر جاتے ہیں جیلخانہ میں پڑیں تو ان کو پانی دینے والا کوئی نہیں۔ مر جائیں تو کوئی ایسا نہیں کہ ان کا جنازہ ہی پڑھ دے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دشمنوں کے شر سے بچ کر راتوں رات نکلنے پر مجبور ہوئے۔ مصیبت تو یکساں پڑی مگر آخر میں اپنی بستی سے بھاگنے والا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ بڑے جاہ و جلال سے اپنے وطن میں داخل ہوا۔ اللھم صل علیہ وسلم

کون آدم زاد ہے جو کبھی نہ کبھی بیمار نہ ہو۔ پھر بیماری کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض بیماریاں ایسی ہیں کہ کوئی قریب تک نہیں پھٹکتا

حضرت ایوب پر بھی ایک ایسا ابتلاء آیا۔ لکھا ہے کہ ان کے بیوی بچے بھی ان سے جدا ہو گئے۔ اور وہ بھی بستی سے باہر اٹھا پھینکا گیا۔ ایک وقت آیا کہ اسی ایوب پر خدا نے فضل کیا اور خدا نے حضرت ایوب کو صحت بخشی ووھبنا لہ اھلہ ومثلھم معھم سو کا شان نزول بنایا۔ پر وہ بھی ہیں جو اسی حالت میں سسکیاں لیتے مر جاتے ہیں۔ اور ان کے دیکھتے دیکھتے ان کے یار و آشنا۔ ان کے احباب پشت دار آنکھیں پھیر لیتے ہیں

پھانسی پر جانا کس قدر ذلت کی بات ہے ہر سال کئی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کا انجام ہے وہ سب کو معلوم ہے یہاں تک کہ بعض وقت پھانسی کے بعد بھی ایک گروہ نیکوں کا ایسا رہتا ہے جو ان پر لعنت کرے۔ حضرت عیسیٰ بھی صلیب پر چڑھائے گئے مگر آخر کار وہ اس صلیب سے زندہ اترے اور کشمیر میں شاہزادے کہلائے وجیھا فی الدنیا والآخرہ آپ کی شان میں نازل ہوا

دنیا میں غرق ہونے والے بھی ہر سال کئی ایک ہیں۔ ہر سال کئی واقعات ہوتے رہتے ہیں ان کا جو انجام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ کئی ننھی نے سیدہ کا ہو کر ہیں۔ قیامت برپا کر دی۔ داستان حنیفہ غرق ہیں جو تباہی پڑی اس کا ذکر ابھی تک

اندھیاروں میں ہے۔ لیکن خدا اپنے پاک بندوں کے لئے یہی مصیبت نجات کا موجب بنا دیتا ہے۔ دیکھو پہلے جب حضرت موسیٰ بچے تھے ان کو دریا میں ڈالا گیا تو وہ بجائے غرق ہونے کے شاہی گھر میں پہنچے اور اس طرح پر اس غریب و مسکین بچے کا خادم بادشاہ اور بادشاہ بھی وہ جو خدائی کا دعویٰ کرنے والا تھا بنایا گیا پھر اسی دریا کے خوفناک سیلاب سے حضرت موسیٰ مع اپنی جماعت کے صحیح و سلامت نکل گئے اور اس طرح پر نہ صرف ڈوبنے سے بلکہ ہمیشہ کی غلامی سے بھی نجات پائی۔

اسی دریا کے سیلاب میں فرعون اور اس کا لشکر مع اپنے ساز و سامان کے غرق ہوا اور وہ پانی ان کے لئے آگ بن گیا۔

ہزاروں گڈریے یا جنگل میں بکریاں چرانے والے ہیں ان کی جو زندگی ہے سب پر ظاہر ہے انسان اور حیوان کے درمیان حد فاصل بھی اسحاب میں مگر انہی گڈریوں میں سے ایک وہ گڈریا بھی تھے جو نہ صرف ایک قوم بلکہ ایک دنیا کے علماء و فضلاء و حکماء کی پیشوائی پر مامور ہوئے چنانچہ ان میں سے ایک کا نام موسیٰ علیہ السلام تھا۔

پس میرے دوستو! کسی کو مصیبت میں دیکھ کر جلدی سے رائے زنی شروع نہ کرو بلکہ اس وقت سے کام لو اور عاقبت اندیشی کیا کرو اس کا انجام دیکھو جن لوگوں نے سیدنا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر رائے زنی شروع کر دی ہو گی کہ یوں ذلت ہوئی وغیرہ وغیرہ کیسے نادم کیسے شرمندہ ہوئے ہونگے۔ یوسف بھی بچہ تھا کنوئیں میں ڈالا گیا غلام بنا پھر قید ہوا ان حالات میں جلد بازی سے کام لینے والے اس وقت کیسے نادم ہوئے جب وہ تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا۔

حضرت موسیٰ اور ایک بندہ من عباد اللہ کا بیان قرآن مجید میں ہے۔ وہاں کا بیان ہے ایک نوجوان کو قتل کر دیا کشتی کو چھید دیا پہلے ان کی نگاہوں میں موجب اعتراض تھے لیکن جب حقیقت کھلی تو اپنے اعتراضوں کی کمزوری کا علم ہوا۔

وہ شخص کیسا نادان ہے جو دانے کو زمین میں ڈالتا ہوا پر حقارت سے دیکھے کیونکہ ایک دن وہی دانہ
بار آور درخت بن کر اسی شخص کا مایۂ حیات بننے والا ہے۔ یہی حال ہم کو مصائب میں لوگوں کی
عزت میں فرق نہیں آگیا نبی کریم صلعم کو دکھوں سے دیکھئے تو ان کی عزت گھٹ گئی یا بڑھی حضرت
علیہ السلام قید ہوئے تو ان کی عزت پر حرف آیا شاہ منصور کو سولی دیا گیا تو کیا ان کی ولایت
میں فرق آگیا اسی طرح امام حسین میدان کربلا میں شہید ہوئے لاشوں پر گھوڑے کے پاؤں تلے
ان کی لاشوں کو روندا مگر آج وہی حسین ہے جس کا ڈنکا ایک عالم میں بج رہا ہے اور دشمن یزید
ہیں کہ ان پر لعنتیں پڑ رہی ہیں

امام اعظم علیہ الرحمۃ سے بیٹیں چھڑائی گئیں۔ غوث اعظم کا پانی بند کیا گیا۔ امام مالک کا ہاتھ اکھیڑا گیا
امام بخاری نے ضاقت علی الارض بما رحبت پر یہ تمام مصیبتیں وارد ہو گئیں اور حق تعالیٰ
نے اصل نسبت میں سے ان کے متبعین کی ایک جماعت پیدا کر دی جو ہر نماز میں ان کیلئے
دعا مانگتی ہے۔ غرض مصیبتیں ہر طریق پر آتی ہیں پر ان کا نتیجہ دونوں کے حق میں جدا جدا نکلتا ہے
مومنین کی آزمائش و تمحیص مقصود ہوتی ہے پھر انہیں انعام ملتے ہیں لیکن فاسقین کے بری طرح
کے گناہوں کا اظہار ہوتا ہے اور ان پر تباہی آتی ہے۔ مصیبت میں مومنوں کے ایمان پختہ
ہوتے ہیں اور وہ ایسے مشکلات میں اور بھی خدا کی طرف جھکتے ہیں تو دنیا میں ان کی قلبی کیفیت
کا اظہار ہو۔ مومن مصیبت میں کبھی نہیں گھبراتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ زرگر جب بھٹی میں چاندی ڈالتا
ہے تو اس کا مقصود جلانا نہیں ہوتا۔ جلتا تو فاسد مادہ ہے مگر چاندی کو شستہ کر کے وہ زیور بناتا ہے
جو محبوب کے زیب گلو ہو یا اس کے ہاتھ میں پہنچے

اس مضمون کو پڑھ کر ۔ جو ذیل آیات کے مطالعہ ایک خاص لطف دیگا۔

(۱) ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال
(۲) وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم
(۳) احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون

(۴) واذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن
(۵) وبلونٰھم بالحسنٰت والسیّاٰت لعلھم یرجعون

(اکمل)

لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً

آریہ مسافر آگرہ میں ایک مضمون قرآنی اختلافات کے ہیڈنگ سے چھپا ہے گو اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ راقم مضمون اختلاف کے معنی تک بھی نہیں جانتا لیکن جو آیات اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں ان کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون تعصب کے جوش میں اندھا ہو کر لکھا گیا ہے ورنہ اس کی اصلیت کچھ نہیں چنانچہ ذیل میں ہم وہ آیات بھی درج کرتے ہیں اور ان کے سمجھنے میں جو غلطی آریہ مہاشہ کو لگی ہے وہ بھی تحریر کرتے ہیں۔

(۱) واذ وٰعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ — ووٰعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلۃ
جبکہ ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا — اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا

اس جگہ آریہ مہاشہ نے سراسر فریب دہی سے کام لیا ہے کہ اس نے آیت کا آدھا ٹکڑا بیان کر دیا ہے اور باقیماندہ نہیں۔ آریہ مہاشہ نے یہ کیوں کیا اس کی وجہ سوائے دھوکہ دینے کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر وہ تحقیق حق سے کام لیتا تو ان آیات کو پڑھ کر ایک لڑکے کو بھی اسے کوئی اختلاف نہ سوجھتا۔ یہ آیت اصل میں یوں ہے۔ ووٰعدنا موسیٰ ثلٰثین لیلۃ واتممنٰھا بعشر فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ (اعراف)

یعنی ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ہم نے دس راتیں اور بڑھا کر تیس کو پوری چالیس راتیں کر دیں اور یعنی پروردگار موسیٰ کا وعدہ چالیس رات کا پورا ہوا: ناظرین! یہ اصل آیت ہے جو اس امر کو تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کرنے کے لئے اول تو وعدہ کیا تھا کہ ایک ماہ تو تیس رات کا اور ان کے گذرنے پر یا ان کے ختم ہونے سے پہلے ہی پھر دوبارہ یہ وعدہ کیا کہ ہم دس رات اور بڑھا کر تم پر اپنا فضل کامل کریں گے۔ چنانچہ اولاً آیت جو آریہ سماج نے لکھی ہے اس امر کو باتفصیل بیان کرتی ہے۔ اور پہلی آیت میں جسے وہ امر کے خلاف کہتا ہے خدا تعالیٰ نے مجمل بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ سے ہم کل چالیس رات ہی ہم کلام رہے

(۲) ولقد خلقنا الانسان من
ہم نے انسان کو خلاصہ اور خالص سے پیدا
صلصال من حماء مسنون
کیا جو ... بو دار کیچڑ ہے۔

خلق الانسان من نطفۃ
انسان کو نطفہ یعنی قلیل قطرے سے پیدا کیا

اس جگہ! معلوم تو یہ سماج کو کونسا اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ اپنی اختر پردازی کے نیچے ان آیات بینات کو بھی لے آیا ہے۔ سماج نے ہی سماج کیا وہ سے جو حماء مسنون کا خلاصہ ہو نطفہ بھی تبھی نہیں ہو سکتی۔!

(۳) فاذا نفخ فی الصور فلا انساب
پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان میں رشتے
بینہم یومئذ ولا یتساءلون
نہ رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے

واقبل بعضہم علی بعض یتساءلون
اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔

ناظرین! اس جگہ بھی سماج نے اپنی چالاکی اور خباثت باطنی کو نہیں چھوڑا کہ آیات ایک جگہ بھی انصاف کو مد نظر رکھ کر بات کرتا۔ ورنہ ہی یہ موقعہ نہ تھا کہ ہم اس کے متعلق ... نکات متعلق

[illegible]

[illegible]

کرتے۔ مگر یہاں ہمیں صرف پبلک کی خاطر اس کی اختراع پردازیوں کی قلعی کھولنی پڑتی ہے۔
مندرجہ بالا آیات میں جو اختلاف نظر آ رہا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ قائل ہذا شبہ نے اصل آیات کو کاٹ چھانٹ کر آدھی آدھی آیات ناظرین کے سامنے پیش کر دی ہیں۔ یہ آیات تو ترتیب مصحف کی ہوتی کہ مندرجہ بالا آیات کا ماقبل و مابعد بھی درج اخبار کرتا تو پھر ان میں اختلاف نہ ہوتا۔ وہ آیات بینات اصل میں یوں ہیں

حتی اذا جاء احدھم الموت
یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود
قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا
ہو گی تو کہیگا اے میرے پروردگار مجھے (دنیا میں) واپس بھیج
فیما ترکت کلا انہا کلمۃ ھو قائلھا
تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک اعمال کروں۔
ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون
[illegible]
فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم
پھر جب صور پھونکا جائیگا تو اس دن
یومئذ ولا یتساءلون
ان کے درمیان رشتہ داریاں نہ ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے

واقبل بعضھم علی بعض
اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر
یتساءلون قالوا انا کنا قبل فی
باتیں کریں گے کہ ہم اس سے پہلے اپنے
اھلنا مشفقین فمن اللہ علینا
اہل میں (خدا تعالیٰ سے) خشیت کرتے تھے
ووقنا عذاب السموم
سو خدا تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا اور ہم کو
عذاب السموم سے بچا لیا

اب مندرجہ بالا آیات سے ناظرین کو صاف معلوم ہو گیا ہوگا کہ ان میں مختلف گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں تو ان لوگوں کا ذکر ہے جو دنیا میں برے کام کرتے رہتے ہیں اور پھر موت کے وقت اس بات کی خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ کاش ہم کو دوبارہ مہلت ملجائے تو ہم نیک اعمال کریں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ان کے دنیاوی رشتہ داری کچھ کام کی

وجہ سے وہ مخمصوں میں پڑے ہوئے ہیں کسی کام نہیں آئینگے بلکہ ان کو اپنی مصیبت کی وجہ سے تو پوچھنا تک بھی محال ہو جائیگا اور دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو دنیاوی زندگی میں اپنے اہل و عیال میں بھی، مگر خدا تعالیٰ سے خشیت کرتے ہیں اور اس کی یاد سے غافل نہیں ہیں وہ اس دن خوشی و خرمی سے خدا تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کرینگے۔ مگر یہ مباحثہ نے ان دو قسم کے گروہوں کو ایک کر دیا اور بتلا کر ناحق پبلک کو دھوکے میں ڈالا

(۴) فالقی عصاہ فاذا ھی حیۃ تسعیٰ	فالقی عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین
پس اس نے اپنا عصا ڈالا تو اسی وقت وہ دوڑتا سانپ ہو گیا	جب اس نے اپنا عصا ڈالا تو اسی وقت وہ اژدہا ہو گیا

ایک چھوٹا بچہ بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہوگا کہ اژدہا بھی سانپ کی ایک قسم ہے مگر اسلام کی مخالفت کے جوش میں کیا بعید کہ یہ مباحثہ والا اژدہا کو بھی سانپ سمجھے اور مجھے بھی کچھ کا کچھ دیتا اس کا حال جو ہو سکے۔

(۵) ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون	تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ
بیشک ایک وقت تیرے رب کے نزدیک ہزار سال جیسا ہے جسکو تم گنتی کرتے ہو۔	ملائکہ اور روح اس کی طرف عروج کرجاتے ہیں ایک ایسے وقت میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے

ناظرین بھلے قرآن آیات بینات میں کوئی ایسی متضادات نہیں ملتی جس پر اعتراض پیدا ہو سکے کیونکہ یہ آیتیں ایک دوسرے کے مصدق ہیں۔ اور یہ مباحثہ نے نہ بھی کوئی بات نہیں بتلائی کہ کیوں اس نے ان آیات کو پبلک کے سامنے پیش کیا ہے ہاں مگر اس نے صرف اس وجہ سے ان آیات کو پیش کیا ہے کہ ان آیات میں ایک وقت کی میعاد ایک ہزار سال بیان کی گئی ہے اور ایک دوسرے وقت کی میعاد پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے تو یہ اگر کوئی اعتراض کی بات نہیں

کیا یہ بیان بھی نجانے معترض ہو سکتا ہے کہ آریہ مباحثہ کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ نے ۹ ماہ کی میعاد مقرر کی ہے اور ایک کتے کے پیدا ہونے کے لئے ڈھائی ماہ کی میعاد ہاں آریہ مباحثوں کا کوئی اعتبار نہیں ہو خواہ مخواہ کھینچ تان کر بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں ناظرین اصل میں پہلی میعاد خدا تعالیٰ نے ایک خاص قوم کی ہلاکت کے متعلق بیان فرمائی ہو اور دوسری میعاد بالکل ایک الگ میعاد ہے۔ یوم کے معنے دن ہی کے نہیں ہوا کرتے بلکہ مطلق وقت مراد ہوتا ہے۔ دن کے لئے خاص نہار کا لفظ آتا ہے۔

آریہ مباحثہ نے بھی غالباً لیل و نہار کی اصطلاح رات دن کے لئے استعمال کی ہوگی۔ انکار کرے تو اس کا میں ذمہ دار نہیں

(۱) من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسنا فیضاعفہ لہ اضعافاً کثیرا۔ (یعنی) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا مال دے (قرض) سو اس کو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا چڑھا کر عنایت کریگا۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوٰا اضعافاً مضعفۃ

اے ایمان والو سود کو مت کھاؤ جو دوگنا اور پر بڑھتا جائے

(۲) قل یا ایھا الذین لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد ولا انا عابد ما عبدتم

یعنی اے منکرو میں نہیں پوجتا جو تم پوجتے ہو۔ اور نہ تم عبادت کرنے والے اس ذات کی ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم وخذوھم واحصروھم واقعدوا لھم کل مرصد۔ یعنی پس ان مشرکوں سے تم بھی لڑائی کرو۔ جہاں کہیں کہ تم پاؤ۔ ان کو پکڑو اور قید کرو۔ ان کے لئے ہر گھات میں بیٹھ جاؤ

ناظرین میں نے پہلے سچ کہا تھا کہ آریہ مباحثہ یہ بھی نہیں جانتا کہ تناقض اور تضاد کسے کہتے ہیں۔ آپ ہی انصاف سے کہیں کہ ان مندرجہ بالا آیات میں سے کونسی متضاد آیات ہیں جن کو بین کی وجہ سے آریہ مباحثہ کو شکست کی خاک چاٹنی پڑی ہے کیا خدا تعالیٰ کا اپنی رحمت

رحمت کا حیلہ تاکر جو شخص اس کی راہ میں خرچ کریگا تو وہ اسپر بڑھ چڑھ کر فضل کریگا۔ اور ایمانداروں کو رحم (۲) قلت کی تعلیم دینا۔ دوم تقشّاد میں بتا کر من کا بت پرستی اور لفس آتی سے بیزاری کا اعلان اس حکم کے متضاد واقع ہوا ہے کہ تم بھی اُن مشرکوں سے اُس جو تم سے لیتے ہیں مگر جو تم سے صلح رکھنا پسند کرتے ہیں ان کے ساتھ تم بھی صلح رکھو جیسا کہ فاقتلوا المشرکین کی آیت کے پہلے ہی آیا ہے الا الذین عاهدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاهروا علیکم احدا فاتموا الیهم عهدهم الی مدتهم۔ ان الله یحب المتقین یعنی تم ان مشرکوں سے جنگ مت کرو جو اپنا عہد پر قائم ہیں اور تمہارے ذکچھ نقصان کرتے ہیں اور نہ تم پر کوئی کمی کرتے ہیں تم ان کے ساتھ ہی ان کے وقت تک عہد پر قائم رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ گو اریہ مہاشہ نے نہایت دھوکے سے اس حصۂ آیت کو چھوڑ کر اور باتمامہ آیت پیش کرکے اپنی جہالت کا ثبوت دیا کہ وہ اختلاف کی حقیقت کو بھی نہیں جانتا۔ عطف مہاشہ جی . . . . دو امور میں اختلاف تب ہو سکتا ہے جبکہ ان کا مسند یہ ذیل امور میں اتحاد ہو (۱) موضوع (۲) محمول۔ سوم مکان۔ چہارم زمانہ۔ پنجم قوت اور فعل۔ ششم شرط۔ ہفتم جزو اور کل۔ ہشتم اضافت اگر آریہ مہاشہ کو ان شرائط کی خبر نہیں تو وہ پہلے مجھ سے یا کسی اور سے ان کو سیکھ آئے اور پھر اس بات کی شیخی مارے کہ وہ اس کتاب میں بارہ ہزار اختلاف ثابت کریگا جس کا ایک ایک فقرہ چھٹے موتیوں کی طرح عبارت کی لڑی میں پرویا ہوا ہے۔

(۸) ولله المشرق والمغرب فاينما تولوا فثم وجه الله
اور اللہ ہی کا مشرق و مغرب ہے جہاں کہیں کہ تم منہ پھیرو وہیں خدا تعالیٰ کو بھی تم پاؤ گے۔

فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره
تو اپنے منہ کو مسجد الحرام کی طرف پھیر اور جہاں کہیں تم ہو اسی طرف اپنے منہ پھیرا کرو۔

ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا۔ آیات کے معانی تو خود سمجھتا نہیں اور یونہی انصاف پسند پبلک کو غلط فہمی میں ڈالتا ہے۔ مہاشہ جی! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ پہلی آیت کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کا مشرق اور مغرب ہے اے مسلمانو! جہاں کہیں کہ تم اپنے مخالف پر چڑھو گے خدا تعالیٰ تمہارا ساتھ دیگا۔ وہ تمہیں فتح دیگا۔ یہ ایک زبردست پیشگوئی ہے جو مسلمانوں کی مشرقی و مغربی فتوحات کے متعلق ہے لیکن دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ ہر ایک مسلمان کو حکم فرماتا ہے کہ تم لے میری عبادت کرتے وقت عزت والی مسجد کی طرف منہ کرنا تا تیرا منہ کرنا بھی میرے حکم کے ماتحت ہو اور جو اس طرح اسلام کا مفہوم ہے یعنی ہر سکون و حرکت کا خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہونا ہر طرح سے تیرے اقوال و افعال میں ظاہر ہو جائے۔ اسلام ہی ایک مذہب ہے جو اپنے پیرو کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ تیرا اٹھنا یا بیٹھنا اور تیرا چلنا یا ٹھہرنا اور تیرا کھانا یا پینا اور تیرا بولنا اور چپ ہونا غرضیکہ تیرا ہر ایک قول و فعل خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہونا چاہئے۔ نہ یہ کہ جس طرح دل نے چاہا شتر بے مہار کی طرح نفس کی باگ موڑ دی اے۔ آریہ مہاشہ یہی اصل اور حقیقی توحید ہے جو اسلام سکھلاتا ہے اور جس سے وید بے ثمر یا دیگر کتب خالی پڑی ہیں۔

(۵) ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا

ہم کوئی آیت منسوخ کر دیں یا اس کو ذہن سے مٹا دیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی لے آتے ہیں (زمانہ تغیر و تبدیل ہوتے رہتے ہیں)

واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل لکلمتہ

جو بات تیرے رب کی وحی سے تجھ پر نازل ہوئی وہ پڑھ اس سے خدا تعالیٰ کی بات کو کوئی بدلانے والا نہیں

سو اب یہی بہتر ہوگا کہ آپ اپنی سمجھ کا علاج پہلے کرا لیجئے اور پھر کسی پر سے چہ اسلام کی مخالفت میں قلم اٹھائیے کیونکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا آپ کی سمجھ میں کچھ فرق آ گیا ہوا ہے یا ضمن

لکھتے رہتے ہیں کہ یہ بات ہوگی ایسی خوابیدہ اور مدہوش فطرت کو میں تو مخاطب بھی نہیں
کرنا چاہتا۔ اگر یہ میری راستہ درست نہیں ہے تو مجھے ہوش دلانے دے۔ اس بات کا جواب
سمجھئے کہ پہلی آیت میں جو خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جو نسخ یا نسی کسی آیت میں ہم کرتے
ہیں تو نسخ کی حالت میں اس آیت سے بہتر آیت اور نسی کی حالت میں اس جیسی آیت
نازل کر دیتے ہیں اور دوسری آیت میں وجہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو کوئی بدلانے
والا نہیں ان دو بیانات میں کونسا اختلاف ہے۔ یہی نسخ یا نسی کا فاعل اللہ تعالیٰ اپنے
آپ کو قرار دیتا ہے اور لا مبدل لکلمٰتہ کا فاعل غیر اللہ کو ٹھہراتا ہے اور اس میں تنگ
کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا سب کے سب اس کی باتوں کے رد کرنے میں محض عاجز ہیں
آپ صاحب کو یاد ہے کہ واتل ما اوحی الیک من کتاب ربک لا مبدل
لکلمٰتہ کے پہلے ایک زبردست پیشگوئی یعنی دجال کے متعلق تھی جو اس زمانہ میں
لفظاً لفظاً پوری ہو کر لا مبدل لکلمٰتہ کی شہادت دے رہی ہے

قال ربی الذی یحیی ویمیت	قال رب ارنی کیف تحیی الموتیٰ
ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	ابراہیم نے کہا کہ اے رب تو مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔

ناظران آریہ نے اس جگہ پبلک کو ڈبل دھوکا دیا ہے کہ بجائے صرف مختلف الکلام اور
مختلف الزمان واقعات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی کانٹ چھانٹ بھی کی ہے
ناظرین اس میں دوسرا دھوکا ہے۔ وہ پوری آیت یوں ہے قال رب ارنی کیف
تحیی الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی۔ ابراہیم نے کہا
کہ اے رب تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تو
اس کے ساتھ ایمان نہیں لاتا۔ ابراہیم نے جواب دیا ہاں لاتا ہوں۔ لیکن کامل اطمینان
قلب چاہتا ہوں۔ اب اس آیت میں کہاں یہ لکھا ہے کہ میرا رب مردے کو زندہ نہیں

ہوتا تو کچھ اختلاف کی بات ہوتی۔ مگر یہ مہاشہ کو یہ بھی خبر نہیں کہ ایمان کے بھی درجے ہوتے
ہیں۔ بھلا اگر میں کسی دہریہ کے سامنے یہ کہوں کہ میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہوں اور پھر
کسی دوسرے وقت یہ دعا مانگوں کہ اے اللہ مجھے اپنی ہستی پر کامل ایمان نصیب کر تو کیا ان
میرے دو قولوں میں کچھ اختلاف ہوگا۔ ہرگز نہیں۔ یہ محض جہالت ہوگی اگر کوئی تعصب سے
یا شور مچا دے کہ ان اقوال میں اختلاف ہے۔ آریہ مہاشے کو یاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے پہلا قول ایک دہریے کے سامنے کہا تھا اگر میری بات پر یقین نہیں تو قرآن
شریف کے تیسرے سپارے کے شروع میں دیکھئے۔

(۱۰) لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی — وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین للہ

کسی دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں کیونکہ نیکی بدی کی راہ صاف ظاہر ہو گئی ہے۔ — اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہ جائے اور دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔

ناظرین ان دونوں آیات کو بھی مہاشہ نے متضاد سمجھ کر پبلک کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ مگر
یہاں بھی مہاشہ جی نے اپنی خورد برد کرنے کی عادت کو نہیں چھوڑا۔ کاش! اگر وہ تمام آیت
کو نقل کر دیتا اور خواہ مخواہ اپنی پردہ دری نہ کراتا۔ ہمیں تو آخر اس غبار کو پبلک کی آنکھوں سے
دھونا ہی ہے جس کو اس نے بڑے فخر سے اڑایا تھا۔ ناظرین! اصل میں تمام آیت یوں ہے
وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین
واقتلوھم حیث ثقفتموھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنۃ اشد
من القتل ولا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ فان قاتلوکم
فاقتلوھم کذالک جزاء الکفرین فان انتھوا فان اللہ غفور رحیم وقاتلوھم حتی
لا تکون فتنۃ ویکون الدین للہ اے لوگو تم سے جو لڑیں تم بھی اللہ کے رستے میں ان
سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور ان دشمنوں کو جہاں پاؤ

قتل کرو اور جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی ان کو نکالو اور فساد ایسے جنگ سے
بڑھ کر ہے اور جب تک کافر عزت والی مسجد کے پاس تم سے نہ لڑیں تم بھی اس جگہ ان سے
نہ لڑو۔ مگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان سے مقابلہ اور جنگ کرو ایسے کافروں کی یہی سزا ہے
ہاں اگر وہ باز آجائیں تو اللہ جو شبہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور ان سے لڑتے رہو۔
یہاں تک کہ فساد نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ اب اس تمام آیت کو مدنظر
رکھ کر ناظرین غور فرمائیں کہ کونسی متضاد بات یہاں موجود ہے جو آریہ مہاشے کو ایک
خطرناک جرم کا ارتکاب کرنا پڑا کیا یہ حکم کہ تم ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر
ہوشیار رہنا کہیں تم سے زیادتی نہ ہو جائے۔ ہاں اگر وہ باز آجائیں تو تمہیں بھی لڑائی
سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے۔ اور یہ حکم کہ دین کے بارے زبردستی اور جبر نہ کرنا دو متضاد
امور ہیں۔ بلکہ یہ دو احکام یعنی ایک دوسرے کے مطالب کی تائید کر رہے ہیں۔ کیا اپنے
بچاؤ کے لئے لڑنا یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ دوسرے کے مذہب پر زبردستی ہو گی ہرگز
نہیں بلکہ یکون الدین للہ کے معنی یہی ہیں کہ اس اکراہ کو دور کرنے کے لئے جنگ
کرو تا ہر شخص اپنے اپنے مذہب پر آزادی سے قائم رہ سکے۔ مہاشہ جی اس بات کے
سمجھنے کے لئے اپنی گزشتہ تواریخ پر نظر ڈالو کہ جب ہندوؤں کو بیرونی حملوں کا دفعیہ
کرنا پڑا تو انہیں حملہ آوروں کے مذہب پر کونسی زبردستی کرنی پڑی تھی پس اگر اپنی حفاظت
کیلئے خدا تعالیٰ نے ان بے سروسامان مظلوم ستم رسیدہ مسلمانوں کو جن کی تاریخ پڑھنے
سے بدن پر لرزہ چھا جاتا ہے دل کٹنے لگتا ہے اور آنسو ڈبڈبا آتے ہیں ایسا حکم
دیا تو اس میں لا اکراہ فی الدین کے حکم کے متضاد کونسا امر ہوا۔ ہاں اگر مہاشہ جی
کو یکون الدین للہ سے کچھ شک پڑتا ہے جبکہ مہاشہ جی نے ترجمہ ہی غلط کیا ہے
تو یہ انکی اپنی جہالت کا نتیجہ ہے نہ کہ اس آیت کا۔ آریہ مہاشہ ترجمہ اس آیت کا یوں
کرتا ہے "یہاں تک کہ اللہ کا دین ہو جائے" اسکا اگر عربی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو

یہ ہوگا ویکون الدین للہ ۔ ناظرین خوب جانتے ہیں کہ آیت یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے ویکون الدین للہ ۔ یعنے اللہ کے لیے دین ہو جائے یعنی لوگ اپنا دین محض اللہ تعالیٰ کی خاطر مانیں نہ یہ کہ آدمیوں کے خوف سے اس بات کی تائید ایک اور آیت بھی کرتی ہے جو اس طرح ہے ویکون الدین کلہ للہ ۔ یعنی سب کے سب دین اللہ تعالیٰ کیلئے ہو جائیں ناظرین آریہ مہاشے نے نہ صرف ان آیات میں کانٹ چھانٹ ہی کی ہے بلکہ ترجمہ بھی غلط کر کے پبلک کو سراسر غلطی میں ڈالا اور اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا اسلام ہرگز ہرگز دین کیخاطر لڑنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ وہ یہاں تک تعلیم دیتا ہے کہ تم دوسروں کے معبد خانوں کی حفاظت کرو جیسا کہ اس آیت کا منشا ہے اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علیٰ نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا الخ یعنے جن مسلمانوں سے کافر لڑتے ہیں انکو بھی ان کافروں سے لڑنیکی اجازت ہے یہ وہ مظلوم لوگ ہیں جو صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایکدوسرے سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے صومعے اور گرجے اور یہودیوں کے عبادتخانے اور مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے گرائے جاچکے ناظرین یہ وہ آیات بینات ہیں جن سے اسلام کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے یہ آریہ مہاشے اسلام کو اور مسلمانوں کو یونہی غلط واقعات پیش کر کے بدنام کرتے ہیں اگر مسلمان قرآن شریف کی ان بدیہی آیات کی برخلاف یہ تعدی جائز رکھتے تو یہ گزشتہ زمانے کے مندر اور گرجے جو پبلک آج دیکھ رہی ہے ہرگز موجود نہ ہوتے ۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ محمود نے سومنات کا بت توڑا اور

کئی ہزار اشخاص ان سے کھیں یہ سراسر دروغ بے فروغ ہے کیونکہ سومنات کا بت تو بالکل ٹھوس تھا جیسا کہ سومنات کے لفظ سے ہی ظاہر ہے یہ سب افترا پردازیاں بعد میں انہی مہاشوں نے گھڑیں جو محمود یا دیگر مسلمان بادشاہوں کیساتھ مذہبی عداوت اور تعصب رکھتے تھے آجکل یہ مہاشے اس قسم کی افترا پردازیوں میں کچھ تھوڑی کمی کرتے ہیں جو ہم گزشتہ زمانے کے مولوں کی ضرورت پڑے ناظرین اس ایک مہاشے کے مضمون میں دیکھ چکے ہیں کہ دسنے جھوٹے کا وہ طومار باندھا ہے کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں۔

(۱۱) وبینهما حجابٌ ..... الخ فضرب بینهم بسور

لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ من قبلہ العذاب ۔ ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جاوے گی۔ اور جس میں ایک دروازہ ہوگا اسکے اندرونی طرف تو رحمت ہوگی اور باہر عذاب ہوگا۔

ناظرین! آپنے خیال فرمایا کہ آریہ مہاشہ نے بینهما حجاب یہ دو الفاظ کانٹ چھانٹ کر پبلک کے سامنے کیوں رکھ دیئے ہیں۔ نرے تعصب تیرا شہادتکر محض مغالطہ دینے کیواسطے۔ حالانکہ ان الفاظ میں کوئی معنوی اختلاف نہیں ہو مثلاً میں جو کہوں کہ آریہ مہاشے کی آنکھ پر ایک حجاب ہے جس سے وہ سچائی کی باتوں کو دیکھ نہیں سکتا اور پھر یہ کہوں کہ آریہ مہاشے اور سچائی کے درمیان ایک رکاوٹ واقع ہے جس سے وہ حق و حکمت کی باتوں کو سمجھ نہیں سکتا تو ظاہر ہے کہ میرے ان دو بیانوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

ہاں اگر باب اور باطنہ فیہ الرحمۃ سے آریہ مہاشے نے پبلک کو فریب دینا چاہا ہے تو ناظرین میں آپکو ان آیات کے اصل مطالب سے بھی آگاہ کئے دیتا ہوں بینهما حجابٌ کے سباق و سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے

مومنوں اور کافروں کا ذکر کرتے کرتے یہ فرماتا ہے فاذن موذن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظالمین ۔ الذین یصدون عن سبیل اللہ ویبغونھا عوجا وھم بالآخرۃ کافرون وبینھما حجاب ۔ یعنی تب ایک پکارنیوالا ان میں پکار اٹھیگا کہ ان ظالموں پر خدا تعالیٰ کی لعنت ہے جو اللہ تعالیٰ کے رستے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھا پن وکجی تلاش کرتے ہیں اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ اور ان مومنوں اور کافروں کے درمیان ایک رکاوٹ حائل ہو جائیگی۔ ناظرین اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کے درمیان ایک مطلق رکاوٹ حائل ہو جائیگی اور دوسری آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کا ذکر کرتے کرتے یوں فرماتا ہے یوم یقول المنافقون والمنافقات للذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نورکم قیل ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورا۔ فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمۃ وظاھرہ من قبلہ العذاب یعنی تب مومنوں کی کامیابی دیکھکر منافق آدمی اور عورتیں سب کے سب مومنوں کو کہینگے کہ ہماری انتظار کر دو یا یہ کہ ہماری طرف بھی منتظر عنایت کرو کہ تمہارے اس نور کی روشنی سے ہم بھی فائدہ اٹھائیں تب انکو کہا جائیگا کہ پیچھے ہٹو۔ اور نور تلاش کرو۔ تب انکے درمیان ایک دیوار حائل ہو جائیگی جس میں ایک دروازہ ہوگا اسکے اندرونی طرف (یعنی مومنوں کی طرف) نور رحمت ہوگی اور باہر اسکے سامنے عذاب وہ منافق پکار رینگے کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ تو جواب دینگے ہاں تھے مگر تمنے اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا تم کسی اور بات کا انتظار کرتے رہے اور شک وشبہ میں پڑے رہے تمکو تمہاری آرزوؤں نے دھوکا دیا الاخر الجزو ۲۷ سورہ حدید۔

ناظرین ان مندکرہ بالا آیات سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا۔ کہ ان آیات میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ پہلی آیت میں مطلق کافروں کا ذکر تھا۔ اور دوسری آیت میں منافقوں کا تو بتایئے کہ ان آیات میں تناقض کونسا ہوا۔ ہاں اگر یہ سوال پیدا ہو کہ منافقوں اور مومنوں کے درمیان جو ایک اوٹ قائم ہوگی۔ تو اس میں ایک دروازہ کیوں ہوگا۔ تو اسکا جواب اول یہ ہے کہ دروازہ کے ہونے سے بھی دونوں آیات میں تناقض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ حجاب تو ہر صورت میں حجاب ہی ہے خواہ دروازہ ہو یا نہ ہو لیکن ناظرین کی دلچسپی کے لیئے میں اسکی وجہ بھی بیان کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات بڑی ہی رحیم کریم ہے جو کسی کے عمل کو خواہ ایک ذرہ ہی ہو ضایع نہیں ہونے دیتی۔ جیسا کہ اسنے ارشاد فرمایا ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ یعنے جو کوئی ذرہ بھر نیکی کریگا۔ وہ اسے دیکھ لیگا۔ اور جو کوئی ذرہ بھر بدی کریگا۔ وہ بھی اسے دیکھ لیگا۔ قیامت کے دن ہر ایک شخص کے اعمال شکلوں اور صورتوں میں متشکل ہوکر ظاہر ہونگے۔ اس بات کا سمجھنا بعید از عقل نہیں کیونکہ عالم خواب میں بسا اوقات ایسا مشاہدہ ہو گیا ہے کہ جو کوئی سخت بخار یا طاعون میں مبتلا ہونیکو ہوتا ہے وہ اپنے آپکو آگ میں دیکھتا ہے چنانچہ میںنے بھی ایکدفعہ خواب میں طاعون کو آگ کی شکل میں دیکھا تھا۔ اور ناظرین چراغدین جمونی سے خوب واقف ہونگے جس نے خواب میں دیکھا تہا کہ اسکے گھر آگ لگ گئی ہے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز کے بعد وہ بمعہ اپنے کنبہ کے طاعون کو ہلاک ہو گیا۔ غرضیکہ اعمال کا قیامت کے دن صورتوں میں متشکل ہونا بعید از عقل نہیں ہے اب چونکہ دنیا میں منافق لوگ اپنے آپکو مومن ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح سے اپنے اور مومنوں کے درمیان ایک قسم کا تعلق کا دروازہ

کھڑے رکھتے ہیں اور یہاں ہیں وہاں دنیا اپنے حصول اغراض کا ذریعہ ٹھہراتے ہیں حالانکہ دراصل مومنوں سے کوئی حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا قیامت کے دن بھی ایک ایسی دیوار ان کے درمیان حائل ہوگی جس میں منافق لوگ دنیوی دروازہ کی طرح ہی ایک دروازہ پائینگے اور جس طرح مومنوں سے دنیا میں فائدہ حاصل کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے ویسا ہی وہاں بھی کرینگے انظرونا نقتبس من نورکم مگر ان کی یہ کوشش محض بے سود ہوگی کیونکہ آخرت دار الابتلا نہیں بلکہ دار الجزاء و سزا ہے اور ایسا ہی چونکہ دنیا کی زندگی میں مومنوں اور کافروں کے درمیان کسی قسم کا تعلق نہیں ہوتا نہ ظاہری نہ باطنی بلکہ کافر لوگ مومن لوگوں کے جانی دشمن ہوتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی ان مغضوب الفطرت کافروں اور مومنوں کے درمیان کوئی تعلق نہ ہوگا بلکہ ایک مطلق حجاب درمیان ہوگا۔

ناظرین! یہ فلاسفی ہے ان مختلف قسم کے حجابوں کی جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور منافقوں کے روحانی حالات کے مطابق مقرر کئے ہیں اور جن پر ملون آریہ نے اعتراض کرکے اپنی جہالت اور خباثت کا اظہار کیا ہے۔ آریہ مہاشوں کو یاد رہے کہ قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ عبارت کی لڑیوں میں اس حکیم مطلق کے ہاتھ سے پرویا گیا ہے کہ جس کے قبضہ قدرت کے زیر یہ تمام نظام عالم نہایت ہی منضبط ہوکر چل رہا ہے اس ایک کتاب کا یہ دعویٰ ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ اگر یہ غیر اللہ سے ہوتی تو اس میں اختلاف کثیر ہوتا۔ آریہ مہاشے کو میں اس کے ویدک دھرم کی قسم دیتا ہوں کہ اگر وہ اپنی بات کا پورا ہے تو وہ پبلک کے سامنے ان بلا مرزا اختلاف کو پیش کرکے دکھائے جس کا اس نے مسافر آگرہ کے پرچوں میں دعویٰ کیا ہے۔

(رسید علی سیٹھا)

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی بنائی ہوئی مجرب دوائیں جو ۳۰ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

کھانسی کی دوا

یہ دوا [illegible] کھانسی و کف کی بیماری ہو اسکو تمام کر دیتی ہے [illegible]

[illegible] کف کو [illegible] کھانسی کو روکتی ہے قیمت بڑی شیشی [illegible]

[illegible]

اس دوا پر [illegible] صاحب کی رائے

[illegible]

درد و ریاح کی دوا

[illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ

نمبر ۱۲ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخ کو قادیان سے شائع ہوتا ہے جلد ۵

ایڈیٹر
صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قیمت سالانہ عوام سے عہ اور طلباء سے اور غیر ممالک والوں سے عہ

رسالہ

تشحیذ الاذہان

قادیان

بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء

فہرست مضامین

… عبدالسلام صاحب منیجر قادیان سے شائع ہوا۔ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام … چھپا

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ و ست سلاجیت

اصلی ممیرے اور ممیرے کے سرمہ کا اعلان عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ سرمہ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی حکیم نور الدین صاحب مدظلہ العالی کے مجوزہ نسخہ کے مطابق طیار کیا جاتا ہے اور اصلی ممیرا جس کو خود حضرت نے اصلی ممیرا ہونے کی تصدیق کی اس میں ڈالا جاتا ہے۔ حضرت نے اس سرمہ کے متعلق خود فرمایا کہ یہ امراض چشم کیلئے مفید ہے۔ اس شہادت کے بعد ہمیں کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ کوئی ایک افراد کا امر ہو طبی حیثیت اور تجربہ سے بھی ایسی امر کہا گیا جو [illegible] ہے انکے مفید ہونے کی شہادت [illegible] دھند جالا [illegible] ابتدائی موتیا بند وغیرہ امراض چشم کے لئے بہت مفید ہے۔

قیمت سرمہ قسم اول [illegible] قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible] اصلی ممیرا قسم اول [illegible]

ترکیب استعمال۔ [illegible] سرمہ [illegible] گرمی وغیرہ کے موسم میں [illegible] ہوجاتے ہیں بہت [illegible]۔

ست سلاجیت

[illegible]

[illegible] ضعف [illegible] وغیرہ [illegible]

لنگیاں اور کلاہ

ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری [illegible] ریشمی [illegible] اور پشاوری [illegible] ہر قسم کی [illegible] کی جا سکتی ہیں۔

المشتہر:- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خریداران جواب دیں؟

رسالہ تشحیذ الاذھان کا سال جنوری سے شروع ہوتا ہے
لیکن چونکہ انہی دنوں میں جلسہ کے اخراجات احباب کو
برداشت کرنے پڑتے ہیں اور مختلف رسائل و اخبار بھی
آجکل ہی وی۔پی ہوتے ہیں اسلیئے خرچ بڑھجاتا ہے اسلیے
اگر خریداران رسالہ پسند کریں تو رسالہ کا سال بجائے جنوری
کے جون سے شروع ہؤا کرے اور اُسی وقت وی۔پی
کرکے قیمت وصول کیجایا کرے احباب بہت جلد اپنی اپنی رائے
سے مطلع فرماویں +

مینیجر رسالہ تشحیذ الاذہان

وَاِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

ہم ہی نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کے حافظ ہیں۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ

بیشک ہم ہی اس کو جمع کرتا ہے اور اسکا پڑھنا

مسافر آگرہ مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۰۵ء کے پرچہ میں دو مضامین "قرآن میں سخت کربیونت
کونٹ چھانٹ کتر بیونت اور قرآنی اختلافات کے عنوانوں سے شائع ہوئے ہیں۔
جس میں آریہ مہاشہ بڑے زور شور سے دعوی کرتا ہے۔ کہ ہم قرآن پر ریویو کرتے
ہوئے یہ امر پایہ ثبوت تک پہونچا چکے ہیں اور محمدیوں کی طرف سے آجتک اسکا کوئی
جواب نہیں ملا۔ اگر بفرض محال تھوڑی دیر کے لیئے یہ بھی مان لیں کہ اللہ میاں نے یہ
قرآن حضرت محمد رصلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل فرمائی تو بھی ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ
وہ کتاب آج دنیا میں موجود نہیں اور موجودہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
چند پرانے سنے سنائے نسخوں کو کانٹ چھانٹ کر تیار کر رکھا ہے اسیطرح سو ناحق
آریہ مہاشہ ایک دو ورق سیاہ کرتے ہوئے پبلک کے سامنے یہ دعوی پیش کرتا ہے
کہ اصلی قرآن آج دنیا میں موجود نہیں اور موجودہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
نے چند پرانے سنے سنائے نسخوں کو کانٹ چھانٹ کر تیار کیا تھا اس دعوی کے
اثبات کے لیئے آریہ مہاشہ ایک نقشہ تیار کرتا ہے جس میں دو قرآن شریف کی
چند آیات پیش کرکے انکے بالمقابل انہی آیات کی دوسری قرأت جو کہ ایک آدھ
راوی سے مروی ہے درج کرتا ہے مثلاً پہلی آیت جو اسنے اس نقشہ میں پیش
کی ہے وہ یہ ہے والیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی وماخلق الذکر والانثی
اور اسکے مقابل وہ علقمہ سے مروی قرأت نقل کرتا ہے جو کہ اس طرح پر ہے والیل
اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی۔ غرض اس طرح پر آریہ مہاشہ قرآن

کی چھ سات آیات کو پیش کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے اور بڑی چالاکی سے پبلک کو دھوکا دیتا ہے کہ اس نے اس نقشہ سے قطعی ثابت کر دیا ہے کہ موجودہ قرآن شریف در اصل وہ قرآن نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا حالانکہ اس نقشہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں یہ نتیجہ صرف اسی صورت میں کسی قدر درست اور قابل تسلیم ہو سکتا تھا اگر آریہ مباشر اس نقشہ کیساتھ یہ بھی ثابت کر دکھاتا کہ یہی قرائتیں جو ایک دو راویوں سے مروی ہیں اور جو قرآن شریف میں درج نہیں ہوئیں فی الحقیقت وہی قرائتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں مگر چونکہ آریہ مباشر نے محض دھوکے سے کام لیا ہے اور اسبات کو ہرگز ثابت نہیں کیا۔ کہ یہی چند ایک راویوں سے مروی قرائتیں ہی اصلی قرائتیں ہیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ وہ یہ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکے گا لہٰذا اسکا یہ دعوٰی نرا دعوٰی ہی رہا کہ موجودہ قرآن شریف اصلی نہیں بلکہ عثمانؓ نے کانٹ چھانٹ کی ہے دو سو یا تین سو سال بعد بخاری نے یا کسی اور محدث نے ایک دو راویوں کے قول سے اگر علقمہ کا ایک دفعہ ایک مختلف طرز سے پڑھنا اپنی کتاب میں نقل کر دیا تو اس سے اسکا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ زمانہ مبارک میں بھی بعض اشخاص قرآن کی بعض آیات کے پڑھنے میں غلطی کر بیٹھتے تھے کیا اس زمانہ میں ایسے لوگ موجود نہیں جو بعض اوقات قرآن کی آیات غلط پڑھ دیتے ہیں تو کیا ان لوگوں کے غلط پڑھنے سے قرآن شریف کی ذات پر کوئی حرف آ سکتا ہے ہرگز نہیں یہ نادان آریہ کا کذب اور افترا ہے کہ اس نے چند روایات کی بنا پر پبلک کو یہ دھوکا دیا ہے کہ اصلی قرائتیں قرآن شریف میں چونکہ درج نہیں کی گئیں اسلئے اصلی قرآن شریف دنیا میں موجود نہیں ہے آریہ مباشر کو یہ جائز نہ تھا کہ وہ نتیجہ نکالنے میں فریب اور دھوکے سے کام لیتا ہاں اگر وہ وہم سے یہ سوال کرتا کہ ان مختلف فیہ قرائتوں سے درست اور صحیح قرأت کونسی ہے تو اسکا جواب

حق تھا اور اس سے ہمارے دل کو بھی خوشی ہوئی کہ آریہ مہاشہ نے تہذیب اور متانت سے ایک جائز سوال کا استفسار کیا ہے مگر یہ امید ان مہاشوں سے کہاں ہو سکتی ہے کہ اسلام کی مخالفت میں متانت اور تہذیب اور سچائی سے کام لیں خیر ہم آریہ مہاشہ کی دریدہ دہنی اور ژولیدہ زبانی سے درگذر کرتے ہیں اور مندرجہ بالا سوال کو بھی حل کئے دیتے ہیں ناظرین اصل بات یہ ہے کہ ہم مسلمان لوگ اسبات کو زیادہ قوی اور قابل اعتبار مانتے ہیں جسکی تصدیق میں ایک تواتر کی شہادت موجود ہو۔ اور اسکے برخلاف چند ایک روایات کو قابل وثوق نہیں ٹھہراتے یہ بات صرف ہم مسلمانوں ہی سے منصوص نہیں بلکہ تمام مذاہب کے نزدیک یہ مسلمہ امر ہے کہ تواتر کے برخلاف چند ایک راویوں کے اقوال ساقط الاعتبار رہتے ہیں اگر میں آج چند ایک روایات کی بنا پر یہ کہوں کہ بت پرستی کی تعلیم جو ویدوں میں موجود ہے وہ اصلی تعلیم نہیں۔ تو کیا سناتن دھرم کے پیرو اسبات کو تسلیم کر لیں گے ہرگز نہیں وجہ یہ کہ اُنکے پاس تواتر قوی کی زبردست شہادت موجود ہے میرا یا کسی آریہ مہاشہ کا کوئی حق نہیں کہ محض ایک آدھ روایات کی بنا پر انکی تواتر سے تصدیق یافتہ اور وید میں کثرت سے مندرجہ مسئلے کی تکذیب کرنی شروع کر دیں اور خواہ مخواہ شور مچائیں کہ بت پرستی کی تعلیم وید میں نہیں کوئی عقلمند تواتر سے تصدیق یافتہ امر کو محض ایک یا دو روایات کی بنا پر رد نہیں کریگا پس اسی اصول پر میں مندرجہ بالا سوال کا جواب دیتا ہوں اور اسی روایات سے ہی اسبات کو ثابت کرتا ہوں کہ واللیل اذا یغشی ۝ والنھار اذا تجلی ۝ وما خلق الذکر والانثی ۝ کی قرات تواتر سے تصدیق یافتہ ہے اور برخلاف اسکے واللیل اذا یغشی ۝ والنھار اذا تجلی ۝ والذکر والانثی ۝ کی قرات صرف ایک راوی سے مروی ہے۔ چنانچہ وہ روایت یوں ہے حدثنا قبیصة بن عقبة حدثنا سفیان عن الاعمش عن ابراهیم عن علقمة قال

دخلت فی نفر من اصحاب عبد اللہ الشام فسمع بنا ابو الدرداء فاتانا فقال افیکم من یقرؤ فقلنا نعم قال فایکم اقرأ فاشاروا الی فقال اقرأ فقرأت واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلیٰ والذکر والانثیٰ قال انت سمعتہا من فی صاحبک قلت نعم قال وانا سمعتہا من فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھؤلاء یابون علینا۔ یعنے علقمہ کہتا ہے کہ میں عبد اللہ کے اصحاب کے ساتھ شام میں پہونچا ہماری خبر سنکر ابو درداء آئے اور ہم سے پوچھنے لگے کہ تم سے عمدہ قاری کون ہے۔ سب نے میری طرف اشارہ کیا ابو درداء نے مجھے پڑھنے کے لیے کہا میں نے یہ آیت واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلیٰ والذکر والانثیٰ پڑھی تب ابو درداء نے کہا کہ تو نے عبد اللہ بن مسعود سے یہ قرأت اسی طرح سنی تھی میں نے کہا ہاں اسی طرح سنی تھی تب ابو درداء کہنے لگے میں نے بھی نبی کریم سے اسی طرح سے سنی تھی مگر یہ تمام لوگ اسکا انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اصل میں یہ آیت یوں ہے واللیل اذا یغشیٰ والنہار اذا تجلیٰ وما خلق الذکر والانثیٰ اناظرین انصاف بتائیں کہ اس روایت میں وہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں اصل آیت درج نہیں کی گئی بلکہ اس کی بجائے ایک دوسری آیت درج کر دی گئی تھی جیسا کہ آریہ مباشر اپنے مسافر آگرہ میں کذب بیانی کرتا ہے ہمیں مطلق سمجھ نہیں آتا کون سے ایسے الفاظ متذکرہ بالا روایت میں مفہوم ہیں جو آریہ مباشر اسقدر زور شور سے یہ دعوی کرتا ہے کہ اصلی قرآن شریف آج دنیا میں موجود نہیں کیونکہ اصلی آیات اس میں درج نہیں کی گئی حالانکہ اگر غور اور انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو متذکرہ بالا روایت سے اسکے برخلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ علقمہ کی تردید اسی وقت ایک جماعت نے کردی تھی کہ یوں آیت درست نہیں کیونکہ ابو درداء[*] کہتا ہے کہ میں نے بھی ایسا ہی سنا تھا مگر ھؤلاء یابون علینا

[*] حاشیہ۔ ناظرین ابو درداء ان چار اصحاب میں سے ایک تھا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ

یعنی یہ تمام لوگ ہماری قرأت کا انکار کرتے ہیں کہ اصل میں یہ آیت یوں ہے واللیل اذا یغشیٰ والنھار اذا تجلّیٰ وماخلق الذکر والانثیٰ ۔ ناظرین یہ دیکھئے آریہ مہاشہ کی بے انصافی تعصب بھی بری بلاہے کہ دیکھتے ہوئے کو اندھا کر دیتا ہے آریہ مہاشہ نے اس روایت کو پیش کرتے ہوئے نہایت چالاکی سے کام لیا ہے جو اسنے اپنی مطلب کی بات تو کاٹ کر اسکے پیش کردی اور باقیماندہ روایت کو وہی ہضم کر گیا آریہ مہاشہ کے پانچ اکاذیب۔

(۱) آریہ مہاشہ قرآن میں سخت گڑبڑ اور کتر بیونت کے عنوان سے پبلک پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دلائل قوی اپنے دعوی کو ثابت کریگا لیکن ناظرین پر بخوبی ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اسنے خود ہی مستند کردہ بالا روایت میں کانٹ چھانٹ شروع کردی اور پبلک کو آدھی روایت بتلا کر اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ دوئم عنوان میں ظاہر کرتا ہے کہ قرآن شریف میں سخت گڑبڑ ثابت کریگا مگر چند ایسی آیات پیش کردی ہیں کہ جن کی قرأت صرف دو طرز پر آئی ہے لیکن اسکے معانی میں اختلاف نہیں مطالب میں اختلاف نہیں تو پھر قرآن شریف میں کیسی گڑبڑ ہوئی سوئم۔ تمہید ہی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۔۔ کی وفات کے بعد ہی قرآن شریف یکجا جمع کیا تھا۔ اگر لفظی قرأت کی جسکی تصدیق ایک وقت ابودردا نے کی تھی فی الواقعہ درست اور صحیح قرأت ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ اس غلط آیت کی جگہ وہی درست آیت لکھتا۔ اور دوسرے ساتھیوں سے انکو اتنا اسنے ایسا نہیں کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست تو اتکی التصدیق سے رجوع مان چکا ہوا تھا وہ تمام حدیث جس کی بنا پہلے مذکرہ بالا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ ہے بخاری باب تالیف القرآن۔ عن انس قال لما مات النبی صلے اللہ علیہ وسلم و لم یجمع القرآن غیر اربعۃ ابودردا و معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابو زید۔ یعنے انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سوائے چار شخص کے

بیان میں لکھتا ہے کہ موجودہ قرآن شریف کی ان آیات کے بالمقابل ہم نے وہ اصل آیات بھی نقل کر دی ہیں جو بقول علمائے اسلام وہ اصل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں جو کہ صریح بہتان ہے کوئی علمائے اسلام اسبات کو تسلیم نہیں کرتا۔ چہارم۔ مختلف قرات کو بیان کر کے فوراً اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ وہ قرأت جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ جس کی تصدیق میں ایک زبردست تواتر کی شہادت موجود ہے اور جو کہ تمام کے نزدیک متفق علیہ قرأت ہے اور قرآن شریف میں درج ہے وہ اصلی قرأت نہیں۔

پنجم۔ آریہ مہاشہ لکھتا ہے کہ والذکر والانثیٰ۔ جو کہ اصل آیات کا حصہ ہے۔ قرآن شریف کی موجودہ نقلی آیات میں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ والذکر والانثیٰ قرآن شریف کی اس آیت میں موجود ہے مگر جس نے تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھکر جھوٹ بولنے کی عادت ٹھان لی ہے اُسے کون دکھائے اور کون سمجھائے یہاں تک تو آپ پر بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مہاشے کو اپنے دعوے کے ثابت کرنیکے لیے کسقدر افترا سے کام لینا پڑتا ہے اور عنوان میں وہ ویر مانگی ہے جسکا نہ سر ہے نہ پاؤں۔ یعنی دعوے تو یہ کیا تھا کہ وہ براہین قوی ثابت کریگا کہ موجودہ قرآن شریف اصلی نہیں۔ بلکہ عثمانؓ نے انکو چند پرانے سے سنائے نسخوں سے کانٹ چھانٹ کر تیار کیا تھا۔ مگر افسوس کہ وہ اس دعوے کو ہرگز ثابت نہ کر سکا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱ ۔ اور کسی نے قرآن شریف جمع نہیں کیا۔ ابودردا، معاذ بن جبل زید بن ثابت ابو زید۔ پس یہ اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ قرأت جو بذریعہ تواتر سے بلکہ اسی ابودردا سے تصدیق یافتہ ہو کر قرآن شریف میں درج کی گئی تھی ایک کو غلط دینے کے لیے پیش کیجاتی ہے۔

بلکہ یہ بھی نتیجہ پر نتیجہ نکالا گیا ہے اور برخلاف اسکے ہم نے محض خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے اسکے دعوے کو ہر طرح سے توڑ دکھایا ہے یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ حق کے سامنے باطل ٹھہر سکے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا قرآن شریف وہ کتاب ہے جسکا ایک لفظ اسی وحدہٗ لاشریک کی کلام سے ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور جسکو نہ صرف اہل عرب کے حافظوں نے محفوظ رکھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زیر حفاظت اور زیر نگرانی سارے کا سارا . . . . . . قلمبند کروا لیا تھا اور پھر حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد فوراً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کو بڑی احتیاط سے یکجا جمع کرایا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ سراسر افترا اور تہمت ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے چند پرانے سے پرانے نسخوں کو کاٹ چھانٹ کر ایک قرآن تیار کر لیا تھا۔ ایسے گروہ نے بیشک ایسی روایات بیان کی ہوں گی جنکے نزدیک تقیہ جائز ہے اور جنکے متعلق تاریخ نے شہادت دی ہی ہے کہ انہوں نے کئی ہزار روایات افترا کیں اور انہیں سے بعض نے آخر مرتے وقت اقرار بھی کر لیا کہ انہوں نے جھوٹی روایات گھڑیں ورنہ آریہ مباحثے کے لیئے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ ناممکن ہے کہ وہ ہماری مستند کتابوں سے ایسی صحیح اور معتبر روایات نکال سکے جن سے یہ معلوم ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی کاٹ چھانٹ کرکے قرآن شریف تیار کیا تھا۔ برخلاف اسکے یہ امر پایۂ ثبوت پہنچ چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر حفاظت ہی تمام کا تمام قرآن شریف قلمبند کر لیا گیا تھا۔ یہ میرا بیان یونہی اٹکل سے نہیں بلکہ زبردست تاریخی شہادتوں کی بنا پر ہے جسکو کہ موافق اور مخالف دونوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سر ولیم میور بھی لائف اوف محمد کے دیباچے میں اس امر کا

اقرار ان الفاظ سے کرتا ہے لیکن اس بات کو ماننے کے لیے بہت سے وجوہ موجود ہیں کہ حضرت رسول کریم صلعم کی زندگی ہی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے اصحابہ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں سارا قرآن موجود تھا اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوے نبوت سے بہت پہلے مکہ میں فن تحریر مروج تھا اور مدینہ میں جاکر تو خود آپنے مراسلات لکھوانے کے لیے کئی اصحابی مقرر کئے ہوئے تھے جو لوگ بدر میں گرفتار ہو کر آئے تھے تو انہیں اس شرط پر وعدہ رہائی دیا گیا تھا کہ وہ بعض مدنی آدمیوں کو لکھنا سکھادیں اور اگرچہ اہل مدینہ اہل مکہ کے برابر تعلیم یافتہ تو نہ تھے تو یہ شہادت ایک دشمن اسلام کی تاریخی شہادت ہے پھر جو خدا تعالٰے نے اسکی قلم سے لکھوائی۔ ناظرین اس بات سے خوب واقف ہو نگے کہ پچھلے دنوں مصر کے شاہی کھنڈرات سے ایک ڈبیا ملی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خط بند کیا ہوا تھا۔ یہ ایک موجودہ زبردست ثبات ہے جس سے کسی طرح سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحریر کی رسم تھی وہ لوگ کاغذوں اور تختیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے اگرچہ اہل عرب میں قوت حافظہ عظیم الشان طور پر قوی تھی اور ہزار ہا اشعار نوک زبان یاد ہوتے تھے مگر وہ بعض اوقات ایسا بھی کرلیا کرتے تھے کہ جب کوئی شاعر نہایت اعلٰی درجہ کی نظم کہتا۔ تو وہ پبلک کے سامنے لکھکر پیش کیجاتی چنانچہ سبعہ معلقات کا وجود میرے اس بیان پر شاہد ہے جو سات نظمیں تھیں اور خانہ کعبہ کی دیوار پر زمانہ جہالت میں لٹکائی گئی تھیں۔ اس زبردست شہادت سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں زمانہ جاہلیت سے تحریر کا رواج تھا پس اس مختصر تمہید کے بعد میں نمبر وار اپنے متذکرہ بالا دعوے کا ثبوت پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اول ہم قرآن شریف ہی میں ایسی آیات پاتے ہیں جو صاف ظاہر کر رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کتاب کی شکل میں تھا چنانچہ ذیل میں ایسی آیات درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ ذٰلک الکتٰب لاریب فیہ۔ یعنی یہی ایک کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں۔

۲۔ انہٗ لقرآن کریم فی کتٰب مکنون لا یمسہٗ الا المطہرون۔ یعنی یہ ایک قرآن قابل عزت ہے ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک لوگ ہیں اگرچہ لکھا ہوا تھا تو تقدس کے اعتقاد کی وجہ سے اسے نہیں چھوتے تھے قالوا اساطیر الاولین اکتتبہا فہی تملی علیہ بکرۃ واصیلا۔ یعنے مخالف لوگ کہتے ہیں کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنکو وہ صبح وشام کسی سے لکھوا لیتا ہے مخالف لوگ اعتراض کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً لکھوا لیا کرتے تھے۔

۴۔ بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔ بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو تختی میں محفوظ ہے

۵۔ کلا انہا تذکرۃ فمن شاء ذکرہٗ فی صحف مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ۔ یعنے قرآن تو ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرلے وہ ورقوں میں محفوظ ہے جن کی تعظیم کیجاتی ہے اور بلند جگہ پر رکھے جاتے ہیں۔

دوئم احادیث سے اس دعوے کا ثبوت کہ قرآن شریف فوراً ساتھ ساتھ لکھ لیا جاتا تھا۔ عن عثمان بن عفان۔ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور ذوات العدد فکان اذا نزل علیہ الشیء یدعو البعض من یکتب عنہ فیقول ضعوا ہذا فی السورۃ التی یذکر فیہا کذا (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۰) یعنے حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم لکھا کرتے تھے کسی ایک کو بلا بھیجتے اور اسکو فرما دیتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں جہاں ایسا ذکر ہے لکھو احمدؒ نے اور اصحاب السنن الثلاثہؒ نے اسکو روایت کیا اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح حدیث بیان کیا اس حدیث سے یہ نہیں پایا جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صرف ایک ہی دفعہ عمل کیا۔ بلکہ اس بات کا کھلے طور پر بیان ہے کہ آپکا یہی ہمیشہ عمل تھا۔ اس حدیث کے راوی حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر اور عظیم الشان صحابی ہیں جو ابتدا ہی میں مسلمان ہو گئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی تھے۔

۲۔ بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں براءؓ کی روایت سے یہ حدیث ہے قال لما انزلت لا یستوی القاعدون من المؤمنین الخ قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم ادعالی زیدا ولیجی باللوح والدواۃ والکتف او الکتف والدواۃ ثم قال اکتب لا یستوی القاعدون الخ یعنے جب لا یستوی القاعدون کی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا زید کو میرے پاس بلاؤ اور کہو کہ دوات اور لوح ساتھ لاوے پھر جب وہ آیا تو حکم دیا کہ لکھ لا یستوی القاعدون الخ

۳۔ ایسے ہی بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ انک کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنے بیشک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا ہے گویا عزت کی نگاہ سے حضرت ابوبکرؓ نے زید کو مخاطب کیا۔

یہ بھی یاد رہے کہ زید ہی صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا کاتب نہیں تھا بلکہ تیرہ اشخاص کے نام متواتر سے ثابت شدہ ہیں دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹

۴- احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ وحی لکھ لیا کرتے تھے چنانچہ صحیح
مسلم میں ایک حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا۔ لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن۔ یعنی مجھ سے
سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھا کرو اور یہ ہدایت احتیاطی حفظ ماتقدم کے طور پر
کی گئی تھی کہ کہیں وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے غلط ملط نہ ہوجائے
۵- پھر ناظرین کو بخوبی یاد ہوگا کہ حضرت عمرؓ کس طرح مسلمان ہوئے تھے انہوں
نے اپنی ہمشیر کو قرآن مجید کی ایک جلد میں سورہ طٰہٰ پڑھتے سنا اور اس سورۃ
نے آپ پر یہ اثر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر تائب ہوئے
۶- بخاری باب جمع القرآن میں ایک لمبی حدیث بیان کی گئی ہے کہ جب حضرت
ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف جمع کیا تو
اس وقت کے واقعات سے بھی جو پیش آئے تھے اور جو کتب میں صحیح اور مستند طور
سے درج ہیں، یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی جا چکی تھی اس وقت سورہ توبہ کی دو آیتوں کے
متعلق یہ واقعہ پیش آیا کہ باوجود حضرت زیدؓ کو یہ علم ہونے کے کہ وہ آیات قرآن
شریف کی ہیں انکو نہ لیا گیا جب تک وہ لکھی ہوئی نہ ملیں چنانچہ حضرت زیدؓ خود
یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں جو صحیح بخاری میں موجود ہے اگر کسی آیۃ
ملانے کو شک ہو جمع القرآن کے باب میں دیکھے۔ فتتبعت القرآن اجمع
... حتی وجدت اٰخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری۔ لم اجدھا
مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ
براءۃ۔ جبکہ ترجمہ یہ ہے کہ میں نے قرآن شریف کو تلاش کرکے جمع کرنا شروع کیا۔
یہاں تک کہ سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابو خزیمہ کے پاس ملا۔ جو اور کسی کے

پاس نہ تھا اور وہ یہ ہے لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضہ کو یہ علم تھا کہ یہ آیتیں سورہ توبہ کے آخر میں ہیں مگر انکو لکھا ہوا جب تک انکو کسی کے پاس لکھا ہوا نہ پایا۔

۷۔ فتح الباری میں لکھا ہے کہ فلم یرا بوبکر الا بکتابۃ ما کان مکتوبا ولذلک توقف زید عن کتابۃ الایۃ من اخر سورۃ براءۃ حتی وجدھا مکتوبۃ مع انہ کان یستحضرھا ھو ومن ذکر معہ اور پھر لکھا ہے وکان القرآن مکتوبا فی الصحف ولکن کانت مفرقۃ فجمعہ فی مکان واحد ترجمہ۔ حضرت ابوبکر رضہ سوائے اسکے جو لکھا ہوا موجود تھا کسی اور شے کے لکھنے کا حکم نہیں دیتے تھے یعنی انہوں نے قرآن شریف جمع کرنے میں اتنی بڑی احتیاط فرمائی کہ بجز اسکے جو کچھ آنحضرت صلعم کی حیات میں لکھا جا چکا تھا وہی لکھنے دیا اور اسی وجہ سے زید کو جو سورہ توبہ کے آخری حصہ کی آیات کو جانتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں انکے درج کر لینے میں بہت تامل رہا جب تک کہ اسے وہ لکھی ہوئی نہ مل گئیں اور سارا قرآن لکھا ہوا تھا مگر قلمی لکھے ہوئے تھے متفرق لوگوں کے پاس تھے اور حضرت ابوبکر رضہ کوشش کر کے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ منقط

۸۔ پھر اسی کتاب میں ابن ابی داود سے یوں روایت آئی ہے* قال قام عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لا یقبل من احد شیئا حتی یشھد شاھدان وکان غرضھم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا بمجرد الحفظ۔ ترجمہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے قرآن شریف کو جمع کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو حضرت عمر رضہ نے عام طور پر اعلان کر دیا۔ کہ جس کسی کے پاس کوئی حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہوا ہے وہ لے آوے ان دنوں میں لوگ قرآن شریف کو کاغذ یعنی تختیوں اور کھجور کے

* [illegible]

پتوں پر لکھا کرتے تھے کسی شخص سے کوئی حرف بھی لکھا ہوا منظور نہ کیا جاتا تھا جب تک دو گواہوں کی گواہی نہ ہوتی تھی کہ وہ تحریر آنحضرت صلعم کے روبرو لکھی گئی تھی باوجود قاریوں اور حافظوں کے موجود ہونے کے یہ اسقدر احتیاط اسلئے ہوتی تھی کہ سوائے اس کے کچھ نہ لکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا گیا تھا اور محض حافظہ کے سہارے نہ لکھا جاوے۔" بلفظہ

ناظرین مندرجہ بالا شہادتوں سے اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر حفاظت ہی قرآن شریف کا ایک ایک لفظ مختلف صحیفوں میں لکھا جا چکا تھا اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام قرآن شریف کو بڑی احتیاط سے ایک جگہ جمع کرایا آپ نے محض ہزاروں کے توی حافظوں پر ہی اعتبار نہیں کیا جب تک کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت کو لکھا ہوا نہ پالیا۔ پھر بھی آپ نے لکھنے کا حکم نہیں دیا جب تک کہ دو معتبر آدمیوں سے اثبات کی شہادت نہ لی کہ فلاں آیت وہ صحیفہ یا تختی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی گئی تھی۔ ناظرین از دیاد اطمینان قلب کی خاطر میں معتبر روایات کی بنا پر ذیل میں یہ ثابت بھی کئے دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں سینکڑوں ماہر حافظ قرآن موجود تھے جو صرف ایک ہی رات میں سارے کا سارا قرآن مجید کھڑے کھڑے ختم کر دیا کرتے تھے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال یا رسول اللہ فی کم اختم القرآن قال اختمہ فی شہر قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس عشرۃ قلت انی اطیق قال اختمہ فی خمس قلت انی اطیق قال لا۔ یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ اس نے حضور صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں کتنے عرصہ میں قرآن ختم کروں فرمایا ایک ماہ میں اس نے عرض کیا کہ میں اس سے جلدی ختم کر سکتا ہوں تو فرمایا پچیس دنوں میں

[illegible] ناظرین [illegible] قرآن [illegible] ایک ایک لفظ [illegible] نقطہ کو جانے [illegible] نازل شدہ [illegible] کس طرح [illegible] بیٹھ کر

ختم کیا کرو۔ اس نے عرض کیا میں اس سے جلدی ختم کر سکتا ہوں تو فرمایا کہ بیس دن میں ختم کیا کرو۔ یعنے عرض کیا کہ میں تو اس سے بھی جلدی ختم کر سکتا ہوں غرض ہوتے ہوتے آپ نے پانچ دنوں کی میعاد مقرر کر دی۔

۲- فتح الباری شرح بخاری صفحہ ۸۵ جلد ۹۔ عن ابن مسعود اقرأوا القرآن فی سبع ولا تقرؤوا فی اقل من ثلث یعنے قرآن کو سات دنوں میں پڑھا کرو اور تین دنوں سے کم مدت میں ہرگز ختم نہ کیا کرو۔

۳- نہایت معتبر راویوں سے یہ حدیث مروی ہے کہ عن عبد اللہ بن عمرو قال جمعت القرآن فی کل لیلۃ سلم النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال فی شھر۔ عبد اللہ بن عمرو روایت کرتا ہے کہ میں ہر رات قرآن ایک دفعہ ختم کر لیا کرتا تھا۔ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچی آپ نے فرمایا کہ ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

۴- اکثر معتبر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کثیر جماعت کو قرآن کریم حفظ تھا۔ چنانچہ قرا کی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ قرا کے معنے وہ نہیں جو آجکل لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھ دے بلکہ الذین اشتھروا بحفظ القرآن و تعلیمہ۔ شرح صحیح بخاری یعنے وہ لوگ جو قرآن شریف اوروں کے سکھلانے کے لیے حفظ کرتے تھے۔

۵- پھر صحیح بخاری باب جمع القرآن میں یہ روایت موجود ہے۔ قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن۔ یعنے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ غزوہ یمامہ میں قرآن شریف کے قاری بہت قتل ہو گئے ہیں اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن شریف کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا تھا۔ پس اس روایات سے بدیہی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرا یعنی حافظ قرآن بکثرت موجود تھے۔

ہر ایک [illegible] کو قرآن بھی حفظ ہو [illegible] آدھے [illegible] جمع کی گئی [illegible] وہ تمام حدیث [illegible] الاول قتل کے [illegible] جمع ہو کر [illegible] واقعات کو [illegible]

دو یہاں تک احادیث معتبرہ وصحیحہ میں آیا ہے کہ بچوں اور عورتوں کو بھی قرآن شریف حفظ تھا چنانچہ مسند بعد ذیل ایک روایت میرے اس بیان کی شہادت دیتی ہے عن عمرو بن سلمة قال كذا وكذا وكنت غلاما حافظا فحفظت من ذلك قرآنا كثيرا ... الخ كنت احفظ فقدموني فكنت اؤمهم یعنی عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ ہم کسی مقام پر ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے جو پانی کے نزدیک تھا اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے تھے وہ اسی راہ سے جاتے تھے جو ہمارے پاس کر گزرتا تھا جب وہ واپس آتے تو ہمیں تمام وحی جو آپ پر نازل ہوتی تھی سناجاتے تھے میں ابھی بچہ ہی سا تھا قریب ۷ سال کے پر میری قوت حافظہ بہت تیز تھی جو جو میں سنتا جاتا تھا میں حفظ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اکثر حصہ قرآن شریف اسی طرح ان لوگوں سے ہی سے حفظ یاد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد میرا باپ اپنی قوم کے بہت سارے لوگوں کو ساتھ لیکر اسلام قبول کرنیکے لیے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں آنحضرت صلعم نے داخل اسلام فرمایا اور انکو نماز کی تلقین فرمائی اور حکم دیا کہ تم میں نماز میں امامت وہ کرایا کرے جو سب سے زیادہ قرآن کو جانتا ہو چونکہ مینے قرآن کا بہت سا حصہ پہلے ہی حفظ کیا ہوا تھا اسلیئے امامت کا میرا ہی حق ہوا۔ پس سب نے مجھے اپنا امام منتخب کیا اور میں انکا امام ہو گیا۔

غرض کوئی بھی ان واقعات سے انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی زمانہ میں بہت سے حافظ قرآن موجود ہو گئے تھے خاصکر اسحالت میں کہ جب تاریخ بھی اسبات کی شہادت دے رہی ہے کہ اہل عرب کی حافظہ نہایت ہی قوی تھے۔ ہم اپنے پنجابی ذکی دماغ والوں کو ہی دیکھتے ہیں کہ وہ بھی دس بارہ سال کی عمر میں بڑی آسانی سے قرآن شریف کو حفظ کر لیتے ہیں چنانچہ میرے بھی دو بھائی حافظ ہیں جن میں سے ایک نے تو صرف سات سال کی عمر میں قرآن شریف

۱؎ ابو داود عن هشام بن عروة ... عن ابی بكر قال الله ولد يد اقعد احل باب المسجد فمن جاء كا شاهدين له ...

حفظ کیا تھا اور دوسرے نے آٹھ سال کی عمر میں پس مندرجہ بالا واقعات سے کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم انکار کردیں اسے جو کہا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عثمان رضی اللہ نے چند پارے سنے سنائے نسخوں کو کانٹ چھانٹ کر ایک قرآن شریف تیار کرلیا تھا یہ محض دہا شیعی کی افترا پردازی اور اڑ خائی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو اشاعت قرآن شریف کی تھی جیسا کہ ایک لمبی اور نہایت ہی معتبر روایت سے ظاہر و باہر ہے جسکو کہ نہ صرف امام بخاری جیسے عظیم الشان محدث نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے بلکہ بالاتفاق قریباً تمام کے تمام اماموں نے اپنی اپنی صحاح میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے حدثنا ابن اشہاب ان انس ابن مالک ان حذیفۃ بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اہل الشام فی فتحۃ ارمینۃ واذربیجان مع اہل العراق فافزع حذیفۃ اختلافھم فی القراۃ فقال لعثمان یا امیر المومنین ادرک ھٰذہ الامۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصارٰی فارسل عثمان الی حفصۃ ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردھا الیک فارسلت بھا حفصۃ الی عثمان فامر زید بن ثابت وعبد اللہ بن زبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحرث بن ہشام فنسخوھا فی المصاحف ...... حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصۃ وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا۔ اسی طرح ایک اور حدیث بخاری کے پہلے پارے میں موجود ہے مگر طوالت کے خوف سے ہم صرف مندرجہ بالا متفق علیہ حدیث کے ہی ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں ابن شہاب انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حذیفہ بن الیمان عثمان کے پاس پہنچے اور وہ ارمینہ اور آذربیجان کے فتح کرنے کیلئے اہل عراق کی مدد سے اہل شام کے ساتھ جنگ کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے قرآن شریف کے پڑھنے کے اختلاف کی وجہ سے حذیفہ

صلی اللہ علیہ وسلم والمراد انھا اشتمل من علی ... من الوجوہ التی نزل بھا القرآن و ... وکان ... لا یکتب الا من ... مالک بن ... رسول اللہ صلعم ... جمع ... ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ ... کر علیحدہ کر ...

گھبرائے اور حضرت عثمانؓ کو کہنے لگے کہ اے امیرالمومنین امت کو پہنچ قبل اسکے
یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اختلاف کرنے لگ پڑیں پس عثمان نے حفصہ کی طرف کہلا
بھیجا کہ مجھے قرآن شریف بھیجو تاکہ میں بہت سے نسخے لکھواؤں اور پھر تیری طرف واپس
بھیج دونگا چنانچہ جب حفصہؓ نے عثمانؓ کی طرف قرآن شریف بھیجدیا۔ تو آپ نے زید
بن ثابت کو عبداللہ ابن زبیر سعید ابن العاص اور عبدالرحمن ابن الحرث ابن الہشام کو کہا
کہ بہت سے قرآن شریف کے نسخے لکھو اور اگر تمکو آپس میں اختلاف ہو تو قریش ہی
کی زبان میں لکھنا کیونکہ انہی کی زبان میں یہ نازل ہوا تھا جب نسخے لکھے گئے تو عثمانؓ
نے وہ اصلی نسخہ حفصہ کو واپس بھیجدیا اور باقی نسخے مختلف اطراف میں روانہ کردیئے
بالفظہ۔ ناظرین یہ ہے وہ اصلی تاریخی واقعہ جسکو نظرانداز کر کے آریہ مہاشہ جی جھوٹ
اکاذیب کا مرتکب ہوا ہے۔

سید ولی اللہ شاہ

سے نہ ابھی نہیں ٹلا۔ افسوس! وہ لکھتے وقت اتنا خیال کر لیتے۔ کہ میں کیا کر رہا ہوں انصاف
پسند پبلک ان افترا پردازیوں سے مطلع ہو کر میری نسبت کیا خیال کریگی اسے آریہ مہاشہ
بچ بچا کر تو اس حدیث کا ترجمہ کرنا کیوں بھول گیا کہ اس لئے کہ کہیں پبلک پر یہ ظاہر
نہ ہو جائے۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ نے صرف حافظان قرآن کے قتل ہو جانے
پر ہی مجبور ہو کر کے قرآن شریف یکجا جمع نہیں کیا جب تک کہ آپ نے لکھا ہوا نہ پا
لیا۔ اور پھر بھی آپ نے لکھنے کا حکم نہیں دیا یہاں تک کہ دو معتبر آدمیوں سے
اس بات کی شہادت دے لی۔ کہ فی الواقعہ وہ صحیفہ یا تختی آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کے سامنے ہی لکھی گئی تھی یا نہ کہ کہیں ... ترجمہ کو دیکھکر پبلک ... اس
دروغ بے فروغ سے مطلع نہ ہو جائے ورنہ تیری اس ٹیڑھی چال کا ہو کہ وہی کے
سوا اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ منہ

ناظرین! میری طرف سے آریہ مہاشے کو یہ دوسرا چیلنج ہو کہ اگر وہ اپنی بات کا

[illegible]

ادب تاجیست از لطفِ الٰہی
بنہ بر سر برو ہر جاکہ خواہی

کیا ہی دلچسپ اور پیارا شعر ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے مؤدب آدمی جس قدر جھکتا ہے اور اپنی منکسر المزاجی سے پچھلی صف میں یا سب سے نچلی جگہ میں بیٹھنا پسند کرتا ہے اتنا ہی لوگ اُسے سروں پر اٹھا لیتے اور چشموں پر جگہ دیتے ہیں اور بے ادب نامراد جسقدر اپنے تئیں اونچی طرف کھینچتا اور تصنع اور تکلف سے جنٹلمین اور بڑا آدمی بننے کے لیے کوشش کرتا ہے اسی قدر خائب و خاسر ہو کر منہ کی کھاتا ہے۔ میں اس مضمون کو تین نمبروں میں بیان کرونگا۔ (۱) ادب کی تعریف۔ (۲) ادب کے فائدے (۳) اسکے حاصل ہونیکے ذرائع اور دلائل (تعریف) ادب کے معنے عزت کرنی سلام کرنا تعظیم کرنا قاعدہ طریقہ علم اور آداب قاعدے عمدہ خصلتیں اور حکمت عملی (یا علم اخلاق) کی چاروں قسموں حکمت شجاعت عفت عدالت سے بھی مراد ہے ادب ہر شے کا اندازہ حد نگاہ رکھنا۔ دانش اچھی روش اور نام ہے ایک علم کا جس کے جاننے سے کسی زبان کے بولنے میں لغزش اور خطا نہیں واقع ہوتی اسکی کئی قسمیں ہیں جیسے علم لغت علم صرف علم نحو علم معانی عروض قافیہ علم رسم الخط علم قرض الشعراء علم انشاء وغیرہ وغیرہ زبانِ دانی چنانچہ ادیب ادب دینے والے استاد۔ علم ادب جاننے والے۔ زباندان کو کہتے ہیں ہمیں اپنے خیال میں عبادت کے سارے اقسام یعنے زبانی بدنی مالی وغیرہ سب کے سب

ادب ہی میں داخل ہیں۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ پوجا پاٹ وغیرہ آداب ہی کے ذیل میں گنے جائینگے۔ اخلاق کی کتابوں میں ادنیٰ سے ادنیٰ یعنی بول وبراز کے اداب لیکر کھانے پینے نشست برخاست وغیرہ وغیرہ کے قواعد وضوابط مندرج ہیں یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی عطا فرمائی ہوئی روحانی اور جسمانی گراں بہا نعمتیں جس سے یہ پتلا سرتاپا مرتب اور منقش اور مرصع ہو رہا ہے یعنے حواس قویٰ جوارح واعضا کو ان کے اپنے محل اور موقع پر استعمال کرنیکا نام ادب ہے حضرتِ انسان خلیفۃ اللہ الانسان سرّ الرحمٰن کے پیدائش کی علت غائی یہی ادب ہی ادب ٹھہرائی جاسکتی ہے اسی لیئے کہا گیا ہے ؏ باادب بانصیب بے ادب۔ بے نصیب اور یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام پشتے سوز وگداز سے وجد لانے والے سحری ہیم شی میں حالت وجد و رقص میں رقت قلبی کے ساتھ مثنوی شریف کا یہ شعر پڑھا کرتے ہیں **شعر** از خدا خواہیم توفیق ادب ؎ بے ادب محروم ماند از لطف رب ۔ الغرض ادب کی تعریف یا صفت وثنا کے لیئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن سے اس کی کماحقہ ماہیت اور حیثیت اور کیفیت کا نقشہ بناکر کھینچکر معزز ناظرین کے ذہن نشین کر سکوں اسلیئے اس کوشش بیفائدہ سے منہ پھیر کر اسکے انتہائی مفید نتیجہ اور ضروری کیطور پر بیان کرتا ہوں۔ ایسے بابرکت اور بہترین اور ضروری صفت سے متصف ہوئے بغیر تو انسان انسان ہی نہیں کہلا سکتا کیونکہ انسان کو اسی حالت میں انسانیت کا سرٹیفکیٹ حاصل ہو سکتا ہے کہ اس میں دو وصف ہوں۔ ایک تو اپنے خالق سے جس میں تعظیم لامر اللہ یعنی حقوق اللہ یا بالفاظ دیگر عبادات ہر قسم کی طہارات اور مراقبات ومکاشفات شمار ہوگئے ہیں۔ دوم مخلوق سے جسکو شفقت علی خلق اللہ یعنے حقوق العباد کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس میں ہر ایک قسم کی ہمدردیاں اور خیر خواہیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوں اب کون احمق اور بیوقوف ہوگا۔ جیسے یہ

سرتاسر تمام کمال و نفع ہی نفع اور فائدہ ہی فائدہ ہونے میں کلام ہو یا ذرا بھی تامل ہو
فی الحقیقت با ادب آدمی اپنے لیے اور اپنے لواحقین اور متوسلین کے لیے نری رحمت
ہی رحمت اور برکت ہی برکت ہے اور بس اب میں اسکے ذرائع اور وسائل کی طرف
توجہ دلا کر مضمون کو ختم کرتا ہوں سارے ذریعوں اور وسیلوں کی جڑ اور بنیاد تو دعا ہے
جو اللہ تعالے نے سورۃ فاتحہ کی شکل اور پیرایہ میں اپنے خاص بندے پہ نازل فرمائی
ہے اور نماز میں پانچ چھ وقت کئی کئی دفعہ پڑھنے کی تاکید شدید کی ہے جسکا خلاصہ
اور انتخاب یہ ہے کہ پہلے تو تمہید کے طور پہ اللہ تعالے کے چار صفات ربوبیت
رحمانیت رحیمیت مالکیت بیان کرے عبادت اور استعانت کو خاص اسی کے لیے
مخصوص کرنا اور پھر صراط مستقیم جسکو ہم بالفاظ دیگر ادب کے نام سے موسوم کرتے
ہیں۔ اللہ تعالی سے مانگنا پھر منعم علیہ لوگوں کی راہ طلب کرنا جو ایسے با ادب تھے
کہ سارے جہان کے لوگوں کے لیے نمونہ اور اسوہ تھے اور دنیا بھر کی تادیب کا بیڑا
اٹھا کر آئے تھے پھر ایسے بے ادب اور گستاخ گروہ کے اعمال و افعال سے بچنے
کی دعا مانگنا جو اپنے ادب تو ادب سکھانے والے طور ان الہی سے منحرف اور باغی
ہو کر مغضوب اور ازلی اور مستحق عذاب ٹھہرے اور نیز ایسی بے تمیز جماعت کے
کرتوت سے بھی علیحدہ رہنے کی التجا کرنا جنہوں نے اپنے ادب اور ہدایت سکھانے
اور بتانے والے مرشدوں کی تعلیم اور تادیب کے خلاف انہی کو خالق کی جگہ اپنا معبود
اور مطلوب اور محبوب اور مقصود بنا کر ضالین کا خطاب پر ور ناب حاصل کیا اب اگر
اسکی رو عا قبول منظور ہو گئی تو اسکے لیے ساری راہیں کشادہ ہیں علم سے تعلیم سے
استاد سے پیرے مرشد سے کتابوں سے سفر میں حضر میں صبح و شام دن دونی رات
چوگنی ادب و ہدایت میں ترقی کرتا رہیگا وہ سب لوگوں کے لیے بھی ایک نظیر اور مثال
ہو جاویگا ورنہ صرف کتابوں کے پڑھنے اور خشک الفاظی سے سورۃ کعبہ والی مثال

کا مصداق ہونا پڑیگا جہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ پڑھ سنکر عملدرآمد نہیں کرتے انکی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لادو دی جاویں۔

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ٭ چوں بیاید ہنوز خر باشد

اللہ تعالیٰ کے فضل اور توجہ بغیر کوئی یونیورسٹی یا کالج یا سکول مکتب مدرسہ صحبت سنگت وعظ و پند اسکو با ادب نہیں بنا سکتا۔ شعر

صحبت نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بدست ٭ تربیت نا اہل راچوں گردکاں برگنبدست

برخلاف اسکے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنیوالے دعاؤں میں لگا رہنے والے کے لیے ہر ایک چیز موجب ہدایت اور باعث تادیب تادب ہوجاویگی جیسے کہ حضرت لقمان سے کسی نے سوال کیا کہ آپ یہ ادب و ہدایت کہاں سے سیکھی اور حاصل کی ہو فرمایا بے ادبوں سے۔ نگوید ز سر بازیچہ حرفے ٭ کز و پندے نگیرد صاحب ہوش وگر صد باب حکمت پیش ناداں ٭ بخوانی آیدش بازیچہ در گوش ٭ ایسے آدمی کیلئے ناصحان مشفق اور خیر خواہان حامی دوستی کے علاوہ سخت دل سیاہ باطن مخالف اور معاند بھی ادب سکھلانیوالے اور موجب ہدایت ہوجایا کرتے ہیں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ مذہبی تعلیم اگر لازمی کر دیجاتی اور بجائے رواجی اور رسمی ہونیکے اچھی طرح سمجھ سمجھا کر نصیحت کی سچی ہوئی عمر میں ذہن نشین کرنیکا پورا پورا اہتمام اور انتظام کیا جاوے تو کیا تعجب ہے کہ ادب و ہدایت کی گم شدہ اور کھوئی ہوئی دولت ہمارے گھروں میں واپس آجاوے۔

گلاب الدین احمدی رہتاسی

قرآن شریف کی صداقت

(نمبر اوّل)

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اُجلا نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا

حضرت مسیح موعود نے اپنی تصانیف میں جہاں قرآن شریف کی اور بیشمار خوبیاں تحریر کی ہیں۔ وہاں سب سے اعلیٰ اور بینظیر خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ قرآن شریف نے جو دعویٰ کیا ہے ساتھ ہی اس دعوے کی دلیل بھی دی ہے اور یہ خوبی قرآن مجید میں ایسی ہے جس سے دنیا کی تمام آسمانی کتابیں محروم ہیں۔ حضرت مرسل یزدانی کے اس مقولہ طیبہ کو پڑھکر جب میں نے قرآن کریم میں حسب لیاقت وفہم خود تدبر کیا تو میں اس نتیجہ پر پہونچا۔ کہ واقعی قرآن شریف اس صفت علیا سے موصوف ہے اور چونکہ میرا اعتقاد ہے حضرت اقدس کے کسی ایک قول کی بھی تائید کرنا ثواب دارین کا موجب ہے۔ اسلئے میں چند آیات قرآنی بطور نمونہ مشتے از نمونہ خروارے ناظرین کے سامنے پیش کرکے قرآن مجید میں اس صداقت عظیم کو دکھلاؤنگا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

آیت نمونہ اول پارہ الٓمّٓ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحانہٗ بل لہ ما فی السمٰوٰت والارض کل لہ قانتون۔ بدیع السمٰوٰت والارض واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون

ناظرین یہ پہلی آیت ہے جس کو میں اپنے دعوی میں پیش کرتا ہوں اسکے پہلے حصہ میں تو خدا تعالے نے ایک دعوی بیان فرمایا اور باقی حصہ میں اس دعوے کی دلیلیں ہیں میں اسلئے پہلے دعوی سناتا ہوں پھر اس کے بعد دلایل پیش کرونگا چنانچہ فرماتا ہے

دعوی وقالوا اتخذ اللہ ولدا۔ یعنی یہ نصاری کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے لیکن یہ بات واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے مسیح ہرگز خدا کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ خدا کی ایک معمولی مخلوق تھا۔ ناظرین یہ تو ہوا قرآن کا دعوی مگر اس دعوی کی اسی ایک آیت میں پانچ دلیلیں بیان کرتا ہے۔

دلیل اول فرماتا ہے سبحانہٗ (وہ تمام نقصوں سے پاک ہے) اس کلمہ سے عیسائیوں کا وہ خطرہ رد کیا ہے ایک تو اس طرح کہ عیسائیوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم بھی مانتے ہو کہ خدا کی ذات تمام نقصوں اور کمزوریوں سے پاک ہے اور کوئی نقص یا کمزوری اس کو نہیں پہنچ سکتی تو اب تم ہی سوچو کہ خدا کا بیٹا تو وہ ہونا چاہیئے جو خود آپ بھی اپنے باپ کی طرح تمام نقصوں اور کمزوریوں جیسے حدوث تغیر تخلیق حلول والدت اور محدودیت مکانی اور زمانی سے پاک ہو لیکن مسیح جسکو تم خدا کا بیٹا کہتے ہو وہ تو تمام ان کمزوریوں اور نقصوں میں گرفتار تھا جو خدا کی ایک کمزور مخلوق انسان پر وارد ہوتی ہیں تو کسطرح ہو سکتا ہے کہ مسیح جیسا کمزور وجود اس خدا کا بیٹا ہو جو تمام کمزوریوں سے پاک ہے اسجگہ مجھے قرآن شریف اور انجیل کے الفاظ ملانے سے

لطیفہ ایک لطیفہ معلوم ہوا کہ قرآن میں خدا فرماتا ہے (سبحانہٗ) یعنی خدا تعالی پاک ہے اُدھر انجیل میں مسیح کہتا ہے کہ میں نیک نہیں گویا مسیح نے قرآن کی دلیل کی تصدیق کی کہ میں تو نیک بھی نہیں خدا کا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہوں پھر اسی کلمہ سے دوسری طرح پر عیسائیوں کا رد کرتا ہے اور فرماتا ہے سبحانہٗ یعنی خدا تمام کمزوریوں اور نقصوں سے پاک ہے اور تم کہتے ہو کہ مسیح اسکا بیٹا ہے حالانکہ بیٹا وہ ہوتا ہے جو باپ کے

اجزا میں کمی واقع نہیں ہوتی صورت سے دوسرا وجود اختیار کرے گو وہ بظاہر نیا وجود ہوتا ہے
لیکن در اصل باپ کے اجزا کا ایک حصہ ہوتا ہے لیکن یہ بھی ایک نقص ہوتا ہو کیونکہ جو
اجزا بیٹے میں باپ کے جدا ہو کر آتے ہیں وہ باپ میں ایک نقص پیدا کرتے ہیں۔ اور
ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالے تمام نقصوں سے بری ہے تو صاف نتیجہ نکل آتا ہے۔ کہ
خدا تعالیٰ کا ہرگز ہرگز کوئی بیٹا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ بیٹا ہونا باپ میں نقص ثابت کرتا ہے
اسلئے کہ بیٹا کہتے ہی اسے ہیں جو اپنے باپ کا ایک حصہ اس سے الگ ہو کر نیا وجود
اختیار کرے مگر خدا تعالے احد ہے اور وہ تمام باتوں میں ایک ہے اور تمام نقصوں سے
اور ہر قسم کی کمیوں سے پاک ہے تو چونکہ بیٹا ہونا بھی ایک نقص ہے اسلئے لازماً یہ بات بھی
ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالے بیٹا اختیار کرنے سے بھی پاک ہے۔

دلیل دوم پھر آگے فرمایا ہے بل لہ ما فی السمٰوٰت والارض بلکہ اسی کے لیے
ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اس دوسری دلیل سے عیسائیوں کو
اس طرح پر قائل کرتا ہے کہ فطرتاً ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی چیز میرے قبضہ
میں ہو جسکو وہ اپنی کہہ سکے اور اسے اپنی طرف منسوب کر سکے تم کہہ سکتے ہو کہ خدا کو
بیٹے کی اسی لیئے خواہش ہے اور اسی لئے اسنے مسیح کو اختیار کیا مگر تمہارا یہ خیال
بھی غلط ہے کیونکہ خدا تعالے کے قبضہ میں تو سب دنیا و مافیہا کی چیزیں ہیں اور سب
اسکی اپنی ہیں۔ تو کس طرح اس پاک ذات کو بیٹے کی حاجت ہو سکتی ہے اس کلمہ میں
ایک اور دلیل بھی دی ہے جو میرے خیال میں اس سے بھی عمدہ ہے وہ یہ کہ ایک
انسان جس کے پاس ایک چیز نہ ہو اور وہ انسان اس چیز کو اپنے قبضہ میں لانا چاہتا
ہو مگر طاقت نہ ہو تو فطرتاً اس انسان کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کوئی میرا اپنا
قریبی ہو جو میری خواہش کے مطابق اس چیز کو میرے قبضہ میں کر دے مگر خدا کہتا
ہو بل لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض یعنی کہ اس صورت سے بھی مجھ کو بیٹے کی

ضرورت نہیں کیونکہ تمام زمین و آسمان کی اشیاء سب کی سب میری اپنے میں پھر جب کوئی شے بھی ایسی نہیں جو میرے قبضہ میں نہ ہو تو پھر کونسا اقتضاء ہے جو مجھ کو بیٹے کے پیدا کرنے پر مجبور کرے

تیسری دلیل | پھر فرماتا ہو کل لہ قانتون (ہر شئی اسکی فرمانبردار ہے) اس دلیل کو عیسائیوں کے سامنے اس طرح پیش کرتا ہو کہ انسان کو دشمنوں سے بچانے اور اس کے اعداء سے محفوظ رکھنے کے لیے یا اسکے نافرمان نوکروں کے سیدھا کرنے کے لیے کسی اپنے ہم جنس کی ضرورت ہوتی ہے ہو سکتا کہ خدا نے ایسے موقعوں کے لئے بیٹے کو اختیار کیا ہو مگر بات بھی غلط ہے کیونکہ جتنی چیزیں موجود ہیں وہ سب کی سب اسکی فرمانبردار ہیں اور کوئی ایک چیز بھی اسکے مقابلہ میں شوخ اور سرکش نہیں ہو سکتی۔ بلکہ سب موجودات اس کی مطیع ہیں اور نافرمانی کا خوف ہی نہیں تو پھر اسے بیٹے کی پیدائش کی کیا ضرورت ہے پس اس طرح بھی ثابت ہوا کہ مسیح خدا کا بیٹا نہیں۔

دلیل چہارم | پھر فرماتا ہے بدیع السمٰوٰت و الارض (پیدا کرنیوالا ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا) اس دلیل کو اس طرح پر واضح کیا ہے کہ انسان ایک چیز بنانا چاہتا ہے مگر بعض وقت اسکو درست نہیں بنا سکتا یا اس کی تکمیل نہیں کر سکتا۔ تو سے کسی ایسے شخص کی ضرورت پڑتی ہے جو اسکے کام کی درستگی اور تکمیل کر سکے۔ جیسا کہ فارسی کی مثل ہے۔

یعنی باپ ایک کام مکمل نہیں کر سکا تو بیٹا کر لیتا۔ مگر خدا کی ذات اس نقص سے بھی پاک ہے کیونکہ وہ تو اپنے تمام کاموں میں یعنی آسمان سے لیکر زمین تک کی صنعتوں کا خود ہی مکمل کرنیوالا ہے تو اسے بیٹے یا کسی اور مددگار کی ضرورت کیا پڑنے لگی۔ وہ تو خود بدیع سمٰوٰت اور بدیع ارض ہے۔

دلیل پنجم | پھر فرماتا ہو واذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون (اس دلیل کو

عیسائیوں پر اس طریق سے حجت بنتا ہے کہ ایک شخص ساری کام نہیں کر سکتا بلکہ ہر کام بہت سے شخص مل کر کرتے ہیں ایک شخص تجویز کرتا ہے ایک حکم دیتا ہے ایک اس حکم کو اجرا کرتا ہو دنیا کی سلطنتوں اور حکومتوں میں بھی یہی طریق جاری ہے بادشاہ کا کام ہے حکم دینا مگر اس حکم کا اجرا وہ خود نہیں کر سکتا بلکہ اسکے بیٹے یا اور بڑے بڑے نائب اور اراکین دجہ بدجہ کرتے ہیں کیونکہ تمام کام ایک انسان کے ضبط کمال سے باہر ہیں اسلئے حکموں کے اجرا کے لیئے مددگاروں کی ضرورت پڑتی ہو تم کہہ سکتے ہو کہ اسی غرض کے لیئے خدا نے بیٹے کو اختیار کیا ہے مگر یہ بات بھی غلط طریق ہے کیونکہ جتنے کاموں کے متعلق وہ حکم دیتا ہے۔ انکا اجرا بھی اسی کی طاقت سے بغیر کسی کی مدد کے انجام پذیر ہوتا ہے کیونکہ وہ ایسا قادر ہے کہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس کی مرضی کافی ہوتی ہے اور وہ کام اسکے کلمہ کن کہنے سے ہوجاتا ہے اور اسکے احکام کے اجرا کے لیئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تو پھر کونسی ضرورت ہے یا ایسا کونسا اقتضاء ہو سکتا ہو جو رب العالمین کو بیٹے کے اختیار پر مجبور کرسکے (کلا بل هو الله لا الٰه الا هو) (میر از قادیان)

ریویو

جری الله فی حلل الانبیاء امام الوقت مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں سے ایک اعلیٰ اور افضل نظم جس میں بہت سی پیشگوئیاں ہیں محمد یٰسین و محمد یمین سہارنپوری نے عمدہ سفید موٹے سفید کاغذ پر خوشخط چھپا کر بصورت کتاب شائع کیا ہے قیمت فی جلد ۱ر اور ۲۰ جلد کا ایک روپیہ

ملنے کا پتہ:۔ قادیان دارالامان محمد یٰسین و محمد یمین تاجران کتب

دین کو دنیا پر مقدم کرو

اندنوں بدیوں کا جسقدر زور ہے اور مخالفین اسلام جو جو کارروائیاں اسلام کے نابود کر دینے کے لیے کر رہے ہیں وہ ظاہر ہی ہیں کوئی وقت خالی نہیں جاتا۔ کہ جس میں دشمنانِ اسلام اسلام پر حملہ کر رہے ہوں ایک تو مسیحیت کا غلبہ دوسرے آریہ مذہب کا جوش تیسرے فلسفہ اور سائنس کا چرچا اور چوتھے مسلمانوں کی اپنے مذہب سے لاعلمی وہ ایسے روگ ہیں کہ جنکا علاج سوائے رحمت الٰہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا اگر مسلمان مذہب سے واقف ہوتے تو یہ بیرونی حملے چند دنوں میں ہی زائل کائی ہو جاتے لیکن سب سے زیادہ افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلمان خود اپنے مذہب سے واقف نہیں کیونکہ جب اسلام جیسا کہ ہم یقین رکھتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر اس میں کسی قسم کا نقص کیونکر ہو سکتا ہے پس اگر کہیں بھی دشمنانِ دین سے ہمکو شرمندگی اٹھانی پڑے (خدانخواستہ) تو وہ ہماری ہی بھول کا قصور ہے نہ کہ اسلام کا اور دشمن بھی تبھی جوش سے حملہ کر رہا ہے جب اُسے ہماری کمزوری کا یقین ہوگیا ہے۔

پس سب سے بڑا نقص جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے کلام اللہ اور کلام الرسول کو چھوڑ دیا۔ اور دیگر لغویات میں پڑ گئے جسکی وجہ سے انکے اعتقاد بگڑ گئے اور اعمال و اقوال خراب ہو گئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود نے اس نقص کو دور کیا اور لاکھوں کی ایک جماعت قائم کر دی جو خدا کے فضل سے قرآن شریف سے سچا اخلاص رکھتے ہیں اور رسول

کی بات بات پر قربان ہونیکے لیے تیار ہیں وہ اسلام کے شیدا اور سچائی کے فدائی ہیں اور نور ایمان بہت سے میدانوں میں انکی رہنمائی کرتا ہے۔

اس جماعت کو صراط مستقیم پر ثابت کرنیکے لئے حضرت صاحب نے بہت سی تجاویز پر عمل کیا اور ہر ایک تجویز اپنے اپنے رنگ میں ایسی مفید ثابت ہوئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے چنانچہ سب سے آخر میں آپ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ہماری جماعت میں علماء کی بڑی ضرورت ہے جو کہ جماعت میں اسلام کے سچے اصولوں کی تعلیم دیں اور لوگوں کو وعظ و نصیحت سے خدا کے فضل و کرم سے بھٹکنے نہ دیں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جسکا مقصد دینیات کی تعلیم دینا تھا اور آپ کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح نے پسند فرمایا کہ آپ کی یادگار کے طور پر اس مدرسہ کو بڑے پیمانہ پر قائم کیا جائے اور اس میں ایسے علماء پیدا کرنیکی کوشش کیجائے جو موجودہ ضروریات کو پورا کرنیکے لیے اچھی طرح سے قابل ہوں چنانچہ اس مدرسہ کا نام مدرسہ احمدیہ رکھا گیا اور اسوقت سے اسکے مفید اور کارآمد بنانیکی متواتر کوشش چلی آرہی ہے لیکن وہی فساد جسے دور کرنیکے لئے اس مدرسہ کے قائم کرنیکی ضرورت پڑی تھی اس کے سد راہ ہو رہا ہے یعنی لوگوں کا دنیا کی طرف بڑھتا ہوا میلان چنانچہ ابتک سوائے چند ایک طالبعلموں کے باقی کل کے کل وہی طالب العلم ہیں جنکو وظیفہ کے ذریعے اس مدرسہ میں داخل کیا گیا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ باوجود حضرت اقدس کی یادگار ہونیکے اس مدرسہ کی طرف احباب نے بہت کم توجہ کی ہے ورنہ چار لاکھ کی جماعت میں سے سو ڈیڑھ سو لڑکا ابتک مل جانا کیا مشکل تھا جو اپنے خرچ پر دین کے لیے تعلیم پا ئے۔

قرآن شریف میں صریح حکم ہے کہ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر اور پھر فرمایا کہ وما کان المومنون لینفروا کافۃ ط فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم

افارجعوا الیھم لعلھم یحذرون۔ پس بموجب ان آیات کے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ جو اپنی زندگی کو ایک حصہ دین کے حاصل کرنے میں لگاوے اور پھر خواہ یہ لوگ تبلیغ دین پر ہی لگ جائیں اور خواہ دوسرے کام بھی کرتے رہیں اور تبلیغ دین میں بھی مشغول رہیں اور ہماری جماعت کا تو ایسے علماء کا گروہ پیدا کرنا فرض مقدم ہے کیونکہ انھوں نے بیعت کرتے وقت عہد کیا ہوا ہے کہ ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے اب ایک طرف دنیا کی طرح طرح کی نعمتیں اور ترقیات کا سلسلہ نظر آتا ہے اور دوسری طرف یہ شان و شوکت نظر نہیں آتی۔ پس یہی موقعہ ہے کہ صادقوں کا صدق آزمایا جائے اور متقیوں کے اتقاء کی آزمائش کیجائے۔ اور مجھکو یقین ہے کہ احباب ضرور اس کام کو پورا کرتے رہینگے جن لوگوں نے اپنے پیرائے کو چھوڑ کر اور طرح طرح کے دکھ اٹھا کر بھی سچے راستہ کو نہیں چھوڑا اور صراط مستقیم پر قائم ہے اُن پر یہ گمان کب ہو سکتا ہے کہ وہ اس کار ثواب کے پورا کرنے میں قاصر رہینگے اور اب تک جو کچھ سستی ہوئی ہے اس میں صرف احباب کا ہی قصور نہیں بلکہ مجھے ماننا پڑتا ہے کہ خود ہمارا بھی قصور ہے کیونکہ جب لوگوں نے اس طرف توجہ نہیں کی تو ہمارا فرض تھا کہ ہم ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور اگر پھر بھی وہ متوجہ نہ ہوتے تو بیشک انپر الزام آتا۔ مگر گزشتہ ماصلوٰۃ کے مقدمہ پر عمل کرتے ہوئے میں احباب کو اس طرف توجہ دلانے کی جرات کرتا ہوں کہ وہ نہ صرف مال سے بلکہ اولاد سے اس سلسلہ میں مدد دیں اور جنکو خدا نے دو یا تین لڑکے دیئے ہیں وہ اس کے راہ میں ایک لڑکا دیدیں جو مدرسہ احمدیہ میں تعلیم دینی حاصل کرے اور خدا چاہے تو ہزاروں لاکھوں کو راہ ہدایت دکھلا کر اپنے اور اپنے والدین کے لیئے خدا تعالے کے حضور اجر کا مستحق ٹھیرے۔ یاد رکھو کہ جو خدا کے کے لیئے ایک دانہ بھی خرچ کرتا ہے خدا تعالے اُسے بڑھاتا ہے اور اتنا بڑھاتا ہے کہ کیسی کو اسکی امید بھی نہیں ہوتی۔ من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ

لَهٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بیٹا قربان کرنیکا ارادہ کیا تھا انکو اسکے بدلہ میں اتنی اولاد کا وعدہ دیا گیا کہ آسمان کے ستاروں کی طرح جنکا شمار نہ ہوسکے اسی طرح حضرت اسماعیل نے اپنی زندگی خدا کے راہ میں قربان کردینے کا ارادہ کیا تھا جس کے بدلہ میں انکو یہ رتبہ ملا۔ کہ آپ کی اولاد میں سے ایک شخص پیدا ہو کہ جسکی راہ میں مرنیوالوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۔

پس یہ گمان مت کرو کہ تمہاری قربانیاں یا خدمتیں ضائع جائینگی اسکے بدلہ میں جو خدا تعالیٰ نے تمہارے لیئے انعام مقرر کیا ہے وہ یہ ہے وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۔ یہ مت سمجھو کہ عربی یا دینیات کی تعلیم میں دنیاوی نفع نہیں رزق اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اسوقت تمام دنیا کی اصلاح کے لیئے جس شخص کو خدا تعالیٰ نے چنا وہ انگریزی نہیں جانتا تھا نہ اسکا خلیفہ اس زبان سے واقف ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ خدا تعالیٰ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے انسان کی کوششوں سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ قُلْ لِّلّٰہِ الْعِزَّۃُ جَمِیْعًا ۔

غرضیکہ نہ یہی کہ ہماری موجودہ حالت ایک علماء کے گروہ کی ضرورت محسوس کرتی ہے اور یہ کہ حضرت صاحب کی خواہش تھی کہ ہم میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو دین سے بکلی واقف ہوں بلکہ خدا تعالیٰ کا بھی حکم ہے کہ ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیئے یہ وقت خدمت کا ہے جو ثواب کمانا چاہے کما لے ورنہ وہ دن آتے ہیں کہ جماعتیں کی جماعتیں دین میں داخل ہونگی۔ اور ہزاروں نہیں لاکھوں اپنا مال و اسباب اپنی جان اور اپنی اولاد خدا کی راہ میں پیش کرینگے لیکن آجکل کی خدمت کرنیوالوں کی نسبت وہ درجہ میں بہت کم ہونگے ۔

میں امید کرتا ہوں کہ بہت جلد احباب اپنے لڑکوں کو مدرسہ احمدیہ میں داخل کرنے کے لئے بھیجیں گے اور خدا تعالیٰ کے حضور ثواب کے مستحق ٹھہریں گے جن احباب کو کوئی بات دریافت کرنی ہو وہ مجھ سے دریافت کر سکتے ہیں +

(خاکسار مرزا محمود احمد)

اِلَا بِذِکْرِاللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

خبردار، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہی اصلی اطمانیت قلوب ہے

دنیا کی روزمرہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک جاندار نے جو اپنے تئیں محنت اور مشقت میں ڈالا ہوا ہے تو ساتھ ہی ایک ایسے نتیجہ کا بھی منتظر ہے جو اسکی راحت اور سکھ کا موجب ہو ایک چیونٹی ہی کو دیکھیے۔ کہ قبل اسکے کہ موسم سرما شروع ہوئے اپنی خوراک کے جمع کرنے کی فکر پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اس کام کو ایسے جوش اور سرگرمی سے کرتی ہے کہ بیچاری کو اپنی ننھی جان کا بھی خیال نہیں رہتا بڑے دور فاصلے سے اپنے سے دوگنے بوجھ کو اٹھائے ہوئے اور نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے اپنے محفوظ گھر کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے اسی دھن میں دن بھر آنے جانے کی مشقت وہ اپنی ننھی سی جان پر سہتی اور اپنے اس سرمایہ کو فراہم کرتی ہے جو بالآخر موسم سرما میں اسکی آرام اور راحت کا موجب ہونیوالا ہے ایک کسان کو اسی طرح دیکھیے کہ سخت جاڑے کی دھوپ میں ننگے سر ننگے بدن اور ننگے پاؤں اکیلا کھیت میں وہ وہ محنت کشیاں جھیلتا ہے کہ جنکو تصور میں لاکر ہی بس جیسے انسان کا بدن لرزتا ہے سخت گرمیوں میں عین اسوقت جب کہ آگ کی طرح گرم سورج سر پر تپتا ہو

اور گرم لوؤں کے لپٹے منہ بدن کو جھلس دیتے ہیں اور زمین بھی نیچے تانبے کی طرح تپی ہوئی ہوتی ہے۔ دیکھو کہ ایک آدم زاد سر سے لیکر ٹخنوں تک پسینے میں غرق ننگا جھری دار بدن گرمی کی تپش میں جھلسا ہوا چہرہ زرد اور غبار آلود آنکھیں چیپی ایک ہاتھ میں ہل دوسرے ہاتھ سونٹا غرضیکہ ایک عجیب قابل رحم حالت میں بیچارا کھیت کی اونچ نیچ میں ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے ہوئے دن بھر سرگردانی کرتا اور خاک اڑاتا ہے لیکن کیا یہ خواری اُسنے یونہی اپنے لیے پسند کی ہوئی ہے نہیں بلکہ وہ اسکے ساتھ ہی ایک ایسے نتیجے کا بھی امیدوار ہے جو کہ انجام کار اسکے لیے آرام و راحت کا موجب ہوگا ورنہ اگر ان عرق ریزیوں اور محنت کشیوں کا نتیجہ سوائے اس دکھ اور مصیبت کے اور کچھ نہ ہوتا تو کبھی وہ مفت اپنی جان پر مصیبتوں اور مشقتوں کا جوا رکھتا الغرض ہر ایک جو کوئی دکھ یا مشقت اور محنت کر رہا ہے تو ساتھ ہی وہ فطرتاً اور طبعاً یہ چاہتا ہے کہ جس کام کے لیے اسنے محنت اور مشقت برداشت کی ہے وہ کام عین مقصود کے مطابق پورا ہو کر اسکے سکھ اور راحت کا موجب ہو یعنے ہر ایک کی محنت کی انتہائی غرض یہ ہے کہ انجام میں اسے راحت اور سکھ ملے۔

اس انتہائی غرض کے حصول کے لیے مختلف زمانوں میں مختلف اسباب تمام لوگوں کی کوششوں سے مہیا ہوتے رہے ہیں لیکن آج اس ہمارے زمانہ میں قریباً تمام دنیا کی توجہ ان اسباب کے پیدا کرنیکے لیے اس اندازے جھک گئی ہے کہ آخرت کا خیال کرنا ایک جنون سمجھا گیا ہے بلکہ یہانتک تعلیم دیجاتی ہے کہ اپنے دنیا کے کاموں میں ایسی سرگرمی اور جوش سے مشغول رہو کہ موت کا خیال بھی نہ آئے تا ایسا نہ ہو کہیں یہ خیال بھی تمہاری توجہ کو کمزور کردے اس یکطرفہ توجہ کی زبردست اثر سے وہ وہ آرام اور راحت کے

سازوسامان پیدا ہو گئے کہ جن کی نظیر پہلے زمانوں میں مفقود ہے اگر میں ان اسباب
تنعم کو تصور میں لانیکی کوشش کروں تو شاید ہی ممکن ہو چنانچہ انکو حیطہ میں لا کر
انکی اصلیت کا فوٹو کھینچ سکے بفرض محال اگر ان گوناگوں اسباب کو بیان بھی کروں
تو مجملاً طور پر انکا خلاصہ یہی ہوگا کہ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ
لوگوں کے لیئے شہوات نفسانی مزین کیگئی ہیں مثلاً بی بی بیٹوں سونے چاندی کے
بڑے ڈھیروں عمدہ عمدہ گھوڑوں پر مویشیوں اور کھیت کے ساتھ انہیں ایک
خاص دلبستگی ہے یہی دنیا کی حیاتی کا ساز و سامان ہے اللہ تعالے کے نزدیک
تو بہترین ٹھکانہ ہے جان لو کہ یہ دنیوی زندگی محض حقیقت اور غافل کر دینے والی
ہے یہ سوائے زینت اور آپس میں ایکدوسرے پر بڑائی کرنے مال و اولاد میں
ایک دوسرے سے بڑھ جانیکے اور کچھ نہیں ہے۔

یعنی خلاصہ اس دنیاوی ساز و سامان کا کہ جو لوگوں کے نزدیک باعث راحت
اور سکھ میں صرف یہی ہے کہ مال بہت ہاتھ لگجائے لوگوں میں بڑائی اور عزت
حاصل ہو جائے خوبصورت بی بی سامنے ہو اور پھر اولاد بھی جو آنکھوں کی
ٹھنڈک کا باعث ہے پیدا ہو جائے الغرض ہر ایک قسم کی زینت کا سامان
میسر آ جائے اور بس وہ دستوا ہے خلاصہ ان نعماے دنیا کا کہ جو ایک دنیادار
کی نظر میں موجب راحت و سکھ ہو جاتے ہیں اور جس کے حاصل کرنے کے
لیئے ایک دنیا دار تن من دھن قربان کرنیکو تیار ہو جاتا ہے مگر سوال پھر بھی
رہتا ہے کہ آیا فی الواقعہ حقیقی سکھ اور طمانیت ان متذکرہ بالا سامان کے حاصل

کرنے سے میسر آجاتا ہے اگر سچ مچ یہ سامان باعث حقیقی راحت اور سکھ ہیں تو پھر دنیا
میں سب سے زیادہ مطمئن اور آرام یافتہ وہ لوگ ہونے چاہئیں جنہوں نے جان جوکھوں
میں ڈالکر ان اسباب تنعم کو حاصل کیا ہوا ہوتا ہے مگر نہیں سچ پوچھو تو یہی لوگ
زیادہ زنجیروں اور پھندوں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں یہ ان پھوڑوں سے
مشابہ ہیں جو اوپر سے تو صاف اور شفاف دکھائی دیتے ہیں اور اندر پیپ بھری
ہوئی ہوتی ہے ذرا ٹھیس لگی نہیں کہ بہنی شروع ہوگئی اور طرح طرح کی موہومہ
مصیبتوں کا خوف انکے دلوں کو پہلے ہی دہڑکا لگائے رکھتا ہے مثلاً اول
وہ مال ہی انکے لیئے وبال جان ہوجاتا ہے جس کی خاطر انہیں طرح طرح کی مشقتیں
اور مصیبتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور جس کی خاطر انکی مجبوراً فطرت سے نہایت ہی ذلیل اور
کمینہ پن کی حرکتیں صادر ہوجاتی ہیں اور جس کو وہ بعض اوقات دغا اور فریب
اور ناجائز طریقوں سے حاصل کرتے ہیں اور جس پر کہ وہ اپنی خوشی اور خوشحالی کا
سارا دارومدار رکھے ہوئے ہیں افسوس کہ دنیا مال کی محبت میں اندھی ہو
رہی ہے اس مال کی خاطر جھوٹ بولنا اور جھوٹی قسمیں کھانا جائز فریب اور دغا
دینا جائز چوری کرنا اور نقب لگانا جائز رشوت کھانا جائز لوٹنا اور سود
سے پیٹ بھرنا جائز زنا کروانا جائز ماں بہنوں کو بیچنا جائز غرضیکہ ہر ایک ناجائز
اور خبیث کام کرنا اس ایک قاضی الحاجات کے خاطر جائز ہے ایسا مال موجب
راحت ہوگا یا موجب وبال جان ان دونوں کو ہم اکثر یہی دیکھتے ہیں کہ اس مال کی
خاطر نہ عزت کی پرواہ کیجاتی ہے اور نہ پاک کانشنس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔
فطرتوں سے غیرت اسکی خاطر معدوم ہوگئی ہے جس کے پاس زیادہ مال ودولت
ہے اسی کا سینہ بخل اور حسد سے جلا ہوا ہے۔ اسبات کو گوارہ تک نہیں کیا جاتا
کہ دوسرا بھی انکے سامنے آرام سے دوچار لقمے کھالے اگر کسی کا نصیب یاور

جو بھی جانو تو حسد اور بغض کی آگ اسی کو جلائے رکھتی ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے کہ کیوں وہ اسکے سامنے آرام سے خوش اور رزق کھاتا ہے ذرا مصیبت زدہ حال میں کسی کو دیکھا فوراً سوچ ہم کو تا دُور دیتا ہے کہ شکر ہے ہمارا محتاج تو ہو گا۔ دوستو! ایسا مال تو زندگی ہی میں جہنم ہو جاتا ہے خاصکر جبکہ ضائع ہو جائے کیونکہ بمشقت حاصل شدہ شے بہت عزیز ہوتی ہے اور جیسے یہ نائع تو دل وجان سے بھی زیادہ پیارا ہوتا ہے اسکا ضائع ہو جاتا تو اس شخص کی آنکھوں میں دُنیا اندھیر ہو جاتی ہے جو اپنے مال کو قاضی الحاجات سمجھے ہوا ہو مالک الملک کی قبولیت اور رزاقیت پر ایمان تو ہوتا نہیں لہٰذا قاضی الحاجات کا ضائع ہونا گویا سارے گھر بار کی بربادی ہے اطمینان ہو تو کیسے ہو افسوس ہزار ہمیں دُنیا سے قاضی الحاجات سمجھے ہوئے ہیں جو بد تر سے بد تر کام کے لیے فطرت انسانی کو ذلیل کرتا ہے یہ تو بارہا ہی مشاہدہ کیا ہے کہ جوں جوں انسان کی حرص مال کے لیے اپنا دامن پھیلاتی ہے توں توں اسکی حاجتیں بھی بڑھتی جاتی ہیں اور حقیقت میں یہی درست ہے کہ مال کی زیادتی ساتھ ہی حاجتوں کو بھی بڑھا دیتی ہے تو بتاؤ یہ مال قاضی الحاجات خاک کا ہوا۔ اگر کسی نے چند روز آرام سے اس مال سے فائدہ بھی اُٹھا لیا تو دوسرے ساتھیوں سے بڑھ کر کونسا کام کیا انتظام ازل نے تو ہر ایک کا حصہ مقرر کر ہی دیا ہے اور موت بھی برابر تاک لگائے رکھتی ہو اور آج کا کھایا کل کو کب کام آتا ہو بلکہ یاد تک بھی نہیں رہتا تو پھر جدائی اور مفارقت کے وقت یہ مال موجب حسرت اور رنج کیسے نہ ہوگا۔ اسکے لیے کہ جسقدر اسکے حاصل کرنے کی بڑی دقتیں اٹھائی تھیں اسی کے لیے جسکی جھولیاں اس سے بھری ہوئی تھیں اور جس کی خوشحالی کا دار و مدار صرف یہی تھا اور جسکو کہ اسکی جدائی کا ہمیشہ کھٹکا رہتا تھا مگر دیکھو کہ آخر اسکا نتیجہ کیا ہوا۔ میری خیال میں اس سے زیادہ اور کونسی ناکامیابی کی زندگی ہوگی کہ جسکا مدعا یہ مال ہو آہ! یہ انسانی وجود جو کہ سینکڑوں چکروں کے بعد طیار ہوا ہے اسکا مدعا اس مال فانی

کی محبت ہونی چاہیئے جو آج بھی نہیں اور کل بھی نہیں گیا یہ بات زیادہ نہیں کہ یہ پاک انسانی فطرت جس کی خاطر تمام نظام عالم ایک خدمت بجا لا رہا ہے ان فانی زینتوں اور جھوٹی محبتوں کے آگے سجدہ کرے۔

میں اپنے دل کے ولولوں اور جوشوں کو کن الفاظ میں بیان کروں زبان تو گویا گنگ ہی ہے مگر آج رات قلم بھی جواب دیتی معلوم ہوتی ہے میرے دوستو! یہ مال ہرگز قاضی الحاجات نہیں یہ بیوی اور بچوں کی محبت بھی زوال پذیر ہے یہ تو دنیا میں ہی مصائب میں کام نہیں آسکتے بلکہ الٹے حسرت کا باعث ہوتے ہیں یہ روتے اور چلاتے ہی رہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں یا یہی تمکو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور تم انکی خاطر ہاتھ پیر مارتے رہجاتے ہو قاضی الحاجات کی جگہ پر سکانے کے پردوں میں ہی غائب ہو جاتی ہیں اور تمہاری حاجتیں ویسی کی ویسی ہی رہجاتی ہیں یہ دنیا کی زینتیں دنیا ہی میں رہتی ہیں اور فریفتہ ہونیوالا دل بعد حسرت خاک کے اندر نہاں ہو جاتا ہے مسجد یہ بیوی کی محبت بال بچوں کی محبت مال کی محبت یہ سب کے سب زور لگا کر تمہیں اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں کہ اچانک موت کا پنجہ ان سب لگیوں کو توڑ دیتا ہو خویش و اقارب کی پیاری پیاری نگاہیں نہیں چاہتیں کہ تم ایسی بے بسی و بیکسی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ اور تم بھی انکو محبت بھری نگاہوں سے کشش میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ خیال کرتے ہو نہیں نہیں یہ معلوم تو ہم بے خواب ہیں یہ کیا ہوتا جاتا ہے ہائے یہ مزین خاک کیوں مٹا جاتا ہے میری بیوی کی ناز برداریاں کون کریگا میری اولاد کا نگہبان اور رکھوالا کون ہوگا میرے مال و ملکیت کا وارث کون بنیگا اسی یاس کی حالت میں موت اپنا کام تمام کئے دیتی ہو یہ ہر روز کا مشاہدہ ہے کوئی وہمی یا مع سازیاں نہیں ہیں میرے دوستو! یقیناً سمجھو کہ یہ وجاہت اور عزت جو دنیا میں تم پیدا کر کے اپنی راحت اور سکون کا موجب سمجھتے ہو یہ حقیقی وجاہت

اور عزت نہیں بھلا بادشاہ سے کس کی زیادہ وجاہت اور عزت دنیا میں ہوگی مگر تم ہی اپنے دلوں میں سوال کرو دیکھو کیا حقیقتاً ایسی ہی وجاہت اور عزت اسکی تمہارے دلوں میں بھی موجود ہے جسکو کہ تم ظاہر کرتے ہو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے دل بہت تھوڑے ہیں پس ایسا ہی سمجھ لو کہ جن کے سامنے تم اپنے آپکو معزز سمجھکر اپنی غرور کی گردن بلند کرتے ہو وہی تمکو ذلیل اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں بسا اوقات ایسے لوگوں کو اکثر دیکھا ہوگا کہ جن لوگوں کے سامنے ایک وقت وہ نہایت ادب سے نیچی نگاہیں کیے ہوئے دست بستہ کھڑے حاضر جناب حاضر جناب کی آوازیں دبی زبان سے نکالتے ہیں وہی ان لوگوں کو دوسرے وقت میں نہایت گستاخانہ کلام سے یاد کرتے ہیں اور ان کی جہالتوں پر ہنسی اور مضحکہ اڑاتے ہیں اسکی وجہ کیا ہے صرف یہی کہ انہیں حقیقی عزت اور وجاہت حاصل نہیں ہوتی حقیقی عزت تو وہ ہے جو دلوں میں دھنس جائے میرے دوستو! ان خزانوں اور بڑے بڑے ملکوں کے مالک ہوجانا اور تمام قسم کی نعمتوں کو اپنے آپکو فراہم کر لینا یہ حقیقی عزت اور وجاہت پیدا نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ سب اشیاء قلیل اور زوال پذیر ہیں اور نتیجہ انکا بھی حسرت اور مایوسی ہے حقیقی راحت اور طمانیت حاصل کرنیکے لیے ایک ہی آواز کو سنو اور دل سے قبول کرو اور وہ آواز اس مالک الملک اور علیم کل کی ہے جو ان الفاظ لوگوں کو خبر دیتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ یعنے اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اصل طمانیت میسر آجاتی ہے

اسباب تنعم جو دنیا نے موجب راحت تجویز کیے ہیں ان سے ہم نے حقیقی سکھ تو کبھی ملتے نہ دیکھا نہ سنا اور نہ ہی یہ فی الواقع حقیقی سکھ اور طمانیت قلب کے باعث ہوسکتے ہیں۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کی شہادتیں ہمکو نہ صرف گزشتہ تواریخ کے اوراق میں پڑھیں اور اپنے بزرگوں سے قصے کہانیوں کے پیرایوں

کیا سنیں بلکہ آج اس زمانہ میں الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کی شہادت ہم بچشم خود ملاحظہ کر رہے ہیں اور اسی لئے مجھے ان چند سطروں کے لکھنے کا جوش پیدا ہوا ہے ہم سنا کرتے تھے کہ پچھلے زمانوں میں پاک روحیں بھی گزری ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی یاد میں اپنے تمام آرام اور سرور کو کھو دیا تھا اسی ایک محبوب کے فراق میں دیوانہ وار تمام خویش و اقارب سے منہ پھیر گھر بار چھوڑ بیابانوں اور جنگلوں میں جا ڈیرا لگایا اور اس دلفریب دنیا کے دلکش نظاروں سے دامن بچا کر زاویہ گمنامی اختیار کیا اسی واحد یگانہ کی محبت اور تڑپ میں انہیں صحرا نوردی اور اپنی جان تک کی بھی قربانی کرنی پڑی اور انہوں نے بڑی دلیری سے اس واحد یگانہ کی خاطر یہ سب کچھ کیا اور آخر وہ محبوب جب انہیں ملا تو اس طرح کہ جس طرح کسی ساتھی کے دو بچھڑے ہوئے یار اور یہ بھی سنا کرتے تھے کہ اس حقیقی یار نے انہیں ملتے ہوئے کو ایسا کر وہ سب کچھ واپس بھی دیدیا جو انہوں نے اسکے ملنے کی وجہ سے فرط اضطرار میں پھینکدیا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ تو سنائی کہانی تھی فی الواقعہ مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں بچشم خود بھی دیکھ لی وہ حقیقی معبود اس پاک وجود کیساتھ زاویہ گمنامی میں پڑا کہ تمام دنیا کو اسکی تعریف میں بلوایا ایک تو وہ وقت تھا کہ یہ پاک وجود اپنے حقیقی معبود کے سوز فراق میں سربسجود ہوئے ہوئے اپنی ناتوانی اور کم مائیگی یاد کرکے روتا اور چلاتا ہوگا پھر وہ وقت آیا کہ اس محبوب حقیقی کی آواز کان میں ان الفاظ میں پڑی یا عبد القادر انی معک تحرست لک بیدی رحمتی وقدرتی انجیناک من الغم وفتناک فتونا انا ابدک اللازم انا محییک نفخت فیک من لدنی روح الصدق والقیت علیک محبۃ منی ولتصنع علی عینی بورکت یا احمد وکان ما بارک اللہ فیک حقا فیک شانک عجیب اجرک قریب الارض والسماء

کہ ہو سب کل برکت من محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اور میں محمد) یعنی اے عبد القادر میں تیرے ساتھ ہوں میں نے تیرے لیے اپنی رحمت اور قدرت کا درخت لگایا۔ اور میں نے تجھکو ہر ایک غم سے نجات دی۔ ہم نے تجھکو خوب آزما کر دیکھا اور تیری استقامت کو جانچا اب میں ہی تیرا لازمی چارہ ہوں اور میں ہی تیرے دردوں کا علاج ہوں اور میں ہی ہوں جس نے تجھے زندہ کیا میری اپنی طرف یہ صدق کی شان تجھ میں پھونکدی اور اپنی طرف سے تجھ پر محبت ڈالدی میں نے ایسا اسلیے کیا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے پرورش پائے اور میرے روبرو تیرا نشو و نما ہو اے احمد تجھی برکت دیگئی۔ اور وہ برکت تیرا ہی حق تھا تیری شان عجیب ہے اور تیرا اجر قریب ہے اور زمین و آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسا کہ وہ میرے ساتھ ہیں یہ تمام برکتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہیں۔

میرے آقا مہدی مسعود کے وجد کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ جس وقت یہ محبت بھرے الفاظ کان میں گونجے اور دل میں جاں گزیں ہوئے ہونگے دو جہان کے بادشاہ کا تسلی سے بھرا ہوا مکالمہ کیا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کے مفہوم کی تفسیر نہیں کرتا۔ دنیا کے ایک بادشاہ کی محبت آمیز گفتگو کیا حقیقت رکھتی ہے وہ بیچارہ تو اپنی بے ثباتی پر روتا ہے کسی اور کو کیا تسلی دے سکیگا دوستو! مالک الملک کے محبت بھرے کلمات تسلی آمیز الفاظ۔۔ رب کریم کے وعدہ کو کسی خاطر میں لانا اس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جو تیرہ سو سال ہو گئے اپنے حقیقی معبود کی محبت میں سرشار تھا حقیقی دوستانہ تعلق یہ ہوتا ہے جو صرف تیرہ سو برس کی بھی نہ مٹ سکے اس دنیا کے تعلقات تو تم نے دیکھ لئے کہ آج جس کے لیے محبت کا اظہار ہو رہا ہے کل اسکا خیال تک بھی نہیں آج جس کے ساتھ دوستی کی گرہ بندھ رہی ہے کل ذرا جھٹکا تو وہ گرہ کاٹ بھی دی جاتی ہے آج جسکی ثناخوانی میں مبالغے ہو رہے ہیں تو کل اس کی مبالغہ آمیز ہجو بھی ہو رہی ہے آج جس کے آگے سر جھکے دست بستہ دو زانو ہوتے ہیں تو کل اسکے سامنے نہایت شوخی سے

تنگی و ترشی کی جواب دیا جاتا ہو اس دنیا کے بے بنیاد تعلقات کا تو یہ حال ہے مگر حقیقی تعلق تو وہ تعلق ہے جسکے توڑنے کی کوشش میں دنیا ایکطرف ہو جاتی ہو اور کیا مجال کہ وہ ٹوٹ بھی جائے اس میں شک نہیں کہ اس حقیقی تعلق کی گرہ باندھنے میں تمام دیگر تعلقات توڑنے پڑتے ہیں اُلٹنا پڑتا ہو خویش و اقارب کو چھوڑنا پڑتا ہو اور نہایت خطرناک دردناک شدائد و مصائب کا سامنا پڑتا ہو غرضیکہ اپنے ہاتھوں سے اپنی شاہ رگ پر چھری کی تیز دھار بلکہ اس محبوب کے صرف اشارہ کا انتظار کرنا پڑتا ہو اور تب جاکر اس حقیقی تعلق کی گرہ مضبوط ہوتی ہے اور مضبوط بھی ایسی ہوتی ہو کہ ابد الاباد تک ٹوٹنے کی نہیں ہوتی جیسا کہ اس کی کہانی آج ہم نے مشاہدہ کی کہ ایک شخص مدت سے اپنے حقیقی محبوب کی محبت کے دھوئیں گریہ زاری کرتا ہو تڑپتا ہے کسی طرح سے چین نہیں آتا اسکی طلب نے اپنا کر دیا اور گمنامی میں معدوم کر دیتا ہے آخر وہ محبوب اسے بلاتا ہے مگر ساتھ ہی یہ احسان بھی جتا دیتا ہے

کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ تمام برکتیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سے ہیں۔ فداہ نفسی و ابی و امی۔ (باقی آئندہ) (سید ولی اللہ شاہ)

حاشیہ۔ خویش و اقارب کے چھوڑنے سے مراد نہیں کہ گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ جاؤ جیسا کہ بعض نادان صوفی کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنے خویش و اقارب کی محبت پر مقدم کرو دیگر جس کسی قسم کا تعلق رکھتا ہے یا اپنی خدمت کرتا ہے تو صرف اس لیے کرو کہ خدا کا یہ حکم ہے ایسا ہی اگر اپنے نفس کو کھانا پلاتا ہے تو صرف اسی غرض سے کہ خدا تعالیٰ کے احکام بجا لانے کے قابل ہو سکے حقیقی مسلمان کی رفتار اور اس کا کاروبار میں عمل ہو یہ ہو [illegible] قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ بیشک میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت اسی اللہ ہی کے لیے ہو جو رب العالمین ہے۔ مرزا

رجسٹرڈ دہلی نمبر [illegible]

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کی شائع کی ہوئیں مجرب دوائیں جو ۲۶ برس سے تمام ہندوستان میں استعمال ہو رہی ہیں

کھانسی کی دوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دمہ و ریاح کی دوا

[illegible]

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ و ۶ تاراچند دت سٹریٹ کلکتہ